نواز شریف کی کہانی اُن کی زبانی

غدّار کون؟

سہیل وڑائچ

سابق وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف لندن میں سہیل وڑائچ سے
اپنی زندگی اور سیاست کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کر رہے ہیں۔

غدّار کون؟ میں سابق وزیر اعظم نواز شریف نے اپنی زندگی اور سیاست کے حوالے سے تاریخ کے بہت سے چھپے ہوئے رازوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ سہیل وڑائچ نے اس کتاب کے حوالے سے میاں نواز شریف کی گفتگو ریکارڈ کرنے اور ان سے متنازعہ اور اہم سیاسی سوالات پوچھنے کے لئے جہاں سعودی عرب اور برطانیہ کے سفر کئے، وہاں مختلف مراحل میں ملک کے اندر رونما ہونے والے سیاسی اور سماجی واقعات پر ان کی سوچ اور افکار جاننے کے لئے ٹیلی فون پر بھی مسلسل رابطہ رکھا۔ تین سالوں کی ملاقاتوں اور رابطوں کے بعد اس کتاب کی اشاعت ممکن ہوئی ہے۔

غدّار کون؟ نواز شریف کی کہانی ان کی زبانی، میں میاں محمد نواز شریف کے بچپن، خاندانی حالات، ان کی سیاسی زندگی کے آغاز، نشیب و فراز، سیاسی خیالات، فوج کے ساتھ ان کے تعلقات، بھارت سے دوستی کے آغاز، کارگل کے واقعات، جنرل مشرف سے اختلافات، ان کی گرفتاری اور سعودی عرب کے شاہ عبداللہ کی ان کی رہائی میں دلچسپی، جلاوطنی اور سعودی عرب و لندن کے حالات شامل ہیں۔ یہ سب کہانی ان کی اپنی زبان میں ہے۔ بہت سے گوشوں کی نشان دہی کیلئے میاں شہباز شریف، بیگم کلثوم نواز، حسین نواز، حسن نواز شریف، کیپٹن صفدر اور ملٹری سیکرٹری جاوید ملک کے انکشاف انگیز انٹرویوز بھی کتاب کا حصہ ہیں۔ تاریخ کے سربستہ راز پہلی دفعہ آپ کے سامنے ہیں۔............!!

ساگر پبلشرز
A-7، لوئر مال، داتا دربار روڈ لاہور فون: 7230423

غدار کون؟

نواز شریف کی کہانی ان کی زبانی

مصنف

سہیل وڑائچ

ساگر پبلشرز

A-7 لوئر مال، داتا دربار روڈ، لاہور

فون:۔ 042-7230423

نام کتاب	غدار کون؟ (نواز شریف کی کہانی ان کی زبانی)
مصنف	سہیل وڑائچ
تاریخ اشاعت	جون 2006ء
ناشر	ساگر پبلشرز، A-7 لوئر مال، داتا دربار روڈ، لاہور
	فون:۔ 042-7230423
کمپیوٹر کوڈ	1S126
قیمت	-/900 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7247350 -7220479

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-2210212-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Our web:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

انتساب!!

آئینِ پاکستان کے نام!
جس کی حرمت بار بار پامال ہوتی رہی......
اس کے باوجود آج بھی آئین ہی وہ واحد امرت دھارا ہے
جس پر سب صوبے، سب پارٹیاں اور سب "حلف اٹھانے والے"، متفق ہو سکتے ہیں
کاش! آئین کی حرمت کا تحفظ مقدس روایت بن جائے

عرض ناشر

میاں محمد نواز شریف بلاشبہ ایک ذات ہی نہیں، پاکستان کی سیاست کی تاریخ کا ایک عہد ہیں۔ پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کے مردہ جسم میں جان ڈالنے والے قائد، اسلام اور پاکستان کا درد رکھنے والے مسلمان اور محبِ وطن، قوم کی فلاح و بہبود کا جذبہ رکھنے والے لیڈر اور دنیا میں پاکستان کو پہلی اسلامی نیوکلیئر پاور بنانے والے حکمران۔

میاں صاحب کے بارے بہت کچھ کہا اور سنا جاتا ہے۔ وہ کیسے تھے؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ ایک صنعتکار سے وزیر اعظم تک کا سفر کوئی معمولی سفر نہیں۔ عزم مصمم، عمل پیہم اور جہد مسلسل کی پوری تاریخ اور داستان ہے۔ میاں صاحب کو جلاوطن ہوئے سات سال بیت گئے ہیں۔ موجودہ حکومت نے ملک کی سیاست اور معیشت کو ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا ہے جہاں ہر شہری تشویش اور بے یقینی میں مبتلا ہے اور نجات دہندہ کے انتظار میں ہے۔

ادارہ ساگر پبلشرز کا مطمع نظر صرف ادب کی ترویج ہی نہیں، ملک کی تاریخ، سیاست، معیشت، معاشرت وغیرہ پر عمدہ اور معیاری مواد فراہم کرنا بھی ہے۔ تاکہ ہماری قوم میں اچھے اور ذمہ دار شہری بننے کا شعور بیدار ہو۔ محترم سہیل وڑائچ صاحب میاں محمد نواز شریف صاحب کے دور اقتدار میں ان کے ناقدین میں سے تھے اور انہوں نے میاں صاحب کو قریب سے دیکھا، ان کے کئی ایک انٹرویو کیے اور ان سے ایک تعلق خاطر رہا۔ شب و روز کی عرق ریزی کے بعد جو کتاب ترتیب دی وہ ''غدار کون؟'' کے عنوان سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

سہیل وڑائچ صاحب نے بڑی خوبصورتی اور عمدگی سے نواز شریف صاحب کی زندگی کے جملہ گوشوں کا احاطہ کیا ہے۔ بچپن، شباب، تعلیم، کردار، صنعت کاری، قیادت، سیاست سب پہلوؤں کو زیر بحث لائے ہیں۔ یہ ایک پہلو سے میاں نواز شریف کی سوانح عمری ہے اور دوسرے پہلو سے ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اس میں آپ کے ذہن میں ابھرنے والے بہت سے سوالوں کے شافی جواب ہوں گے۔

ہم دیوان کریم پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ بھیرہ شریف کے از حد ممنون ہیں جنہوں نے ہمارے اس کام کو سراہا اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ پاکستان مسلم لیگ کے لئے پیر صاحب اور آپ کے خاندان کی گرانقدر خدمات پاکستان کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ پاکستان مسلم لیگ کے ساتھ آپ اور آپ کے خاندان کی وابستگی صرف اسلام اور پاکستان کے لئے ہے۔ چنانچہ اس جرم وفا کی پاداش میں کئی مرتبہ آپ کو مصائب سے گزرنا پڑا۔ حتیٰ کہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ سنت یوسفی بھی ادا کی اور پس زنداں ہوئے۔ میاں صاحب سے تعلق کی بنیاد بھی اسلام اور پاکستان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتلاء کے اس دور میں بھی انہوں نے میاں محمد نواز شریف کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

ہم ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور کے ایم ڈی جناب صاحبزادہ الحاج محمد حفیظ البرکات شاہ کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے کتاب کی ترتیب اور طباعت کے ہر مرحلہ میں ہماری بھرپور راہنمائی فرمائی، اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور عملی معاونت فرمائی۔ اگر ان کا تعاون شامل حال نہ ہوتا تو یہ تاریخی کام اس قدر حسن وخوبی سے انجام نہ پاتا۔ ہم جناب اختر صاحب مالک التصویر اور ذوالفقار بلتی صاحب کے مشکور ہیں جنہوں نے ہمیں بیشتر قیمتی تصاویر مہیا کیں۔

امید ہے آپ کو ہماری یہ کاوش پسند آئے گی۔

ساگر پبلشرز، لاہور

یہ کتاب کیوں؟

نواز شریف شاید پاکستان کی واحد سیاسی شخصیت ہیں جن کی زندگی، سیاست اور کامیابیوں و ناکامیابیوں کے بارے میں ان کے مخالف تو کجا دوست اور شناسا بھی مکمل طور پر آگاہ نہیں ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ میاں نواز شریف کے چاہنے والے، ماننے والے یا پھر اختلاف کرنے والے سبھی ان کے بارے میں جو تاثر یا معلومات رکھتے ہیں وہ یکسر غلط نہ بھی ہوں تو نامکمل اور ادھوری ضرور ہیں۔ میاں نواز شریف جتنی دیر تک پاکستانی سیاست میں سرگرم رہے میرا اشمار ان کے ناقدین میں ہوتا تھا بطور صحافی ان سے کئی بار ون ٹو ون یا پھر پریس کانفرنس یا سیاسی وسماجی مجالس میں ملاقاتیں تو ہوئیں لیکن کبھی بھی انہیں قریب سے جانچنے اور اعتراضات کا جواب حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے تو میں روزنامہ جنگ کے سیاسی رپورٹر کی حیثیت سے ان کی کوریج کرتا تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں ان کے اندازِ سیاست اور پالیسیوں کا معترف نہ ہو سکا۔ میاں نواز شریف دائیں بازو کے لیڈر کے طور پر آگے سے آگے بڑھتے رہے اور پھر وہ سیاست کی سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے وزیر اعظم کے عہدے تک پہنچ گئے۔ سیاست میں اتار چڑھاؤ آتے رہے لیکن بالآخر وہ دوسری بار وزیر اعظم بنے تو ان کی "روزنامہ جنگ" سے جنگ ہوئی اتفاق یہ تھا کہ میرا نام بھی ان 14 صحافیوں میں شامل تھا جن کو اخبار سے نکلوانے کی کوشش کی گئی کسی نہ کسی طرح یہ معاملہ تو ٹل گیا لیکن تقدیر کا پہیہ گھومنے سے نہ رک سکا اور یوں 12 اکتوبر 1999ء کو میاں نواز شریف کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ جیل، مقدمات اور مشکلات سے رہا ہو کر وہ سعودی عرب پہنچے تو میرے صحافیانہ تجسس نے مجبور کیا کہ میں میاں نواز شریف کے حالات اور واقعات کو جانوں۔ میرے شفیق اور مخلص دوست سہیل ضیاء بٹ نے میری حوصلہ افزائی کی اور یوں ایک دن امریکہ جاتے ہوئے عمرے کے لئے سعودی عرب پہنچا تو بٹ صاحب نے میری نواز شریف سے ملاقات کروا دی۔ ملاقات کا آغاز تو خوشگوار نہ تھا تاہم دو تین ملاقاتوں اور تلخ و شیریں مکالموں نے ان سے ایک نئے تعلق کی بنیاد رکھ دی۔ یہ تعلق ایک غیر جانبدار صحافی اور ایک سیاستدان کا تعلق ہے جس میں صحافی کی خواہش ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اطلاعات

لوگوں تک پہنچائے کیونکہ اس کا فرض منصبی یہی ہے۔

اس کے بعد میاں نواز شریف سے سعودی عرب اور لندن میں بے شمار ملاقاتیں ہوچکی ہیں ہر ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوتا کہ میاں نواز شریف کی شخصیت سیاست اور زندگی کے بیشتر پہلو لوگوں سے چھپے ہوئے ہیں انہیں لوگوں کے سامنے لانا اور سیاست کے تہہ در تہہ واقعات کے بارے میں ان کے موقف کو جاننا پاکستانی سیاست کی نامکمل تصویر میں کچھ نئے رنگ سمونے کے مترادف ہوگا۔ چنانچہ 2003ء میں، میں نے اس کتاب کا آئیڈیا میاں نواز شریف کے سامنے رکھا۔ کافی تذبذب کے بعد وہ اپنی روایتی کشادہ دلی کے سبب آمادہ ہوگئے اور انٹرویوز کا سلسلہ شروع ہوگیا بعد ازاں اپنی طبیعت کے شرمیلے پن، دیگر تحفظات اور بعض لوگوں کے مشوروں کی وجہ سے انہوں نے کئی بار مجھے اس کتاب کی اشاعت کو ملتوی کرنے کو کہا۔ ایک طرف تو کتاب میں التواء ہوتا رہا دوسری طرف اس تاخیر سے مجھے اور ملاقاتوں کا موقع ملتا رہا اور ساتھ ہی مجھے مزید باتیں جاننے اور انٹرویوز ریکارڈ کرنے کا موقع ملتا رہا۔ بالآخر اپریل 2006ء میں لندن میں ان سے ایک ماہ پر محیط درجنوں نشستوں کے دوران کتاب کا مسودہ دیکھنے کے بعد وہ کچھ پسیج گئے۔ بیگم کلثوم نواز اور حسن نواز نے بھی کتاب کا ابتدائی مسودہ دیکھا تب کہیں تین سال پر پھیلی اس محنت کی تکمیل ممکن ہونی شروع ہوئی۔

''غدار کون؟ نواز شریف کی کہانی، ان کی زبانی'' میں ہر وہ سوال جاننے کی کوشش کی ہے جسے عام پاکستانی جاننا چاہتا ہے۔ نواز شریف کی زندگی کے حالات اور سیاست کے حوالے سے ہر وہ اعتراض یا الزام بھی ان کے سامنے رکھا گیا جو ماضی میں یا اب ان کے خلاف اٹھایا جاتا رہا ہے۔ ان کے سیاسی فیصلوں، تجزیوں، کارگل، جنرل مشرف اور فوج کے بارے میں بھی تلخ وشیریں سوالات کیے گئے ان کے جوابات سے بہت سی نامکمل داستانیں مکمل ہوجائیں گی اور بہت سے ادھورے واقعات کا کم از کم ایک رخ پورے کا پورا سامنے آجائے گا۔ اب یہ دیگر مورخین کی ذمہ داری ہے کہ دوسرا رخ بھی سامنے لے کر آئیں۔ میاں نواز شریف سے وابستہ بیگم کلثوم نواز، میاں شہباز شریف، حسین نواز شریف، حسن نواز شریف، ملٹری سیکرٹری جاوید ملک اور کیپٹن صفدر سے بھی ہر وہ بات جاننے کی کوشش کی گئی ہے جس سے میاں نواز شریف کے عہد، ان کے مشکل دور اور جلاوطنی کے بارے میں مکمل تفصیل سامنے آجائے۔

میاں نواز شریف اقتدار میں تھے یا جیل میں، یا اب بقول ان کے وہ پردیسی ہیں ان کی زندگی کے بہت سے واقعات کے گرد ہمیشہ سے پر اسراریت کا ہالہ قائم رہا ہے کسے علم ہے کہ ایک غیر سیاسی صنعت کار نوجوان اچانک سیاست میں کیسے آگیا؟ یا پھر کون جانتا ہے کہ بڑے بڑے نامور

لوگوں کی موجودگی میں، نواز شریف نے کیا گر استعمال کیا کہ وہ وزیر اعلیٰ پنجاب بن گئے یا پھر اس راز سے کون واقف ہے کہ نواز شریف نے کارزار سیاست میں ضیاء الحق، جونیجو، جتوئی اور پھر بے نظیر بھٹو، غلام اسحاق خان، جنرل اسلم بیگ، آصف نواز اور پرویز مشرف کے ساتھ کس کس طرح ڈیل کیا؟ غدار کون؟ میں ان سب سوالوں کے جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔

میاں نواز شریف کے بارے میں عام تاثر ہے کے وہ بھولے بھالے اور سیدھے سادھے انسان ہیں میرا تاثر عام لوگوں سے بالکل مختلف ہے میرے خیال میں وہ بہت گہرے آدمی ہیں ان کی بظاہر سادگی کے پیچھے بے پناہ ذہانت موجود ہے۔ وہ اپنے ہر ملاقاتی سے سادہ سادہ سوالات کر کے اس شخص کا تجزیہ کرتے ہیں جبکہ اپنے خیالات کا اظہار بہت سوچ سمجھ کر کرتے ہیں وہ بہت نفاست پسند اور ترتیب پسند ہیں انہیں میوزک سے گہری دل چسپی ہے وہ انسانوں سے محبت کرتے ہیں اور ان سے ملاقات میں کسر نفسی سے کام لیتے ہیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ نواز شریف معاملات کو سطحی طور پر دیکھتے ہیں جبکہ میرے خیال میں وہ بہت باریک بین ہیں اور ہر معاملہ کی گہرائی تک جاتے ہیں۔ اصل نواز شریف وہ نہیں ہیں جو بظاہر نظر آتے ہیں میرا تاثر ہے اصل نواز شریف نعرے باز سیاستدان یا جذباتی انسان نہیں بہت حقیقت پسندانہ تجزیہ کرنے والے شخص اور ساتھ ہی ساتھ وہ بہت ہی عملیت پسند بھی ہیں۔

نواز شریف سے انٹرویو کرنا بہت ہی مشکل اور صبر آزما ہے وہ بہت مشکل سے ''بات'' کرنے پر راضی ہوتے ہیں۔ روزمرہ کی گفتگو پر جتنا چاہے وقت صرف ہو جائے لیکن جب ریکارڈڈ انٹرویو کی بات ہو تو وہ کتراتے ہیں یا پھر شاید وہ انٹرویو کرنے والے کے جذبے، تحمل اور برداشت کو چیک کرتے رہتے ہیں جدہ میں 2003ء میں ایک ماہ سے زائد قیام اور بعد ازاں اپریل 2006ء میں لندن میں ڈیڑھ ماہ قیام کے دوران میری ان سے مسلسل ملاقاتیں ہوتی رہیں ان مسلسل ملاقاتوں ہی کے نتیجے میں اس کتاب کی تکمیل ممکن ہوسکی ہے۔

- ''غدار کون؟ نواز شریف کی کہانی ان کی زبانی'' کو روایتی کتابوں سے مختلف انداز میں شائع کیا جارہا ہے اہم نکات، سرخیاں، ذیلی سرخیاں، سوالات اور جوابات کا منفرد انداز یہ سب وہ نئی چیزیں ہیں جو کتاب کو ایک نیا صحافتی رنگ دیں گی اس انداز کو اپنانے کا مقصد قاری کو زیادہ سے زیادہ سہولت دینا ہے اس اندازِ ترتیب کے لئے میں اپنے ایف سی کالج کے استاد پروفیسر سلیم منصور خالد صاحب کا ممنون ہوں جنھوں نے ذاتی دل چسپی لے کر اس کتاب کی دل کشی میں اضافہ کیا اس کے اشاریے کی ترتیب بھی انہی کی کوششوں سے ممکن ہوسکی۔ میں جناب عطاء الحق قاسمی کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں

نے کتاب کے مسودے کو شروع سے آخر تک پڑھا انتہائی مفید مشورے دیئے حوصلہ افزائی کی اور ہر وقت میری رہنمائی کے لئے تیار رہے میں ان کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہوگا۔

اس کتاب میں میاں نواز شریف کی زندگی کے ہر پہلو کو چھونے اور جاننے کی کوشش کی گئی ہے لیکن حساس ترین موضوع ان کی اقتدار سے رخصتی ہی رہا اسی لئے کتاب کا نام اس موضوع کی مناسبت سے رکھا گیا ہے کارگل، پاکستان اور بھارت کے تعلقات، ایٹمی دھماکہ، پاک امریکہ تعلقات اور نواز شریف و جنرل مشرف کی سرد اور کھلی جنگ کی ساری تفصیل کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے نواز شریف گزشتہ کئی سالوں سے آرٹیکل 6 کی بات کر رہے ہیں اور وہ بار بار یہ کہتے ہیں کہ ان کا کوئی قصور نہیں تھا جب انہیں اقتدار سے رخصت کیا گیا اور ان کا یہ بھی اصرار ہے کہ وہ پہلے یہ طے کریں گے کہ غدار کون ہے پھر الیکشن میں حصہ لیں گے یا سیاست کریں گے اسی بنیادی نکتہ کے حوالے سے ہی کتاب کا نام رکھا گیا ہے۔

کتاب کے ناشر میجر (ر) پیرزادہ محمد ابراہیم آف بھیرہ شریف روایتی شکریے سے کہیں زیادہ کے مستحق ہیں کہ وہ تصاویر کے انتخاب، مسودے کے مختلف مراحل اور کتاب کی خوبصورتی کے لئے ہر مرحلہ پر مدد و معاون ثابت ہوئے یہاں یہ کہنا غیر ضروری نہ ہوگا کہ ان کے مرحوم والد جسٹس پیر محمد کرم شاہ آف بھیرہ کی روایتی خوش مزاجی اور علم دوستی ان کے صاحبزادگان میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ پیر محمد امین الحسنات شاہ، سجادہ نشین بھیرہ شریف کی مسلسل حوصلہ افزائی بھی کتاب کی ترتیب و اشاعت کے دوران شامل حال رہی۔

کتاب کی اشاعت ممکن نہ ہوتی اگر میری فیملی کے لوگ میرا دل نہ بڑھاتے اور میرے دیر سویر گھر آنے اور بار بار بیرون ملک جانے کو برداشت نہ کرتے بالخصوص میرے چچا خالد محمود وڑائچ اور ارشد محمود وڑائچ اور میری اہلیہ کا تعاون میرا حوصلہ بندھاتا رہا۔ یہ کتاب کبھی شروع نہ ہو پاتی اگر میرے مخلص دوست اور ساتھی سہیل ضیاء بٹ بار بار میری میاں نواز شریف سے ملاقاتوں کا اہتمام نہ کرتے۔ اس کتاب کا آئیڈیا بھی ان کا ہے اور کریڈٹ بھی انہیں ہی ملنا چاہئے۔

کتاب کی اشاعت و ترتیب کے مختلف مراحل میں ارشد جیلانی (جنگ) عمران یعقوب خان (جیو ٹی وی) عمان عزیز (اپنا ٹی وی) محمد عثمان (اے آر وائی ٹی وی دوبئی) اور صدف شیخ (فون بک) کا عملی تعاون حاصل رہا۔ کسی نے مسودہ پڑھا تو کسی نے پروف ریڈنگ کی سب کا شکریہ۔

اپنے ذاتی دوستوں طاہر چودھری (لندن)، فیصل عزیز (کراچی) راجہ عامر خان، منیر احمد خان، چودھری فواد، چودھری جہانگیر اختر اور بالخصوص عامر میر کا شکر گزار ہوں کہ قدم قدم پر ان کے

مشورے ملتے رہے اور انہی مشوروں سے کتاب کے حسن میں اضافہ ہوتا رہا۔ مظہر برلاس اور ذوالفقار بلتی نے تصاویر بہم پہنچائیں اور خوبصورت الفاظ سے حوصلہ بڑھایا۔

بیرون ملک سے بھائی جان محمد نعیم (نیویارک)، عظیم ایم میاں (نیویارک) آفاق خیالی (نیویارک)، اعجاز شاہ (نیویارک) حافظ محمود الحسن (ریاض، سعودی عرب) راجہ مطلوب (دوبئی)، خلیل الرحمٰن (نیویارک)، ڈاکٹر منظور اعجاز (واشنگٹن)، ساجد چودھری (نیویارک)، امجد نواز صدیقی، روحیل ڈار (نیویارک) میاں فیاض (نیویارک) اور بالخصوص دوبئی سے اختر خان گوپانگ بار بار کتاب کی اشاعت کے بارے میں دریافت کرتے رہے جس سے میرے جذبوں کو مہمیز ملتی رہی۔

امید ہے کتاب کا انداز بیان، معلومات اور انٹرویوز پسند کئے جائیں گے۔

سہیل وڑائچ

مئی 2006ء

swarraich@yahoo.co.uk

ابتدائی زندگی

☆ بچپن

☆ ہجرت

☆ والد سے غیر معمولی محبت

☆ تعلیم، تاریخ اور پسندیدہ ہیرو

☆ یادیں

☆ ناقابل فراموش حادثات

☆ ذاتی شوق

بچپن

- میری صحیح تاریخ پیدائش 25 دسمبر 1949ء ہے۔
- بچپن میں ضدی تھا، چیز نہ ملنے پر روٹھ جایا کرتا تھا۔
- کرکٹ بچپن سے اچھی لگتی ہے مولوی صاحب سزا دیا کرتے تھے۔
- والد صاحب مٹھی میں پیسے دباتے تھے میرے لئے مٹھی ڈھیلی چھوڑ دیتے تھے۔
- والد نے 1940ء میں منٹو پارک کے جلسے میں شرکت کی تھی۔
- والد صاحب علامہ اقبال سے ملتے رہتے تھے۔
- سکول میں سنجیدہ رہتا تھا شرارت کی شکایت کبھی گھر نہیں پہنچی۔

اصل تاریخ پیدائش

آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے 25 دسمبر کی تاریخ واقعی اصل ہے یا مشہور دن کی وجہ سے والدین کو یہی دن یاد ہے؟

نواز شریف: میری اصل تاریخ پیدائش 25 دسمبر 1949ء ہے، ایسا ہوتا رہا ہے کہ کہیں میری تاریخ پیدائش پر 1948ء لکھ دیا گیا۔ ایک جگہ پر 1947 بھی لکھا ہوا ہے لیکن میں پاکستان بننے کے دو سال بعد پیدا ہوا۔ کیونکہ پاکستان بننے کے تقریباً ایک سال بعد تو میرے والد صاحب کی شادی ہوئی تھی۔ یہ 1948ء کی بات ہے اور پھر میں 1949ء میں پیدا ہوا۔

آپ کا بچپن کیسا گزرا؟ آپ شرارتی قسم کے بچے تھے یا پھر سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے؟

نواز شریف: بچپن (توقف کرتے ہوئے) اصل میں مجھے اپنے بچپن کی شروع کی باتیں تو یاد نہیں ہیں لیکن بڑوں ہی سے سنتا آیا ہوں۔ وہ ہی کہتے ہیں کہ میں تھوڑا سا ضدی تھا۔ بعض چیزوں پر جلدی خوش بھی ہو جاتا تھا اور جلدی ناراض بھی ہو جاتا تھا۔ (مسکراتے ہوئے) میرے اندر ضد کا عنصر بڑا پایا جاتا تھا۔ کوئی چیز پسند آ جاتی تو بس لے کر ہی چھوڑتا۔

کیا والدین آپ کی ضد پوری کرتے تھے؟

نواز شریف: کئی دفعہ نہیں بھی کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ کئی دفعہ وہ میری بات نہیں مانتے تھے۔ اب مجھے بتاتے ہیں کہ تم ناراض ہو جاتے تھے اور روٹھ جاتے تھے۔ پھر ہمارے ساتھ بات کرنا چھوڑ دیتے تھے۔

کھیلوں سے دلچسپی

بچپن میں کون سے کھیل شوق سے کھیلتے تھے؟

نواز شریف: مجھے بچپن ہی سے کرکٹ کا شوق تھا اور پھر چونکہ ہم لاہور شہر میں رہتے تھے۔ ریلوے روڈ ایک جگہ ہے جہاں میں پیدا ہوا ہوں اور یہ روڈ ریلوے کے ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ کے ساتھ واقع ہے، ریلوے سٹیشن سے جب آپ اسلامیہ کالج کی طرف آئیں تو اس سے پہلے ایک چوک دالگرہ آتا ہے اس سے سیدھے ہاتھ مڑ کر 90 ریلوے روڈ پر ہمارا گھر تھا۔ جو کہ ہمارے آباؤ اجداد نے 1930ء میں بنایا تھا۔ ماشاء اللہ اس کی شکل ایک حویلی نما تھی۔ وہیں میری تربیت ہوئی۔ سب سے پہلے تو میں نے کانونٹ جوائن کیا۔ کنڈرگارٹن میں نے کانونٹ سے کیا، کانونٹ سے پھر سینٹ انتھونی سکول میں داخلہ لے لیا، اللہ کے فضل سے میری سکولنگ بڑی اچھی ہوئی۔

سکولنگ اچھی ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے؟

نواز شریف: سکولنگ سے میری مراد ہے کہ دونوں ہی سکول جن میں میں نے تعلیم حاصل کی، بڑے اچھے تھے۔

وہاں کن مضامین میں دلچسپی رہی؟

نواز شریف: میں نے دوسری جماعت میں سینٹ انتھونی جوائن کیا تو مضامین تو ظاہری بات ہے کہ سارے انگلش میڈیم ہی تھے۔

مشنری سکول ہونے کے حوالے سے ان کو کیسا پایا؟ کیا وہاں مذہبی تعصب کا احساس تو نہیں ہوا؟

نواز شریف: میرا خیال ہے کہ اس میں ہم نے کبھی سکول میں کوئی چیز نہیں دیکھی جو کہ مذہب کے خلاف ہو یا ہماری اقدار کے منافی ہوں یا جو ہمارے اسلامی کلچر یا روایات یا ہمارے اسلامی معاشرے کے متضاد ہوں۔ بلکہ وہاں پر اسلامیات کا مضمون ہوتا تھا۔ اسلامیات کے ہمارے بڑے اچھے استاد تھے۔ جو بہت نیک انسان تھے۔ وہاں اردو کے جو استاد تھے، وہ تھے تو کرسچین لیکن ہم سب بچوں کو بڑا پیار کرتے تھے۔ وہاں پر زیادہ تر اساتذہ کرسچین تھے لیکن انہوں نے کبھی کوئی تفریق نہیں کی۔ سکول سے ہی میں خاصا مضبوط اور سخت تھا۔ بچپن ہی سے ایکسر سائز کی عادت رہی۔ میں کرکٹ میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔ ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ جو کہ ریلوے روڈ پر واقع تھا وہاں پر کرکٹ گراؤنڈ ہوتی تھی جہاں پر جا کر ہم کھیلتے تھے۔ تو وہیں سے شوق پیدا ہوا۔ وہاں اردگرد کے لوگوں کے ساتھ ہم کھیلتے تھے۔ اس لئے کھیل کے لحاظ سے کرکٹ کی طرف زیادہ توجہ رہی۔

تعلیم میں آپ کیسے تھے؟ لائق، نالائق یا اوسط درجے کے طالب علم؟

نواز شریف: تعلیم میں میں اچھا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا تعلیمی کیریئر کبھی بھی برا نہیں رہا۔ کئی دفعہ کلاس میں سیکنڈ آتا۔ کبھی پوزیشن دسویں بھی آجاتی۔ لیکن اس کے باوجود میں کبھی پندرہویں پوزیشن سے نیچے نہیں گیا۔ صرف ایک دفعہ تیرہویں پوزیشن آئی تھی لیکن زیادہ تر سیکنڈ یا تھرڈ آتی تھی۔ فرسٹ پوزیشن تو خیر کبھی نہیں آئی۔ مثال کے طور پر مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے کہ جب میں چوتھی میں تھا تو سیکنڈ آیا تھا۔ میجر شبیر شریف شہید مجھ سے تین، چار سال سینئر ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ آپ کے ساتھ کون سے کلاس فیلو تھے جن کے ساتھ بعد میں بھی تعلقات رہے ہوں؟

نواز شریف: میرے ساتھ سکول میں نعیم بخاری، عارف نظامی تھے جو کہ مجھ سے دو تین سال سینئر تھے۔ سلیم الطاف تھے جو کافی سینئر تھے۔ کئی لوگ جو اس وقت سیاست اور دوسرے میدانوں میں نمایاں ہیں، میرے کالج میں کلاس فیلو تھے۔

اچھا یہ بتائیں کہ سکول کے زمانے میں کوئی شرارت کی یا کبھی سزا ملی؟

نواز شریف: نہیں، بنیادی طور پر میں شریف بچہ تھا۔ میں بہت سنجیدہ ہوتا تھا۔ کوئی شرارت نہیں کرتا تھا۔ سکول میں بھی کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں ہوئی کہ جس سے گھر والوں کو تشویش ہو۔

والد کی ڈانٹ

والد صاحب سے کیا تب ڈانٹ ڈپٹ ہوتی تھی؟

نواز شریف: جی ہاں، والد صاحب کئی چیزوں پر ڈانٹ دیتے تھے۔ اور پھر والدہ صاحبہ پیار کرتی تھیں۔ وہ ہی تسلی دیتی تھیں۔ اور سمجھاتی تھیں۔ لیکن والد صاحب زیادہ تر ہمارے ساتھ سنجیدہ رویہ ہی رکھتے تھے۔

اچھا سکول کے زمانے میں بھی کبھی سیاست کا خیال آیا یا کبھی اس طرف آنے کا سوچا تھا؟

نواز شریف: نہیں نہیں، سکول کے زمانے میں تو سیاست سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ بس ناموں کی حد تک معلومات تھیں کہ یہ ایوب خان ہے یا یہ فلاں سیاست دان ہے۔

دینی تعلیم

کیا آپ نے دینی تعلیم بھی حاصل کی؟

نواز شریف: اصل میں ہم نے بہت ہی بچپن سے قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا تھا اور ہم تب بہت چھوٹے تھے جب قرآن شریف ختم بھی کر لیا تھا۔ پھر کئی دفعہ پڑھا اور ختم کیا۔ مجھے یاد ہے کہ وہ مولوی صاحب بڑے اچھے انسان تھے جو ہمیں پڑھاتے تھے۔ وہ یوپی کے رہنے والے تھے۔ ریلوے روڈ کے ساتھ ایک احاطہ تھا، رشی بھون وہ وہاں رہتے تھے۔ بہت ہی عمدہ انسان ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن بھی تھے۔ جب بھی ہم کبھی قرآن پاک کو صحیح طرح سے نہ پڑھتے تو انہوں نے ایک پنسل رکھی ہوئی تھی۔ جس کو وہ ہماری دو انگلیوں کے درمیان رکھ کر زور سے دباتے تھے۔ اس وقت بڑا درد بھی ہوتا لیکن اس کے علاوہ انہوں نے بڑے پیار سے پڑھایا۔ پھر جب ہم کبھی غلطی کرتے تو اس طرح سے سزا بھی دیتے تھے۔

مذہب کا تصور آپ نے کیسے اور کہاں سے حاصل کیا؟

نواز شریف: ہمارے گھر کا ماحول خاصا دینی تھا۔ میرا مطلب ہے کہ وہاں بچپن سے ہی اللہ کے فضل سے دینی تعلیم ہمیں دی جاتی تھی۔ ہمارے گھر میں دین سے تعلق رکھنے والے لوگ خاصا آتے جاتے تھے، خواتین اور مردوں کی محفلیں اور مجالس ہوتی تھیں جہاں دین پر لیکچر ہوا کرتا تھا۔ تو گھر میں بھی جب والدین صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوں قرآن شریف باقاعدگی سے پڑھتے ہوں جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میرے والد صاحب قرآن پاک صبح صبح بلند آواز میں پڑھتے تھے اور الحمدللہ پورے گھر میں ان کی آواز آتی تھی۔ سب گھر والے ان کی آواز سنتے تھے جو وہ بڑی ترنم سے تلاوت کرتے تھے تو اس کا گھر کے ماحول پر بڑا اثر پڑتا ہے اور یہی اثر ہمارے گھر پر بھی پڑا تھا۔

بچپن کی یادیں

جیسا کہ پرانے زمانے کا تصور تھا کہ والد اپنی اولاد کے سامنے محبت کا اظہار نہیں کرتے تھے تو کیا اس طرح کا رویہ آپ کے ساتھ بھی روا رکھا جاتا تھا؟

نواز شریف: وہ پڑھائی کرنے پر حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ گھر میں بھی انہوں نے ٹیوشن لگوا کر دی ہوئی تھی۔ ٹیچر گھر آ کر پڑھاتے تھے۔ اور پھر وہ اس حوالے سے بھی حوصلہ افزائی کرتے تھے کہ میں کسی صحت بخش کھیل کود میں حصہ لوں۔ بلکہ وہ تو مجھے ایکسر سائز کی ترغیب دیتے تھے۔ سیر پر ساتھ لے کر جاتے تھے پھر مجھے دوڑاتے تھے، ایکسر سائز کرواتے تھے۔ وہ صحت بخش کھیلوں میں حصہ لینے پر زور دیتے تھے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ میں ان کے ساتھ باقاعدگی سے باغ جناح جایا کرتا تھا۔ وہاں میں جاگنگ کرتا۔ اس کے علاوہ چھٹی والے دن یا اتوار کے اتوار وہ ہمیں اپنی فیکٹری کوٹ لکھپت لے کر جاتے تھے، ساری فیملی ان کے ہمراہ ہوتی تھی۔ وہاں پر کھیت تھے، ڈیری فارم تھے، یہ تب کی بات ہے جب یہ فیکٹری ابھی نیشنلائز نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اتوار کے دن وہ چار آنے اور آٹھ آنے کے سکے لے کر مٹھی میں بند کرتے اور ہمیں کہتے کہ مٹھی کو کھولو۔ اگر ہم مٹھی کھول لیتے تو وہ سکے ہمارے ہو جاتے تھے۔ ایک روپیہ کا سکہ ان دنوں نہیں تھا۔ تو ہم اپنا پورا زور لگا دیتے تھے۔ (ہنستے ہوئے) کئی دفعہ ان کے ہاتھ پر نشان پڑ جاتے تھے۔ کئی دفعہ وہ کہتے تھے کہ بڑے گدھے ہو تم لوگوں نے میرے ہاتھ پر سارے ناخن مار دیئے ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی عباس جب مٹھی نہ کھول پاتا تو یہی کہتا کہ جو آپ کی مٹھی میں ہے وہ مجھے دے دیں ورنہ میں آپ کی قمیص پھاڑ دوں گا۔ (ہنستے ہوئے) اس وقت ہم سب بھائی ایک ہی جگہ پر، ایک ہی کمرے میں ایک ہی بیڈ پر والد صاحب کی مٹھی سے سکے کھینچنے کی کوشش کرتے

تھے۔ یہ سب کچھ باری باری ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر اگر پہلے میں نے مٹھی کھول لی ہے تو سارے پیسے میرے ہو جاتے تھے اور اگلی دفعہ شہباز کی باری ہوتی تھی۔ اس کے بعد پھر عباس کی باری آتی تھی۔

اس سلسلے میں زیادہ کامیابی کس کو ملتی تھی اور کون سب سے زیادہ سکے کھینچ لیتا تھا؟

نواز شریف: (ہنستے ہوئے) ظاہر ہے کہ میں ہی ہوتا تھا یا ممکن ہے کہ میری حوصلہ افزائی کے لئے والد صاحب اپنی مٹھی میرے لئے زیادہ آسانی سے کھول دیتے ہوں۔

جیب خرچ

کیا آپ کو بچپن میں جیب خرچ ملتا تھا؟ اگر ملتا تھا تو اس کا کیسے استعمال کرتے تھے؟

نواز شریف: بچپن میں روزانہ چار آنے جیب خرچ ملتا تھا والد صاحب کی دی گئی پاکٹ منی روزانہ ختم ہو جاتی تھی اس زمانے میں پیپسی اور کوک کی بوتل دو آنے میں مل جایا کرتی تھی جب 8 آنے جمع ہو جاتے تھے تو ہم ریگل چوک پر معراج دین کے چنے کھانے جاتے تھے میرا اب بھی معراج دین سے رابطہ ہے چند دن پہلے پتہ چلا کہ معراج دین آج کل ریڑھی نہیں لگا رہا اس کی خیریت معلوم کروائی ہے۔

والد کے یادگار واقعات

بچپن میں کس قسم کے قصے کہانیاں سنا کرتے تھے؟

نواز شریف: والد صاحب اپنے بچپن کے قصے کہانیاں، بزنس کے واقعات بڑے شوق سے سناتے تھے کہ کس مرحلے پر کیا واقعہ پیش آیا؟ مثلاً یہ 1950ء کی بات ہے جب ہم اپنی فیکٹری کوٹ لکھپت میں لگانے کے بارے میں سوچ رہے تھے تو انہوں نے اپنے بڑے بھائی کو کہا کہ آپ جا کر حویلیاں سے لکڑی لے کر آئیں۔ یہ جگہ جہلم کے پاس تھی۔ جب وہ ٹرین میں بیٹھ کر جہلم کے پاس پہنچے تو ان کی رقم جو تقریباً ایک لاکھ تھی جو کہ آج کے 10 کروڑ کے برابر ہو گی۔ ڈاکو لوٹ کر لے گئے۔ میرے والد صاحب اگلے ہی دن وہاں پہنچے۔ پولیس کو سارا واقعہ بتایا۔ پولیس نے گاؤں میں ڈاکوؤں کی تلاش شروع کی۔ آخر وہ پکڑے گئے۔ پولیس نے ان سے پیسے نکلوا کر ہمیں دیئے، میرے والد صاحب اس طرح کے واقعات بڑی دلچسپی سے سناتے تھے، جو سمجھتے تھے کہ ان بچوں کو ہماری ساری تاریخ اور بیک گراؤنڈ کا پتا ہونا چاہیے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہماری اولاد کو ان کے بچپن کے حالات و واقعات کا پورا علم ہونا

چاہیے۔ کہ ہمارے والدین کن حالات سے گزرے ہیں۔ والدِ صاحب نے بتایا کہ لاہور انہوں نے پہلے مسلم ہائی سکول میں تعلیم حاصل کی۔ پھر امرتسر آ کر خالصہ کالج میں داخلہ لے لیا۔ اس کے بعد انہوں نے بزنس شروع کیا۔ میرے والد بتایا کرتے تھے کہ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ان کی ملاقات ہوئی۔ یہ ملاقات صرف ایک دفعہ نہیں بلکہ دو تین دفعہ ہوئیں۔ میرے والد صاحب ان کے گھر جا کر ان سے ملتے تھے۔ انہوں نے 1940ء میں منٹو پارک میں قائداعظم کے جلسے میں بھی شرکت کی۔ وہ یہ سارے واقعات اس لئے سناتے تا کہ ان کی اولاد کو پتا ہو کہ وہ زندگی میں کن کن مراحل سے گزر کر اس مقام تک پہنچے ہیں۔
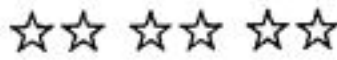
ہجرت

- جاتی عمرا میں ہمارا واحد مسلمان گھرانہ تھا
- غیر مسلم ہمارے گھرانے سے مذہب کی تفریق نہیں رکھتے تھے۔
- میرے آباؤ اجداد کی زمینداری چھوٹی اور محدود تھی۔
- ہمارے خاندان کے ہندو اور سکھوں کے ساتھ مخلصانہ تعلقات تھے۔
- 1965ء میں پہلی دفعہ والد اور چچا کے ساتھ جاتی عمرا جا کر دیکھا تھا۔
- میرے والد 1930ء میں لاہور آئے اور 1937ء میں انڈسٹری لگائی۔

والدین کی ہجرت

میاں صاحب! آپ کی فیملی جاتی عمرا سے ہجرت کر کے لاہور آئی، جاتی عمرا کے حوالے سے آپ تک کون سی یادیں پہنچی ہیں؟

نواز شریف: میرے والد صاحب جاتی عمرا کے رہنے والے تھے۔ جو کہ امرتسر سے تقریباً 20 کلومیٹر دور ہے۔ یہ تحصیل ترن تارن تھی۔ اصل میں جاتی عمرا ایک گاؤں تھا جس میں اکثر گھر سکھوں کے تھے۔ شاید آپ کو اس بات کا علم نہ ہو کہ اس پورے گاؤں ہمارا واحد مسلمان گھرانہ تھا۔ ہمارے آباؤ اجداد کی زمینداری بہت چھوٹی اور محدود تھی۔ میرے دادا جان جن کا نام محمد رمضان تھا، نے بڑی محنت کر کے اپنی اولاد کو پالا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا سکھوں کے اندر رہتے ہوئے اپنی اسلامی اقدار کو برقرار رکھنا اور پھر اپنی اولاد کی اس ماحول کے اندر پرورش کرنا ایک بڑا اہم کارنامہ تھا۔

غیر مسلموں سے تعلقات

آپ کے آباؤ اجداد کے سکھوں اور ہندوؤں سے کیسے تعلقات تھے؟

نواز شریف: بہت اچھے، میرے والد صاحب مجھے بتاتے ہیں کہ ان سب کے ساتھ بہت مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے۔ آپس میں ایسی کوئی تفریق نہیں برتی جاتی تھی کہ یہ مسلم گھرانہ ہے یا یہ مسلمان لوگ ہیں۔ وہاں گاؤں کے اندر جو شادی بیاہ یا وفات وغیرہ پر اکٹھ ہوتے تھے یا کسی معاملے میں ایک دوسرے کے گھر آنا جانا ہوتا تو بالکل ایسا تھا کہ بغیر کسی امتیاز یا تفریق کے ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے تھے۔ ان سب کا ملنا ملانا ایسا ہی تھا جیسا کہ گاؤں کے دیگر افراد سے میل ملاپ تھا۔

کیا آپ کو خود بھی کبھی وہاں جانے کا اتفاق ہوا ہے؟

نواز شریف: جی ہاں، میں وہاں گیا ہوں۔ غالباً یہ 1965ء کا واقعہ ہے۔ میں اس وقت میٹرک میں پڑھتا تھا۔ مجھے وہاں اپنے والد صاحب، چچا اور تایا کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا۔ ہماری ساری فیملی نے وہاں جا کر گاؤں دیکھا۔ جس محبت اور خلوص سے ہمیں خوش آمدید کہا گیا اور جس طرح ہمارے گاؤں کے لوگوں نے اور سکھوں نے آؤ بھگت کی وہ منظر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے اسی طرح تازہ ہے۔ ہمیں وہاں بڑا مزہ آیا ان سب کا خلوص دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ اصل میں کئی گھرانے ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں بچپن کی بہت سی باتیں ہوتی رہتی ہیں، والدین آپ کو بتاتے ہیں کہ آپ کس جگہ پیدا ہوئے، کیا حالات تھے، کیسے ان کی پرورش کی گئی، کس طرح کے حالات کا ان کو زندگی میں سامنا کرنا پڑا تو میرے والد صاحب بھی ہم چاروں بہن بھائیوں کو یعنی مجھے، شہباز شریف، عباس شریف اور ہماری سب سے چھوٹی بہن کو اپنی زندگی کے ہر قسم کے حالات کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے ہمارا تجسس مزید بڑھ گیا تھا کہ جو قصے، کہانیاں ہم نے بچپن میں سنی تھیں، وہ جگہ بھی جا کر دیکھیں، وہ گھر بھی دیکھنے کا شوق تھا جس کے بارے میں ہم نے سنا تھا کہ وہاں ہمارے والدین پلے بڑھے۔ گاؤں کے اکثر لوگوں کا وہ بڑا ذکر کرتے تھے تو ان لوگوں کو بھی دیکھنے اور ملنے کا شوق تھا پھر جب ان سب سے ملے تو پتہ چلا کہ اچھا یہ ہیں وہ لوگ جن کا ذکر اتنی کثرت سے سنا تھا تو ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔

میری والدہ صاحبہ امرتسر شہر سے تعلق رکھتی تھیں جب کہ میرے والد صاحب امرتسر شہر کے ساتھ واقع گاؤں کے تھے۔ لیکن میرے والد صاحب پاکستان بننے سے کافی پہلے لاہور تشریف لے آئے تھے۔ یہ 1930ء کی بات ہے۔ یہاں آ کر انہوں نے اپنا ایک کاروبار شروع کیا جس کی بنیاد

انہوں نے 1937ء میں انجینئرنگ انڈسٹری لگا کر رکھی۔ پاکستان بننے سے پہلے تک یہ پہلا ادارہ تھا جو آئل ایکسپیلر بناتا تھا۔ پھر اس کے بعد ڈیزل انجن بنانے شروع کیے۔ جب پاکستان بنا تو الحمدللہ ہماری انڈسٹری اس زمانے میں کافی اچھا کام کر رہی تھی۔ اس وقت ہمارے بہت سارے رشتے دار اور عزیز جو مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے لاہور آئے تو وہ مختلف شہروں جیسے فیصل آباد اور لاہور میں پھیل گئے۔ والد صاحب بتاتے ہیں کہ وہ لوگ سب سے پہلے ہمارے گھر لاہور آئے تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ دو، چار مہینے تک ہمارے گھر میں بڑی رونق لگی رہی تھی۔ کیونکہ بہت سارے لوگ ہمارے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد پھر وہ اپنی اپنی جگہ پر روانہ ہو گئے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆
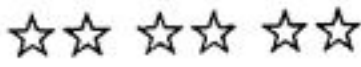
والد سے غیر معمولی محبت

- میاں شریف پورے خاندان کے آئیڈیل ہیں
- وہ وقت کے اس قدر پابند تھے کہ گھڑی ملائی جاسکتی تھی۔
- سیاست کے میدان میں انہی کے مشورے سے آیا
- رفیق تارڑ کی صدارت کا مشورہ والد نے نہیں دیا تھا
- والدین بوڑھے ہوں تو ان کی کسی بات پر اف بھی نہ کی جائے
- والد اور والدہ کو بچپن سے تہجد گزار دیکھا ہے
- کوئی ایسا دن نہیں تھا کہ سورج نکل آئے اور والد صاحب سوئے ہوئے ہوں
- والد صاحب صبح 3 بجے اٹھتے تھے پھر باغ جناح سیر کے لئے جاتے تھے
- کلثوم کو باہر نکلنے اور سخت بیان دینے کا مشورہ والد صاحب کا تھا
- والد ہی کے مشورے سے وزیر اعلیٰ اور وزیر اعظم بنا۔

والد کی غیر معمولی خصوصیات

میاں صاحب! ہر بیٹے کو، ہر بچے کو اپنے والدین سے پیار ہوتا ہے لیکن آپ کی اپنے والد صاحب سے جو وابستگی اور محبت تھی، وہ معمول سے کچھ بہت زیادہ تھی، اس کی کیا وجہ تھی؟

نواز شریف: یہ ہماری خوش نصیبی ہے اور سعادت بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں والدین کی خدمت کا موقع فراہم کیا، قرآن پاک میں بھی اس بات کا ذکر ہے کہ جب آپ کے والدین بوڑھی عمر کو پہنچ جائیں تو

آپ اپنے کندھے ان کے آگے بچھائیں اور ان کی کسی بات پر اف تک نہ کہیں۔ تو الحمدللہ یہ اچھی بات ہے کہ بچپن ہی سے ہماری تربیت ایسے ماحول میں ہوئی ہے کہ والدین کا احترام کرنا ہماری اولین ترجیح رہی ہے۔ ہماری فطرت میں بھی اس کی بہت اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ساری زندگی میں اب تک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسے نبھانے کی توفیق دی ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہماری بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔

کیا میاں محمد شریف صاحب میں کوئی غیر معمولی خصوصیات بھی تھیں کہ آپ کی ان سے اس قدر وابستگی رہی؟

نواز شریف: دیکھیں جی! میں نے اپنے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کو بچپن ہی سے تہجد گزار دیکھا تھا اور کسی ایسے دن میں نے والد صاحب کو نہیں دیکھا کہ سورج نکل آیا ہو اور وہ سوئے ہوں، بلکہ سورج نکلنے میں بھی ابھی بہت وقت ہوتا تھا کہ وہ اٹھ جاتے تھے، والدہ صاحبہ بھی اور والد صاحب بھی۔ جب کہ ہم سے بچپن میں بھی اور اب بھی ایسی کئی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ لیکن ماشاء اللہ۔ میں نے بچپن ہی سے ان کو صوم وصلوٰۃ کا پابند دیکھا تھا۔ مجھے ایسا کوئی دن آج تک یاد نہیں جب انہوں نے نماز چھوڑی ہو۔ صبح کے وقت اپنے سارے معمول کے کام کرنے کے بعد وہ ساڑھے 6 بجے تک گھر سے بھی نکل جاتے تھے لیکن نماز سے پہلے ہی وہ 3 بجے اٹھتے تھے۔ اور کئی دفعہ مجھے بھی جگا دیتے تھے کہ چلو باغ جناح میں میرے ساتھ واک کرنے اور ایکسر سائز کرنے کے لئے۔ ٹھیک 3 بجے میں بھی ان کے ساتھ اٹھتا تھا۔ اور پھر وہ مجھے گاڑی میں بٹھا کر اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ وہاں قائداعظم لائبریری کے پیچھے ایک فوارہ تھا جس کے گرد وہ کئی چکر لگاتے تھے۔ ان کے ساتھ پیچھے پیچھے میں بھی دوڑتا تھا۔ اس کے بعد جو پی ٹی ایکسر سائز ہوتی ہے، وہ کرواتے تھے۔ پھر خود بھی ساتھ کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ کافی دیر تک سر کے بل کھڑے رہتے تھے بغیر کسی سہارے کے۔ میں ان دونوں سکول میں پڑھتا تھا جب وہ زبردستی مجھے اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے۔ اس کے بعد باغ جناح میں مسجد دارالسلام میں جا کر باجماعت نماز پڑھتے تھے۔ اس سے پہلے پہلے وہ ایکسر سائز مکمل کر لیتے تھے۔ شہباز بھی کئی دفعہ ہمارے ساتھ جاتا تھا۔ باجماعت نماز پڑھنے کے بعد پھر گاڑی میں بیٹھ کر گھر واپس آتے۔ پھر آکر نہا دھو کر ناشتہ کر کے ساڑھے چھ بجے تک وہ اپنے دفتر روانہ ہو جاتے۔ ہر صورت میں وہ اس وقت تک گھر سے نکل جاتے تھے۔ میں نے اپنے والد صاحب کے تمام کاموں میں اتنی باقاعدگی دیکھی ہے کہ ان کی کسی بھی مصروفیت سے کوئی بندہ بتا سکتا تھا کہ وہ اب یہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہ وقت ہوگا یہ چیزیں زندگی میں بڑا متاثر کرتی ہیں پھر وقت

گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے پرورش ہوتی چلی گئی تو میں سوچتا رہا کہ جو بندہ واقعی اتنا منظم اور اچھی عادات کا مالک ہو، اور اس میں اپنے مقصد کے حصول کی لگن ہو، اس کی خصوصیات کا مجھ پر بلکہ ان کی پوری اولاد پر بڑا اثر پڑا ہے اور وہ اس لحاظ سے ہمارے آئیڈیل ہیں۔ سچ تو ہے کہ ان کی ایمانداری، محنت نے ہی ہمارے خاندان کو اس مقام پر پہنچایا ان کی جرأت اور بہادری ہماری لئے مشعل راہ ہے۔

سیاسی سمجھ بوجھ

جیسا کہ مشہور ہے کہ سیاسی سوجھ بوجھ کے حوالے سے اور عام معاملات میں بھی آپ اپنے والد میاں شریف سے مشورہ لیتے تھے تو کیا اس حوالے سے آپ اپنے والد کی سیاسی سوجھ بوجھ سے بھی متاثر تھے؟

نواز شریف: دیکھیں جی! میرے والد صاحب کا کوئی سیاسی بیک گراؤنڈ نہیں تھا اور نہ ہی انہیں کبھی سیاست سے کوئی دلچسپی رہی جو سیدھی سی بات ہے۔ میرے بارے میں شاید ان کا یہ کبھی شوق ہو جس کا انہوں نے کبھی اظہار نہیں کیا کہ میں سیاست میں آؤں۔ ممکن ہے کہ ان کے دل میں یہ خواہش ہو۔ جب میں نے سیاست میں پہلا قدم رکھا تو ظاہری بات ہے کہ میں نے ان سے اجازت چاہی اور رہنمائی لی۔ انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہیں یہ فیلڈ پسند ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اور میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ ظاہر ہے کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہی یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں کچھ عرصہ بزنس میں بھی ان کے ساتھ رہا۔ میں 1971ء سے 1978ء تک بزنس میں ہی رہا۔ اگرچہ میں سیاست میں دلچسپی لیتا تھا اور مجھے اس بارے میں بڑا تجسس رہتا تھا کہ ملک میں کیا کچھ ہو رہا ہے لیکن میں 1978ء سے پہلے تک ایک سرگرم سیاستدان نہ بنا۔

والد سے کون سے سیاسی مشورے کیے جو فائدہ مند ثابت ہوئے؟

نواز شریف: میں تو اس بات پر بڑا فخر محسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ اعزاز بخشا تھا ہے کہ میں اپنے والد محترم سے مشورہ کر سکوں اور میں تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی نعمت سمجھتا ہوں۔ کہ بزرگوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ مشورہ کریں۔ والد صاحب سے مشورہ کرنا برا تو نہیں ہوتا۔ کسی بھی موضوع پر آپ جب والدین سے مشورہ کرتے ہیں تو یہ بڑے فخر کی بات ہوتی ہے۔ اگر سیاسی فیلڈ میں بھی آپ ان سے مشورہ کریں تو یہ بڑی اچھی بات ہے۔ میں نے تو ان کا مشورہ اپنے لئے ہمیشہ بہتر پایا

تھا۔ یہ مشورہ کہ ہماری اسیری کے دوران کلثوم کو سیاست کے میدان میں باہر نکلنا چاہیے، یہ بھی انہی کا تھا۔ اور اس کا فائدہ بھی ہوا۔ بہت سے لوگوں نے میرے والد صاحب کہ کہا کہ آپ کلثوم کو کہیں کہ یہ نرم بیان دیا کریں ورنہ نواز شریف کے اوپر اور زیادہ سختیاں آئیں گی۔ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ میں یہ کہوں گا کہ آج سے زیادہ کل ان کا زیادہ سخت بیان آنا چاہیے (ہنستے ہوئے)

کون سا مشورہ کب دیا

اور کون سے سیاسی مشورے دیئے وہ کس حد تک سیاست کو سمجھتے تھے؟

نواز شریف: ان میں سیاسی سوجھ بوجھ تھی جس سے میں نے بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ آخری دنوں میں تو خیر وہ کافی بوڑھے ہو چکے تھے اور گفتگو بھی کم کرتے تھے لیکن میں تو سمجھتا ہوں کہ ان کے مشوروں سے میں ماضی میں بہت مستفیذ بھی ہوتا رہا ہوں اخبارات یا سیاستدان مجھے کیا درس دیتے تھے کہ میں اپنے والد محترم کی عزت کرنا چھوڑ دوں۔ کیا میں قرآن پاک کے والدین کے احترام کے حکم پر عمل نہ کروں اور والدین کی عزت کرنا اولاد کے فرائض میں شامل ہے تو اس میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ آپ ان سے مشورہ بھی کریں۔ سیاسی طور پر اگر وہ آپ کو مشورہ دے سکتے ہیں تو کیوں نہیں سیاسی مشورہ کرنا چاہیے جب میں سیاست کے میدان میں آیا تھا تو انہیں کے مشورے سے آیا تھا۔ انہوں نے جب میرے لئے بہتر سمجھا تو کہا کہ نہیں بزنس تمہارے لئے سیاسی فیلڈ سے بہتر نہیں۔ تم اس میں جاؤ تو انہی کے مشورے پر عمل کر کے میں پنجاب کا وزیر اعلیٰ بھی بنا اور پاکستان کا وزیر اعظم بھی بن گیا۔

رفیق تارڑ کی صدارت کا مشورہ

اس حوالے سے جو منفی بات ہے وہ یہ ہے کہ آپ شاید تمام فیصلے والد صاحب مرضی سے کرتے رہے ہیں۔ اور صرف ان کی مرضی کو اہمیت دیتے رہے ہیں، اور باقی تمام ساتھیوں کے مشوروں اور اہم امور کو نظر انداز کر دیتے تھے؟

نواز شریف: وہ تو اکثر مجھے یہ کہتے تھے کہ تم سیاست کو بہتر طور پر جانتے ہو تو اس حوالے سے یہ فیصلہ تم کرو۔ آج تک انہوں نے اپنا کوئی فیصلہ مجھ پر ٹھونسے کی کوشش نہیں کی۔ رفیق تارڑ صاحب کا نام بھی میں نے تجویز کیا تھا کہ یہ میرے ذہن میں نام ہے تو آپ اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں تو والد صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ یہ نہیں مجھے کہا کہ تم فلاں کے بارے میں سوچو۔ والدین ایسے بھی تو

ہوتے ہیں کہ نہیں بھئی یہ ہی کرنا ہے، انہوں نے آج تک کبھی ایسا نہیں کیا، بہت سارے ایسے سیاسی معاملات بھی تھے جن کے بارے میں وہ اتنا علم نہیں رکھتے تھے جتنا کہ میں رکھتا تھا تو میں ان کو پھر ساری بات بتانے کے بعد ان سے ہدایت طلب کرتا تھا تو وہ اکثر مجھے یہی کہتے تھے کہ تم اپنے بعض سیاسی دوستوں سے بات کرو۔ ان سے مشورہ کرو اور پھر کسی نتیجے پر پہنچو۔ دیکھیں جی اب بعض لوگ اسے بڑی تضحیک سے بھی ایسے کہتے تھے کہ یہ ابا جی سے بات کرنے گئے ہیں۔ بھئی اگر تم نے اپنے ابا جی کی عزت نہیں کی تو کم از کم مجھے تو کرنے دو۔ مجھے تو نہ روکو۔ یعنی میں تو کہتا ہوں کہ بدقسمت ہیں وہ لوگ جن کو والدین ملے لیکن انہوں نے ان کی عزت نہ کی۔ جب اخبارات میں یہ بات شائع ہوتی تھی کہ ابا جی سے مشورہ کیا تو ہمیں اس بات پر فخر ہوتا تھا رفیق تارڑ کو صدر بنانے کا فیصلہ سراسر میرا تھا میں نے والد صاحب کے سامنے ان کا نام رکھا اور انہوں نے میری تجویز سے اتفاق کیا۔

کیا رفیق تارڑ کے علاوہ آپ کے پاس کوئی اور چوائس نہیں تھی؟

نواز شریف: رفیق تارڑ کو جس وقت صدر بنایا گیا، اس وقت حالات یہ تھے کہ فاروق لغاری نے اپنی پارٹی کے ساتھ محسن کشی کی تھی اور جب میں الیکشن میں حصہ لے رہا تھا تو میرے ذہن میں اسی وقت سے یہ موجود تھا کہ یہ ایک محسن کش آدمی ہے، اس لئے ایسے آدمی کا لانا ضروری تھا، جو مسائل پیدا نہ کرتا اور ہم سازشوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے عوام کی خدمت کر سکتے۔ اسی بناء پر رفیق تارڑ صاحب کو صدر کے لئے چنا گیا۔ فاروق لغاری کو ہٹانے کے حوالے سے میرے ذہن میں یہ بات بار بار آتی تھی کہ اگر یہ اپنی لیڈر بے نظیر بھٹو سے بے وفائی کر سکتا ہے تو کچھ بھی کر سکتا ہے اسی لئے میری اس کے ساتھ بن نہیں سکی۔ رفیق تارڑ صاحب نے اپنا کردار بہت اچھی طرح نبھایا جب میں جیل میں تھا تو صدر کلنٹن پاکستان کے دورے پر آئے صدر تارڑ نے ان سے میری رہائی کی بات کی میرے خیال میں تو وہ جنرل مشرف کے ٹیک اوور کے بعد صدر کے عہدے پر اسی لئے برقرار رہے کہ میری مدد کر سکیں۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

تعلیم، تاریخ اور پسندیدہ ہیرو

- کالج کے کئی استاد کلاس میں سگریٹ پیتے تھے۔
- پنجاب کا تاریخی کردار بزدلانہ ہے۔
- سندھی جج پر میری سزا کے لئے بہت دباؤ پڑا مگر وہ ڈٹا رہا۔
- پنجابی جج ہوتا تو پہلے ہی سے سزا لکھ کے رکھ لیتا۔
- پنجاب کے مزاج کے برخلاف ہندوستان کے راجپوت بہادری سے لڑتے تھے۔
- میں صرف مسلمان نہیں پوری مخلوق کے حق میں دعا مانگتا ہوں۔
- دہلی اور لاہور ملتے جلتے شہر ہیں تاج محل بہت اچھا لگا۔
- روہتاس کے قلعے کی تزئین و آرائش کرنے کی خواہش تھی مگر وقت نہ مل سکا۔

نظام تعلیم

آپ کے بچپن اور سکول کے زمانے میں جو استاد تھے، کیا ان میں سے کوئی یاد ہے اور اس وقت جو نظام تعلیم اور ذریعہ تعلیم تھا، اس میں کیا خوبیاں یا خامیاں تھیں؟

نواز شریف: (توقف کے بعد جواب دیتے ہوئے) مجھے اپنے سکول کے کئی اساتذہ کے نام یاد ہیں۔ مثال کے طور پر فرسٹ سٹینڈرڈ کی ہماری جو خاتون استاد تھیں۔ ان کا نام تھا مسز کرسٹوفر۔ پھر وہاں سے ہم سیکنڈ سٹینڈرڈ میں گئے تو وہاں مسز بخش ہماری ٹیچر تھیں۔ تھرڈ سٹینڈرڈ میں جو استاد تھیں، ان کا نام مجھے اب تھوڑا سا بھول رہا ہے۔ فورتھ سٹینڈرڈ میں مسٹر ڈی سلوا تھے۔ ایک سلوریا تھے۔ پھر کچھ پارسی خواتین بھی تھیں۔ وہ بھی ہمیں پڑھاتی تھیں۔ کرسچین بھی تھے۔ مسلمان استاد بھی تھے۔ جن کی داڑھی بھی تھی۔

وہ ہمیں اسلامیات پڑھاتے تھے۔ایک کرسچین استاد تھے جو ہمیں اردو پڑھاتے تھے۔اس طرح سے مختلف ہمارے اساتذہ تھے۔انگریز پرنسپل ہوا کرتے تھے۔اس وقت ڈسپلن بہت تھا۔تعلیم کا معیار بہت اچھا تھا۔پورے سکول میں پن ڈراپ سائیلنس (مکمل خاموشی) ہوتی تھی۔کلاس تو دور کی بات ہے۔ کوئی بچہ ڈسپلن سے باہر نہیں ہوتا تھا۔صبح جب ہم آتے تھے تو قومی ترانہ ہوتا تھا اور قومی ترانے کے بعد ہم اپنی اپنی کلاسوں میں جاتے تھے۔سکول میں متعین گھنٹے گزارنے کے ہم پابند ہوتے تھے۔میں نے دیکھا ہے کہ اس وقت ٹیچرز کا رویہ بچوں کے ساتھ بڑا پیار والا ہوتا تھا۔وہ بچوں کو بہت پیار سے پڑھاتے تھے۔یہ چیز میں نے دیکھی ہے۔جیسا کہ میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا کہ میں نے کوئی تمیز یا تفریق نہیں دیکھی۔

ہمارے نظام تعلیم میں کیا خرابی ہے جو آپ نے تعلیمی تجربہ حاصل کیا تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہماری تعلیم زوال کی طرف کیوں جارہی ہے؟

نواز شریف: ہمارے ملک میں جو سکول کالج شہروں اور قصبوں میں ہیں، وہاں معیار تعلیم زوال کا شکار ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سلیبس معیار کا نہیں ہے اس پر کوئی خاص محنت نہیں کی جاتی۔دوسری وجہ یہ ہے کہ ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ جو ان کو چلاتا ہے، وہاں پر بھرتیاں سفارش پر کی جاتی ہیں۔میرٹ کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔جب استاد کا اپنا معیار تعلیم بہت کمزور ہو تو ظاہر ہے کہ وہ پھر بچوں کو کس طرح سے پڑھائیں گے۔اس کے علاوہ بہت سے استاد سکول آتے، حاضری لگاتے اور پھر غائب ہو جاتے ہیں، تو یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جس کو جتنا بھی آپ پبلک سیکٹر میں کریں، کم ہے۔کیونکہ گورنمنٹ کا کام نہیں کہ وہ سکول، کالج یا یونیورسٹیاں چلائے یہ سب جگہوں پر عام طور پر پرائیویٹ ہوتی ہیں۔دوسرے ملکوں میں بھی جو تعلیمی ادارے دنیا میں نام کماتے ہے وہ پرائیویٹ سیکٹر ہی کے ہیں اسی لئے جو مشنری سکول تھے، ان کی طرف لوگوں کا رجحان تھا کہ جو افورڈ کر سکتے تھے اپنے بچوں کو مشنری سکول بھجواتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہاں پر تعلیم کا معیار دوسرے سکولوں کی نسبت بہت بہتر ہے۔مثلاً ایچی سن کالج ہے تو اس کا معیار کسی بھی سرکاری سکول یا کالج کے لیول سے بہت بہتر تھا۔اب جیسے میں گورنمنٹ کالج میں پڑھا ہوں جو ملک کا نام گرامی ادارہ ہے۔وہاں پر یقین کریں میں جو ماحول دیکھتا تھا اپنے زمانے میں، وہ بڑا بے قاعدہ (Casual) تھا۔کئی ایسے استاد تھے جو کلاس میں بچوں کے سامنے سگریٹ پیتے تھے۔اب بچوں کے سامنے لیکچرار اگر کلاس میں سگریٹ پئے گا تو اس کا بچوں پر کیا اثر ہوگا یہ میں نے آپ کو چھوٹی سی مثال دی ہے لیکن کئی ایسے اساتذہ بھی تھے جو نظم وضبط کے بڑے پابند تھے، اپنا سارا

وقت لیکچر میں صرف کرتے تھے، کوئی فالتو بات نہ کرتے تھے، بچوں کے ساتھ پیار بھی کرنا، بچوں کو اچھی باتیں بھی سکھاتے تھے۔ جیسے ہمارے ایک پولیٹیکل سائنس کے ٹیچر تھے۔ ڈاکٹر صفدر محمود، وہ گورنمنٹ کالج میں بہت محنت اور توجہ سے پڑھاتے تھے۔ پاکستان میں تعلیم کی طرف توجہ دینے کی بہت ضرورت ہے گزشتہ چند سالوں کے دوران گورنمنٹ سکولز جہاں ملک کے عوام کی اکثریت کے بچے پڑھتے ہیں، کا معیار بہت گر گیا ہے فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ اساتذہ کی تنخواہیں بڑھائی جائیں پرائیویٹ سکول اور کالج اپنا کام کریں لیکن سرکاری سکولوں اور دوسرے پرائیویٹ اداروں کا سلیبس ایک جیسا ہونا چاہئے تا کہ غریب اور امیر سب کو تعلیم کے یکساں مواقع فراہم ہوں۔

بی اے میں آپ کے کون سے مضامین تھے؟

نواز شریف: میرے پاس پولیٹیکل سائنس، ہسٹری کے مضامین تھے اس زمانے میں ہمارے اردو کے ٹیچر مشکور حسین یاد صاحب بڑی شفقت سے پیش آتے تھے آج بھی ہم ان سے بڑے مانوس ہیں۔ تو اس طرح کی یادیں بڑی حسین بن جاتی ہیں۔ تو ہماری تو سکول اور کالج کے دنوں کی بڑی حسین یادیں ہیں۔ وہ دور بڑا یاد آتا ہے۔ جانے کو بھی دل چاہتا ہے کہ جا کر وہ عمارت، ماحول، کمرے اور گراؤنڈ دیکھیں۔ یہ دیکھیں کہ اس ماحول میں اور آج کے ماحول میں کیا فرق ہے۔ ہمارے زمانے میں ڈاکٹر نذیر گورنمنٹ کالج کے پرنسپل تھے جو نہایت ہی سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ درویش صفت انسان تھے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کے لوگ تعلیم میں ہمارا سرمایہ اور اثاثہ ہوتے ہیں۔

پسندیدہ مضامین

آپ کو کون سے مضامین پسند رہے؟

نواز شریف: مجھے تاریخ کے مضمون سے گہری دلچسپی رہی ہے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کی بابر کے ہاتھوں شکست متاثر کن واقعہ ہے بابر کی فوج کی تعداد بہت کم تھی اس نے اپنی ابتدائی زندگی بہت مشکل حالات میں گزاری آج کے ازبکستان میں واقع فرغانہ سے اسے والد کے مرنے کے بعد نکالا گیا اس نے اس کے بعد فوج بنائی پہلے کابل فتح کیا پھر ہندوستان کو فتح کیا مغلوں نے بہت غلطیاں کیں ورنہ انہیں کبھی زوال نہ آتا۔

پنجاب کا بزدلانہ کردار

تاریخ کے حوالے سے پنجاب کا کیا کردار رہا ہے؟

نواز شریف: پنجاب اور سندھ کے کردار میں بہت فرق ہے میرے مقدمے میں سندھی جج پر بہت زور پڑا مگر اس نے مجھے سزائے موت نہیں دی پنجابی جج ہوتا تو پہلے سے سزا لکھ چھوڑتا جنرل محمود اور جنرل مشرف نے سندھی جج رحمت حسین جعفری پر بہت زور ڈالا کہ نواز شریف کو سزائے موت دو لیکن وہ جج نہ مانا، پنجاب کا کردار درست نہیں رہا پنجاب نے ہر فاتح کو سلام کیا مزاحمت نہیں کی البتہ سکندر اعظم کے مقابلے میں پنجابی حکمران راجہ پورس کا کردار بڑا ہی جرات مندانہ تھا ورنہ ہر فاتح پنجاب کو تاراج کرتے ہوئے پہلی جنگ پانی پت جا کر لڑتا۔ پنجاب کی نفسیات ہی ایسی بن چکی ہے یہی وجہ کہ پنجاب نے 1857ء کی جنگ آزادی میں حصہ نہیں لیا تھا۔ پنجاب کے مزاج کے برخلاف ہندوستان کے راجپوت بڑی بہادری سے لڑتے رہے ان کی عورتوں تک کی بہادری ضرب المثل تھی آپ چتوڑ کی رانی کی مثال لیں یا جھانسی کی رانی کی۔

پسندیدہ تاریخی ہیرو

تاریخ میں آپ کا پسندیدہ ہیرو کون ہے؟

نواز شریف: (ٹھہرتے ہوئے) یہ تو بڑا مشکل سوال آپ کر رہے ہیں۔ آپ انڈین ہسٹری کی بات کر رہے ہیں؟ برٹش کی یا انڈو پاک کی۔

کوئی بھی دو تین نام جو بڑے اچھے لگے ہوں؟

نواز شریف: (توقف کے بعد) ویسے تو جو انڈو پاک ہسٹری ہے خاص طور پر مغلیہ دور میں یا برٹش عرصے میں، یہ ساری بڑی دلچسپ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے پہلے کی تاریخ بھی خاصی دلچسپ ہے لیکن یہ دور چونکہ زیادہ پرانا نہیں ہے تو اس لئے لوگوں کی دلچسپی زیادہ تر یہاں تک ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں فی الحال آپ کو یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مجھے مغل بادشاہ بابر بڑا پسند تھا یا اکبر بڑا پسند تھا یا یہ کہ مجھے جہانگیر اور عالمگیر بڑے پسند تھے، نہ ہی یہ کہ لارڈ ہیسٹنگز میرا پسندیدہ تھا یا پھر نظام حیدر آباد یا سراج الدولہ بڑا پسند تھا۔

اکبر اعظم

مغل بادشاہ اکبر کو اکبر دی گریٹ کہا جاتا ہے کیا وہ آپ کے پسندیدہ ہیرو ہیں۔

نواز شریف: دیکھیں جی اس میں کوئی شک نہیں کہ اکبر اعظم مغل شہنشاہوں میں سب سے مقبول تھا لیکن اس کی ذات کے کچھ منفی پہلو بھی تھے۔اس نے ایک ایسا نیا دین متعارف کرایا جو نہ تو اسلامی تھا اور نہ ہی اس کا ہندوازم یا سکھ ازم سے کوئی تعلق تھا۔اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی شخصیت کا یہ ایک منفی پہلو ہے۔ دیکھیں! مخلوق سے پیار کرنا اچھی بات ہے۔میں بھی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پوری مخلوق کے لئے دعا کرتا ہوں کیونکہ مخلوق ساری اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن مسلمانوں کے لئے خصوصی دعا کرنا تو میں اپنا فریضہ سمجھتا ہوں۔لیکن مخلوق کے لئے دعا کرنا بھی اچھی بات ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خیر مانگنی چاہیے کیونکہ جب آپ مخلوق کی خیر مانگیں تو مسلمانوں کی خیر بھی ساتھ ہی ہو گی اس لئے آپ مخلوق سے اپنے آپ کو الگ نہیں کر سکتے۔کیونکہ آپ مخلوق کے دشمن نہیں ہو سکتے۔

اکبر اعظم سے آپ کے دین الٰہی کے حوالے سے تحفظات ہیں اچھے پہلو کون سے تھے؟

نواز شریف: اس نے ایک ایسا مذہب متعارف کروا دیا تھا جو دنیا میں رائج اور مانے جانے والے مذاہب سے بالکل الگ تھلگ تھا اور وہ اس کی زندگی کے ساتھ ہی ختم بھی ہو گیا تھا۔یہ ایک بڑا منفی پہلو ہے۔لیکن اس کی شخصیت کے کچھ اچھے پہلو بھی تھے جیسے کہ مخلوق کے ساتھ بغیر کسی تفریق اور تمیز کے محبت، مسلمانوں اور دوسرے رہنے والوں سے ایک جیسا اور مساوی سلوک کرنا، مختلف قسم کی رعایا میں کوئی فرق نہ رکھنا، انصاف میں کوئی تفریق و تمیز نہ کرنا۔ یہ سب ہی بڑی اچھی باتیں ہیں۔ہمیں بھی پاکستان کے اندر اپنی قوم کو فرقوں میں، ذات پات یا کسی تفریق و تمیز کے اندر نہیں لانا چاہیے کہ کون کیا ہے، کس کا کیا دین ہے بلکہ سب سے یکساں سلوک کرنا چاہیے کیونکہ یہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوں گے۔اللہ تعالیٰ کو اگر دوسرے مذاہب کے لوگ ناپسند ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو پیدا ہی کیوں کرتا۔

آپ کو کتنی دفعہ بھارت جانے کا اتفاق ہوا۔آپ نے تاریخ کے شوق کے حوالے سے وہاں کیا کیا دیکھا؟

نواز شریف: مجھے کئی دفعہ بھارت جانے کا اتفاق ہوا بھارت کی تاریخی عمارات قابل دید ہیں ایک دفعہ تو 70ء کی دہائی میں اپنی مرسیڈیز پر بھارت گیا تھا وہاں جے پور کی مہارانی گائتری دیوی سے ملاقات

ہوئی تھی وہ بہت ہی پر رعب خاتون تھیں بھارت کی تاریخی عمارات دیکھنے کا موقع بھی ملتا رہا بھارت کی تاریخی عمارات واقعی قابل دید ہیں دہلی اور لاہور بہت ملتے جلتے شہر ہیں جب کہ لاہور اور کراچی کی ثقافت میں نمایاں فرق ہے بھارت کی عمارتوں میں مجھے سب سے خوبصورت تاج محل لگا۔آگرہ کا قلعہ بھی بہت Preserved (محفوظ) حالت میں موجود ہے شاہجہان کو اس کے بیٹے عالمگیر نے اسی قلعے میں قید رکھا ہوا تھا اس قلعے سے شاہجہان کو اپنا ہی بنایا ہوا تاج محل صاف نظر آتا تھا اس زمانے میں، میں سوچا کرتا تھا کہ دہلی لاہور اور پشاور تینوں بڑے قدیم تاریخی شہر ہیں کاش پاکستان دہلی تک ہوتا تو ہندوستان کے تاریخی ورثے میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہوتا (قہقہہ) میری خواہش تھی کہ روہتاس کے قلعے کو Rehablitate کیا جائے اور قلعہ کے اندر بسنے والوں کو باہر الگ سے جگہ دے دی جائے لیکن افسوس ہے کہ میری یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

یادیں

- پتنگیں خریدنے، اندرون شہر جایا کرتے تھے۔
- پتنگ اڑانے کا شوق ہے لیکن کلاشنکوف کلچر کے خلاف ہوں۔
- شہباز کو وزیر اعلیٰ کے طور پر بھی کئی بار ڈانٹا ہے۔
- شہباز ڈانٹ سن کر چپ رہتا ہے برا نہیں مناتا۔
- عباس سے بہت پیار ہے اسے گلے لگا کر کہتا ہوں سناؤ عباس یار کیا حال ہے۔
- ایک کزن کے اختلاف رائے سے خاندان میں شگاف پڑ گیا۔
- والد صاحب فضول خرچی کے خلاف تھے بہت سادہ کپڑے پہنتے تھے۔
- کلثوم بہت بہادر ہیں شادی والدین کی مرضی سے کرنی چاہیے۔
- کلثوم 12 گھنٹے تک گاڑی میں بیٹھی رہی یہ ان کا کارنامہ تھا۔

پرانے وقتوں کا لاہور

آپ کے بچپن کے زمانے کا لاہور کیسا تھا؟

نواز شریف: اس زمانے کا لاہور بہت ہی اچھا تھا آپ یقین کریں کہ وہ لاہور بڑا یاد آتا ہے، بڑا مزہ آتا تھا لیکن آج وہ لاہور ہمیں کہیں ملتا نہیں ہے جو اس زمانے کا لاہور تھا مجھے یاد ہے کہ بہت سارے ہمارے لڑکے جو سکولوں کالجوں میں پڑھتے تھے وہ تانگوں میں آتے تھے۔ مثلاً ایک لڑکا جو موچی گیٹ میں رہتا تھا تو اس کے والد صاحب نے بڑا اچھا تانگہ رکھا ہوا تھا جس میں وہ لڑکا آتا تھا۔ اس کے والد صاحب خود تانگہ چلا رہے ہوتے، انہوں نے سوٹ پہنا ہوتا تھا اور ٹائی لگائی ہوتی تھی۔ اس وقت لاہور شہر میں بہت کم ٹریفک ہوتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ مال روڈ پر ایک ہوٹل ہوتا تھا جس کا نام غالباً نیڈوز تھا۔

ابھی تک وہ نقشہ مجھے تھوڑا سا یاد ہے۔ پھر جہاں آج اسمبلی ہال ہے، وہاں اس کے باہر ایک ٹیکسی سٹینڈ ہوتا تھا، اس علاقے کو پہلے ملکہ کا بت کہتے تھے۔ پھر ریگل پر ٹیکسی سٹینڈ ہوتا تھا۔ وہ مجھے آج تک یاد ہے۔ ان دنوں مال روڈ پر ٹریفک بہت کم ہوتی تھی۔ ٹانگے بھی بیچ میں چلتے تھے۔ پرانی تاریخ میں لاہور کا جو کلچر ہم پڑھتے ہیں تو وہ وہاں دیکھنے کو ملتا تھا۔

میں ادھر ادھر گھومتا بھی تھا کیونکہ ہال روڈ پر میرے نانا جان اور نانی جان رہتے تھے۔ وہاں ہم آتے تھے، اس علاقے کو بھی دیکھتے تھے پھر ہم اپنے شہر کے علاقے کو بھی دیکھتے تھے کبھی کبھی ہم اندرون شہر بھی جاتے تھے کسی کو ملنا ہوتا تو وہاں جاتے یا پھر وہاں کبھی کبھی پتنگیں خریدنے بھی جاتے (ہنستے ہوئے) ہمارے قریب ہی یہ سارا علاقہ تھا۔ پھر ریلوے روڈ جہاں ہم رہتے تھے، اس کے ساتھ ہی ایک سرائے سلطان تھی۔ وہ سرائے بڑی پرانی تھی مغلوں کے زمانے کی بنی ہوئی تھی تو اس سرائے کے اندر اس زمانے میں ایک عجیب پرانے دور کا ماحول تھا۔ اس سرائے کے باہر ہماری ایک فاؤنڈری ہوتی تھی۔ ورکشاپ دوسری جگہ پر تھی۔ جب فاؤنڈری پر جاتے تو سرائے کو بھی دیکھنے کا موقع ملتا۔ اس سرائے کے باہر دوسری جانب لنڈا بازار کا علاقہ تھا، ساتھ ہی آگے جائیں تو دہلی دروازہ آجاتا تھا تو وہ سارے علاقے تھے۔ جہاں ہم گھومتے پھرتے تھے وہاں بہت اچھا ماحول تھا۔

اس زمانے میں آپ کی کیا سرگرمیاں ہوتی تھیں کس قسم کا کھانا پسند تھا؟

نواز شریف: ہمارے گھر والدین باہر جا کر کھانا کھانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ والد صاحب نہ باہر کی چیزوں کو گھر میں آنے دیتے تھے اور نہ گھر والوں کو اجازت دیتے تھے کہ آپ باہر بازار میں جا کر کھانا کھائیں۔

مشترکہ خاندانی نظام

مشترکہ خاندانی نظام بڑا پیچیدہ ہوتا ہے۔ بھائی، بہنیں، کزن وغیرہ سب اکٹھے رہتے ہیں، ان کے ساتھ آپ کا رویہ کیسا ہوتا تھا؟

نواز شریف: بڑا ہی اچھا تھا جی۔ آج یاد آتا ہے تو لگتا ہے کہ پتا نہیں وہ کیسا عمدہ دور تھا۔ بھائی بھی تھے، کزن بھی ہوتے تھے جو وہاں سب مل کر رہتے تھے۔ اتنا اچھا آپس میں پیار، محبت، اتفاق اور اتحاد تھا، اکٹھے پڑھنا، اکٹھے کھیلنا، اکٹھے آنا جانا۔ پھر کبھی شہر کے اندر چھت پر چڑھ کر پتنگیں اڑانا یہ سب اس زمانے کی حسین یادیں ہیں۔

پتنگیں اڑانے کا بھی مجھے شوق تھا اور شاید آج بھی ہے۔ جس شوق کو اب پورا کرنے کا کبھی موقع نہیں ملتا۔ اگر کبھی موقع ملے گا تو میں ضرور پورا کروں گا (ہنستے ہوئے) لیکن وہ کلاشنکوف کلچر، یا بدمعاشی اور غنڈہ گردی کے ساتھ نہیں ہو گا بلکہ پر امن طریقے سے ہو گا جیسا کہ پہلے میں اس شوق کو کبھی کبھی پورا کرتا تھا میں نہیں سمجھتا کہ پتنگ اڑانے میں کوئی خرابی یا عار ہے بشرطیکہ آپ اس کو شور شرابے، غنڈہ گردی، بدمعاشی اور ناچ گانوں کے ساتھ نہ کریں۔ کیونکہ ان سب چیزوں کے ساتھ وہ شوق تو ایک طرف رہ جاتا ہے جب کہ یہ چیزیں سامنے آجاتی ہیں۔

آپ تینوں بھائیوں کی عمروں میں بڑا تھوڑا فرق ہے تو کیا آپس میں لڑائیاں بھی ہوتی تھیں؟

نواز شریف: ہاں، اکثر ہمارا آپس میں اختلاف ہوتا تھا۔ شہباز کو تو میں کافی ڈانٹتا بھی تھا۔ جب کہ شہباز شریف کو تو میں جب تک وزیر اعظم تھا، اس وقت تک بھی ڈانٹتا رہا تھا (ہنستے ہوئے) اور وہ میری ڈانٹ سن بھی لیتا تھا، برداشت بھی کرتا تھا لیکن مجھ سے خفا نہیں ہوتا تھا۔ ڈانٹ سن کر بھی وہ چپ رہتا تھا۔ پھر اپنا نقطہ نظر مجھے بتاتا تھا۔ میں اس کی بات سے اتفاق کرتا تھا یا نہیں کرتا تھا، یہ الگ بات ہے، لیکن اس نے کبھی میری ڈانٹ کا برا نہیں منایا۔ البتہ میں جب سے جیل گیا ہوں اور یہاں بیرون ملک آ گیا ہوں، تب سے میں نے ڈانٹنا چھوڑ دیا ہے چھوٹا بھائی جو عباس شریف ہے، اس کو میں اور شہباز بڑا ہی پیار کرتے ہیں۔ ابھی بھی کرتے ہیں بلکہ اس کو تو میں اکثر گلے سے لگا کر بڑے پیار سے بات کرتا ہوں۔ جیسے سناؤ بھئی عباس یار کدھر ہو تم، ملتے نہیں ہو، کہاں رہتے ہو۔ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ حالانکہ سے وہ صرف مجھ سے پانچ چھ سال ہی چھوٹا ہے لیکن پھر بھی اس سے بہت پیار کرتے ہیں ایک ہماری بہن ہے جس سے ہم بڑا پیار کرتے ہیں۔ اس سے ہمارا رابطہ مستقل رہتا ہے۔ ہر دوسرے تیسرے دن پاکستان میں اس سے بات ہوتی رہتی ہے وہ بھی ہمیں بڑا پیار کرتی ہے۔ ہمارے لئے بڑی دعائیں کرتی ہے۔ ہم بھی سب اس سے بڑی محبت کرتے ہیں۔

اتفاق خاندان میں اختلاف

میاں صاحب! ایک اور بات جو لوگ آپ کی فیملی کے حوالے سے جاننا چاہتے ہیں کہ آپ سب اتفاق خاندان کی شکل میں اکٹھے تھے مگر آپ کے اقتدار کے دنوں میں زیادہ اختلافات پیدا ہوئے جس سے تلخی بڑھ گئی عام لوگوں میں خیال پایا جاتا ہے کہ کہاں

آپ سب میں اتنا اتفاق تھا اور کہاں اتنے اختلافات ایک دم سے ہو گئے تھے تو اس کی کیا وجہ تھی؟ اس حد تک کیوں نوبت آئی تھی؟

نواز شریف: دیکھیں جی، فیملی میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ہر ایک کی اپنی علیحدہ رائے ہوتی ہے، مختلف قسم کے خیالات ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ کسی کے خیال کے اوپر تو آپ کا کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ بزرگ بچوں کو سمجھا سکتے ہیں کہ بھئی اس طرح سے چلو، اس طرح سے نہ چلو۔ لیکن پانچوں انگلیاں برابر بھی نہیں ہوتیں۔ ہر ایک فرمانبردار بھی نہیں ہوتا۔ دو سگے بھائی بھی اپنی اپنی رائے رکھتے ہیں تو اس لئے بیچ میں سے کچھ ایسے تھے جو ساتھ نہیں چلنا چاہتے تھے یا ان کی علیحدہ اور منفرد سوچ تھی۔ تو ان کے والدین کا سایہ جب سر پر نہ رہا تو انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی جس سے فیملی کے اندر ایک شگاف پڑ گیا۔ اس سے پھر ظاہر ہے کہ مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اکثر فیملیاں تو ایسی چیزوں سے بھری پڑی ہیں تو یہ کوئی عجوبہ نہیں ہے۔ لیکن میری، شہباز شریف اور والد صاحب کی یہ کوشش رہی ہے کہ کسی کی طرف سے بھی کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ میں وزیر اعظم تھا، شہباز شریف وزیر اعلیٰ تھا لیکن ہم نے کبھی حکومت کو یا اپنے عہدہ کو استعمال نہیں کیا۔ کسی اپنے بھائی یا کزن کے خلاف ایسی بات ذہن میں نہیں آئی کہ اپنے حکومتی اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے کسی کے خلاف کوئی کارروائی کریں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب معاملے حل ہو چکے ہیں۔ اب کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ ایک تو جیسے قریبی فیملی جیسے بھائی بہن تو ان میں تو الحمدللہ ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن جو کزن وغیرہ بھی ہیں، ان سے بھی کوئی اختلاف وغیرہ نہیں ہے۔ ایک دو کزن ہیں جو ابھی بھی اپنی سوچ رکھتے ہیں تو رکھیں وہ تو ان کی اپنی صوابدید ہے۔

خاندانی اصول وضوابط

مشترکہ خاندان کو چلانے کے لئے آپ لوگوں نے کیا اصول وضوابط قائم کر رکھے تھے؟

نواز شریف: ہمارے مشترکہ خاندانی نظام میں خاندان متحد تھا اور اس فیملی نے مل کر ہی میرے والد صاحب کی زیرِ نگرانی الحمدللہ سارا کام کیا۔ میرے والد صاحب ایک سپروائزر کا کردار ادا کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کے دو بڑے اور بھائی تھے۔ ہم ان کی بڑی عزت کرتے تھے ایسی ہی عزت کرتے تھے جیسی کہ اپنے والد صاحب کی عزت کرتے تھے، کیونکہ ہمارے والدین نے ہمیں یہی سکھایا تھا کہ آپ اپنے چچا یا تایا کی اسی طرح سے عزت کریں جیسا کہ اپنے والد کی کرتے ہیں تو اس لئے ہم نے کبھی کوئی

فرق نہیں سمجھا اور ہمارے گھر کا ماحول ہی ایسا تھا کہ ایک دوسرے کو بڑا پیار کرتے تھے۔ بڑوں کا احترام کرتے، بڑے چھوٹوں کو پیار کرتے، چھوٹے بڑوں کا ادب کرتے۔ ماشاء اللہ یہ نظام بڑا اچھا چلتا رہا۔ ایک بات میں آپ کو بتاؤں کہ میرے والد صاحب نے بڑی سادہ زندگی گزاری۔ میں نے دیکھا کہ کبھی انہوں نے اپنے کپڑوں پر بہت پیسے خرچ نہیں کیے، اپنے لئے کوئی اسراف والے کام نہیں کیے۔ اگرچہ کہ ہمارے اندر وہ خوبیاں اتنی زیادہ نہیں ہیں۔ میں بھی خالصتاً پاکستانی کپڑے پہنتا ہوں، (اپنے کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ پاکستانی کپڑا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ میں روز یہی کپڑا پہنتا ہوں۔ کبھی کبھی سوٹ پہننے کو دل کرتا ہے لیکن ابھی تک پہن نہیں سکا۔ الحمد للہ میرا رہن سہن بھی سادہ ہی ہے زیادہ میں باہر آتا جاتا بھی نہیں ہوں اور نہ ہی میرے کوئی ایسے شوق ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے مجھے بہت پیسہ چاہیے ہو۔ یہ اللہ کا شکر ہے کہ ان چیزوں سے میں اب بھی مبرا ہوں۔ چھوٹے چھوٹے شوق آپ کو بچپن میں ہوتے ہیں جب آپ کو اچھی گاڑی چاہیے ہوتی ہے، یا پھر اچھی گھڑی چاہیے ہوتی ہے۔ جوتا کہیں پسند آ گیا تو آپ نے وہ بھی خرید لیا، لیکن اب ان چیزوں کو بھی کئی سال ہو گئے ہیں۔ آٹھ دس سال ہو گئے ہیں کہ میں نے ان چیزوں کی اب زیادہ پروا بھی نہیں کی۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ مشترکہ خاندانی نظام چلتا رہا اور اب بھی ماشاء اللہ چل رہا ہے۔ ہم چاروں بہن بھائیوں میں ماشاء اللہ بہت پیار ہے، بہت اچھا سلوک ہے۔

شادی

آپ کی شادی کیسے ہوئی کیا یہ لو میرج تھی یا ارینجڈ؟

نواز شریف: جی یہ ارینج میرج تھی مکمل طور پر میری بیوی کے جو بھائی ہیں، ان کی شادی میری کزن سے ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے پہلے سے ہی وہ رشتہ طے ہو چکا تھا۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ اس حوالے سے رشتہ تلاش کرنا اور طے کرنا زیادہ آسان ہو گیا۔

آپ کا کیا خیال ہے کہ لو میرج کر لینی چاہیے یا نہیں؟

نواز شریف: یہ سوال جو آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں تو اس کا تو آپ جیسے لوگ بہتر جواب دے سکتے ہیں (ہنستے ہوئے)

یا پھر والدین کی رضامندی زیادہ بہتر ہوتی ہے؟

نواز شریف: دیکھیں جی والدین کی مرضی دنیا میں جو کام بھی اولاد کرے، اس میں ضرور شامل ہونی چاہیے۔ آپ اگر والدین کی مرضی کے خلاف کوئی کام کریں جس کو آپ کتنا بھی اچھا سمجھتے ہوں، اگر اس میں والدین کی مرضی نہیں ہے تو میرا خیال ہے کہ وہ مناسب نہیں ہے۔

بیگم صاحبہ کی کون سی بات پسند آئی؟

نواز شریف: وہ ماشاء اللہ بہت خوبیوں کی مالک ہیں، بڑی جرات مند خاتون ہیں۔ ان کی جو چھپی ہوئی خوبی میرے سامنے میرے جیل جانے کے بعد آئی کہ وہ اس قدر بہادر خاتون ہیں جو میں پہلے تصور نہیں کرتا تھا۔ وہ سڑکوں پر بھی نکل گئیں اور جیل میں مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ پیچھے کیا فیصلہ گھر میں ہو چکا ہے۔ وہ تو ان کے، والد صاحب اور والدہ صاحبہ کے مابین فیصلہ ہوا تھا کہ گھر میں چونکہ مرد اب کوئی نہیں ہے۔ سب یا تو جیلوں میں ہیں یا میرے والد صاحب ہیں جو عمر رسیدہ ہیں تو پھر آپس میں انہوں نے یہی طے کیا کہ کلثوم باہر نکلے۔ جو کام کسی مرد کو کرنا چاہیے تھا، وہ ان کے نہ ہونے سے ایک خاتون کو کرنا پڑا۔ پھر وہ باہر نکلیں اور جتنی بہادری سے انہوں نے پاکستان کے غاصب جرنیلی ٹولے کا مقابلہ کیا میرا خیال ہے کہ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بلکہ میں بھی یہ امید نہیں کرتا تھا بلکہ پوری قوم کو بھی اس کی امید نہیں تھی۔ 12 گھنٹے ایک خاتون کے لئے گاڑی میں بیٹھے رہنا بذات خود ایک بہت بڑی بات ہے۔ پھر اس کے بعد ڈرنا یا گھبرانا نہیں، کہیں بھی چلے جانا کسی بھی حالت میں، یہ تو اپنی زندگی کو داؤ پہ لگانے والی بات تھی۔ اس طرح کے جرنیلوں کا کیا بھروسا ہوتا ہے۔ یہ تو ماضی میں بھی سیاستدانوں کو مرواتے رہے ہیں اور آئندہ بھی یہ کام کر سکتے ہیں۔ یہ سیاستدان ہی ہیں جو کبھی قانون یا آئین کے کسی ضابطہ سے باہر نہیں نکلے۔ ان جرنیلوں نے تو کبھی کسی قانون یا آئین کی پرواہ نہیں کی۔ انہوں نے تو جس کو چاہا مروا دیا، جس کو چاہا پکڑ لیا، جیل میں بند کر دیا، ملک بدر کر دیا، یہ تو اس قسم کا ذہن رکھنے والے جرنیلی ٹولے کا کام ہے۔ پاکستان کے ایسے بھی فوجی ہیں جو آئین اور قانون کا احترام کرتے ہیں، وہ میرے نزدیک صحیح اور سچے فوجی ہیں۔ باقی کو تو میں فوجی بھی نہیں گردانتا۔ یہ تو بدمعاشی اور غنڈہ گردی کرنے والے لوگ ہیں جو اس طرح سے آتے ہیں اور ملک و قوم کے ساتھ فوجی سربراہ بن کر یہ کام کرتے ہیں، بلکہ اپنے ملک کے سیاستدانوں، لیڈروں، وزرائے اعظم کے ساتھ یہ کھیل کھیلتے ہیں۔ ان کے خلاف تو آرٹیکل 6 سے بھی جو اوپر کی چیز ہے، وہ لگنی چاہیے۔ اور اب مثال قائم کرنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ ملک پاکستان نہیں چلے گا اور نہ دنیا میں کبھی ترقی کر سکے گا بلکہ ہم پستی سے پستی کی طرف چلتے چلے جائیں گے۔ اگر ہم نے ان کو بیچ میں چھوڑ دیا اور اس کو کسی منطقی انجام تک نہ پہنچایا۔

ناقابل فراموش واقعات

- بچپن میں نہر میں ڈوبنے لگا تو چچا بشیر نے بچالیا
- ہاتھ میں سلاخ سے سوراخ ہوا تو بے تحاشا خون بہا
- تہران ایئر پورٹ پر طیارہ گرنے لگا مگر میں خوفزدہ نہیں ہوا
- میں خطرات سے نہیں ڈرتا، بہادری سے ان کا مقابلہ کرتا ہوں

ڈوبتے ڈوبتے بچا

کوئی ایسا واقعہ جس نے آپ کے ذہن پر گہرا اثر ڈالا ہو؟ کبھی کوئی چوٹ لگی ہو یا کوئی ایسی چیز دیکھی ہو جسے بھلا نہ سکے ہوں؟

نواز شریف: واقعات تو کافی ہیں کئی بار موت کے منہ سے بچا مثلاً ایک دفعہ ہم فیصل آباد گئے تھے۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ ہم واپس آرہے تھے۔ نہر کے ساتھ ہم نے ایک سایہ دار جگہ دیکھ کر گاڑیاں کھڑی کیں۔ ہماری پوری فیملی ساتھ ہی تھی۔ کھانا ہمارے پاس تھا تو ہم نے سوچا کہ چلو کھانا یہاں پر گرم کر کے بیٹھ کر کھائیں۔ لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلائی۔ پھر کھانا گرم کیا۔ اتنے میں بچوں نے نہانا بھی شروع کر دیا۔ میں بھی نہر میں نہا رہا تھا تو میں بیچ میں ڈوب گیا۔ میرے چچا بشیر صاحب نے مجھے دیکھا کہ میں غوطے کھا رہا ہوں انہوں نے کپڑوں سمیت ہی نہر کے اندر چھلانگ ماری پھر انہوں نے بڑی مشکل سے مجھے نکالا۔

شدید زخمی ہوگیا

یہ کب کا واقعہ ہے؟

نواز شریف: اس وقت میں بہت چھوٹا تھا اور سکول میں پڑھتا تھا۔ مجھے مکمل طور پر تیرنا بھی نہیں آتا تھا ایسے ہی تھوڑا بہت تیرنا جانتا تھا، لیکن وہاں پر پانی بہت گہرا تھا۔ انہوں نے بڑی مشکل سے مجھے نکالا۔ پھر دوسرے لوگوں نے بھی چھلانگیں لگا دیں سب نے مل کر مجھے نکالا۔ باہر نکال کر مجھے الٹا لٹایا۔ پھر پانی نکالا۔ اس کے بعد مجھے ہوش آئی۔ پھر دوسرا واقعہ ہے۔ ہمارے گھر لاہور میں ایک فوارہ ہوتا تھا جہاں ہم رہتے تھے کافی بڑا صحن تھا جہاں فوارہ لگا تھا۔ فوارہ کے ساتھ آہنی گیٹ تھا جس کے اوپر سلاخیں لگی ہوئیں تھیں۔ میں گیٹ کے اوپر چڑھ کر فوارے کا پائپ بند کر رہا تھا۔ میں پانی سے پورا بھیگا ہوا تھا۔ میں نے پاؤں اوپر پھنسائے ہوئے تھے تو میرا پاؤں پھسل گیا تو میرا ہاتھ پورا اس سلاخ کے اندر چلا گیا اور میں اس کے ساتھ ہی لٹک گیا۔ تب میرا بڑا خون نکلا تھا۔ ابھی تک میرے ہاتھ پر اس کا واضح نشان ہے۔

ایک اور واقعہ مجھے ابھی تک اچھی طرح یاد ہے۔ یہ واقعہ ہے 1973ء کا جب میں کراچی سے نیویارک جا رہا تھا۔ میرے والد صاحب نے مجھے کہا تھا کہ تم باہر جا کر دیکھو سٹیل امپورٹ کرنے کے کیا مواقع ہیں کیونکہ ہم نے سٹیل امپورٹ کرنا تھا۔ جہاز کا پہلا سٹاپ تہران تھا۔ میں پی آئی اے سے سفر کر رہا تھا۔ جہاز جب تہران اترنے لگا تو دو گھنٹے چکر لگاتا رہا۔ سب مسافر پریشان ہونے لگے کہ یہ اتر کیوں نہیں رہا۔ میں بھی پریشان تھا کہ یہ کیا بات ہے۔ ساڑھے تین گھنٹے کی فلائٹ تھی جب کہ پانچ گھنٹے گزر چکے تھے لیکن ہمیں کچھ بتایا نہیں جا رہا تھا۔ ہم شہر کے اوپر ہی پرواز کر رہے تھے۔ جہاز اوپر چکر لگا رہا تھا۔ پھر انہوں نے ہمیں بتایا کہ اصل میں جہاز کا لینڈنگ گیئر نہیں کھل رہا تو اس کے لئے ہم نے اطلاع کی ہے کہ ایمرجنسی لینڈنگ کرنا پڑے گی۔ لوگ بہت خوفزدہ ہو گئے۔ کئی لوگوں نے دعائیں پڑھنا شروع کر دیں۔ ہم نے دیکھا کہ رن وے کے اوپر گاڑیاں اور فائر بریگیڈز آ گئے ہیں۔ پھر انہوں نے ہمیں دو دو Pillows (تکیے) دے دیئے کہ آپ اپنے سر گھٹنوں کے درمیان دے دیں۔ ایگزٹ والی تمام سیٹیں انہوں نے خالی کرا لیں اور وہاں جہاز کا عملہ آ کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا کہ باقی سب لوگ اپنے سر گھٹنوں میں رکھیں اور کوئی اپنا سر نہ اٹھائے اور تکیے دونوں کانوں کے ساتھ لگا لیں۔ آپ نے اسی حالت میں رہنا ہے جب تک ہم پہلی لینڈنگ کرنے کی کوشش کریں گے۔ پہلی لینڈنگ سے ہی جیسا کہ آپ کو پتا ہے کہ Friction ہو سکتی ہے، آگ بھی لگ سکتی ہے اور کام بڑا خراب بھی ہو سکتا ہے۔ لوگوں کی طبیعت خراب ہونا شروع ہو گئی۔ میں اتنا پریشان نہیں تھا۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ مجھے خوف بالکل محسوس نہیں ہوا۔ میں بلکہ بڑی دلچسپی سے سارا کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر اعلان ہوا کہ اب ہم لینڈ کرنے کی کوشش کریں گے اور مسافروں کو جو کہا گیا ہے اس کے مطابق عمل کریں۔ میں سر اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا تھا کہ ماحول کیسا ہے؟ جیسے ہی وہ لینڈنگ کرنے لگا تو پھر ایک دم ٹیک آف کر گیا۔

دوسری دفعہ بھی نیچے آیا، پھر ٹیک آف کر گیا، بغیر رن وے کو چھوتے ہوئے۔ میں حیران تھا کہ یہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رن وے پر بہت سارے فائر بریگیڈ کھڑے تھے۔ مجھے ایئر ہوسٹس نے کہا کہ آپ سے جو کہا گیا ہے اس پر کیوں عمل نہیں کرتے۔ میں نے کوئی بحث نہیں کی۔ پھر اس نے کہا کہ اب ہم تیسری دفعہ لینڈنگ کریں گے۔ مجھے کوئی امید نہیں تھی کہ ابھی بھی کچھ ہونے والا ہے۔ تاہم اس مرتبہ میں نے ان کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی کوئی دھماکہ ہوگا۔ لیکن حیران کن طور پر جہاز آرام سے لینڈنگ کر گیا۔ جب جہاز کے ویل رن وے پر لگے اور جہاز چلنا شروع ہو گیا تو ایک دم میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ (ہنستے ہوئے) سامنے عمارتیں نظر آنے لگ گئیں۔ اس کے بعد ائر ہوسٹس جلدی سے اٹھ گئی اور اعلان کر دیا کہ ہمارا لینڈنگ گیئر آخری وقت پر کھل گیا ہے۔ سب لوگ بڑے حیران اور خوش تھے۔ یہ مجھے واقعہ یاد ہے جب ہمارے دو گھنٹے بڑے دلچسپ گزرے، میں اور لوگوں کو بھی دیکھ رہا تھا جو میرے پیچھے بیٹھے تھے اور لگاتار باتیں کر رہے تھے۔ وہ تمام سچویشن سے بے خبر اپنی ہی باتوں میں مصروف تھے۔ ایک میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ کسی میں خوف میں مبتلا نہیں ہوا۔ دوسرا میں نے انہیں بھی دیکھا کہ وہ کسی خوف میں مبتلا نہیں ہوئے تھے باقی ہر کوئی بہت ہی خوفزدہ تھا۔

تو کیا آپ اپنے کو سمجھتے تھے کہ آپ بڑے بہادر اور بے خوف واقع ہوئے ہیں؟

نواز شریف: نہیں میں کوئی اپنی تعریف نہیں کر رہا یا ذاتی تعریف میں یہ بات نہیں کہہ رہا موت سے تو ہر شخص کو خوف آتا ہے اللہ نہ کرے کہ کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش آئے جس کی تجربے کی بناء پر میں آپ سے یہ کہوں کہ مجھے موت سے بالکل خوف نہیں آتا۔

لیکن پھر بھی یہ موت ہی تھی نا جس کو آپ نے اتنے قریب سے دیکھا؟

نواز شریف: ہاں لیکن آپ کو میں یہ بھی بتا دوں کہ میں خطرات سے کوئی اتنا ڈرتا نہیں ہوں۔ خطرہ اگر کبھی آ جائے تو اس کا بہادری سے سامنا کرنے کی مجھ میں ہمت ہے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

ذاتی شوق

- محمد رفیع کے گانے شوق سے گایا کرتا تھا۔
- راگ بھیروی اور راگ درباری کی سمجھ آجاتی ہے۔
- دلیپ کمار، مدھوبالا اور وحیدہ رحمان کی فلمیں شوق سے دیکھا کرتا تھا۔
- میرے پاس 60ء اور 70ء کی دہائی کے گانوں کی میوزک کولیکشن موجود ہے۔
- تیز ترین ڈرائیونگ موٹروے پر 230 کلومیٹر فی گھنٹے کے حساب سے کی۔
- موسم سرما پسند ہے۔ پہاڑ اچھے لگتے ہیں۔ مری میں رات گزارنا اچھا لگتا ہے۔
- باغ جناح میں کرکٹ عام لوگوں سے ملنے کے لئے کھیلتا تھا۔
- سری پائے بالکل پسند نہیں شب دیگ اور آلو گوشت کا سالن پسند ہے۔
- اچھی گھڑیاں اور جوتے پہننے کا شوق رہا ہے۔
- الیکٹرانکس اور جدید ترین مشینری کا بچپن ہی سے شوق ہے۔

موسیقی

ہر انسان میں حس لطیف موجود ہوتی ہے وزیر اعظم کے سینے میں بھی دل ہوتا ہے کیا آپ کو میوزک پسند ہے؟

نواز شریف: مجھ میں حس لطیف موجود ہے میرے خیال میں میوزک کو پسند کرنے والا آدمی بنیادی طور پر اچھا ہوتا ہے مجھے محمد رفیع، لتا، آشا بھونسلے اور طلعت محمود پسند ہیں۔

اچھی آواز

مشہور ہے کہ آپ گاتے بھی ہیں؟ آپ کی آواز کافی اچھی ہے؟

نواز شریف: ایک زمانے میں دوستوں کی محفل میں گا لیا کرتا تھا محمد رفیع کے گانے شوق سے گایا کرتا تھا۔ شادی بیاہ کے موقع پر ہم عمروں کے اصرار پر گانے سنا دیا کرتا تھا۔ اسی طرح قرأت بھی بہت خوش الحانی سے کیا کرتا تھا، قرأت تو اب بھی کر لیتا ہوں۔

کیا آپ کو راگوں کی بھی سمجھ ہے؟

نواز شریف: مجھے راگ بھیروی اور راگ درباری کی معمولی سی سمجھ ہے۔ راگ شام کلیان کی بھی کچھ کچھ سمجھ ہے۔

پسندیدہ گلوکارہ

پسندیدہ گلوکار کون سے ہیں؟

نواز شریف: 50ء کی دہائی کے گانے بہت اچھے لگتے ہیں محمد رفیع جیسی آواز زندگی میں کبھی نہیں سنی محمد رفیع کا فلم دیدار کا یہ گانا ''ہوئے ہم جن کے لئے برباد'' مجھے بہت پسند ہے۔

فلمیں

پاکستان اور بھارتی فلمیں تو شوق سے دیکھتے ہوں گے؟

نواز شریف: مجھے 1960ء اور 1970ء کی دہائی کی پاکستانی اور بھارتی فلمیں پسند ہیں اب تو عرصہ ہوا یہ شوق بھی ختم ہو گیا دلیپ کمار، وحیدہ رحمان اور مدھو بالا کی فلمیں شوق سے دیکھا کرتا تھا۔

کس دور کے گانے اور میوزک پسند ہے؟

نواز شریف: میوزک بھی مجھے 60ء اور 70ء کی دہائی کا ہی پسند ہے میرے پاس اس دور کی مکمل میوزک کولیکشن ہوا کرتی تھی جو ضائع ہو گئی۔ نئے سرے سے سارا ریکارڈ جمع کر رہا ہوں۔

پاکستانی گلوکاروں میں سے کون پسند ہے؟

نواز شریف: پاکستانی گلوکاروں میں سے نور جہاں، مہدی حسن، زبیدہ خانم، نسیم بیگم، احمد رشدی اور سلیم رضا نے بہت اچھا گانے گائے "دل کا دیا جلائے" میرا پسندیدہ پاکستانی گانا ہے۔

کیا آپ کو ڈرائیونگ کا شوق ہے۔؟

نواز شریف: مجھے اچھی گاڑی اور ڈرائیونگ کا شوق رہا ہے۔

گاڑی چلانی کب سیکھی؟

نواز شریف: میٹرک میں ہی گاڑی چلانا سیکھ لی تھی۔ پہلی گاڑی اوپل تھی۔ 1974ء میں فورڈ مستانگ خریدی۔ 77ء میں سپورٹس گاڑی خریدی اور پھر 450 مرسڈیز لے لی۔

تیز ترین ڈرائیونگ

سب سے تیز گاڑی کب اور کہاں چلائی؟

نواز شریف: بیرون ملک 1974ء میں مسراٹی گاڑی ٹیسٹ ڈرائیو کے طور پر چلائی۔ 150 میل فی گھنٹے کے حساب سے ٹریک پر ڈرائیو کی۔ پاکستان میں موٹر وے کے کھلنے سے پہلے 230 کلومیٹر فی گھنٹے کے حساب سے گاڑی چلائی تھی۔ جدہ میں تو میں کم ہی خود ڈرائیو کرتا تھا۔ لندن میں خود گاڑی چلانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔

موسم کون سا پسند ہے؟

نواز شریف: موسم سرما بہت پسند ہے۔ مجھے پہاڑ بھی اچھے لگتے ہیں۔ مری میں 1960ء سے ہمارا گھر ہے مجھے مری میں رات گزارنا بہت اچھا لگتا ہے۔

آپ وزیر اعظم تھے تو کرکٹ کھیلنے باغ جناح چلے جایا کرتے تھے یہ تو سراسر وقت اور سرمائے کا ضیاع نہیں تھا؟

نواز شریف: میں کرکٹ کھیلنے سے ریلیکس (relax) ہو جاتا تھا کرکٹ کھیلنے سے ذہن تازہ ہو جاتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی وہاں عام لوگوں سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔ یہ بات بھی درست ہے کہ لوگ میرے اس طرح کرکٹ کھیلنے پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ لیکن عام لوگوں سے رابطے کے لئے کرکٹ

ضروری تھی۔ وہاں باغ جناح میں صحافیوں سے بات چیت ہو جاتی تھی اور عام ورکر بھی آ جاتے تھے، یوں اس میں اعتراض والی بات کم تھی۔

آپ کے کھانوں کا شوق تو دنیا بھر میں مشہور ہے، حقیقتاً آپ کو کھانے میں کیا کیا پسند ہے؟

نواز شریف: شب دیگ، آلو گوشت اور دوسرے پاکستانی سالن گھر میں شوق سے کھائے جاتے ہیں۔ میں ذاتی طور پر عموماً ابلا ہوا چکن یا گرلڈ دیسی چکن کھاتا ہوں۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق میں دوپہر کا کھانا اکثر نہیں کھاتا۔ مجھے پاستا (اطالوی کھانا) اور فرنچ سٹائل کی بنی ہوئی مچھلی بھی پسند ہے۔ سری پائے کھانا مجھے بالکل پسند نہیں ہے، معلوم نہیں اخبار والوں نے یہ بات کہاں سے میرے ساتھ وابستہ کر دی ہے (ہنستے ہوئے)۔

آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کو قیمتی گھڑیوں اور جوتوں کا شوق ہے؟

نواز شریف: کسی زمانے میں مجھے اچھی گھڑیاں پہننے کا شوق تھا اب چھ سات سال سے کوئی نئی گھڑی نہیں خریدی۔ جس دن ٹیک اوور ہوا میرے ذاتی بریف کیس میں بہت عمدہ گھڑی، 60 ہزار ڈالرز کے ٹریولرز چیک اور بہت سے ذاتی کاغذات تھے، وہ بھی سب فوج نے قبضے میں لے لئے اور بعد میں ایک خالی ٹوٹا ہوا بریف کیس واپس کر دیا گیا۔ اسی طرح مجھے ایک زمانے میں اچھے جوتے پہننے کا بھی شوق ہوا کرتا تھا۔ عرصے سے نیا جوتا نہیں خریدا، بہت سارے جوتے نوکروں میں بانٹ دیئے ہیں، گھڑیوں کی کولیکشن میں سے کچھ آج بھی موجود ہیں۔

الیکٹرانکس کا کس حد تک شوق ہے؟

نواز شریف: مجھے الیکٹرانکس اور جدید مشینری کا بچپن سے ہی شوق ہے الیکٹرانکس کی جو بھی جدید ترین چیز آتی ہے میں اسے ضرور خریدتا ہوں۔ میرے پاس ہمیشہ جدید ترین ٹیپ ریکارڈرز ہوتے ہیں۔ ان میں سے کئی تو ٹیک اوور میں ضائع ہو گئے۔ اس طرح سے ویڈیو کے حوالے سے بھی جدید ترین ٹیکنالوجی ہمیشہ میرے پاس رہی ہے۔ پہلے پروجیکٹر ہوتے تھے، پھر وی سی آر آ گئے، اب ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا استعمال کر رہا ہوں۔ اب بھی میرے پاس جدید ترین کیمرے، پروجیکٹر اور ویڈیو کیمرے ہیں، آپ اسے میرا شوق کہہ سکتے ہیں۔

عملی زندگی، عملی سیاست

☆ کاروبار

☆ سیاست میں آمد

☆ وزیراعلیٰ کے چیلنج

☆ ضیاءالحق، جونیجو اور میں

☆ بے نظیر بھٹو سے مفاہمت

☆ الزامات در الزامات

کاروبار

- جب اتفاق فاؤنڈری کو قومیایا گیا تو ہمارے پاس ساڑھے سات ہزار ملازم کام کرتے تھے۔
- اتفاق فاؤنڈری جرنیلوں کی ملی بھگت سے نہیں، بلکہ جنرل ضیاء کے اصرار پر واپس ملی۔
- سیاست میں آنے سے ہمیں بزنس میں نقصان برداشت کرنا پڑا۔
- فائدے اٹھانے کی بات غلط ہیظ سیاست میں آنے سے ہمارے اثاثے کم ہوئے۔
- ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ سیاست اور کاروبار اکٹھے نہیں چل سکتے۔
- ڈاکٹر مبشر حسن جیسے لوگ غلطی نہ کرتے تو پاکستان میں دس جنوبی کوریا سما چکے ہوتے۔
- بنیادی ڈھانچہ ہوگا تو مساوات ہوگی گائے ہوگی تو اس سے دودھ لیں گے۔
- 22 دولت مند خاندانوں کا تصور غلط تھا، یہ خاندان پاکستان کو ترقی دے رہے تھے۔

بزنس میں دلچسپی

بزنس کب شروع کیا، عملی زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟

نواز شریف: میں نے نیشنلائزیشن سے تھوڑا عرصہ پہلے ہی دفتر جانا اور بزنس میں دلچسپی لینا شروع کیا تھا۔ پہلے فاؤنڈری کے دفتر جاتا رہا، نیشنلائزیشن کے بعد ٹیکسٹائل کے دفتر جاتا رہا، کیونکہ ٹیکسٹائل کا شعبہ نیشنلائزیشن سے بچ گیا تھا۔ نیشنلائزیشن سے ملک کو بہت نقصان پہنچا۔ پاکستان بنا تو ہماری انڈسٹری میں 100 لوگ کام کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے وقت مختلف لوگوں نے ہمارے دس لاکھ روپے دینے تھے جو انڈیا میں ہی رہ گئے۔ جب اتفاق فاؤنڈری کو قومیایا گیا تو اس وقت وہاں ساڑھے سات ہزار لوگ کام کرتے تھے جن میں اڑھائی ہزار ڈیلی ویجز تھے۔ ہمارا کاروبار بہت وسیع تھا ہم توپوں کے گولے تک بناتے تھے۔ ہم نے روڈ رولر بنایا، زرعی آلات بنائے، پہلا ویٹ تھریشر بنایا۔ نواب آف کالا باغ اس سلسلے میں ہماری حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ ہماری برآمدات عراق،

افغانستان، ایران اور سعودی عرب جاتی تھیں۔ میں نے خود جا کر وہاں خریداروں سے ملاقاتیں کیں۔ ہمارے ادارے کی مانگ تھی۔ والد صاحب سارا کام نقد پر کرتے تھے۔ ہم نے کبھی بینکوں سے قرضہ نہیں لیا تھا۔ نیشنلائز ہونے پر ہم نے دوبئی میں سٹیل مل لگالی۔ ہم اس زمانے میں منافع تقسیم نہیں کرتے تھے بلکہ والد صاحب منافع کو دوبارہ سے Invest کر دیا کرتے تھے، اسی وجہ سے ہماری انڈسٹری نے بہت ترقی کی۔

پہلا غیر ملکی دورہ

پہلے غیر ملکی دورے کے تاثرات کیا تھے؟

نواز شریف: 1965ء میں اباجی نے مجھے پہلی مرتبہ کابل بھیجا۔ یہ پہلا موقع تھا جب میں اپنے ملک سے باہر گیا۔ وہاں ایک انڈسٹریل نمائش تھی جس میں ہماری انڈسٹری بھی حصہ لے رہی تھی۔ یہ ڈیزل انجن افغانستان کو پہلے ہی برآمد کر رہی تھی تو میرے والد صاحب نے مجھے اپنے سینئر مینیجرز میں سے ایک کے ساتھ بھیجا جو اتفاق فاؤنڈریز میں کام کر رہے تھے۔ ادھر انہوں نے اس مینیجر کو ہوٹل کے بل پیسوں اور ہر چیز کا انچارج بنایا۔ اس شخص نے مجھے شاپنگ وغیرہ کے لئے تھوڑے سے پیسے دیئے۔ نمائش میں پھرنے کے علاوہ میں کابل شہر میں شاپنگ کے لئے گھوما پھرا جہاں ہم نے اپنا سٹال لگا رکھا تھا۔ وہ بھی جا کر سارا دیکھا۔ پھر میرے والد صاحب نے مجھے ایران، عراق، لبنان، سعودی عرب اور بیروت بھیجا۔ انہوں نے مجھے سفر اور دیگر اخراجات کے لئے پیسے دیئے۔ میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ اس پیسے کو استعمال کیا میرے پاس واپس آتے وقت کچھ روپے بچ گئے جو میں نے جا کر اسی طرح اپنے والد صاحب کو واپس کر دیئے۔ (ہنستے ہوئے) میرے والد صاحب نے سوچا کہ اچھی تربیت ہو رہی ہے کہ اس لڑکے نے زیادہ پیسے خرچ نہیں کیے۔ کوئی فضول خرچی نہیں کی بلکہ کچھ پیسے واپس بھی کر دیئے ہیں جو خرچ نہیں کر سکا۔ انہوں نے کہا کہ یہ صحیح ڈگر پر جا رہا ہے۔ اگلی دفعہ 1969ء میں انہوں نے مجھے لندن اور اٹلی بھیجا۔ وہاں ٹیکسٹائل کی کوئی نمائش تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اپنی تعلیم بھی حاصل کر رہا تھا۔ لہٰذا میں وہاں گیا اور ان کے ساتھ جا کر کاروباری بات چیت کی۔ وہاں سے میں اٹلی گیا۔ اٹلی میں ایک جگہ تھی ادینے (UDINE) جو کہ وینس کے بہت قریب ہے۔ ویک اینڈ پر میں وینس چلا گیا جو بڑا خوبصورت لگا۔ ادینے سے وینس ٹرین کے ذریعے گیا جس میں ایک گھنٹہ لگا۔ ادھر سے ٹیکسٹائل وغیرہ کا کام ختم کر کے اور فارغ کر کے میں پھر لندن چلا گیا۔ میرے پاس محدود رقم تھی۔ میرا خیال ہے کہ

شاپنگ کے لئے کوئی 3,2 سو پاؤنڈ ہوں گے۔ اس سے زیادہ کیا ہونا تھا، وہ دو تین دن میں ہی ختم ہو گئے۔ پھر میں نے کہا کہ اب واپس چلیں۔ اس دن میں نے سوچا کہ میرے پاس پیسے اس سے زیادہ ہونے چاہیے تھے بعض اوقات انسان ان مراحل سے گزرتا ہے تو ہم پر بھی اکثر ایسا وقت آیا جب ایسے دور سے گزرنا پڑا کہ پیسے نہیں ہوتے تھے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ ہم سب کو تنخواہ ملتی تھی۔ اب بھی کوئی Dividends وغیرہ مل جاتے ہیں جب کہ ہم سب تنخواہوں پر ہی گزارا کرتے تھے۔ اس میں ایک مقرر کردہ رقم ہوتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پاکستان میں بھی ہمارے گھر کے اندر یہ سسٹم رائج تھا اور کئی دفعہ اگر کوئی رسم گھر میں آجاتی تو میری اہلیہ نے کہنا کہ مجھے یہ چیزیں لینی ہیں تو میرے پاس تو پیسے ہی نہیں ہیں۔ ہم پھر یہی کہتے کہ اب گزارا کرو، جو بھی ہے۔ اگرچہ ہمارا بزنس بالکل ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا، لیکن جب آپ اصول وضع کرتے ہیں تو آپ کو ان پر خود بھی عمل کرنا پڑتا ہے۔ پھر آپ ان قوانین کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے اور آپ کو اس تنخواہ میں گزارا کرنا پڑتا ہے، اور یہ ساری چیزیں اپنے اوپر بھی نافذ کرتے ہیں۔ آپ کی باتوں سے مجھے اتنی پرانی باتیں بھی یاد آرہی تھیں۔ میں بھی بتا دوں کہ میرے والد بڑے سادہ انسان تھے، میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے کبھی کوئی فالتو پیسہ خرچ کیا ہو، اور وہ بھی اپنی ذات کے اوپر۔ ان کا رہن سہن، کھانے پینے کے انداز انتہائی سادہ تھے۔ وہ واحد انسان تھے جنہوں نے گھر سے باہر کبھی کھانا نہیں کھایا۔ وہ ہمیشہ گھر میں کھانا کھاتے اور کبھی ریسٹورنٹ نہیں جاتے تھے۔ میں نے ان کو کبھی پاکستان میں کھانا کھانے کے لئے کسی ریسٹورنٹ میں جاتے نہیں دیکھا۔ وہ ہمیں ساتھ بھی کبھی نہیں لے کر گئے اور نہ کبھی میری والدہ کو لے کر گئے۔ جب سے میں نے سیاست میں قدم رکھا، مجھے بھی زیادہ موقع نہیں ملتا۔

اتفاق فاؤنڈری آپ کو واپس کیسے ملی، کیا یہ سچ ہے کہ جنرل جیلانی اور جنرل ضیاء الحق کی ملی بھگت سے اس کی واپسی ممکن ہوئی؟

نواز شریف: ہم اتفاق فاؤنڈریز کی ڈی نیشنلائزیشن کے خواہش مند ہی نہیں تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ دوبئی میں اباجی نے سٹیل مل لگائی تھی۔ 1977ء کا مارشل لا لگنے کے تھوڑے عرصے بعد جنرل ضیاء الحق دوبئی گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت کوئی بھی فوجی ہمارا واقف نہ تھا۔ وہاں متحدہ عرب امارات میں بریگیڈیر انوار الحق پاکستان کے سفیر تھے۔ انہوں نے میرے والد کی جنرل ضیاء الحق سے ملاقات کروائی۔ انوار الحق ہمارے محسن ہیں۔ انہوں نے جنرل ضیاء سے میاں صاحب کا تعارف کروایا کہ یہ میاں شریف ہیں جو دوبئی میں سٹیل مل لگا رہے ہیں۔ جس پر جنرل ضیاء نے کہا کہ اچھا یہ اتفاق والے میاں شریف ہیں۔

جنرل ضیاء الحق نے انہیں کہا کہ آپ واپس آ کر اپنی فیکٹری چلائیں اور پھر پر زور اصرار کیا کہ آپ ہر صورت میں اتفاق فاؤنڈری کو بحال کریں۔ یہ سچا واقعہ ہے اتفاق کی واپسی کا اور باقی سب کہانیاں ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اتفاق فاؤنڈری اکیلی نہیں تھی جس کی ڈی نیشنلائزیشن ہوئی تھی اور بھی کئی ملیں تھیں جو ڈی نیشنلائز ہوئیں تھیں۔ اور میرا خیال ہے کہ گورنمنٹ ان مشکلات سے تنگ آ چکی تھی جو اس کو اتفاق فاؤنڈریز کو چلانے میں پیش آ رہی تھیں۔ کیونکہ ان سے وہ نہیں چل رہی تھی۔ کچھ دن چلتی تھی پھر بند ہو جاتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ کسی نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ اس کو ڈی نیشنلائز کیوں نہیں کر دیتے۔ اگر یہ آپ سے نہیں چلتی تو آپ اس کے پرانے مالکان کو دے دیں جو اس کو چلا سکتے ہیں۔ میں آپ کو یہ واضح بتا دوں کہ ہم ایسا نہیں چاہتے تھے۔ بتایئے کیوں؟ اس پر قرضے بہت جمع ہو چکے تھے، ہمارے زمانے میں ایک پیسے کا قرضہ نہیں تھا۔ اب قرضوں کا اس پر بوجھ تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ اس کے ہوتے ہوئے ہم اس کو چلا ہی نہیں سکتے۔ اس کے بعد دوسری بات یہ تھی کہ بہت زیادہ لوگوں کی بھرتی کر کے اس پر کافی بوجھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے سارے اثاثے برے حال میں تھے۔ ہم نے پھر جا کر معائنہ بھی کیا۔ ہم نے کہا کہ یہ مسئلہ ہو سکتا ہے کہ ہم سے چلتی ہے یا نہیں۔ پھر اس کے اندر کوئی خام مال نہیں تھا، کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کو کہ ہم چلا سکتے، وہ سب غائب تھیں۔ بس اللہ تعالیٰ کو ایسا منظور تھا تو یہ سب ہو گیا، ورنہ ہم یہ بالکل نہیں چاہتے تھے کہ ہم اس کو واپس اپنی تحویل میں لیں۔

سیاست اور کاروبار

میاں صاحب! آپ بزنس فیملی کے ایک فرد تھے۔ پھر آپ سیاست میں آئے۔ اس حوالے سے بزنس میں کیا کیا مشکلات پیش آئیں؟ یہ جو کہانیاں ہیں کہ آپ کے بزنس کو دھچکا پہنچا، ایک یہ کہانی ہے کہ بزنس میں رکاوٹیں آئیں، دوسری کہانی اس سے بالکل متضاد ہے کہ حکومت میں آنے کی وجہ سے آپ کے بزنس کو بڑا فائدہ پہنچا تو سچ کیا ہے؟

نواز شریف: سچ یہ ہے اور میں آپ کو صاف بتاتا ہوں کہ میں حکومت میں آنے پر اللہ کا بڑا شکر گزار ہوں کہ مجھے اس قابل سمجھا کہ اتنے بڑے مرتبے سے نوازا اور مقام دیا۔ لیکن بزنس کے نقطہ نظر سے ہمیں بڑا نقصان ہوا اور ہمیں بہت برداشت کرنا پڑا۔ جب میں وزیر اعلیٰ تھا تو مرکزی حکومت نے ہمارے بزنس کو نشانہ بنایا۔ اس کو دوبارہ ہدف اس وقت بنایا جب میں اپوزیشن میں تھا۔ جیسے جوناتھن جہاز جو تھا جو امریکہ سے اسکریپ لے کر آیا تھا، صرف ایک جہاز کو روکنے کے لئے جو کراچی کے ساحل پر کافی عرصہ

کھڑا رہا، اس ایک ٹرانزیکشن میں ہمیں کوئی 60 کروڑ روپے کا نقصان ہوا تھا۔ آپ اندازہ کریں کہ اتنے بڑے بڑے نقصان کو برداشت کرنا کسی بھی بزنس کے لئے آسان تو نہیں ہوتا۔ پھر جب ہم اپوزیشن میں تھے تو بینکوں کو راتوں رات ہدایت ملتی تھی کہ آپ ان سے سب کچھ واپس لے لیں، جو بھی مراعات دی ہیں، وہ واپس لے لیں۔ ان حالات میں کسی بھی بزنس کو چلانا آسان نہیں ہوتا۔ چونکہ پاکستان میں بدقسمتی سے یہ روایات رہی ہیں تو میرا یہ خیال ہے کہ سیاست میں آنے سے پہلے بزنس بڑی ترقی کر رہا تھا لیکن سیاست میں آنے کے بعد بڑے نقصانات اٹھائے ہیں۔

لیکن پھر بھی کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کی سیاست سے آپ کے بزنس کو بہت فائدہ پہنچا، آپ کی ملیں بڑھیں۔ آپ کے کاروبار میں اضافہ ہوا کیونکہ آپ نے حکومتی مراعات کا فائدہ اٹھایا؟

نواز شریف: چونکہ آپ کو وہ وقت یاد نہیں، آپ خود بھی شاید بہت چھوٹے ہوں گے، جو نیشنلائزیشن سے پہلے کا وقت تھا۔ نیشنلائزیشن سے پہلے ہمارے بزنس کے حالات بہت اچھے تھے لیکن اس کے بعد نقصان پہنچا، اس کے بعد پھر اگر دوبئی میں فیکٹری لگائی تھی، جب میرا سیاست میں دخل نہیں تھا۔ وہ بڑا اچھا پلانٹ تھا۔ اب آپ دیکھیں کہ یہ جو جدہ میں فیکٹری لگائی ہے تو اب پاکستان کے بینکوں سے کوئی قرضہ تو نہیں لیا۔ یہ پاکستان کی سیاست سے فائدہ اٹھا کر تو نہیں لگائی یا اقتدار میں رہ کر تو یہ کام نہیں کر رہے نا۔ 1937ء سے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ بنایا ہے جو اب تک چل رہا ہے۔ اب کوئی اس کو ہمارے بارے میں کسی بھی طرح سے پیش کرلے، آپ ماشاء اللہ سے اخبار والے لوگ ہیں۔ آپ اس کو جس طرح سے بھی پیش کریں، ہم کیا کر سکتے ہیں۔ جناب! جو کچھ اس وقت ہمارے اثاثے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سے کئی گنا بڑے اثاثے میرے سیاست میں آنے سے پہلے تھے۔ یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہیے۔

تو کیا سیاست میں آنے کے بعد آپ کے اثاثے کم ہو گئے؟

نواز شریف: جی ہاں! اثاثے اب کم ہو گئے ہیں۔ کیونکہ سیاست میں آنے کے بعد وہ کم ہوئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومتی مظالم سے ہمیں بہت نقصانات پہنچے ہیں۔

پھر اس کا کیا حل تلاش کیا؟

نواز شریف: بدقسمتی سے ہم اس نتیجے پر پہنچے جو کہ نہیں پہنچنا چاہیے تھا اور وہ یہ کہ سیاست اور کاروبار

اکٹھے نہیں چل سکتے۔ اگر بزنس سیاست کا شکار نہ ہوتا اور جیسا کہ ہم سیاست میں آنے سے پہلے بھی بزنس کرتے آرہے تھے تو کرتے رہتے اور آج پاکستان کا دنیا میں بڑا نام ہوتا مجھے تو تکلیف اس بات کی پہنچی ہے کہ ساؤتھ کوریا جیسا ملک جو ہے، اس نے 1960ء میں پاکستان کا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ ادھار لیا تھا۔ اور وہ اس کو لے کر کتنی کامیابی کے ساتھ منزلوں پر پہنچ چکے ہیں۔ اور ہم وہیں کے وہیں کھڑے ہیں۔ ان چیزوں نے ہمیں برباد کیا ہے۔

کیا انڈسٹری کے حوالے سے پاکستان میں ڈی نیشنلائزیشن سے نقصان پہنچا ہے؟ پاکستان کی ترقی کی راہ میں کیا رکاوٹیں حائل رہی ہیں؟

نواز شریف: اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان 60ء کی دہائی میں بہت ترقی کر رہا تھا اگر وہی رفتار رہتی تو آج ہم کہیں کے کہیں ہوتے اور جنوبی ایشیا تو بہت چھوٹی بات ہے بلکہ ہم پورے اشیاء میں ترقیاتی ممالک میں شمار کیے جاتے جہاں تک کہ صنعتی ترقی کا تعلق ہے لیکن بدقسمتی سے ہم اس کردار کو جاری نہ رکھ سکے۔ نیشنلائزیشن کے علاوہ اور کوئی بڑا مسئلہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ قوت رفتار جو رک گئی یا توڑ دی گئی، سب سے بڑا نقصان اس کی وجہ سے ہمارے ملک کو ہوا ہے۔

میں آپ کو اپنی مثال دیتا ہوں کہ 1960ء میں، میں نیشنلائزیشن سے پہلے تک جب کہ ہمارا سیاست سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں تھا، اس وقت ہماری انڈسٹری فیصلہ کر رہی تھی کہ ہم پاکستان میں کار مینو فیکچرنگ شروع کریں۔ پاکستان کے اندر مختلف صورتیں ہمارے سامنے تھیں جس میں کار مینوفیکچرنگ کرنے کے لئے ہم باقاعدہ پروگرام بنا رہے تھے۔ اگر وہ ہم کر لیتے تو ساؤتھ کوریا سے کہیں پہلے کار بنا کر مارکیٹ میں لے آتے۔ کیونکہ اس وقت پاکستان بڑی تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہا تھا۔ یہ واویلا کہ پاکستان میں 22 خاندان ہیں غلط تھا، اگرچہ ہم ان 22 خاندانوں میں شامل نہیں تھے لیکن میرا خیال ہے کہ جس نے بھی یہ تصور پیش کیا ہے، اس نے پاکستان کے ساتھ بدترین دشمنی کی ہے کہ ان بائیس خاندانوں کو پکڑو۔

22 خاندان اور معاشی مساوات کا تصور

میرا خیال ہے کہ 22 خاندانوں کا تصور کے مقصد یہ تھا دولت کی تقسیم کا مساوی نظام قائم ہو۔ چند خاندان بہت امیر اور باقی سب کمزور نہ ہو جائیں۔

نواز شریف: یہ بات نہیں تھی اس وقت کوئی دولت کی فروانی نہیں تھی آپ دیکھیں کہ جو لوگ انڈسری لگا

رہے تھے تو وہ سارا کچھ گھروں میں تو لے کر نہیں جا رہے تھے۔ ٹھیک ہے گھروں میں لے کر جاتے ہوں گے مگر کتنا 1 فی صد، 2 فی صد یا 5 فی صد۔ اس سے زیادہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی صنعت کار یا بزنس مین گھروں میں لے جا سکتا ہے۔ اب احمد داؤد دیکھیں، آپ کراچی میں حبیب بینک والوں کو دیکھیں۔ جنہوں نے کراچی میں پہلی حبیب بنک کی بلڈنگ پاکستان میں کھڑی کی، اگر وہ گھروں میں پیسہ لے جا رہے تھے تو انہیں بلڈنگ کھڑی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی برانچوں سے اپنا کام چلا رہے تھے، ان کو کیا ضرورت تھی۔ کہ پورے ملک میں اپنی برانچوں کو اتنا خوبصورت بنائیں، وہ اسی طرح رہنے دیتے۔ ان کو پاکستان کی انڈسٹری کو اپنا پیسہ قرض دینے کی کیا ضرورت تھی۔ اتنے بڑے بڑے اداروں میں انہوں نے جو سرمایہ کاری کی ہے تو اس کی کیا ضرورت تھی۔ تو وہ پیسہ پاکستان میں روزگار کے مواقع پیدا کر رہا تھا، سرمایہ کاری ہو رہی تھی جہاں لوگوں کو روزگار مل رہا تھا جہاں انہیں مزید سرمایہ کاری کے مواقع مل رہے تھے، ٹیکنالوجی پھیل رہی تھی تو دولت کی تقسیم صحیح ہو رہی تھی۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ جاپان میں بھی تو 12 خاندان ہیں جو وہاں کے بڑے مضبوط امیروں میں شامل ہوتے ہیں تو وہ کتنا پیسہ گھروں کو لے گئے۔ آج جاپان کتنا خوشحال ملک ہے۔ کیسے ہوا کیونکہ انہوں نے ترقی کے مواقع کو استعمال کیا۔ انہوں نے صنعت سازی کو بڑھایا۔ آج ان کی ایک ایک انڈسٹری کی ٹرن اوور سو بلین ڈالر کی ہے۔ ایک ایک انڈسٹری وہاں دس دس بلین ڈالر نفع کماتی ہے تو کیا وہ سارے اپنے گھروں کو لے جاتے ہیں۔ تو یہ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ ڈاکٹر مبشر حسن جیسے لوگوں نے اس طرح کے تصورات اپنی سیاست چمکانے کے لئے پیش کیے اب مجھے نام لینا پڑ رہا ہے جو کہ میں بڑی مجبوری کے تحت لے رہا ہوں۔ ڈاکٹر مبشر حسن جیسے لوگوں نے جو بڑے تنگ نظر تھے جن کی سوچ بڑی تنگ تھی انہوں نے اپنی سیاسی دکان کو چمکانے کے لئے یہ کام کیا اور اس کا نتیجہ پاکستان کی بدحالی کے علاوہ اور کچھ نہیں نکلا۔ اگر یہ نہ کرتے تو پاکستان کہیں کا کہیں ہوتا اور دس جنوبی کوریا آج پاکستان میں سما چکے ہوتے۔

معاشی مساوات کا جو تصور ہے تو کیا آپ اس سے اتفاق نہیں کرتے؟

نواز شریف: میں اس سے اتفاق کرتا ہوں لیکن راستہ وہ نہیں ہے جو انہوں نے تجویز کیا وہ راستہ تو تباہی کی طرف لے گیا۔ آج آپ کو پاکستان میں کہاں معاشی مساوات نظر آتی ہے۔ ہے ہی کچھ نہیں تو معاشی مساوات کہاں سے ہوگی۔ پہلے آپ معاشی مساوات کے لئے اپنا بنیادی ڈھانچہ تو کھڑا کریں۔ پھر اس کے ذریعے معاشی مساوات کا سلسلہ جاری کروائیں۔ از خود روزگار کے مواقع تو فراہم نہیں ہو جائیں گے دوسرا حکومت بزنس پر خود ٹیکس عائد کرے گی۔ اس ٹیکس کے ذریعے سے

حکومت معاشی مساوات خود بھی پھیلائے گی اور اس کے ذریعے سے پھیلوائے گی اس طرح سے آپ ذرائع تمام لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اگر آپ نے اس شعبہ کو سکیٹر ہی دیا تو معاشی مساوات کہاں سے پھیلے گی۔ آپ پہلے ملک میں ایک وسعت پیدا کریں پھر اس وسعت پر زیادہ زور ڈالیں۔ اس کو ٹیکس کریں گائے ہوگی تو آپ گائے سے دودھ لیں گے نا اگر گائے ہی نہیں رہنے دیں گے تو آپ دودھ کیسے حاصل کریں گے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

سیاست میں آمد

- قومی اتحاد کی تحریک کے دوران سیاسی میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا
- ایئر مارشل اصغر خان سے باقاعدہ اجازت لے کر صوبائی وزیر بنا
- وزیر بنوانے میں بریگیڈئر قیوم کا ہاتھ تھا جنرل جیلانی میرے واقف تک نہ تھے
- اسٹیبلشمنٹ کی پیداوار ہر کوئی ہے اصل بات بعد کے کردار کی ہے
- میری اصل واقفیت جنرل اقبال سے تھی ان کی وجہ سے بریگیڈئر قیوم واقف بنے۔
- مجھے جنرل جیلانی نے کہا کہ اگر بھٹو دوبارہ انتخابات کرواتے تو بھی جیت جاتے۔

صنعت کار سے سیاستدان

کہاں ایک صنعت کار خاندان کا بچہ اور کہاں سیاست؟

سیاست میں دلچسپی کیسے پیدا ہوئی؟

نواز شریف: (سوچ کر جواب دیتے ہوئے) سیاست میں دلچسپی کے حوالے سے اگر آپ پوچھیں تو ملکی تاریخ کو تو میں پڑھتا آ رہا تھا جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میں تاریخ کا طالب علم تھا۔ تو کیسے کیسے ادوار گزرے، کس نے کیا کیا، یہ سب میں نے پڑھا۔ پاکستان کے اندر جب بھٹو کا دور تھا تو اس وقت ہماری فیکٹری نیشنلائز ہو گئی تھی۔ یہ 1972ء کی بات ہے۔ اس کی پالیسیوں کا مطالعہ کرنے کا دل چاہا۔ اس وقت ملکی حالات معاشی لحاظ سے کچھ ڈانواں ڈول ہوئے۔ اس وقت تک مجھے سیاست میں آنے کا شوق نہیں تھا لیکن 70ء کی دہائی کے آخر میں کچھ رغبت پیدا ہوئی کیونکہ میں ملکی حالات کا بڑا قریبی جائزہ لیتا تھا۔ اس بات کا مجھے بڑا شوق تھا۔ شہباز شریف کو بھی سیاست سے رغبت تھی۔ ہم دونوں ملکی حالات

کے بارے میں اپ ٹو ڈیٹ رہتے تھے۔

قومی اتحاد کی تحریک

قومی اتحاد کی تحریک نے سیاست میں اہم کردار کیا آپ کا اس وقت رول کیا تھا؟

نواز شریف: قومی اتحاد کی تحریک کے جلسے اور جلوسوں میں میں شامل ہوتا رہا، شرکت کرتا رہا، ان کا ساتھ دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک لمحہ تھا جب میں نے سیاست میں آنے کا فیصلہ کیا۔ جو آپ نے مجھ سے پوچھا ہے تو باتوں سے باتیں یاد آتی ہیں۔ یادداشتیں بھی کئی دفعہ کمزور ہو جاتی ہیں۔ تو وہ لمحہ ایسا تھا جب میں نے سیاست میں آنے کا ارادہ کیا۔

تحریک استقلال

تو آپ ایئر مارشل اصغر خان کی جماعت میں کیسے چلے گئے؟ تحریک استقلال میں کیسے شامل ہوئے؟

نواز شریف: کیونکہ اس زمانے میں اصغر خان کی لیڈر شپ نے لوگوں کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ تو میں بھی ان میں سے ایک تھا۔ تو اصغر خان صاحب کی پارٹی کو جوائن کرنے کا یہی ایک سبب تھا۔ ان کی پارٹی کی جو اہم میٹنگ ہوتی تھی، اس میں بھی وہ مجھے بلاتے تھے۔ میں ان میں بیٹھتا تھا۔ وہاں پر آصف فصیح الدین وردگ بھی ہوتے تھے اور بھی کئی ایسے لوگ ہیں۔ میاں خورشید محمود قصوری سے بھی میری وہیں پر واقفیت ہوئی تھی۔ پھر جب جنرل ضیاء الحق صاحب کی پنجاب کابینہ میں شرکت کا موقع ملا تو میں نے پھر اصغر خان صاحب سے باقاعدہ اجازت لی۔ جنرل جیلانی صاحب ان دنوں پنجاب کے گورنر تھے تو انہوں نے مجھے اپنی کابینہ کا وزیر بنایا تو میں نے اپنا یہ اخلاقی فرض سمجھا کہ میں اصغر خان صاحب کو جا کر بتاؤں اور ان سے اجازت لوں۔

صوبائی وزیر خزانہ

اس بارے میں بھی بڑے قصے مشہور ہیں کہ آپ جنرل جیلانی صاحب کے کس طرح اتنے قریب چلے گئے، آپ کے مخالفین الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے ان کو فیکٹری لگا کر دی اور انہوں نے مالی فائدے کی خاطر آپ کو وزیر بنا دیا؟

نواز شریف: جنرل جیلانی بڑے اچھے اور عمدہ قسم کے آدمی تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس الزام کی کوئی حیثیت یا وقعت نہیں ہے۔ چنانچہ میں اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔ لیکن پھر بھی معلومات کے لئے میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ میرے بڑے اچھے مراسم جنرل اقبال سے تھے جو لاہور کے کور کمانڈر تھے۔ جب ذوالفقار علی بھٹو صاحب پاکستان کے وزیر اعظم تھے تو اس زمانے میں بھی وہ لاہور کے کور کمانڈر ہوا کرتے تھے۔ خاص طور پر جب PNA کی تحریک چلی، اس وقت بھی وہ اسی عہدہ پر فائز تھے۔ میرا ان سے اچھا اور پرانا واسطہ تھا۔ ان کی دوستی بریگیڈیئر قیوم صاحب سے تھی بریگیڈیئر قیوم کی جنرل جیلانی سے بہت گہری دوستی تھی۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ جب جنرل جیلانی نے بات کی کہ میں کابینہ بنانا چاہتا ہوں تو آپ بھی مجھے کچھ بتائیں۔ کہ کس کس کو میں لوں تو بریگیڈیئر قیوم نے از خود میرا نام وہاں ان کو دیا۔ اس وقت میں جنرل جیلانی صاحب کو جانتا تک نہیں تھا میں صرف بریگیڈیئر قیوم کو جانتا تھا تو انہوں نے میرے نام کی سفارش کی کہ ایک بزنس فیملی ہے خاص طور پر اکانومی، فنانس اور انڈسٹری کو وہ سمجھتے ہیں تو یہ شعبہ آپ ان کو دیں۔ تو انہوں نے میرا نام جنرل جیلانی کو دیا۔ اس وقت تک میری جنرل جیلانی صاحب سے کوئی واقفیت نہیں تھی لیکن بعد میں میں نے دیکھا کہ وہ واقعی بہت خوبیوں کے مالک تھے اور نہایت ہی اچھے انسان تھے۔ مجھے انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ جب میں ڈی جی آئی ایس آئی تھا تو بھٹو صاحب کو کہا تھا کہ آپ الیکشن دوسری دفعہ بھی کروالیں تب بھی دو تہائی اکثریت حاصل نہ کرنے کے باوجود آپ الیکشن جیت جائیں گے۔ جنرل جیلانی کی یہ سفارشات آج تک بھی محفوظ ہیں۔

بطور صوبائی وزیر خزانہ کیسا تجربہ رہا صوبائی وزیر خزانہ سے صوبائی وزیر اعلیٰ کا سفر کیسے طے کیا۔ کیا مشکلات پیش آئیں، کیسے آپ نے اپنے آپ کو اہل ثابت کیا یا اسٹیبلیشمنٹ نے خود ہی آپ کو پسند کر کے وزیر اعلیٰ بنا دیا؟

نواز شریف: (توقف کے بعد) دراصل بات یہ ہے کہ میں کچھ عرصے سے ایک صوبائی وزیر کے طور پر چلا آرہا تھا۔ غالباً چار سال سے، پھر ایک سیاسی ذہن کا مالک تھا، سیاست میرے لئے زندگی کا ایک حصہ یا ہدف بن چکا تھا۔ تو اس حوالے سے یقیناً دل میں ایک شوق تھا کہ ملک وقوم کی خدمت کی جائے، ایک جذبہ یقیناً میرے دل میں بہت اچھی طرح سے موجود تھا پھر میں نے مناسب سمجھا کہ میں اس میدان میں مزید آگے جاؤں۔ پھر صوبائی اور قومی الیکشن لڑا۔ یہ 1985ء کی بات ہے جب میں نے لاہور سے الیکشن لڑا۔ ایک صوبائی اور دوسرا قومی کا، اللہ کے فضل سے میں دونوں جیت گیا۔ بلکہ اچھی اکثریت سے جیتا۔ میرے مدمقابل جماعت اسلامی کے امیدوار تھے کیونکہ اس وقت ایم آر ڈی

(MRD) نے تو بائیکاٹ کیا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں کوئی خواہش کا اظہار نہیں کیا کیونکہ اس میدان میں کئی امیدوار تھے جو وزیر اعلیٰ کے عہدہ کے خواہاں تھے۔ میں شاید امیدوار بھی نہیں تھا۔ لیکن اگر میں یہ کہوں کہ انسان کے دل میں ترقی کی خواہش نہیں ہوتی تو یہ ایک غلط سی بات ہے۔ مقصد کا زندگی میں ہونا ایک اچھی بات ہے۔ سیاست اور ملکی خدمت میرا ایک مقصد تھی تو ایک نیک مقصد کا ہونا کوئی بری بات نہیں ہوتی۔ لیکن آپ کسی بات کے لئے غیر ضروری طور پر مہم جو ہو جائیں تو وہ اچھی بات نہیں ہوتی۔ تو میں نے تو اپنے فرائض کو ادا کرنے کے لئے کمر باندھی ہوئی تھی اور اللہ کا فضل ہے کہ وزارت اعلیٰ کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈالی گئی جس کو میں نے اللہ کے فضل سے احسن طریقے سے پورا کرنے کی کوشش کی۔ جس کو عوام اور قوم نے پسند کیا۔ وہاں سے میں سمجھتا ہوں کہ میرا سیاست کے اندر کردار قوم کے سامنے واضح ہوا۔ جس کو قوم نے پزیرائی بخشی اور جیسے مواقع آگے آئے تو قوم نے اعتماد کا اظہار بھی کیا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میری خدمت تھی جو میں نے اس زمانے میں پنجاب کا وزیر اعلیٰ بن کر کی۔ جو میرے آئندہ سیاسی کردار پر بہت اثر انداز ہوئی اور جس کے میرے سیاسی کردار پر مثبت اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

وزیر اعلیٰ پنجاب

آپ کے مخالفین کا الزام ہے کہ آپ کو فوج نے آگے بڑھایا، اسی نے وزیر اعلیٰ بنوایا، یہ الزامات کس حد تک صحیح ہیں؟

نواز شریف: دیکھیں جی! اسٹیبلشمنٹ کا ایک خاص کردار پاکستان میں رہا ہے۔ اور یہ کردار نہ چاہتے ہوئے بھی موجود رہا ہے۔ کوئی سیاستدان یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا اسٹیبلشمنٹ سے کوئی تعلق نہیں رہا کیونکہ جب سے ہمیں آزادی ملی ہے، اسٹیبلشمنٹ نے پاکستان کی سیاست میں زبردستی ایک کردار حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے کوئی بھی اس سے مبرا نہیں ہے مثلاً ذوالفقار علی بھٹو صاحب جن کے اندر بے پناہ سیاسی خوبیاں تھیں لیکن ان کا بھی جنرل ایوب خان سے تعلق تھا۔ اس کی کابینہ کے وزیر رہے۔ ایک وزیر کے طور پر ابھرے، جانے گئے پہچانے گئے۔ اس کے بعد پھر ان کا ایک اپنا سیاسی کردار شروع ہوتا ہے۔ تو اس طرح سے اسٹیبلشمنٹ کی پیداوار کا لفظ کہا جائے تو شاید کوئی بھی پاکستان میں اس سے مبرا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دیکھنا یہ چاہیے کہ اس شخص کا وقت آنے پر انفرادی طور پر کردار کیا رہا ہے؟ اس سے آپ اس انسان کا اندازہ لگائیں کہ اس کا کیا کردار ہے، اس کی کیا سوچ ہے، کیا ذہن

ہے، جمہوریت کے بارے میں ان کے دعوے اور نظریات کیا ہیں اور عملی طور پر وہ کیسا ہے، آپ صرف اس کے ایک پہلو سے اندازہ نہیں لگا سکتے کیونکہ پاکستان میں اب تک یہ مجبوری بن چکی ہوئی ہے کسی بھی سیاسی فیلڈ سے وابستہ آدمی کی تو اس سے مبرا کوئی نہیں لیکن بالآخر اس نے کیا کردار ادا کیا تو میرا خیال ہے کہ اس چیز پر زور دینا چاہیے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

وزیراعلیٰ کے چیلنج

- 10 /اپریل 1986ء کا بے نظیر بھٹو کا جلسہ بہت بڑا تھا
- الیکشن میں تمام طاقتیں مل کر بھی پیپلز پارٹی سے نیچے رہیں
- میرے خلاف تحریک عدم اعتماد جونیجو کی رضامندی سے ہوئی
- ضیاءالحق کی حمایت نے میرے مخالفین کو ناامید کر دیا
- بے نظیر بھٹو کا جلوس دیکھنے کا بہت شوق تھا لیکن دیکھ نہیں سکا
- ضیاءالحق اور جونیجو کا میرے ہٹانے پر آپس میں اختلاف تھا
- یوسف رضا گیلانی میرے خلاف بہت متحرک تھے اب اچھے دوست ہیں

بے نظیر بھٹو کی پاکستان واپسی

10 اپریل 1986ء کو بے نظیر بھٹو لاہور آئیں تو آپ وزیراعلیٰ پنجاب تھے اتنے بڑے استقبالی جلوس کو دیکھ کر آپ نے کیا تاثر لیا؟

نواز شریف: 10 اپریل 1986ء کو جب بے نظیر بھٹو صاحبہ آئیں تو بہت اچھا استقبال ہوا تھا۔ بڑا اچھا ہجوم تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اگرچہ سیاسی ایجنسیاں تو اس کو اتنا بڑا اقرار نہیں دے رہیں تھیں لیکن ہمیں اپنے ذرائع سے جو خبریں مل رہی تھیں، وہ یہی تھیں کہ استقبال بہت بڑا ہے۔ جو جلسہ انہوں نے رات کو کیا وہ بھی بہت بڑا تھا لیکن اصل میں میں وہ ہجوم دیکھ نہیں سکا۔ دیکھنے کا شوق تو تھا لیکن دیکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ سیاستدان اپنے حریفوں کا جلسہ جلوس بھی دیکھتے ہیں اور اپنا بھی دیکھتے ہیں یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کتنے پانی میں ہیں اور ہم کتنے پانی میں ہیں، ہم کہاں کھڑے ہیں۔ تو یہ موازنہ

سیاست میں بڑا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن مجھے کوئی ایسا چانس نہیں ملا کہ میں اس کو دیکھ سکتا لیکن اکثر لوگوں سے یہی سنا تھا کہ بہت بڑا جلسہ تھا اور ایک عجیب جذبہ تھا، جو تاریخ میں کبھی کبھی آتا ہے۔ بے نظیر بھٹو کافی جرات کر کے پاکستان آئیں اور اپنے لئے یہ ایک مقام پیدا کیا اس سے سب کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ آنے والا وقت سیاسی میدان میں آسان نہیں ہو گا اور بڑا ابھرپور سیاسی مقابلہ ہو گا۔

کیا آپ ذہنی طور پر ان کا مقابلہ کرنے کے لئے خود کو تیار سمجھتے تھے؟

نواز شریف: جی ہاں، کسی حد تک میں اپنے آپ کو ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کر چکا تھا اور حالات کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھا۔

حالانکہ اس وقت شاید یہ چیلنج براہ راست آپ کے لئے نہیں تھا، آپ وزیر اعلیٰ تھے۔ وزیر اعظم جونیجو صاحب بھی اوپر بیٹھے تھے لیکن آپ نے محسوس کیا کہ مقابلہ آپ نے کرنا ہے؟

نواز شریف: میرا میدان سے بھاگنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا (ہنستے ہوئے) اس وقت تو یہ سوچ تھی کہ اب میدان میں اترے ہیں تو اب مقابلہ ہو گا۔ لیکن ایک اور بات بھی تھی کہ اس زمانہ میں ٹھیک ہے کہ وہ آئیں اور ان کا بہت بڑا شو تھا لیکن ہماری گورنمنٹ بھی اس وقت بڑا اچھا کام کر رہی تھی۔ ترقیاتی کام ہو رہے تھے۔ لوگ ہم سے خوش تھے۔ ہمارے ووٹرز اور سپورٹرز ہم سے بہت مطمئن تھے۔ لیکن دوسری طرف ایک بہت بڑی سیاسی طاقت تھی جس کا سامنا کرنا آسان نہیں تھا۔ الیکشن میں پھر آپ نے دیکھا ہو گا کہ مقابلہ بہت سخت ہوا۔ ہم تمام طاقتیں یکجا ہو گئیں لیکن اس کے باوجود ہم ان سے پیچھے رہے۔

چودھری پرویز الٰہی کی تحریک عدم اعتماد

آپ کے خلاف چودھری پرویز الٰہی کی جو تحریک عدم اعتماد تھی تو آپ سمجھتے ہیں کہ اس میں جونیجو صاحب بھی شامل تھے؟

نواز شریف: وہ براہ راست شامل نہیں تھے۔ لیکن ان کی رضامندی کے بغیر ان لوگوں کی جرات نہیں تھی کہ یہ لوگ میرے خلاف کوئی بھی حرکت کرتے۔ کیونکہ چودھری شجاعت ان کی وفاقی کابینہ کے رکن تھے۔

کیا یہ سچ ہے کہ آپ کے خلاف تحریک عدم اعتماد کی کوشش میں جنرل ضیاء الحق کی رضامندی بھی شامل تھی؟

نواز شریف: میرا خیال ہے کہ جنرل ضیاء الحق صاحب نے کبھی بھی ایسی رضامندی ظاہر نہیں کی ہوگی اور نہ ہی منظوری دی ہوگی۔ کیونکہ جنرل ضیاء الحق اور جونیجو صاحب کا اس معاملے میں اختلاف تھا۔ جب تحریک عدم اعتماد پیش ہونے کی باتیں ہو رہی تھیں جو ہوا تو نہیں تھا تو جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اس وقت کہا تھا کہ نواز شریف کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تو یہی وہ الفاظ تھے جو ان کے لئے بہت نا امیدی کا باعث بنے۔ پھر ان لوگوں کی ساری کوششیں دم توڑ گئیں۔ اس وقت جونیجو صاحب نے ایسا کوئی کردار ادا نہیں کیا جو کہ کرنا چاہیے تھا۔ اس معاملہ میں رانا نعیم پیش پیش تھے۔ پھر حامد ناصر چٹھہ کافی پیش پیش تھے پھر دو تین اور لوگ تھے جو پیر پگاڑا اور جونیجو صاحب کے حوالے سے پیش پیش تھے چونکہ یہ دونوں اس زمانے میں ایک گروپ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ اس لیے ان لوگوں نے اس وقت بہت گھناؤنی سازش کی تھی۔ اس کے علاوہ راجن پور سے جو نصر اللہ دریشک صاحب ہیں۔ وہ بڑے سرگرم تھے۔ چودھری شجاعت صاحب جو کہ جونیجو کی کابینہ کے ممبر تھے، وہ بھی بڑے سرگرم تھے، رانا نعیم بھی جونیجو صاحب کی کابینہ کے رکن تھے۔ دوسرے بھی کئی لوگ تھے۔ ایک اور ہیں جن سے میرے آج کل دوبارہ اچھے تعلقات بن گئے ہیں اور میں ان کو اچھا آدمی سمجھتا ہوں جو کہ ڈٹ گیا ہے، میں اس آدمی کا دل سے معترف ہوں وہ یوسف رضا گیلانی ہیں، وہ بھی اس وقت جونیجو کی کابینہ کے رکن تھے، وہ بھی اس میں شامل تھے۔ اگر جونیجو صاحب کی کوئی رضامندی نہیں تھی تو پھر ان لوگوں کو اس کام میں شامل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ وہ ان کی کابینہ کے رکن تھے جونیجو صاحب کہہ سکتے تھے کہ بھئی آپ یہ کیا کر رہے ہیں جونیجو کی اجازت کے بغیر اس کام کا ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

ضیاء الحق، جونیجو اور میں

- میرے وزیراعلیٰ بنوانے میں جنرل ضیاء الحق کا کوئی کردار نہیں تھا
- میرے ضیاء الحق سے تعلقات بطور وزیراعلیٰ بنے۔
- ضیاء الحق کے آئین توڑنے جیسے اقدامات کی میں جواب دہی نہیں کر سکتا
- محمد خان جونیجو کبھی بھی میرے لیڈر نہیں تھے۔
- جونیجو میری بجائے ملک اللہ یار خان کو وزیراعلیٰ پنجاب بنوانا چاہتے تھے

ضیاء الحق: محسن یا فوجی آمر

آپ ملک کے ایک جمہوری رہنما کے طور پر ابھرے لیکن آپ کا جنرل ضیاء الحق سے ایک تعلق رہا ہے۔ اب اتنا سفر طے کرنے کے بعد آپ ان سے اپنے تعلقات کو کیسے دیکھتے ہیں کیونکہ آپ اب سو فیصدی جمہوری رہنما ہیں جب کہ وہ سو فیصدی ڈکٹیٹر تھے تو اس پس منظر میں ہم جاننا چاہتے ہیں کہ آپ ان دو متضاد فلسفوں کے افراد کے تعلقات کو کس طرح سے بیان کریں گے؟

نواز شریف: یہ بڑا نازک سوال ہے۔ میں آپ کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے کہ لوگ ان کو ایک فوجی آمر کہتے ہیں لیکن میں آپ کو ایک بات بتا دوں جو حقیقت ہے کہ میرے پنجاب کے وزیراعلیٰ کے طور پر منتخب ہونے یا اس سے پہلے پنجاب کی کابینہ میں شمولیت میں جنرل ضیاء الحق کا کوئی کردار نہیں تھا۔ اس میں جنرل جیلانی صاحب کا کردار ہے جب وہ مجھے کابینہ میں شامل کر رہے تھے اور پھر چیف منسٹر کے عہدہ کے لئے۔ مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں جنرل ضیاء الحق مرحوم سے

کلیرنس ضرور لی تھی اور بھی امیدوار فیلڈ میں تھے۔ جیسے مخدوم زادہ حسن محمود، ملک اللہ یار خان، چودھری عبدالغفور بھی کسی حد تک امیدوار تھے تو یہ وہ امیدوار تھے جو بھی زیر غور تھے لیکن اس میں جنرل ضیاء الحق مرحوم نے جنرل جیلانی کو یہ بھی نہیں کہا کہ آپ فلاں کو بنائیں یا فلاں کو بنائیں۔ انہوں نے اپنی طرف سے بھی کسی کا نام نہیں لیا۔ لیکن جنرل جیلانی صاحب نے جب میرے بارے میں فیصلہ کیا۔ جیسا کہ اس وقت آئین میں یہ تھا کہ جو گورنر تھے وہ اپنے صوبے کے چیف منسٹر کا انتخاب کریں گے۔ اس وقت آئین میں یہ چیز درج تھی۔ پھر مرکز میں صدر وزیر اعظم کا تقرر کریں گے۔ تو اس وقت تو سلیکشن کا طریقہ کار تھا۔ کیونکہ الیکشن تو ووٹ ڈالنے کے بعد ختم ہو چکے تھے۔ آئین میں یہ ترمیم صدر کے وزیر اعظم کا تقرر اور چیف منسٹرز کا تقرر کرنے کے بعد 1988ء میں ختم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ کو اعتماد کا ووٹ لینا ہوتا تھا جب آپ صدر یا گورنر کے ذریعے منتخب ہوتے۔ یہ تو پھر بعد کی باتیں ہیں میری وزارت اعلیٰ کے بارے میں انہوں نے جنرل ضیاء الحق صاحب سے منظوری ضرور لی ہو گی۔ میرے تعلقات اس زمانے میں اتنے نہیں تھے جتنے کہ میرے وزیر اعلیٰ بننے کے بعد ہوئے ہیں۔ لیکن اتنا مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے ان سے کلیرنس ضرور لی تھی اور اس میں ان کی رضامندی بھی شامل تھی لیکن اصل میں میرے جنرل ضیاء الحق سے تعلقات وزیر اعلیٰ بننے کے بعد شروع ہوئے تھے۔ کیونکہ اس سے پہلے میری ان سے کبھی بات بھی نہیں ہوئی تھی۔ ٹیلی فون پر صرف ایک دفعہ بات ہوئی تھی جب فنانس منسٹر تھا، یہ بھی میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ لیکن وزیر اعلیٰ بننے کے بعد میری ان سے ہر دو یا تین دن بعد بات ہوتی تھی۔ وہ لاہور آتے یا پنجاب میں کہیں بھی جاتے تو میں وہاں ان کے استقبال کے لئے موجود ہوتا تھا۔ پھر جب میرے ان سے تعلقات بنے تو میں نے ان کو ایک بڑا شفیق قسم کا انسان پایا۔ لوگوں میں جو ان کے بارے میں تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ آمر تھے اور آئین توڑنے کا الزام دیتے ہیں، وہ یقیناً اپنی جگہ پر وہ اقدامات تھے جن کی کہ غالباً جواب دہی میرے جیسا انسان تو نہیں دے سکتا۔ لیکن وہ میرے ساتھ بڑا تعاون کرتے تھے، مجھے دعا دیتے تھے اور میں ان کا آج بھی احسان مند ہوں یہ میں آپ کو سچ کہہ رہا ہوں اور اس احسان کو میں نے دل میں تسلیم کیا ہوا ہے۔ اور گفتگو میں بھی تسلیم کیا ہے تو یہ ایک ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو میں ایک رات میں فراموش کر دوں یا بھول جاؤں۔ پھر اللہ نے مجھے موقع دیا کہ میرا اپنا ایک سیاسی کردار شروع ہو گیا جس کو میں آج تک نبھانے کی کوشش کر رہا ہوں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ بھی میرے اسی کردار کو دیکھیں اور اسی کردار سے مجھے پہچاننے کی کوشش کریں جو میں اس وقت ادا کر رہا ہوں۔

جونیجو کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی پارٹی کا وزیراعلیٰ ہونے کے باوجود آپ نے اپنے منتخب وزیراعظم جونیجو کا جب موقع آیا تو ساتھ نہیں دیا، اپنی پارٹی کا ساتھ نہیں دیا بلکہ جنرل ضیاء الحق کا ساتھ دیا، اس کا کیا جواز تھا؟

نواز شریف: دیکھیں جی صاف بات یہ ہے کہ محمد خان جونیجو صاحب کبھی بھی میرے لیڈر نہیں تھے۔ وہ جب وزیراعظم بنے تو اس سے پہلے میں ان کو جانتا بھی نہیں تھا۔ حالانکہ اس وقت میں وزیراعلیٰ پنجاب بھی تھا۔ اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ جونیجو صاحب میرے بجائے اس بات کے خواہاں تھے کہ میری جگہ ملک اللہ یار خان کو وزیراعلیٰ بنایا جائے۔ شاید وہ میرے وزیراعلیٰ بننے سے اتنے خوش بھی نہیں تھے۔ لیکن میں نے نہ کبھی جتایا اور نہ اس کا پہلے کبھی ذکر نہیں لیکن آج چونکہ اس حوالے سے پہلی مرتبہ گفتگو ہو رہی ہے تو میں کھل کر بات کر رہا ہوں وہ ملک اللہ یار کو پنجاب کا وزیراعلیٰ بنانا چاہتے تھے۔ شاید وہ اس لئے بھی سمجھتے ہوں گے کہ یہ نیا لڑکا کہاں سے آگیا ہے، نہ یہ ہمیں پہلے کبھی ملا ہے نہ ہم اس کو جانتے ہیں جب کہ ملک اللہ یار خان تو ان کا پہلے سے ساتھی تھا کیونکہ وہ اسمبلی میں بھی اکٹھے ممبر رہے ہیں، اس لئے ان کا جھکاؤ اس طرف تھا۔ وہ میرے لیڈر کبھی نہیں رہے تو پارٹی جب بنائی تو ظاہری بات ہے کہ سب نے مل کر بنائی اور وہ یقیناً پارٹی کے صدر بنے، میں صوبے کا صدر بنا۔ لیکن وہ میرے بارے میں کچھ شکوک وشبہات کا شکار ہو گئے اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے، میں تو آج بھی ان کے لئے دعا گو ہوں لیکن اپنے ہی رفقاء کی وجہ سے وہ شکوک وشبہات کا شکار ہوئے۔ ان رفقاء کا مقصد سوائے سازش کے اور کچھ نہ تھا۔ ان کو پیر پگاڑا صاحب کی آشیرباد بھی حاصل تھی تو ان لوگوں نے میرے خلاف تحریک عدم اعتماد کی سازش کی اور جونیجو صاحب بھی اس سازش کا شکار ہو گئے شاید انکا خیال ہوگا کہ اگر میں اس سازش کی بدولت ہٹ جاؤں تو بہت اچھی بات ہے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

بے نظیر بھٹو سے مفاہمت

- بے نظیر بھٹو کا استقبال کرنے ایئرپورٹ گیا تو کارکنوں نے برا بھلا کہا۔
- گورنر ہاؤس میں مجھے کوئی پروٹوکول نہ دیا گیا۔
- بطور وزیر اعلیٰ میری حلف برداری میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔
- گورنر نے حلف سے انکار کیا تو میں نے صدر سے رابطہ کیا۔
- بے نظیر چیف منسٹر ہاؤس میں آتو گئیں لیکن ان کے لہجے میں دھمکی تھی۔

صلح کی کوشش

1988 سے 1990 کے دوران جب آپ چیف منسٹر تھے اور بے نظر بھٹو وزیر اعظم تھیں۔تو آپ دونوں کے مابین صلح کی ایک کوشش کی گئی وہ کوشش کیوں پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکی؟

نواز شریف: جب وہ وزیر اعظم بنی تھیں تو اس سے پہلے ہی میں چیف منسٹر کا حلف اٹھا چکا تھا۔جب وہ وزیر اعظم بنیں تو دو دن بعد وہ لاہور تشریف لائیں اور میں ان کے استقبال کے لئے ایئر پورٹ گیا۔ میں جہاز کے اندر چلا گیا۔اس وقت ایئر پورٹ پر بڑا ہجوم تھا جس میں عجیب وغریب قسم کے نعرے میرے خلاف بھی لگ رہے تھے۔اس وقت بڑی غصیلی فضا تھی۔مگر میں نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ظاہر ہے کہ جب اس طرح کی صورتحال پیدا ہو جائے تو سب بشمول میرے لئے شرمندگی کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔لیکن میں جہاز کے اندر چلا گیا۔اور اگر میں صاف کہوں تو مخالفانہ نعروں سے مجھے بڑا دھچکا لگا تو میں نے سوچا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔اس سے پہلے غالباً یہ ہو چکا تھا کہ گورنر پنجاب کے نامزد ہونے

کی تقریب جنہیں محترمہ بے نظیر نے منتخب کیا تھا، میں شرکت کر چکا تھا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو اپنے خلاف نعرے لگاتے اور برا بھلا کہتے دیکھا اور وہ گورنر ہاؤس میں بڑی غلط زبان میرے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ غالباً وہ میری آمد سے خوش نہیں تھے۔ لیکن میں وزیر اعلیٰ ہونے کے ناطے وہاں موجود تھا لیکن مجھے کوئی پروٹوکول نہیں دیا گیا جو کہ ایک چیف منسٹر کا حق ہوتا ہے لیکن مجھے پبلک میں ایک عام شخص کی طرح بٹھا دیا گیا۔ حالانکہ جب بھی ایسی کوئی تقریب ہوتی ہے تو چیف منسٹر کو سٹیج پر بٹھایا جاتا ہے۔ لیکن ایسا کچھ نہیں دیکھنے میں آیا۔ اگرچہ میں نے یہ محسوس کیا لیکن میں خاموش رہا اس کے بعد پھر یہ ایئر پورٹ والا واقعہ ہوا۔

وزیر اعلیٰ کا حلف رکوانے کی کوشش

کیا اس سے پہلے آپ کی حلف برداری بھی روکنے کی کوشش کی گئی تھی؟

نواز شریف: اس میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کی گئیں۔

کیا واقعی گورنر سجاد حسین قریشی کو فون کیا گیا تھا کہ وزیر اعلیٰ کا حلف نہ اٹھوایا جائے یا یہ صرف افواہ تھی؟

نواز شریف: گورنر صاحب کو وزیر اعظم نے فون کیا تھا یا نہیں کیا تھا میں یہ نہیں جانتا۔ لیکن وہ چیف منسٹر کے عہدہ کے لئے مجھ سے حلف لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ میں نے جب پتا کروایا تو پتا لگا کہ فی الحال ایسا ممکن نہیں۔ میں ویسے پہلے ہی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لے چکا تھا۔ میں صوبائی اسمبلی سے منتخب ہو چکا تھا۔ جو کہ ابتدائی مرحلہ ہوتا ہے اور جب آپ منتخب ہو جاتے ہیں تو آپ کو اعتماد کا ووٹ لینا ہوتا ہے۔ میں اعتماد کا ووٹ بھی لے چکا تھا تو جب گورنر نے انکار کیا پھر مجھے صدر سے رابطہ کرنا پڑا کہ میری حلف برداری میں تاخیر ہو رہی ہے۔ پھر انہوں نے گورنر کو بلایا اور اس کے بعد گورنر نے مجھ سے حلف لیا۔ اس کے علاوہ دوسری کوئی صورت نہ تھی۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس وقت آپ تیار تھے کہ پیپلز پارٹی سے مفاہمت ہو جائے؟ یہ مفاہمت آپ کی اپنی کسی کوتاہی کی وجہ سے ممکن نہ ہوئی یا پھر آپ بے نظیر کو اس کا ذمہ دار سمجھتے ہیں؟

نواز شریف: میرا خیال ہے کہ میں چیف منسٹر ہونے کے ناطے مفاہمت کے لئے تیار تھا کیونکہ میرا یہ

پہلا تجربہ تھا کہ کسی اپوزیشن گورنمنٹ کے ساتھ کام کر رہا تھا میں ذہنی طور پر تیار تھا اور میں نے ان کے مینڈیٹ کو تسلیم بھی کر لیا تھا۔ لہٰذا میں فیڈرل گورنمنٹ کے ساتھ تعاون کرنے اور ان کے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار تھا۔ اسی لئے میں ایئرپورٹ ان کا استقبال کرنے کے لئے گیا۔ کیونکہ یہ میری ڈیوٹی تھی۔ اس لئے میں مزید مہمان نوازی ظاہر کرنے کے لئے جہاز کے اندر چلا گیا۔ لیکن میں یہ چیزیں یا باتیں اب نہیں کہنا چاہتا کیونکہ اب ملک میں جمہوریت بحال کرنے کے لئے ہم مل کر کوشش کر رہے ہیں۔ اور اس آمریت کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔ لیکن آپ سوال کر رہے ہیں تو میں آپ کو جواب دے رہا ہوں۔ جیسا کہ میں آپ کو بتا رہا تھا کہ اس تناظر میں اس طرح کے اچھے سلوک اور رویے کی ہی میں فیڈرل گورنمنٹ سے بھی امید رکھتا تھا۔ جو کہ غالباً درست نہیں تھی۔ لیکن میں بے نظیر بھٹو صاحبہ کا مشکور ہوں کہ بعد میں وہ لاہور چیف منسٹر ہاؤس آئیں جیسا کہ عام طور پر دیکھنے میں نہیں آتا کہ وزیر اعظم چیف منسٹر ہاؤس میں آئے۔ بلکہ وزیر اعظم زیادہ تر گورنر ہاؤس آتا ہے اور وہاں اجلاس بلاتے ہیں اور ماضی میں یہی ہوتا رہا ہے۔ لیکن وہ چیف منسٹر ہاؤس آئیں وہاں کچھ دیر ٹھہریں لیکن میں یہ کہوں گا کہ گفتگو کچھ سرد لہجے میں ہوئی ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ سے کچھ ناراض ہوں۔

کیا اس ملاقات کے بعد دوبارہ مفاہمت کی کوئی کوشش نہ کی گئی؟

نواز شریف: بطور وزیر اعلیٰ ان سے مذاکرات کے کئی دور ہوئے ایک وقت میں تو جنرل اسلم بیگ کی خواہش بھی تھی کہ یہ مذاکرات ہوں بے نظیر بھٹو سے ملاقات کوئی اتنی خوشگوار نہ تھی کیونکہ وزیر اعلیٰ ہاؤس میں جہاں تعاون کی بات ہوئی وہاں بے نظیر بھٹو کے لہجے میں دھمکی بھی تھی ہم نے انہیں تحائف دیئے ان کے شایان شان استقبال کیا لیکن جب بات چیت شروع ہوتی تو انہوں نے کہا آپ کو یہ تو کرنا پڑے گا شاید ان کے مشیروں نے انہیں ایسا ہی لہجہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہوگا میں بعد میں سوچتا رہا کہ بہت ہی اچھا موقع ضائع ہو گیا، یوں کئی سال دو جمہوری جماعتوں کی محاذ آرائی میں گزر گئے کاش ایسا نہ ہوتا۔ انہی تجربات کے بعد سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آئندہ جمہوری طاقتوں کو آپس میں محاذ آرائی کی سیاست نہیں کرنی اور نہ ہی ایک دوسرے کو گرانے کے لئے فوج یا دوسری طاقتوں کی مدد حاصل کرنی ہے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

الزامات در الزامات

- میں نے آج تک اپنے لئے کبھی کوئی پلاٹ نہیں لیا۔
- میرے سے پہلے بھی پلاٹ دیئے جاتے تھے میں نے روایت جاری رکھی۔
- پلاٹ دینے کا سلسلہ میں نے ہی بند کیا۔
- جرنیلوں کے لئے ڈیوٹی فری گاڑیوں کی درآمد میں نے بند کروائی۔
- میں نے زندگی بھر خفیہ فنڈ یا صوابدیدی فنڈ کا استعمال نہیں کیا۔
- میری تنخواہ ہمیشہ سے گلاب دیوی ہسپتال کو چلی جاتی تھی۔
- ضیاء الحق کی موت ایک معمہ ہے جسے آج تک سلجھا نہیں سکا۔
- جماعت اسلامی کو آئی جے آئی میں لانے میں آئی ایس آئی نے کردار ادا کیا۔

پلاٹوں کی سیاست

آپ کے مخالفین الزام لگاتے ہیں بطور وزیر اعلیٰ آپ نے پلاٹوں اور ہارس ٹریڈنگ کی سیاست کی، اس میں کس حد تک صداقت ہے؟

نواز شریف: دیکھیں جی الزام تو تب ہو جب میں نے اپنے لئے کوئی پلاٹ الاٹ کیا ہو یا میں نے اپنے نام پر پلاٹ حاصل کیے ہوں یا میں نے خود کسی طرح سے پلاٹ لیے ہوں۔ الحمدللہ آج تک میں نے حکومت سے نہ کوئی پلاٹ لیا ہے اور نہ کوئی ایسا کام کیا ہے۔ ہاں یہ ایک روایت تھی، رواج تھا جو کہ ایوب خان کے دور سے چل رہا تھا۔ بھٹو صاحب کے دور میں بھی ہوتا رہا۔ ہمارے دور میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تو وزرائے اعلیٰ اپنے نام پر کئی پلاٹ لیتے رہے جیسا کہ صادق حسین قریشی صاحب نے اپنے نام پر پلاٹ لئے تھے لیکن میں نے نہ وزیر کے طور پر، نہ وزیر اعلیٰ کے طور پر اور نہ ہی وزیر اعظم

کے طور پر ایک ٹکے کا بھی پلاٹ لیا البتہ جو لوگوں کو دینے کا رواج تھا، وہ چلتا رہا۔ دیکھیے اس میں جو سب سے اچھی بات ہے کہ اس سلسلے کو پھر بند بھی میں نے ہی کیا۔ لیکن میں جب 1991ء میں وزیر اعظم بنا تو میں نے پلاٹ کی پالیسی کو ختم کر دیا اور آپ دیکھیں 1991ء میں بھی جب ہماری کرکٹ ٹیم ورلڈ کپ جیتی ہے تو ہماری ٹیم کو پلاٹ دینے کے علاوہ جو ایک دو سرکاری بیوہ خواتین تھیں جن کے خاوند سروس کے دوران ہی وفات پا گئے تھے ان کے علاوہ میں نے کسی کو پلاٹ نہیں دیا، دوسرے دور میں بھی کسی کو پلاٹ نہیں دیا اور یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور بھی کئی مراعات بند کر دی گئیں مثلاً جرنیلوں کے لئے ڈیوٹی فری گاڑیاں جو یہ آگے بیچ دیتے تھے اور ایک ایک کروڑ کا منافع جیب میں رکھتے تھے۔ وہ سلسلہ بند کر دیا۔ اس کے بعد صدر، وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ کی ڈیوٹی فری گاڑیوں کی سہولت بھی بند کر دی اور خود آج تک میں نے اپنے لئے بھی جب میں چیف منسٹر تھا، یا وزیر اعظم تھا، کوئی ڈیوٹی فری گاڑی نہیں منگوائی حالانکہ میں اصول وضوابط کے مطابق منگوانے کا حق دار تھا۔ تو کبھی بھی مراعات حاصل نہیں کیں۔ میں نے آج تک کسی سیکرٹ فنڈ کا استعمال نہیں کیا حالانکہ اس فنڈ کا کسی کو جواب بھی نہیں دینا پڑتا۔

لیکن الزام تو یہ ہے کہ آپ نے صحافیوں کو بھی سیکرٹ فنڈ سے پیسے دیئے اور پتا نہیں کیا کیا تو کیا آپ نے کبھی سیکرٹ فنڈ استعمال ہی نہیں کیا؟

نواز شریف: نہیں، میں نے آج تک بھی صحافیوں کو سیکرٹ فنڈ سے کوئی پیسہ دیا ہی نہیں۔ میں نے سیکرٹ فنڈ کو کبھی استعمال ہی نہیں کیا تو پیسہ کہاں سے دینا ہے۔ یہ واحد وزیر اعظم ہے جس کے سیکرٹ فنڈ سے کبھی کوئی پیسہ کسی کو نہیں گیا، بے شک یہ آپ ریکارڈ چیک کروا کر دیکھ لیں۔

صوابدیدی فنڈ کا استعمال

آپ نے صوابدیدی فنڈ کا استعمال تو کیا ہوگا؟

نواز شریف: کبھی آج تک صوابدیدی فنڈ استعمال نہیں کیا۔ میرے جو صوابدیدی فنڈ تھے، میری جو تنخواہ تھی، وہ ہمیشہ سے اللہ کے فضل سے گلاب دیوی ہسپتال میں جایا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے مجھے سب کچھ دیا ہوا تھا اور الحمد للہ بہت نعمتیں عطا کی ہوئیں تھیں۔ تو ان چیزوں میں جانے کی اللہ تعالیٰ نے کبھی ضرورت نہیں محسوس ہونے دی۔ تو اس حوالے سے اللہ کا بڑا کرم رہا ہے اور میرا ضمیر آج تک اس معاملہ میں بہت مطمئن ہے۔ بلکہ آپ اگر اس کو اس روایت کا حصہ سمجھیں تو آپ دیکھیں کہ میں نے تو 7 مرلہ سکیم شروع کی جب میں وزیر اعلیٰ تھا۔ اس کے لئے زمینیں مارک بھی میں نے کروائیں۔

اس کے لئے منصوبہ میں نے جونیجو صاحب کو دیا تھا۔ پھر آپ دیکھیں کہ ہم نے ان زمینوں کی تقسیم کا انتظام کیا۔ اب میرے دور (1997-1999) میں جو میرا گھر سکیم تھی۔ وہ اتنی زبردست سکیم تھی، جہاں وہ گھر تعمیر ہو رہے تھے، اربوں روپے مالیت کی زمین تھی جو غریبوں میں تقسیم ہونی تھیں۔ ہاریوں کو ہم نے سندھ میں زرعی اراضی دی آج آپ ان ہاریوں کو جا کر ملیں جو بے زمین تھے اور آج ان کی زمینوں پر اللہ کے فضل سے سونا اگ رہا ہے۔ وہ سارے گھرانے بہت خوشحال ہیں۔ گندم اور کپاس وہاں اگ رہی ہے، ہرے بھرے ان کے کھیت ہیں۔ جب کہ ان کے پاس پہلے پاؤں میں جوتی بھی نہیں ہوتی تھی اور آج اللہ کے فضل سے وہ گھروں اور زمینوں کے مالک ہو گئے ہیں۔ تو یہ سلسلہ تو پھر اللہ کے فضل سے بڑا وسیع چلا ہے۔ یہ تو میرا خیال ہے کہ ایسی چیز ہے جس پر مجھے فخر کرنا چاہیے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں سے کروایا ہے۔

آپ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ نے بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد شروع کروائی پھر خود ہی اسے کامیاب نہ ہونے دیا؟

نواز شریف: میں نے کامیاب نہیں ہونے دی، کیوں؟

کیوں کہ آپ کو ڈر تھا کہ جتوئی صاحب وزیر اعظم بن جاتے۔ خفیہ ایجنسیوں نے مڈ نائٹ جیکال نامی اس منصوبے کا پتہ بھی لگا لیا تھا؟

نواز شریف: نہیں، میرا خیال ہے کہ ایسی کسی چیز کا مجھے علم نہیں۔ یہ مڈ نائٹ جیکال پتا نہیں کس کی اصطلاح ہے۔ ممکن ہے کہ ایجنسیوں کی ہو۔ نہ مجھے اس کا کوئی علم ہے اور نہ ہی اس کی تفصیلات یاد ہیں۔ سنا ضرور تھا اس کے بارے میں، اخباروں میں بھی آیا تھا لیکن میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

محاذ آرائی کی سیاست

لوگ کہتے ہیں کہ محاذ آرائی نے آپ کو بڑا سیاستدان بنا دیا ہے، کیا یہ سچ ہے؟

نواز شریف: یہ تو آپ زیادہ بہتر بتا سکتے ہیں میں اپنے بارے میں اس حوالے سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس بات کو آپ بہتر طور پر مشاہدہ کر سکتے ہیں اور جانچ سکتے ہیں۔ اس وقت ایک خاص قسم کی نظریاتی اور سیاسی محاذ آرائی موجود تھی میں بھی اسی محاذ آرائی کا ایک حصہ تھا شاید اسی لئے لوگ کہتے ہیں کہ مجھے محاذ آرائی بڑی راس آئی۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ میں نے غریبوں کی خدمت کی، محنت کی، فلاح و بہبود

کے کام کیے اس لئے سیاست میں کامیابی ملی۔

ضیاءالحق کی موت

ضیاءالحق صاحب آپ کے بڑے مہربان تھے، ان کی موت کا ذمہ دار آپ کسے سمجھتے ہیں؟

نواز شریف: سچی بات یہ ہے کہ مجھے نہیں پتا میں نے بہت جاننے کی کوشش کی۔ حتی کہ جب میں وزیر اعظم بنا تو میں نے بذات خود اس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن مجھے کچھ نہ ملا جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرے لئے یہ ابھی تک ایک بہت بڑا معمہ ہے۔ ابھی تک کوئی بھی یہ نہیں جان سکا کہ ان کے موت کی وجوہات کیا تھیں اور کون اس کا ذمہ دار تھا۔

آئی جے آئی کیسے بنی

ایک دوسرا الزام جو سب سے بڑا ہے کہ آئی جے آئی، فوج کے خفیہ ادارے آئی ایس آئی نے بنوائی، جنرل حمید گل بھی کہتے ہیں کہ آئی جے آئی انہوں نے بنوائی، آپ اس کے بڑے بنیادی رکن تھے تو اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

نواز شریف: میرا خیال ہے کہ یہ ان کی بچکانہ ذہنیت تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اسلم بیگ اور حمید گل صاحب کا اس میں آئیڈیا تھا اگرچہ ہم بھی اس میں اکٹھا ہونا چاہتے تھے کہ جو بھی ہماری ہم خیال پارٹیاں جیسے جماعت اسلامی وغیرہ ہیں وہ سب یکجا ہو جائیں اور الیکشن ایک ہی پلیٹ فارم سے لڑیں۔ تو اس میں سب کو اکٹھا کرنے میں یقیناً جنرل حمید گل صاحب کا ہاتھ تھا۔ کیونکہ جماعت اسلامی شاید دوسری پارٹیوں کے ساتھ شامل ہونے کے لئے ذہنی طور پر تیار نہ تھی۔ وہ آزادانہ الیکشن لڑنا چاہتی تھی جہاں تک میرا خیال ہے، جماعت اسلامی کو ساتھ بٹھانے میں آئی ایس آئی نے کردار ادا کیا۔

88ء کے انتخاب میں تاخیر کی کوشش

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ 88ء کے انتخابات میں وزرائے اعلیٰ نے تاخیر کروانے کی کوشش کی، تو کیا یہ سچ ہے کیونکہ یہ الزام بھی بہت دفعہ دہرایا جاتا ہے کہ ضیاءالحق کی موت کے

بعد آپ لوگ جا کر جنرل اسلم بیگ سے ملے تھے کہ انتخاب میں تاخیر کروا دیں؟

نواز شریف: مجھے ایسا کچھ یاد نہیں۔ اس وقت اسمبلیاں توڑنے کے بعد جنرل ضیاء الحق صاحب مرکز میں تو خود تھے کوئی ان کا وزیر اعظم نہیں تھا۔ جب کہ صوبوں میں نگران وزرائے اعلیٰ ضرور تھے جن میں سے ایک میں تھا۔ جنرل فضل حق فرنٹیئر میں تھے، سندھ میں اختر علی قاضی تھے اور بلوچستان کے وزیر اعلیٰ کا نام مجھے یاد نہیں آ رہا، بہر حال جیسے ہی ضیاء الحق کے حادثے کی خبر ملی تو ظاہر ہے کہ پھر غلام اسحٰق خان آئین کے مطابق صدر بنے۔ مرزا اسلم بیگ نے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا، انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، غلام اسحٰق خان صاحب ہی آئین کے مطابق صدر بنیں گے۔ پھر انہوں نے ہماری میٹنگ بلائی کہ فیصلہ کیا کہ الیکشن کی جس تاریخ کا اعلان ہو چکا ہے۔ اسی تاریخ پر الیکشن ہوں گے۔ میرا نہیں خیال کہ اس دوران کوئی تاخیری حربے استعمال کیے گئے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

وزارت عظمیٰ کا خارزار

☆ پہلی وزارت عظمیٰ

☆ پہلے دور کے منصوبے

☆ فوجی سربراہوں سے اختلافات

☆ پہلے دور کا خاتمہ

☆ پہلے دور کی غلطیاں

☆ اپوزیشن کا دور

پہلی وزارت عظمیٰ

- صدر غلام اسحٰق اور اسلم بیگ دونوں جتوئی کو وزیراعظم بنانا چاہتے تھے
- 90ء کے انتخابات کا نتیجہ دیکھ کر غلام اسحٰق خان نے اپنا ذہن تبدیل کر لیا
- غلام اسحٰق سے پالیسیوں پر اختلاف تھا کوئی ذاتی وجہ نہ تھی
- ایک طرف ہمارے ساتھ رابطے جاری تھے دوسری طرف بے نظیر کا غلام اسحٰق سے رابطہ تھا۔

جتوئی کو وزیراعظم بنانے کی تیاری تھی

1990ء کے انتخاب کے حوالے سے بھی یہ بات کی جاتی ہے کہ آپ یکلخت وزیراعظم بن گئے جب کہ اصل منصوبہ جتوئی صاحب کو وزیراعظم بنانے کا تھا؟

نواز شریف: ویسے بہت سے لوگوں کو امید تھی کہ جتوئی صاحب وزیراعظم بنیں گے بلکہ غلام اسحٰق خان صاحب بھی یہی چاہتے تھے۔ یہ میں جانتا ہوں۔ غلام اسحٰق صاحب نے ان کو نگران وزیراعظم بھی اسی لئے بنایا تھا۔ حتیٰ کہ مرزا اسلم بیگ بھی یہی امید رکھتے تھے کہ جتوئی صاحب وزیراعظم بنیں گے یہ مجھے اپنے ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔ لیکن غلام اسحٰق کے سامنے جب الیکشن کا رزلٹ آیا تو انہوں نے اپنا ذہن تبدیل کر لیا اور انہوں نے سوچا کہ اب یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم جتوئی صاحب کو دوبارہ وزیراعظم بنائیں۔ کیونکہ جو رزلٹ ہے وہ نواز شریف کے حق میں ہے۔ اس کو ماننا اسٹیبلشمنٹ کی مجبوری بن چکی تھی۔ غلام اسحٰق وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنی سوچ اور خیال کا آزادانہ اظہار کیا اور ان کے خیالات سننے کے بعد اسلم بیگ صاحب نے بھی اپنی رائے اور خیالات تبدیل کر لئے۔ حالانکہ ان سب کو امید تھی کہ ہم جتوئی صاحب کو وزیراعظم بنائیں گے۔ یہ اب اندر کی بات ہے جو میں کھل کر بتا رہا ہوں۔ غلام اسحٰق خان نے مینڈیٹ

دیکھنے کے بعد اپنے خیالات تبدیل کیے اور کہا کہ اب جتوئی صاحب کو وزیراعظم بنانا ممکن نہیں رہا۔

غلام اسحاق سے اختلافات

جب 1990ء میں آپ کی حکومت بنی تو غلام اسحٰق خان صاحب سے آپ کے تعلقات شروع میں کچھ اچھے تھے، آخر میں خراب ہو گئے اس اتار چڑھاؤ کی وجہ کیا تھی؟

نواز شریف: میرا غلام اسحٰق خان صاحب سے تعلق تو پرانا تھا۔ پہلے وہ چیئرمین سینٹ تھے۔ جنرل ضیاء الحق کی طیارے کے حادثے میں وفات کے بعد وہ آئین کے تحت صدر بنے۔ میرے ان سے اچھے تعلقات تھے تاوقتیکہ کہ انہوں نے میرے ساتھ گیم کھیلنا شروع کر دی۔ میرا خیال ہے کہ میری طرف سے کبھی بھی ہتک عزت والی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ میں ہمیشہ ان کی عزت کرتا تھا۔ میں نے کبھی ان کو دھوکا دینے کی کوشش نہیں کی۔ نہ ہی میں نے اختیارات سے کبھی تجاوز کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کو ہماری کچھ پالیسیوں سے اختلاف تھا۔ مثال کے طور پر وہ گورنمنٹ کی ڈی نیشنلائزیشن پالیسی کے خلاف تھے۔ وہ اس طرح کے بیانات دیا کرتے تھے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اپوزیشن اور گورنمنٹ کے درمیان کام کرنے کے لئے ایک تعاون کی فضا ہونی چاہیے اور ایسے ہی حالات ہونے چاہیں۔ جب ہم نے فارن افیئرز کمیٹی کی چیئرمین شپ کی پیش کش بے نظیر بھٹو صاحبہ کو کرنے کا فیصلہ کیا، تو انہوں نے سختی سے اعتراض کیا۔ انہوں نے کہا کہ بھئی آپ لوگوں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ وہ میرے ساتھ کے بہت سے لوگوں بشمول شہباز شریف سے ملے، ان سے بات کی۔ ظاہر ہے کہ ہم ایک ایسی فضاء قائم کرنا چاہتے تھے جہاں اپوزیشن اور حکومت مل کر کام کرے، لیکن وہ اس طریقے سے خوش نہ تھے۔ انہوں نے اس پر بھی ناراضی کا اظہار کیا اور پھر جب میں نے یہ بات کی کہ آئین کی جو آٹھویں ترمیم ہے، اس کے یہ حصے ختم ہونے چاہیں اور پارلیمنٹ کی بالادستی بحال ہونی چاہیے۔ انہوں نے بڑا برا محسوس کیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ لمحہ تھا جس کے بعد انہوں نے میرے خلاف جانا شروع کر دیا کوئی ذاتی وجوہات نہیں تھیں صرف پالیسیوں پر اختلاف کی وجہ سے ایسا ہوا۔

بے نظیر بھٹو اور غلام اسحٰق رابطے میں تھے

تین چیزیں آپ نے بتائیں کہ اکانومی کی پالیسیوں سے انہیں اختلاف تھا، دوسرا پولیٹیکل پالیسی سے کہ قائد حزب اختلاف سے تعاون کی فضا ہونی چاہیے اور تیسرا جب

آپ نے بے نظیر بھٹو سے بات چیت کرنا چاہی تو وہ اس کے خلاف تھے؟

نواز شریف: ہم اپنے اور پیپلز پارٹی کے درمیان ایک تعلق استوار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بے نظیر صاحبہ غلام اسحٰق خان کے ساتھ رابطے میں تھیں ایک طرف تو وہ ہم سے بات کر رہیں تھیں تو دوسری طرف غلام اسحٰق صاحب سے بھی ان کے مکمل رابطے تھے۔ ہماری اسمبلی توڑنے کے بعد غلام اسحٰق خان صاحب نے محترمہ کے ساتھ بیٹھ کر جب معاملات کو طے کیا تو آصف زرداری کو انہوں نے اپنی کابینہ کا وزیر بنایا اور پیپلز پارٹی کے باقی لوگوں کو تو پھر ساری بات کھل کر سامنے آگئی کہ یہ رابطے واقعی اندر خانہ چل رہے تھے۔ تو پھر ہمیں بڑا افسوس ہوا کہ جب ہم اختلافات ختم کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو دوسری طرف رابطے چل رہے تھے یعنی کہ ہمیں شاید استعمال کیا گیا ہے۔ میں نے نہیں چاہتا کہ اس سے اس موقع پر کوئی تلخی پیدا ہو۔ لیکن تاریخی واقعہ یہی ہے۔ اب اے آر ڈی میں شامل دونوں جماعتوں یعنی پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کو یہ طے کرنا ہے کہ ہم مستقبل میں ایسی پالیسیاں اختیار کریں جس سے جمہوریت مضبوط ہو نہ کہ ہم ایک دوسرے کو گرانے میں اپنی توانائیاں ضائع کرتے رہیں۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

پہلے دور کے منصوبے

- موٹروے کا منصوبہ بطور وزیراعلیٰ ہی بنالیا تھا۔
- موٹروے میں کک بیکس کے الزمات اب کہاں ہیں۔
- پیلی ٹیکسی کے منصوبے سے غریب طبقے کو بہت فائدہ پہنچا۔
- فری مارکیٹ اکانومی پر چلتے رہتے تو ملک بہت ترقی کر چکا ہوتا۔

موٹروے

اپنے پہلے دور حکومت میں آپ نے موٹروے کا پراجیکٹ شروع کیا تو موٹروے کا خیال سب سے پہلے آپ کو کب آیا؟

نواز شریف: جب میں وزیراعلیٰ پنجاب تھا یا ہوسکتا ہے کہ اس سے بھی پہلے ذہن میں آیا ہو لیکن جب میں وزیراعلیٰ پنجاب تھا تو اس پر کافی کام کروا بھی چکا تھا لیکن چونکہ اس وقت وہ پراجیکٹ ہماری دسترس میں نہیں تھا یا ہمارے بجٹ میں نہیں آسکتا تھا وگرنہ شاید میں اس کو ایک صوبائی پراجیکٹ کے طور پر بھی کر لیتا۔ یہ موٹروے الائمنٹ وہ ہے جو شیر شاہ سوری کی پرانی الائنمنٹ ہے جو شیر شاہ سوری کی جی ٹی روڈ کہلاتی تھی۔ جی ٹی روڈ تو انگریزوں کے زمانے میں گرینڈ ٹرنک روڈ بنی ہے تو اس گرینڈ ٹرنک روڈ کی الائمنٹ انہوں نے تبدیل کر کے بنوائی اصل روڈ وہ ہے شیر شاہ سوری کی جو اس روٹ سے گزرتی تھی۔ تو یہ وہی پرانا روٹ ہے جہاں جھیل کلر کہار آتی ہے۔

کیا آپ شیر شاہ سوری سے متاثر ہیں؟

نواز شریف: شیر شاہ سے میں متاثر اس لئے ہوں کہ اس نے تھوڑے سے وقت میں بہت سا کام کیا اور

بہت اچھا کام کیا۔انہوں نے عوامی بہبود کے کام کیے۔انہوں نے سارا پیسہ تاریخی عمارتوں پر نہیں لگا دیا جیسے کہ قلعے بنوا دیے۔انہوں نے ان چیزوں پر پیسہ خرچ کیا جس سے عوام الناس کو فائدہ پہنچے۔اس لحاظ سے انہوں نے کام کیا اور پراجیکٹ کو بڑی تیزی سے مکمل کیا۔وہ بڑا اچھا حکمران تھا۔

موٹروے پراجیکٹ میں کک بیکس کے الزامات

موٹروے کے بارے میں بہت سے اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں کہ ملک کی اکانومی کی نسبت یہ بڑا پراجیکٹ ہے۔اس میں نواز شریف اتنے بلین کھا گیا ہے اور اس میں اتنی رشوتیں لی گئی ہیں آپ کے خاندان نے ڈائیوو سے کک بیکس لئے وغیرہ وغیرہ؟

نواز شریف: ہاں اس طرح کے اعتراضات اٹھائے جاتے تھے کہ نواز شریف نے اتنی رشوتیں لی ہیں کک بیکس لئے گئے لیکن اب لوگ تعریف کرتے ہیں۔اب کسی کے منہ سے یہ بات نہیں نکلتی کہ نواز شریف اتنے پیسے کھا گیا ہے۔ورنہ تو روز روز نئے بیانات اخبارات میں آتے رہتے تھے۔اور بحث ہوا کرتی تھی کہ اتنے پیسے کھا گیا ہے جتنے کا پراجیکٹ بھی نہیں ہے (ہنستے ہوئے) مجھے حیرت ہے کہ وہ الزام کہاں چلے گئے۔حالانکہ اب وقت تھا کہ وہ الزامات سامنے آتے۔فوجی حکومت کے ذریعے پوری تحقیقات ہوتی۔نتیجے پر پہنچتے اور سزا و جزا کا فیصلہ ہوتا۔اب سب تعریف کرتے ہیں کہ بڑا اچھا پراجیکٹ تھا۔نواز شریف نے بڑا اچھا کام کیا ہے،کوئی میرے کمیشن کی بات نہیں کرتا یا پیسے اور رشوت کا ذکر نہیں کرتا،کوئی ٹھیکے میں بھی میرے حصے کی بات نہیں کرتا۔کیوں نہیں کرتے اب تو بڑی تعریف کی جاتی ہے۔میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ میرے لئے میری سرخروئی کا سرٹیفکیٹ ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور الزامات بھی اس کے اوپر جو لگائے جاتے ہیں،وہ واپس لے لئے جائیں۔میرا خیال ہے کہ کم از کم میری بے گناہی کا ثبوت یہی ہے۔

ییلو کیب

ییلو کیب کا منصوبہ بھی اسی دور میں شروع ہوا،اس حوالے سے بھی بڑے اعتراضات اٹھائے گئے کہ اکانومی متاثر ہوئی ہے،لوگوں کو جو آپ نے قرض دیا،اس کی بازیابی نہیں ہوئی۔آپ اس پراجیکٹ کو اس کس طرح دیکھتے ہیں؟

نواز شریف: میرا خیال ہے کہ وہ سب جھوٹی باتیں بن کر ڈسٹ بن (کوڑے دان) میں چلی گئیں

ہیں۔ وہ جتنے الزامات بھی تھے، وہ بے بنیاد ثابت ہوئے ہیں بلکہ اس سے غریب طبقہ بہت فیض یاب ہوا۔ وہی پراجیکٹ اگر جاری رکھا جاتا تو پاکستان میں آج روزگار بھی بڑھتا اور باعزت سواری بھی مہیا ہوتی۔

لیکن آپ نے بھی دوسرے دور حکومت میں پیلی ٹیکسی کا منصوبہ پھر سے شروع نہیں کیا؟ شاید آپ کو بھی علم ہو گیا تھا کہ یہ سراسر پیسے کا ضیاع ہے؟

نواز شریف: دوسرے دور حکومت میں اس قدر اقتصادی پابندیاں لگی ہوئیں تھیں کہ ہم اس کو شروع کرنا چاہتے تھے اور مناسب وقت کے لئے ہم انتظار کر رہے تھے لیکن موقع کے انتظار میں ہی رہ گئے۔ پھر ایٹمی دھماکے ہوئے تو پابندیاں مزید لگ گئیں۔ اس وقت پاکستان کی معاشی حالت ذرا کمزور تھی۔ تو اس کام کو ہم دوبارہ صحیح معنوں میں شروع نہ کر سکے۔

معاشی خواب

میں آپ کی معاشی اصلاحات کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا کیا خواب تھا، کتنا پورا ہوا، ییلو کیب کتنی آپ نے دیں، کتنا لوگوں کو فائدہ پہنچا، اسی طرح موٹر وے کے حوالے سے بھی بتائیں آپ کا پاکستان کے حوالے سے معاشی خواب کیا ہے؟

نواز شریف: دیکھیں جی! بات یہ ہے کہ اگر آپ دنیا کی معاشی ترقی کی تاریخ پر نظر دوڑائیں اور آپ دیکھیں کہ کون سی پالیسیاں ہیں جن کی وجہ سے آج دنیا کی بہت سی اقوام ترقی یافتہ ہیں، اس سے آپ بہتر طور پر یہ جان سکتے ہیں کہ آپ کی پالیسیاں کس طرح کی ہونی چاہیں۔ ماضی میں دنیا دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی ایک کیموزنم تھا اور دوسرا فری مارکیٹ اکانومی یا اوپن اکانومی تھا۔ آپ اوپن اکانومی والے ممالک کو دیکھیں اور کیموزنم کو دیکھیں جسے کوئی سوشلسٹ ریپبلک کہتا ہے۔ حتیٰ کہ کچھ برس پہلے تک چین والے بالکل ہی بند قسم کے کمپارٹمنٹ میں رہتے تھے۔ وہ اس سے باہر نہیں نکلتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں معیشت صحیح معنوں میں ترقی نہیں کر سکی دوسری طرف جو فری مارکیٹ تھی، وہ آپ دیکھیں کہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ روس کا مقابلہ کر لیں یا امریکہ کو دیکھ لیں۔ مشرقی یورپ کا مقابلہ مغربی یورپ کے سے کر لیں اسی طرح ایشیاء میں جاپان کا مقابلہ ان سے کر لیں جن کی معیشت کلوز تھی۔ تو یہ مقابلہ آپ کر کے دیکھ لیں اور میرا خیال ہے کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے آپ کو سبق سیکھنا

چاہیے۔ نئے نئے تجربے کرنے کی بجائے ہم ان لوگوں کو دیکھ کر اپنے نتائج پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پاکستان کو شروع سے فری مارکیٹ بنانا چاہتے تھے، لیکن ہم اس ڈگر سے ہٹ گئے کبھی کچھ اپنا لیا تو کبھی کچھ، اس سے ہمیں بڑا نقصان پہنچا ہے۔ تو اس کو چونکہ میں نے جان لیا تھا اور میرے مطالعے کے اندر بھی یہ چیز تھی تو اپنے مطالعے کے اندر میں جس چیز کو صحیح سمجھتا تھا، اس کو میں نے لاگو کرنے کی کوشش کی۔ اور اپنے وسائل میں رہتے ہوئے نافذ کرنے کی کوشش کی کیونکہ ہمارے وسائل اتنے تو ہیں نہیں کہ سب کچھ ایک مرتبہ ہی کر لیں۔ ہمارے اخراجات انہی چیزوں کی وجہ سے ہماری آمدنی سے زیادہ ہو چکے ہوئے تھے۔ اور اس محدود وسائل میں آپ کو اپنے مقاصد پورے کرنے تھے لیکن آپ کے پاس بچتا کچھ نہیں تھا۔ اس وقت بھی آپ دیکھیں کہ آپ کے پاس بچتا کیا ہے۔ آپ دیکھیں کہ آپ کی زیادہ آمدنی ڈیفنس میں چلی جاتی ہے یا قرضہ اتارنے میں تو باقی بچتا کیا ہے بلکہ آپ کو تو اپنے سالانہ ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے لئے قرضے لینے پڑتے ہیں۔ تو اس کے لئے آپ پیسہ باہر سے لیتے ہیں۔ اگر کسی ملک کے اخراجات اس کی آمدنی سے بڑھ جائیں اور وہ اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لئے پیسے ادھار مانگے تو وہ کس طرح سے کتنی دیر چل سکتا ہے۔ ہم نے وہ اقدام اٹھائے جو ہم سمجھتے تھے کہ پاکستان میں بہت پہلے اٹھا لینے چاہیں تھے۔ اس کا منافع آنا شروع ہوا تو ملک کے اندر ایک مومینٹم بن گیا۔ اور وہ مومینٹم اگر دس سال جاری رہتا تو پاکستان یقیناً اپنے بہت سارے مسائل سے نہ صرف باہر نکل آتا بلکہ ہم اپنے خطے کی ایک اکانومک پاور بھی بن چکے ہوتے۔ اگر میں نے کہا تھا کہ ہم ایشیا کے ٹائیگر بننا چاہتے ہیں تو وہ ایسے ہی نہیں کہا تھا یا یہ کوئی نعرہ نہیں تھا۔ ہم عملی طور پر اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

موٹر وے سے کیا فائدہ ہوا؟

نواز شریف: موٹر وے، اگر وہی مومینٹم رہتا تو پاکستان کے گرم پانیوں سے لے کر وسطی ایشیاء تک چلی جاتی، یہ ساری ٹریفک وسطی اشیاء سے کراچی کی طرف آتی۔ ساری ان کی تجارت یہیں سے ہوتی۔ اکثر ممالک خشکی سے گھرے ہوئے ہیں۔ کوئی آذر بائیجان کی طرف سے جا رہا ہے اگر موٹر وے بن جاتی تو پاکستان ان کو بحیرہ عرب تک ایک آسان راستہ مہیا کرتا۔ یہ موٹر وے صرف اس چیز کے لئے نہیں تھا بلکہ ہماری اندرونی ٹریفک اور پاکستان کی کمیونیکیشن کے لئے لئے ایک بہت بڑا منصوبہ ہے۔ خیر اس کا دفاعی پہلو بھی ہے کہ آپ کے جنگی طیارے اس کے اوپر اترے ہیں آپ کا ایف 16 موٹر وے کے اوپر اترا ہے۔ تو اب یہ آپ دیکھیں کہ یہ آپ کی دفاعی ضروریات بھی پوری کر سکتا ہے۔ ویسے بھی اگر

آپ آئندہ اگلے 20 ,25 سال پر نظر ڈالیں تو آپ کو اس قسم کے منصوبے آج ہی بنا لینے چاہیں۔ اگر آپ نے اپنے ملک کے اندر برآمدات بڑھانی ہیں، اپنے ملک کے اندر انڈسٹری بڑھانی ہے تو ظاہری بات ہے کہ آپ کا بنیادی ڈھانچہ صحیح ہونا چاہیے۔ آپ کی بندرگاہ اچھی ہونی چاہیے۔ ہم نے گوادر کو Develope کیا۔ اور کر رہے تھے کہ پاکستان کے پاس دوسرا پورٹ بھی ہونا چاہیے اور خدانخواستہ کل جنگ ہوتی ہے، کراچی پورٹ کو اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو گوادر پورٹ تو ہونا جو کہ آپ کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ مجھے بتائیے کہ وہ کتنا اچھا منصوبہ ہے؟ دوسرا کوسٹل ہائی وے جو پورے ملک کو گوادر کے ساتھ ملائے گی سیاحت کے ساتھ ساتھ ترقی بھی ہوگی۔

ابھی اس میں پیش رفت نہیں ہوئی؟

نواز شریف: ہم نے منصوبہ شروع کر دیا تھا لیکن سنا ہے کہ اس کی تعمیر جاری ہے۔ اب اس رفتار سے جاری ہے یا نہیں، اس کا تو مجھے علم نہیں۔

موٹروے کے سلسلے میں ڈائیوو سے کمیشن لینے کا جو الزام آپ پر لگایا گیا ہے، یہ کیوں لگا ہے، اس میں کچھ نہ کچھ تو حقیقت ہوگی؟

نواز شریف: یہ تو آپ الزام لگانے والوں سے پوچھیں اور اب تو الزام لگانے والے کی چھان بین کرنے کا بہترین موقع فوجی دور میں آیا تھا، انہوں نے چھان بین بھی کی، اب جنہوں نے چھان بین کی، اس کا جواب دیں نا کہ کیا نکلا ہے، پھر اس طرح کے لچر قسم کے الزامات صرف اور صرف بدنام کرنے کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ اب اس سے مخالف حکومت کون ہو سکتی ہے جتنی کہ موجودہ حکومت ہے۔ اگر یہ کچھ نہیں نکال سکے تو اور کون کیا آ کر نکالے گا۔

ییلو کیب سے کتنے لوگوں کو فائدہ پہنچا؟

نواز شریف: بہت زیادہ، اگر آپ اس کا حساب اس سے لگائیں کہ اس سے متعلقہ افراد کی تعداد لاکھوں میں چلی جاتی ہے، لاکھوں میں اس طرح سے کہ ایک تو وہ جو اس کے مالک ہوتے ہیں، دوسرے وہ جو اس ٹائر کا پنکچر لگاتا ہے، تیسرا جو اس گاڑی کی ڈینٹنگ پینٹنگ کرتا ہے، چوتھا گھر کے وہ افراد جن کا اس پر دارومدار ہے، تو پھر لاکھوں ہیں۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

فوجی سربراہوں سے اختلافات

- آصف نواز فوج کا سربراہ بن کر وزیراعظم کو وزیراعظم نہیں سمجھتے تھے۔
- ایک آرمی چیف دو جرنیلوں کے ساتھ مل کر وزیراعظم کا مذاق اڑاتا تھا۔
- اسلم بیگ نے فوجیں بھیجنے کا فیصلہ کیا اور پھر خود ہی اس کی مخالفت شروع کر دی۔
- سفارتی ذرائع سے پیغام ملا فوج واپس بلائی تو بہت شرمندگی ہوگی۔
- غلام اسحٰق سے اسلم بیگ کی شکایت کی، وہ مسئلہ حل کرنے کی بجائے لطف اٹھاتے رہے۔
- آصف نواز بڑے خودسر انسان تھے سرعام حکومت کے خلاف باتیں کرتے تھے۔
- میں نے صدر کو آصف نواز کی بجائے کسی اور کا نام بھیجا تھا۔
- صدر نے مجھ سے مشورہ کئے بغیر وحید کاکڑ کو چیف آف آرمی سٹاف بنا دیا۔
- وحید کاکڑ نے اسمبلی توڑنے کے حکم کے وزیراعظم تک پہنچنے سے پہلے ہی فوج بھیج دی۔

جنرل آصف نواز اور جنرل اسلم بیگ سے اختلافات

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے جنرل آصف نواز سے بھی تعلقات ٹھیک نہیں تھے۔ حالانکہ آپ دونوں یعنی صدر اور وزیراعظم مل کر انہیں لائے تھے۔ تو اس میں کیا حقیقت ہے؟

نواز شریف: نہیں، میرے تعلقات تو سبھی سے ٹھیک تھے۔ اور اسلم بیگ مرزا سے بھی میں اچھے تعلقات رکھنے کا خواہش مند تھا۔ آصف نواز صاحب سے بھی میرے ذاتی نوعیت کے کوئی اختلافات نہیں تھے۔ ان سے بھی میں اچھے تعلقات رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن افسوس اور دکھ اس بات کا ہے کہ میں نے دیکھا کہ جب یہ چیف بن گئے تو یہ وزیراعظم کو وزیراعظم نہیں سمجھتے تھے وزیراعظم کا جائز مقام نہیں دیا جاتا تھا۔

مجھے یہ معلوم ہے کہ ان میں سے ایک ایسے بھی آرمی چیف تھے، جو وزیراعظم کے بارے میں اپنے دو جرنیلوں کے ساتھ مل کر بڑا تمسخر اڑاتے تھے اور عجیب و غریب قسم کی گفتگو کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح سے یہ یاد پڑتا ہے کہ ہماری پالیسیوں سے یہ کھلا اختلاف کیا کرتے تھے۔ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ جب گلف وار شروع ہوئی تو اسلم بیگ اور ہم نے مل کر فیصلہ کیا کہ اپنے فوجی دستوں کو ہم نے گلف بھیجنا ہے۔ اسلم بیگ اس فیصلے میں شامل تھے بلکہ ان کی رضامندی اس میں شامل تھی۔ اس کے بعد جب فوجی دستے چلے گئے تو اسلم بیگ نے حکومتی پالیسی کے بالکل برعکس اپنا ایک بیان جاری کر دیا، نہ حکومت کو اعتماد میں لیا، نہ مجھ سے اس سلسلے میں کوئی تبادلہ خیال ہوا، اچانک میں اخبار میں ایک دن ہیڈ لائن پڑھتا ہوں کہ اسلم بیگ نے ایک دوسری پالیسی کا اعلان کر دیا ہے اور گورنمنٹ کی اس پالیسی کی انہوں نے مکمل مخالفت کی تو پھر مجھے بعض ڈپلومیٹک ذرائع سے یہ پیغام موصول ہوا کہ جو آپ نے فوجی دستے بھیجے ہیں، وہ واپس بلا لئے جائیں۔ سعودی عرب ہم نے فوجی دستے کیوں بھیجے ہیں تو ہمیں بہت شرمندگی ہوئی کہ ہم اپنے دوست ملک کو کیا منہ دکھائیں گے، ہم اسلامی دنیا اور باقی دنیا کو کیا منہ دکھائیں گے کہ گورنمنٹ کی ایک اعلان شدہ پالیسی اس معاملے پر ہے۔ اور فوج کا سربراہ حکومت کے الٹ پالیسی بنا رہا ہے اور بیان بھی پریس کانفرنس کے ذریعے دے رہا ہے۔ تو بتائیے کہ اس صورتحال میں ایک وزیراعظم کے لئے کس قدر شرمندگی ہوتی ہے تو میں ظاہر ہے کہ اس معاملے کو صدر غلام اسحٰق خان صاحب کے پاس لے گیا کہ جناب دیکھئے یہ انہوں نے کیا کیا ہے، اب بتائیں کہ یا تو میں حکومت چھوڑ دیتا ہوں یا پھر آپ ان سے بات کریں کہ اس کا کیا حل ہے؟ تو غلام اسحٰق صاحب نے اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ میرا خیال ہے کہ شاید وہ اندر سے خوش ہوئے کہ میری اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل اسلم بیگ کی آپس میں ٹھن گئی ہے تاکہ وہ اس کا لطف اٹھا سکیں۔ میں نے یہ محسوس کیا کیونکہ انہوں نے دو چار دن تک کوئی قدم نہیں اٹھایا کہ مجھے بلا لیتے یا اسلم بیگ کو بلا لیتے اور ساتھ بٹھا کر یہ غلط فہمی دور کرتے، جو انہوں نے ہماری پالیسی کے خلاف بیان دیا تھا، اس کی تردید کرواتے یا ان کو اپنے عہدہ سے ہٹاتے۔ تو انہوں نے ایسا کوئی کام نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں ہیں اب جیسے آصف نواز ہیں، اللہ ان کو غریق رحمت کرے، میری ان سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ لیکن وہ بہت ہی خود سر قسم کے آدمی تھے اور بیٹھ کر کھلم کھلا حکومت وقت اور وزیراعظم کی برائیاں کرتے تھے۔ ابتداء میں جب اسلم بیگ کی ریٹائرمنٹ کی بات ہوئی تھی تو انہوں نے جو پینل بھیجا تھا جس میں سے ہم نے فیصلہ کرنا تھا۔ آصف نواز کا نام تیسرے نمبر پر تھا۔ جنرل اسلم بیگ کی طرف سے تین نام بھیجے گئے

تھے۔ تین میں سے ایک جنرل شمیم عالم تھے، ایک جنرل حمید گل اور تیسرے نمبر پر جنرل آصف نواز تھے۔ میں نے صدر صاحب کو کسی اور کا نام پیش کیا تھا۔

مشہور یہی ہے کہ آپ نے جنرل حمید گل یا رحم دل بھٹی کا نام پیش کیا تھا؟

نواز شریف: بہرحال کسی کا کیا تھا تو صدر غلام اسحاق خان نے تیسرے نمبر والے کا نام چن لیا، تو میرا خیال ہے کہ آصف نواز سے غلام اسحٰق کی بات پہلے ہی ہو چکی تھی۔ آصف نواز کو شاید انہوں نے بتا بھی دیا ہوگا۔ میں نہیں جانتا لیکن آصف نواز کو یہ پتا تھا کہ میں نے ان کا نام نہیں دیا تو شاید وہ یہی بات اپنے دل میں رکھتے تھے۔ اس حوالے سے وہ شروع دن سے ہی میرے بارے میں تحفظات رکھتے تھے لیکن میں نے ان کو اپنے ساتھ چلانے کی بھرپور کوشش کی۔ میں نے آج تک کبھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ کوئی ایسی بات ہے لیکن میں یہ نوٹ کرتا رہتا تھا اور مجھے یہ اطلاعات بھی ملتی رہتی تھیں کہ وہ میرے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ خیر وہ اچانک موت کا شکار ہو گئے۔

جنرل آصف نواز کے سیاسی رابطے

کیا یہ بات سچ ہے کہ جنرل آصف نواز آپ کی حکومت ختم کرنا چاہتے تھے اور ان کے سیاسی رابطے تھے؟

نواز شریف: جو میری اطلاع ہے وہ یہ ہے کہ وہ سیاستدانوں سے ملتے تھے۔ ان سے اس طرح کی باتیں کرتے تھے کہ کیا وجہ ہے کہ حکومت ٹھیک طرح سے نہیں چلتی، یہ کیا ہو رہا ہے، کوئی صحیح ترجیحات نہیں ہیں۔ حالانکہ حکومت ٹھیک طرح سے چل رہی تھی معیشت ترقی کر رہی تھی۔ معاشی ترقی تیزی سے بڑے پیمانے پر ہو رہی تھی۔ ان کی باتوں کا مقصد حکومت کا عدم اعتماد پیدا کرنا تھا۔ وہ اس طرح کی باتیں کرتے تھے کہ کوئی بھی اقتدار میں ہوتا برا محسوس کرتا۔ کیونکہ چیف آف آرمی سٹاف کو اپنا کام کرنا چاہیے۔ وزیر اعظم کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھنے چاہیے۔ لیکن اس کا فقدان میں نے بہت سے موقعوں پر پایا۔

جنرل آصف نواز کی موت کے حوالے سے بھی آپ پر انگلیاں اٹھیں، آپ اس سنگین الزام پر کیا رائے رکھتے ہیں:

نواز شریف: یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ اس طرح کی چیزیں پیدا ہوئیں۔ ایسا نہ ہوتا تو اچھا ہوتا۔ لیکن

کوئی اس حد تک نہیں گر سکتا کہ ایسی حرکت کرے۔ میرے اوپر یہ بھی کہا گیا کہ میں نے ان کو زہر دے کر مارا ہے۔ پھر باہر سے ماہرین آئے۔ انکوائری میں پھر ساری بات سامنے آگئی کہ ایسا کچھ نہیں تھا۔ ایک اور چیز آپ نوٹ کریں کہ جس وقت ان کا انتقال ہوا، اس وقت یہ باتیں نہیں اٹھائیں گئیں۔ یہ باتیں تو الیکشن 93ء کے دوران اٹھائی گئیں جب مہم چلائی جا رہی تھی، مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔

وحید کاکڑ سے اختلافات

جنرل وحید کاکڑ کا جو انتخاب ہے، اس کے حوالے سے بھی صدر غلام اسحٰق خان اور آپ میں اختلاف رائے تھا؟

نواز شریف: میرا جنرل وحید کاکڑ سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ غلام اسحٰق صاحب نے وحید کاکڑ کو چیف آف آرمی سٹاف بنا دیا تھا تو بس ٹھیک ہے۔ کیونکہ غلام اسحٰق نے مجھ سے کوئی رائے نہیں مانگی تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ میں وزیر اعظم سے کیوں رائے مانگوں۔ کیونکہ یہ میرا حق تھا، حالانکہ آئین میں یہ واضح طور پر لکھا تھا کہ اس سلسلے میں وزیر اعظم سے مشورہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ مشورہ نہیں کرتے تھے بلکہ میرے اوپر جو دفاع کے ایڈوائزر تھے، ان سے وہ بات کر لیا کرتے تھے، مجھے اطلاع بعد میں پہنچتی تھی تو یہ چیزیں ہوتی رہی ہیں۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں انتہائی تعاون کرنے والا انسان ہوں۔ لیکن جب آئین یا قانون کے مطابق کام نہ چلے یا کوئی انسان اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے لگے یا خود سر ہو جائے تو پھر یہ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو پریشانی کا باعث بنتی ہیں۔ اس کے باوجود میں نے کاکڑ صاحب کو قبول کر لیا تھا کیونکہ وہ غلام اسحٰق صاحب کا انتخاب تھے۔ انہوں نے مجھے نہیں پوچھا تو بھئی نہ سہی، بہر حال میں نے اس کے باوجود کاکڑ صاحب سے بنا کر رکھی، لیکن جب غلام اسحٰق نے کچھ عرصہ کے بعد اسمبلی توڑ دی تو اسمبلی کے ٹوٹنے کے آرڈر مجھ تک بعد میں پہنچے اور فوج ٹی وی میں پہلے پہنچ گئی جو کہ قانونی طور پر غلط تھا اور ایسا نہیں ہوتا کہ آپ اپنے فوجی دستے کو ملک کے اندر کسی بھی جگہ پر وزیر اعظم کی مرضی کے برعکس بھیجیں۔ ابھی تو میں پاکستان کا وزیر اعظم تھا کہ مجھے پتہ چلا کہ فوج ٹی وی سٹیشن کے اندر داخل ہو گئی ہے تو میں بہت حیران ہوا اور پھر مجھے بعد میں پتہ چلا کہ غلام اسحٰق صاحب نے سیدھی کاکڑ صاحب سے بات کی ہے اور گورنمنٹ اور وزیر اعظم سے پوچھے بغیر ہی کاکڑ صاحب نے دستے بھیج دیئے ہیں۔ یہ غلط تھا۔ اس کے باوجود میں خاموش رہا۔ اسمبلی ٹوٹ گئی، ہم عدالت تک گئے اسمبلی پھر سے سپریم کورٹ کے ذریعے بحال کر دی گئی۔ بیچ میں کاکڑ

صاحب بھی شامل رہے لیکن کاکڑ صاحب نے جان بوجھ کر زیادتیاں کیں۔ جیسے کہ پنجاب میں، آرڈر جاری کیا کہ رینجرز کو گورنر ہاؤس میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ انہوں نے رینجرز کو کوئی بھی قدم اٹھانے سے روک دیا۔ حالانکہ رینجرز فیڈرل گورنمنٹ کے نیچے آتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ فوج کے سربراہ تھے تو فوج کو روک دیا کہ آپ کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ یہ فیڈرل گورنمنٹ کے حکم کی نافرمانی تھی۔ اور وزیراعظم کے حکم سے انکار تھا۔ تو یہ سب کچھ ہے جو یہ تمام لوگ کرتے رہے اس کے باوجود ہم لوگ خاموش رہے تھے کہ بھئی کام چلانا ہے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

پہلے دور کا خاتمہ

- اسمبلی بحال ہونے کے باوجود صدر اسحاق ضد پر اڑے ہوئے تھے۔
- وحید کاکڑ، صدر اسحٰق کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے کہ آپ گھر نہ جائیں۔
- صدر اسحٰق اور میں نے آپس میں طے کیا کہ ہم دونوں اقتدار چھوڑ دیتے ہیں۔
- معین قریشی، صدر کا خاص آدمی تھا لیکن میں نے ان کے نام پر اتفاق کیا تھا۔
- آئی جے آئی اس لئے ٹوٹی کہ شاید قاضی صاحب کی خواہشات کی تکمیل اس اتحاد میں ممکن نہ تھی
- ایجنسیوں کی چپقلش جاری رہتی ہے۔
- بریگیڈئر امتیاز نے جتوئی صاحب کی ریکارڈنگ نہیں کروائی تھی۔
- والد صاحب کا خیال تھا کہ اقتدار چھوڑ کر عوام میں جانے میں کوئی حرج نہیں۔

صدر اسحاق کی ضد

صدر غلام اسحٰق خان نے آپ کی اسمبلی توڑ دی تو عدلیہ نے اسے بحال کر دیا پھر آپ نے استعفیٰ کیوں دے دیا، آپ تو کہتے تھے کہ میں نہیں جھکوں گا۔لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ڈر گئے تھے کیونکہ آپ کو فوجی جرنیلوں نے آکر استعفیٰ دینے کو کہا تھا؟

نواز شریف: نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، اس میں الحمدللہ جھکنے والی تو کوئی بات ہوئی ہی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے بعد اتنا گند پڑ چکا تھا تو یہی سوچا کہ پھر ایک نیا مینڈیٹ لیا جائے۔ کیونکہ غلام اسحٰق خان صاحب ان سب چیزوں کے باوجود اپنی ضد پر قائم تھے۔ حالانکہ سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد اصولی طور پر ان کو اپنا عہدہ چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ یہ فیصلہ ان کے خلاف تھا۔ اور گھر چلے جانا چاہیے

تھا۔لیکن انہوں نے اپنی ضد نہیں چھوڑی۔ الٹا کاکڑ صاحب ان کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے کہ آپ نہ جائیں۔ جہاں تک میری اطلاع ہے وہ یہی تھی کہ کاکڑ صاحب اس میں منفی کردار ادا کر رہے تھے۔ غلام اسحٰق صاحب نے صوبائی حکومتوں سے بھی کہا کہ آپ وفاقی حکومت سے تعاون نہ کریں۔ منظور وٹو کو پنجاب میں کہا کہ تم تگڑے رہو، اسی طرح سندھ کے چیف منسٹر کو بھی کہا کہ تم تگڑے رہو، اسی طرح کا اشارہ بلوچستان کو بھی دیا تو اس طرح ان سب کو اپنے قابو میں کر لیا۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں بس ان کے قابو میں نہ آئے۔ آپ کو پتا ہے کہ جب انہوں نے قومی اسمبلی کو توڑا تو صوبائی اسمبلیوں کو اپنے قبضے میں کر لیا اور وہاں ہماری اکثریت کو اقلیت میں بدلوا دیا تو اس طرح کے منفی کردار انہوں نے ادا کیے۔ جس کا ریاست اور جمہوریت پر بڑا برا اثر پڑا ہے۔ یہ چند لوگ ایسے پاکستان کی تاریخ میں گزرے ہیں جنہوں نے اپنے ذاتی مفاد کی وجہ سے یہ نہیں دیکھا کہ اس سے ملکی مفاد کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔ اور اپنے ذاتی اقتدار کی ہوس میں انہوں نے ملک وقوم کا ستیاناس کر دیا ہے، جہاں تک میرا سوال ہے، محترمہ بے نظیر بھٹو کا سوال ہے، ہم لوگ آئینی اور جمہوری طریقے سے آئے ہیں۔
ہم نے کوئی آئینی اور قانونی خلاف ورزیاں نہیں کیں، اگر کی ہیں تو ہمیں بتایا جائے کہ جناب آپ نے فلاں قانونی اور آئینی خلاف ورزیاں کیں ہیں، لیکن ہم آئین کے مطابق چلتے رہے۔ لیکن پاکستان کے جو صدور رہے ہیں جیسے فاروق لغاری صاحب، غلام اسحٰق خان صاحب تو ان کو بے پناہ اختیارات ملے ہوئے تھے جو کہ 1973ء کے آئین میں نہیں ہیں تو انہوں نے من مانیاں کرنے کی کوشش کیں جس کی وجہ سے سارا بگاڑ پیدا کر دیا۔ یہی وہ لوگ بشمول کچھ جرنیلوں کے جو کہ گورنمنٹ اور اپوزیشن کو آپس میں لڑاتے بھی رہے ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں یہ میرا خیال ہے کہ اس قسم کی پالیسیاں بناتے رہے ہیں اور اس پر عمل کرتے رہے ہیں اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب نہیں آنے دیا۔ ان کی پالیسی رہی ہے کہ Divide and rule کرتے رہو اور اپنا کام چلاتے رہو چاہے ملک تباہ ہو جائے۔ میں بھی اس میں ایک چیز شامل کر دوں کہ اچانک ایک دن مجھے فون آیا۔ انہوں نے مجھے کوڈ میں نام بتا دیا۔ تو ایئر وائس مارشل فاروق عمر صاحب اس وقت جو پی آئی اے کے چیئرمین تھے، وہ ٹیلی فون پر تھے وہ یہ اسمبلیوں کے ٹوٹنے اور پھر ان کی بحالی کے درمیان کی بات ہے۔ تو وہ مجھے کہنے لگے کہ غلام اسحٰق خان صاحب نے ایک سپیشل ایئر کرافٹ کا بندوبست کیا ہے جو لوگ عدم اعتماد کر رہے ہیں، ان کو ایک جگہ پر رکھا ہوا تھا تو پی آئی اے کا طیارہ ان کو لے کر لاہور جا رہا تھا۔ تو آپ میاں صاحب کو اطلاع کر دیں کہ وہ اس وقت اڑے گا اور اس وقت پہنچے گا اگر آپ کچھ کر سکتے ہیں تو کر لیں۔

کیونکہ ان کا پورا ارادہ وائیں صاحب کے خلاف عدم اعتماد پیدا کرنا ہے۔اس وقت پوری ریاستی مشینری صدر اسحٰق کے ساتھ تھی۔ لیکن اس وقت کیا ہوسکتا تھا میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت کیا کیا ہورہا تھا اور کس طرح حکومتی وسائل کو اسٹیبلشمنٹ ،منتخب حکومت کے خلاف استعمال کر رہی تھی۔

معین قریشی کا انتخاب

میاں صاحب! پھر آخر کار تصفیہ کس نے کروایا کہ معین قریشی آئے اور عبوری حکومت بنے اور غلام اسحٰق خان جائے؟

نواز شریف: مختلف نام ڈسکس ہورہے تھے۔

یہ کس نے طے کیا کہ عبوری سیٹ اپ ہو؟ اور آپ دونوں ہی جائیں؟

نواز شریف: وہ ہم نے آپس میں ہی لڑتے لڑتے طے کرلیا تھا (قہقہہ)۔

آپ نے اور غلام اسحٰق خان نے لڑائی کے باوجود آپس میں طے کرلیا تھا؟

نواز شریف: ہاں، میں نے کہا کہ اگر آپ اپنی اس ضد کو نہیں چھوڑتے تو پھر آپ بتائیں کہ اس کا کیا حل ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ حل تو پھر یہی ہے کہ آپ اقتدار کو چھوڑیں۔ میں نے کہا کہ مجھے تو سپریم کورٹ نے بحال کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر میں چھوڑوں تو کیا پھر آپ بھی چھوڑ دیں گے؟ کہنے لگے کہ میں بھی چھوڑ دوں گا۔ پھر میں نے کہا کہ ٹھیک ہے ہم دونوں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے خیال میں جو 93ء کے الیکشن کے رزلٹ تھے کیا وہ درست تھے؟

نواز شریف: اس وقت بھی ہم اسٹیبلشمنٹ کے خلاف لڑے تھے۔

پاکستان میں آج تک کتنے الیکشن ہوئے ہیں، ان میں سے کسی کا بھی رزلٹ ٹھیک نہیں ہے۔ عام لوگوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سارے ہی الیکشن کے اندر دھاندلی ہوئی ہے، ان کو صاف اور شفاف کہنا ٹھیک نہیں ہے۔

نواز شریف: میرے والد صاحب کا مشورہ تھا ان کے ذہن میں یہی بات تھی کہ لوگوں کے پاس جائیں

گے تو حکومت نے جو اچھے کام کیے تھے، لوگ اس کی تعریف کرتے تھے اور اس کا پسندیدگی کا گراف کافی اونچا تھا، خاص طور پر اسمبلیاں ٹوٹنے کے بعد لوگوں نے جو احتجاج کیا تھا۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارا عوام کی نبض پر ہاتھ تھا۔ یہ سوچتے ہوئے عوام کے پاس گئے۔

آپ نے حکومت چھوڑنے کا فیصلہ کیوں کیا؟ الیکشن لڑنے پر اتفاق کیسے ہوا، مشورہ کس نے دیا؟ جانا تو غلام اسحٰق کو چاہیے تھا آپ کیوں اقتدار چھوڑ گئے؟

نواز شریف: آپ کی بات درست ہے مجھے تو سپریم کورٹ نے بحال کیا تھا اس لئے مجھے رہنا چاہیے تھا۔

معین قریشی کا بطور وزیر اعظم انتخاب کیسے ہوا، بعد میں آپ معین قریشی کی پالیسوں پر ناراض بھی ہوئے۔ لیکن کہتے ہیں کہ آپ نے ان کے انتخاب پر اتفاق کیا تھا؟

نواز شریف: میرا خیال ہے کہ اتفاق کیا تھا۔ کیونکہ نام اور بھی کئی ڈسکس ہو رہے تھے لیکن پھر اس نام پر اتفاق رائے ہوا۔ میں ان کو کم ہی جانتا تھا لیکن غلام اسحٰق خان صاحب اسے مجھ سے زیادہ جانتے تھے وہ ان کا خاص آدمی تھا۔

ان کا نام تجویز نے کیا تھا؟

نواز شریف: اصل میں تین چار نام ڈسکس ہو رہے تھے جن میں ان کا بھی نام تھا۔ مجھے اس نام پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ پھر یوں معین قریشی کے نام پر اتفاق رائے ہو گیا۔

آئی جے آئی کیسے ٹوٹی

1993ء کے الیکشن کے دوران جماعت اسلامی کیوں آپ کے خلاف ہو گئی تھی؟ قاضی حسین احمد نے بڑے سخت بیانات دیئے۔ آئی جے آئی بھی ٹوٹ گئی اس کی کیا اندرونی وجہ تھی؟

نواز شریف: کوئی خاص وجہ نہیں تھی مجھے خود آج تک واقعی اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ جماعت اسلامی اور قاضی صاحب نے اپنے آپ کو آئی جے آئی سے کیوں علیحدہ کیا۔

ہو سکتا ہے کہ آپ ان کو جائز مقام نہ دیتے ہوں؟

نواز شریف: نہیں، ایسی تو کبھی کوئی بات نہیں ہوئی میرا خیال ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بڑا اچھا تعلق تھا۔ لیکن وہ اخباروں میں بڑے سخت بیانات دیتے رہے۔ جس کی تکلیف ہمیں بھی پہنچتی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ میں نے اپنے اس دکھ اور تکلیف کا ان کے سامنے کبھی اظہار نہیں کیا۔ شاید قاضی صاحب کے ذہن میں کچھ اور باتیں ہوں جن کی غالباً تکمیل وہ سمجھتے ہوں کہ آئی جے آئی کے اندر رہ کر نہیں ہو سکتی۔

ایجنسیوں کی لڑائی

اس دور کا ایک اور منفی یا مثبت پہلو تھا کہ اس وقت ایجنسیوں کی آپس میں بڑی کھینچا تانی تھی، ایک طرف بریگیڈیئر امتیاز تھے اور دوسری طرف آئی ایس آئی اور ایم آئی، اس چیز کی آپ نے اجازت کیوں دی یا فوج کو کیوں نہیں سمجھایا کہ یہ نہ کریں، بعد میں یہ الزام لگایا کہ بریگیڈیئر امتیاز چیف آف آرمی سٹاف کی گفتگو ٹیپ کر رہے تھے، وہ کہتے تھے کہ یہ ہمیں ریکارڈ کرتے تھے۔ اس طرح کی شدید لڑائیاں سننے میں آئیں تو اس کی کیا وجہ تھی؟

نواز شریف: نہیں، یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں جن کا مجھے علم نہیں ہے۔ بہت ساری چیزیں ایسی بھی ہوتی ہے جو لوکل سطح پر ہوتی رہتی ہیں ایجنسیوں کی آپس میں چپقلش جاری رہتی ہے آئی بی ہو، آئی ایس آئی ہو یا پھر ایم آئی ان میں ایسا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

بریگیڈیئر امتیاز صاحب کے زمانے میں تو آپ کے اتحادیوں کو بھی شکایت تھی کہ ان کی ریکارڈنگ ہوتی ہے؟

نواز شریف: دیکھیں جی، کوئی بھی وزیر اعظم یہ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے اتحادیوں کے خلاف کوئی بھی ایسا کام کروائے۔

جتوئی صاحب اور کچھ اور لوگوں کے اس زمانے میں بیانات آئے تھے کہ ان کے ٹیلی فون بھی ٹیپ ہو رہے ہیں؟

نواز شریف: ہاں بلکہ مجھے خود اس بات کا احساس ہوا تھا کہ جتوئی صاحب نے اگر ایسی کوئی بات کہی ہے

تو اس میں کوئی صداقت اور حقیقت ہوگی میں نے اس کا نوٹس لیا۔ میں نے بریگیڈیئر امتیاز سے پوچھا کہ بھئی کیوں ایسی بات ہوئی ہے؟ میں نے اس کا پورا پورا نوٹس لیا تھا۔ اب مجھے یہ یاد نہیں ہے کہ اس واقعے کی کیا وجوہات سامنے آئیں تھیں۔ لیکن میری طرف سے قطعاً کسی کو یہ ہدایت نہیں تھی کہ آپ نے ایسا کوئی کام کرنا ہے۔ ایجنسیاں ایسے بہت کام خود بھی کرتی رہتی ہیں۔ مجھے یاد آیا کہ آئی بی کے بریگیڈیئر امتیاز نے مجھے یہ بتایا تھا کہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ ہم یہ کام کریں۔ ہم بھلا کیوں یہ کام کریں گے۔ انہوں نے خصوصی طور پر مجھے یہ بات کہی تھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آئی ایس آئی نے کر دیا ہو اور نام آئی بی کا لگ گیا ہو۔ کر کسی اور نے دیا ہو اور نام کسی اور کا لگ گیا ہو۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

پہلے دور کی غلطیاں

- میری پالیسی تھی کہ ہمیں افغانستان میں حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ نہیں کرنی چاہیے تھے۔
- میں چاہتا تھا کہ ہمارے شمالی اتحاد کے ساتھ بھی اچھے تعلقات ہوں۔
- آئی ایس آئی کی خارجہ پالیسی میں اپنی ترجیحات تھیں آرمی چیف بھی ان کا ساتھ دیتا ہے۔
- معاہدہ پشاور سے دو لیڈروں کو بھگانے میں بھی آئی ایس آئی کا رول تھا۔
- طالبان کو بھی خفیہ ایجنسیوں نے بنوایا تھا۔

میرا دائرہ کار

میاں صاحب! آپ کا جو پہلا دور حکومت تھا۔ اس حوالے سے کیا کبھی کوئی خیال آتا ہے کہ تب کیا غلطیاں کیں تھیں؟ کیونکہ انسان جب وزارت عظمی سے فارغ ہوتا ہے تو سوچتا ہے کہ یہ غلطیاں اب دوبارہ نہیں ہوں گی؟ کوئی سیاسی غلطی ہوگئی تھی یا یہ کہ آئندہ اسٹیبلشمنٹ سے لڑائی نہیں ہونی چاہیے تھی؟

نواز شریف: میں ویسے لڑائی پسند انسان ہوں ہی نہیں، میں بنیادی طور پر بڑا صلح پسند ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آئین میں جس کسی کا کوئی رول، اختیارات اور کردار درج ہے، اس حد سے اس کو باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ جب آپ اپنی حد سے نکل کر کسی دوسرے کی حد میں جاتے ہیں تو آپ قصوروار ٹھہرتے ہیں نہ کہ کوئی دوسرا مجرم ہوتا ہے۔ میرے پاس بطور وزیراعظم کسی اور کی حد (علاقہ) میں جانے کا کوئی وقت نہیں تھا۔ اور نہ ہی میرا کوئی مشغلہ اور شوق تھا۔ میں اگر اپنی ذمہ داریوں کو ہی پورا کرلوں تو میرا خیال ہے کہ وہی بہت بڑی بہادری ہے۔ تو مجھے کسی اور کے دائرہ کار میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔

مثلاً جی ایچ کیو (GHQ) کے جو معاملات ہیں وہ انہی کو دیکھنے چاہیے۔ گو وزیر اعظم کا دائرہ کار تو سارے کا سارا ہوتا ہے لیکن ہم کسی قسم کی مداخلت کرنے کے قائل نہیں تھے یہ میرا کام نہیں تھا کہ میں روز (GHQ) میں دیکھتا کہ کون سے کور کمانڈر کیا کر رہے ہیں۔ کس کی پوسٹنگ کہاں ہونی چاہیے۔ میں زیادہ تر ان کے اوپر چھوڑتا تھا کہ وہ خود ذمہ دار لوگ ہیں، ان کو خود دیکھنا چاہیے اور کرنا چاہیے۔ لیکن بعد میں مجھے یہ کہا گیا کہ اگر فوج میں واقعی میرٹ پر بھرتیاں ہوتی ہیں تو پرویز مشرف کیسے جنرل بن گیا (ہنستے ہوئے) یا یحییٰ خان کیسے چیف آف آرمی سٹاف بن گیا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ فوج کے کور کمانڈر کی پوسٹنگ اور ٹرانسفر کا اختیار وزارت دفاع کے پاس ہونا چاہیے۔

خارجہ پالیسی

بطور وزیر اعظم آپ کو خارجہ پالیسی بنانے میں کتنی آزادی تھی؟

نواز شریف: خارجہ پالیسی میں اختلاف رہتے تھے۔

سنا گیا ہے کہ (GHQ) والے خارجہ پالیسی کا چارج بھی سنبھالتے ہیں؟ بے نظیر بھی یہی کہتی ہیں کہ جی ایچ کیو والے کہتے تھے کہ ہم افغانستان اور انڈیا پر خارجہ پالیسی بنائیں گے؟

نواز شریف: اصل میں پاکستان کی جو خارجہ پالیسی ہوتی تھی، اس میں کچھ منفرد چیزیں ہیں۔ اب جیسے پاکستان کی جو افغانستان کے حوالے سے خارجہ پالیسی تھی، اس پر عمل نہیں ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر میری حکومت کی یہ پالیسی تھی کہ ہمیں افغانستان میں حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ میں کوئی کردار نہیں ادا کرنا چاہیے۔ یہ کردار پاکستان کا نہیں ہونا چاہیے چاہے وہ افغانستان ہو یا کوئی بھی اور ملک ہو، ہم کیوں ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کریں۔ میں یہ چاہتا تھا کہ اگر ہمارے طالبان کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں تو شمالی اتحاد کے ساتھ بھی یہ تعلقات اچھے ہی ہونے چاہیں۔ ربانی صاحب جو شمالی اتحاد کے چیف تھے، ان کے ساتھ بھی ہمارا اچھا تعلق ہونا چاہیے، لیکن آئی ایس آئی کی خارجہ پالیسی میں اپنی ترجیحات تھیں۔ چیف آف آرمی سٹاف کا آئی ایس آئی کے ساتھ بڑا اچھا تعلق ہوتا ہے اور وہ ایک ہی سائیڈ کی حمایت کرنے کی ڈگر پر چلتے ہیں۔ یہی گورنمنٹ آف پاکستان کی پالیسی سے اختلاف کی وجہ بنتی ہے۔ گورنمنٹ آف پاکستان کی پالیسی یہ تھی کہ دونوں اطراف سے اچھے تعلقات قائم کیے جائیں

ہم کیوں کسی ایسے معاملے میں پارٹی بنیں جو کہ ان کا اندرونی معاملہ ہے۔

معاہدہ پشاور

لیکن آپ نے افغانستان کے مختلف فریقوں میں جو معاہدہ پشاور کروایا، اس میں کیسے ناکامی ہوگئی، معاہدے کے بعد آپ سب افغان لیڈروں کو سعودی عرب بھی لے کر آئے تھے؟

نواز شریف: وہ میرا پہلا دور حکومت تھا جب میں سب افغان لیڈروں کو لے کر سعودی عرب آیا، ان سب کو سامنے بٹھایا۔ اس وقت وہاں پر نہ تو کوئی شمالی اتحاد تھا اور نہ ہی کچھ اور، سب اکٹھے تھے۔ معاہدہ ہوگیا، اس کے بعد درمیان میں سے ایک دو لوگ بھاگ گئے۔

اس میں کس کی غلطی تھی ان کی یا ہماری کسی ایجنسی کی؟

نواز شریف: میں خود حیران تھا کہ ایسے کیسے ہوگیا اب میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ اس میں اس وقت کی آئی ایس آئی کا رول بھی ہوسکتا ہے کہ دو تین لوگوں کو انہوں نے وہاں سے بھگا دیا جو شامل نہ ہوسکے۔ اس کے بعد پھر طالبان بنے۔ طالبان کس نے بنائے کس نے طالبان کو آگے لانے میں کردار ادا کیا۔ یہ بھی تاریخ کا حصہ ہے اور اس میں بھی دوسرے بہت سے عوامل کے علاوہ خفیہ ایجنسیوں کا کردار تھا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

اپوزیشن کا دور

- تحریک نجات چلانے میں ایجنسیوں کی پشت پناہی نہیں تھی۔
- فاروق لغاری صدر بننے کے بعد بھی خفیہ ایجنسیوں کے پٹھو بنے رہے۔
- مہران سکینڈل کی فائل آصف زرداری کے ذریعے نہیں ایک بینکر سے ملی تھی۔
- صدر لغاری بطور لیڈر آف اپوزیشن مجھے ملنے سے پہلے ہی اسمبلی توڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔
- لغاری نے ذوالفقار کھوسہ کو وزیر بنانے کی مخالفت کی ہم نے ان کی بات نہ مانی۔
- بے نظیر اور کاکڑ کے تعلقات اچھے تھے تو اس کی وجہ بے نظیر تھیں نہ کہ کاکڑ صاحب
- کاکڑ کو توسیع دینے کی مخالفت کی، اس نے منفی رول ادا کیا تھا۔

تحریک نجات

1993ء سے 1996ء کے درمیان آپ اپوزیشن میں رہے۔ اس دوران آپ نے تحریک نجات چلائی کیا جمہوری حکومتوں کے خلاف احتجاجی تحریکیں چلانے سے جمہوریت اور جمہوری عمل کو نقصان نہیں پہنچتا؟

نواز شریف: (رک کر جواب دیتے ہوئے) میرا خیال ہے کہ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا مادہ ہونا چاہیے۔ ایک دوسرے کے مینڈیٹ کو تسلیم کرنا چاہیے، ہونا تو پاکستان کی سیاست میں یہی چاہیے لیکن میرا خیال ہے کہ چونکہ ایسا نہیں تھا تو کچھ ہمارے خلاف تحریکیں چلتی رہیں، کچھ ہم تحریکیں چلاتے رہے۔ یہ پاکستان کی سیاست میں ایک روایت سی بن گئی تھی۔ اس میں یقیناً ایجنسیاں بھی اپنا رول ادا کرتی ہیں لیکن بات تو یہ ہے کہ ایجنسیوں کے جھانسے میں انسان آئے ہی کیوں۔ جہاں تک تحریک

نجات کا تعلق ہے، میں نے نہ کبھی ایجنسیوں کے کہنے پر یہ کام کیا ہے اور نہ میں اس معاملے میں ایجنسیوں کے جال میں کبھی گرفتار ہوا ہوں۔ ان معاملات میں ہماری ایک ایسی سیاسی پارٹی ہے جو کہ ملک گیر سیاسی پارٹی ہے تو پھر ایسی سیاسی پارٹی کے ہوتے ہوئے ایسی گیم کھیلیں تو یہ ہمارے لئے ویسے ہی شرم اور ندامت کی بات ہے۔ اور یہ ہمارے جیسی پارٹیوں کو زیب بھی نہیں دیتا۔ تو کم از کم ہم تو اللہ کے فضل و کرم سے وہ نہیں ہیں جو ایجنسیوں کے اشاروں پر ناچیں یا ان کا کوئی کھیل کھیلیں ابھی پاکستان میں ایسی بے شمار پارٹیاں اس وقت ہیں جو ابھی بیٹھی ہوئی ہیں، اسمبلی کے اندر بھی ہیں، اور شاید اسمبلی کے باہر بھی ہوں گی، جو ایجنسیوں کا کھیل کھیلی ہیں۔ اب نام پتا نہیں لینا چاہیے یا نہیں لیکن میں لے بھی لیتا ہوں۔ پاکستان کے سب سے بڑے عہدے، صدارت پر بیٹھنے والا شخص سردار فاروق احمد خان لغاری جن کو شرم نہیں آتی کہ وہ صدر بننے کے باوجود بھی ایجنسیوں کے پٹھو بنے ہوئے تھے۔ وہ کرپٹ آدمی ہے، ایجنسیوں کا بندہ ہے۔ اس نے اوپن کرپشن کی ہوئی ہے مثلاً وہ جو زمینوں کا حصہ تھا، ڈیرہ غازی خان میں جس میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں ہے کہ انہوں نے اوپن کرپشن کی تھی ہم نے ان کی کرپشن کو بے نقاب کیا تھا جس کے باقاعدہ ثبوت موجود تھے۔ اب مجھے بتائیں کہ ایسا شخص اس فوجی دور کے اندر بھی جہاں انہوں نے نیب کو اس لئے بنایا تھا کہ وہ کرپٹ لوگوں کا محاسبہ کرے گی جس میں بے شمار لوگوں کے ساتھ ناانصافی بھی کی گئی، بے شمار بے گناہ لوگوں کو بھی پکڑا گیا جو کرپٹ تھے، ان کو چھوڑ دیا گیا، جو کرپٹ نہیں تھے، ان کو جان بوجھ کر پکڑا گیا۔ جن کرپٹ لوگوں کو چھوڑ دیا گیا، ان میں سرفہرست تو لغاری صاحب خود ہیں۔

مہران بینک سکینڈل

لیکن الزام تو یہ ہے کہ مہران بینک سکینڈل کے راز آصف زرداری کے ذریعے آپ تک پہنچے تھے۔ لغاری صاحب کے کئی دوستوں کا خیال ہے زرداری نے انہیں دبا کر رکھنے کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا؟

نواز شریف: نہیں ہمارے پاس کسی شخص نے یہ فائل نہیں پہنچائی تھی اور نہ ہی اس میں زرداری صاحب کا کوئی کردار تھا لیکن جو شخص زیرِ عتاب تھا، اب میں نام نہیں لوں گا جس بینکر کے اوپر سارا بوجھ پڑ رہا تھا، اس شخص نے خود ہمیں یہ ساری داستان سنائی تھی۔ کیونکہ اس کی اپنی جان خطرے میں تھی اور وہ شخص پس رہا تھا۔ اس نے کسی قریبی آدمی کو پھر سارا قصہ سنایا تو وہ سارا قصہ صحیح تھا اب وہ شخص (فاروق لغاری)

ایک تو نیب کے پنجے سے بھی بچا رہا۔ دوسرا وہ وہاں پر بیٹھ کر ایجنسیوں کے کھیل کھیل رہے ہیں۔ اور ایجنسیاں وہاں پر بیٹھ کر ان کا ساتھ دے رہی ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ نہیں بلکہ اور بھی سیاستدان ایسے ہیں جو یہ کام کرتے ہیں جو کہ باعث افسوس ہے۔ لیکن ایک شخص ملک کی صدارت کے عہدہ پر بیٹھا ہوا ور اس کے باوجود وہ ایجنسیوں کا بندہ گردانا جائے، یہ بڑے شرم کی بات ہے۔

صدر لغاری سے ڈیل

لیکن جس فاروق لغاری کو آپ برا بھلا کہہ رہے ہیں آپ نے اسی سے ڈیل کر لی تھی اور ان سے بے نظیر بھٹو کی حکومت تڑوادی؟

نواز شریف: میں نے کوئی ڈیل نہیں کی۔

لیکن آپ نے صدر لغاری سے بطور لیڈر آف دی اپوزیشن ملاقات تو کی تھی؟

نواز شریف: نہیں، انہوں نے مجھے مدعو کیا جب وہ ملک کی صدارت کے منصب پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے اور میری پارٹی کو مدعو کیا تو ہم ان سے ملنے چلے گئے۔ ہم نے کوئی ان کے ساتھ جا کر سازش تو نہیں کی۔

کیا آپ کا ان سے جا کر ملنا غلطی نہیں تھی؟

نواز شریف: ہم نے کوئی ان کے ساتھ جا کر معاہدہ تو نہیں کیا ناں۔ نہ ہی کوئی زبانی معاہدہ کیا اور نہ ہی تحریری معاہدہ کیا۔ انہوں نے کھانے پر بلایا، ہم کھانے پر چلے گئے ان کی باتیں سنیں کچھ ہم نے اپنی باتیں جا کر سنائیں۔ پس اس کے علاوہ تو ہم نے کوئی بات نہیں کی، نہ ہی ان کی کسی نگران کابینہ میں ہم شامل تھے، نہ ہمارا کوئی ساتھی اس میں شامل تھا۔

لیکن اس ملاقات کا صدر لغاری کو فائدہ یہ ہوا کہ انہیں اسمبلی توڑنے میں آسانی ہوگئی۔ اور آپ کو بالواسطہ فائدہ یہ ہوا کہ اگلے الیکشن میں آپ جیت گئے تو کچھ نہ کچھ انڈرسٹینڈنگ تو ہوئی ہوگی؟

نواز شریف: نہیں، یہ کسی منصوبہ بندی کے تحت نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے کہ اسمبلی توڑنے کا وہ فیصلہ پہلے ہی کر چکے ہوئے تھے۔ ایسا وہ ہمارے لنچ پر انوائیٹ کرنے سے پہلے ہی کر چکے تھے۔ انہوں نے پہلے

ہی اس چیز کا فیصلہ کرلیا تھا کہ انہوں نے کیا کرنا ہے۔ جو وہ راز رکھنا چاہتے تھے، اس کا انہوں نے ہم سے ذکر بھی نہیں کیا۔ کہ میں اسمبلی توڑ رہا ہوں یا میں یہ کر رہا ہوں۔

40 سیٹوں کی پیش کش

کیا آپ نے انہیں سیٹیں آفر کیں تھیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ آپ نے انہیں 40 سیٹیں الیکشن سے پہلے آفر کی تھیں؟

نواز شریف: ہمیں کیا ضرورت تھی کہ ہم انہیں 40 سیٹیں آفر کرتے۔

صدر لغاری بارہا یہ کہہ چکے ہیں کہ آپ نے انہیں 40 سیٹیں آفر کیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا؟

نواز شریف: (غصے سے) جھوٹا آدمی ہے وہ۔ جھوٹ بولنے میں میرا خیال ہے کہ وہ بڑا ماہر ہے۔ ہم نے تو انہیں کچھ آفر ہی نہیں کیا تو سیٹ کاہے کو آفر کرنی تھی۔ اگر کی ہوتی تو پھر ہم الیکشن میں ایسا کر کے دکھاتے ناں۔ بلکہ جب ہم الیکشن جیتے اور میں وزیر اعظم بنا، اس نے بڑی سخت مزاحمت کی کہ آپ ذوالفقار علی کھوسہ کو وزیر نہ بنائیں۔ تو ہم نے کہا کہ کیوں نہ بنائیں۔ سب سے پہلا مسئلہ انہوں نے یہی ہمارے لئے کھڑا کیا۔ ہم نے کہا کہ ہم ضرور بنائیں گے۔ چاہے آپ ناراض بھی ہوں لیکن ہم اپنی پارٹی سے مخلص ساتھی کو کیوں چھوڑ دیں لیکن انہوں نے بہت زور لگایا تھا کہ آپ اس کو نہ بنائیں۔ ایک دو اور معاملات میں بھی انہوں نے کچھ اسی طرح کی بات کی ہم نے اس معاملے میں وہی کیا جو ہمیں کرنا چاہیے تھا۔

ایک اور اس دور کا ایک بڑا اہم واقعہ جس نے آگے بڑا اہم کردار ادا کیا کہ آپ نے بطور اپوزیشن لیڈر جنرل وحید کاکڑ کی مدت ملازمت میں توسیع کی مخالفت کی، جس سے جنرل جہانگیر کرامت کا چیف بننا ممکن ہوا۔ آپ نے اس حوالے سے ایک پریس کانفرنس بھی کی۔ تو اس فیصلے میں آپ کا کیا کردار تھا۔ آپ نے وحید کاکڑ کی کیوں مخالفت کی اور جہانگیر کرامت کی کیوں حمایت کی؟

نواز شریف: نہیں، اس وقت تو جنرل وحید کاکڑ کی بطور آرمی چیف توسیع کی باتیں اخباروں میں چھپ

رہی تھیں۔اور حکومت کی طرف سے اس کی کوئی تردید نہیں ہوئی تھی۔میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ جو اپنی مدت ملازمت پوری کر چکے ہیں تو اب ان کی توسیع نہیں ہونی چاہیے۔میں نے تو ایک اصولی موقف پر اپنا اظہار خیال کیا تھا۔اور وحید کاکڑ صاحب میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے کہ ان کو توسیع ملتی۔ انہوں نے ویسے بھی منفی رول ادا کیا ہوا تھا جب غلام اسحٰق خان نے اسمبلی توڑی اور اس کے بعد جب ایک نیا دور آیا اس حوالے سے میں نے کہا تھا کہ وہ توسیع لینے کے حق دار نہیں ہیں۔تو انہیں توسیع کیوں دی جائے یہ بات تھی۔جو کہ میرے ضمیر کی آواز تھی اور جو میں نے کہی۔آپ اس پر کیوں حیران ہوئے؟

جہانگیر کرامت کی تقرری

اس وقت یہ کہا گیا تھا کہ آپ کی شاید فوج کے ساتھ کوئی انڈرسٹینڈنگ تھی جس کی وجہ سے آپ نے یہ بیان دیا؟

نواز شریف: نہیں، میں تو جہانگیر کرامت صاحب کو جانتا بھی نہیں تھا۔

لغاری سے اختلافات

جب آپ وزیراعظم بنے تو کیا آتے ہی ایوان صدارت کی طرف سے مسائل پیدا ہو گئے؟

نواز شریف: جب میں وزیراعظم بنا تو میں نے کوئی مسائل پیدا نہیں کیے۔ہمارے دل میں تو سردار فاروق احمد خان لغاری کے لئے کوئی ایسی کدورت نہیں تھی، کوئی ناراضی نہیں تھی اور نہ ان کے ساتھ کوئی اختلاف تھا۔جہاں تک میرا تعلق ہے تو ہم نے بڑے خوشگوار تعلقات کا آغاز کیا لیکن انہوں نے آتے ساتھ ہی شہباز شریف سے کہا کہ آپ نے ذوالفقار علی کھوسہ کو کابینہ میں نہیں لینا۔اس کے بیٹے کو فلاں ضلع کا صدر نہیں بنانا۔اس کے فلاں رشتے دار کو نہیں لینا، اور آپ فلاں فلاں کو کابینہ میں لیں۔آپ پنجاب میں اس طرح سے معاملات کو چلائیں اور ڈیرہ غازی خان کا پورا ڈویژن سردار فاروق لغاری کے حوالے کر دیں۔یہ تو پھر باتیں صحیح نہیں ہیں ناں۔اس قسم کی چیز کا جو آغاز ہوا ہے، وہ ہماری طرف سے نہیں ہوا بلکہ ان کی طرف سے ہوا ہے۔یہ کسی ملک کے اتنے بڑے عہدے پر بیٹھے ہوئے شخص کو زیب نہیں دیتا۔یہی چیزیں آخر کار پھر ایک صدر اور وزیراعظم کے درمیان تناؤ کا باعث بنتی ہیں یا پھر آپ چیف آف آرمی سٹاف کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان سے اس طرح کے حالات کس طرح پیدا

ہوئے تو پھر وہ حالات اسی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر آپ جائزہ لیں تو وزرائے اعظم جو پاکستان کے رہے ہیں، انہوں نے قانون اور آئین کی خلاف ورزی نہیں کی، کسی روایت کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ ہمیشہ وردی والوں کی طرف سے مداخلتیں ہوتی رہی ہیں جو کہ تناؤ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ میرا آزمایا ہوا تجزیہ ہے۔ مثال کے طور پر اگر بے نظیر بھٹو صاحبہ کی کاکڑ سے بنی رہی ہے تو بے نظیر بھٹو صاحبہ کی وجہ سے ہی بنی رہی ہے۔ کاکڑ کی طرف سے نہیں بنی۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

سیاسی اتار چڑھاؤ

☆ 97ء کے انتخابات

☆ اہم فیصلے

☆ عدلیہ سے محاذ آرائی

☆ ایٹمی دھماکہ، فوج اور بھارت

☆ کرامت سے مشرف تک

☆ سیاسی مسائل

☆ کارگل

☆ واشنگٹن میں جنگ بندی

97ء کے انتخابات

- 1997ء کے الیکشن ہر لحاظ سے شفاف تھے
- نادیدہ قوتیں کبھی بھی آپ کا استقبال کھلے دل سے نہیں کرتیں
- صدر لغاری چاہتے تھے کہ اقتدار کا توازن ان کے پاس رہے
- بہت سے لوگ الیکشن میں تاخیر کے خواہش مند تھے

نادیدہ قوتوں کی حمایت؟

1997ء کے الیکشن میں آپ کو بھاری مینڈیٹ ملا۔ اس میں آپ نے بڑی زبردست مہم چلائی لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ پیپلز پارٹی کو پنجاب میں ایک سیٹ نہ ملی۔ اس سے الیکشن کے بارے میں کچھ شکوک وشبہات سے پیدا ہو گئے آج آپ اس الیکشن کو کس طرح دیکھتے ہیں کہ کیا اس میں کچھ نادیدہ قوتوں کی آپ کو سپورٹ حاصل تھی؟

نواز شریف: میرا نہیں خیال کہ آپ کے جو خدشات ہیں، وہ سچے ہیں، میرا خیال ہے کہ پاکستان میں جو شفاف الیکشن کا معیار ہے۔ اس معیار کے مطابق ہی وہ الیکشن منصفانہ تھے۔ چاہے اس معیار کو آپ جیسا بھی قرار دیں تو میرا خیال ہے کہ وہ شفاف الیکشن کی زد میں آتے تھے۔ لیکن پاکستان میں غالباً یہ ایک رواج یا روایت ہو چکی ہوئی ہے کہ عوام کئی دفعہ ایک پارٹی سے جو حکومت میں رہ چکی ہوتی ہے، اس قدر مایوس ہو چکی ہوتی ہے کہ اس کو دوبارہ وہ اگلے الیکشن میں ووٹ نہیں دیتے۔ تو یہ بھی صورت حال ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے اس الیکشن میں اس وقت جو صدر فاروق احمد لغاری تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم زیادہ ووٹ لے کر جیتیں خود اس وقت کے صدر فاروق لغاری صاحب اور ان کی

کابینہ کے سربراہ معراج خالد صاحب تھے۔ میں معراج خالد کی بات نہیں کرتا لیکن ان کی کابینہ میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے اس طرح کے بیان بھی آتے تھے کہ الیکشن کو تاخیر سے کروایا جائے تو یہ باتیں بہت چل رہی تھیں۔ آخری لمحے تک یہ قیاس آرائیاں کی جارہی تھیں کہ شاید الیکشن میں تاخیر ہو جائے۔ اور ایک احتساب کا نعرہ بھی لگ رہا تھا کہ پہلے احتساب اور پھر بعد میں الیکشن۔ کئی ایسی سیاسی پارٹیاں بھی تھیں جو آج کل ایم ایم اے میں شامل ہیں جو اس طرح کے نعرے لگاتی تھیں۔ اس وقت یہ باتیں بڑے زور وشور سے چل رہی تھیں فاروق لغاری صاحب کا جو سیاسی کردار بطور صدر رہا ہے میرے ان کے بارے میں بہت شدید قسم کے تحفظات ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے اس بارے میں کوئی خدشہ نہیں ہے کہ وہ الیکشن میں تاخیر کے معاملے میں ایک سخت رائے رکھتے تھے شاید ان کا خیال یہ تھا کہ تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ اور آئین کے مطابق ہی 90 دنوں میں الیکشن ہونا چاہیے۔ جو کہ ان کے لئے ایک قابل تعریف بات ہے۔ لیکن یہ مجھے معلوم ہے کہ وہ قطعاً نہیں چاہتے کہ پیپلز پارٹی یا پاکستان مسلم لیگ (ن) میں سے کوئی اکثریت لے کر کامیاب ہوں۔ ان کا یہ خیال تھا کہ کچھ ہم لے جائیں گے، کچھ پیپلز پارٹی لے جائے گی اور باقی اقتدار کا توازن (Balancing power) ان کے پاس رہے گا (ہنستے ہوئے) جس کو وہ چاہیں گے، وزیراعظم بنائیں گے یا حکومت بنوائیں گے اور جس کو نہیں چاہیں گے، اسے نہیں بنوائیں گے۔

الیکشن رولز میں ترمیم

1997ء کے انتخابات کے دوران آپ کو نااہلی سے بچانے کے لئے رولز میں ترمیم کی گئی کمپنی کے جو کنٹرولنگ شیئرز تھے۔ ان کے تناسب میں کمی کی گئی کیا یہ سچ ہے کہ آپ کے احتجاج پر اس رول کو تبدیل کیا گیا۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صدر لغاری اور اسٹیبلشمنٹ سب ملے ہوئے تھے؟

نواز شریف: ہم نے تو جو احتجاج کیا تھا، وہ قانونی طور پر کیا تھا اور لکھ کر کیا تھا، وہ آج بھی ریکارڈ میں موجود ہے، چھپا کر تو کچھ بھی نہیں کیا اور وہ میرے احتجاج پر مجبور ہو گئے تھے یہ جمہوریت نہیں ہے کہ الیکشن سے کچھ دن پہلے آپ قوانین وضوابط تبدیل کریں جیسا کہ پچھلے الیکشن میں پرویز مشرف نے کیا تھا الیکشن سے پہلے انہوں نے بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کو ایک قانون کے تحت اپنی پارٹی صدارت سے محروم کرنے کے لئے قوانین بدل دیئے۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ الیکشن تھا۔ یہ تو ملک وقوم اور جمہوریت

کے ساتھ مذاق تھا۔ ہم نے ان الیکشن کی تمام خامیوں پر سختی سے اعتراض کیا اور غالباً بے نظیر بھٹو صاحبہ بھی الیکشن کی ان خامیوں کے خلاف جنگ لڑتی آ رہی ہیں تو اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے لئے ایجنسیوں اور پاکستان کی نادیدہ قوتوں یا اسٹیبلشمنٹ نے راہیں بچھا دیں کہ جاؤ جناب، جیسا چاہو، مرضی کرو، یا یہ کہ ریڈ کارپٹ آپ کے استقبال کے لئے تیار ہے۔ یہ کبھی کسی نے کسی کے لئے آج تک نہیں کیا لہٰذا اب اپنے دل و دماغ سے ایسی باتیں نکال دیں۔ 1997ء کے انتخابات میں مجھے عوام نے ووٹ دیئے صدر اور بہت سی قوتوں کی مرضی کے خلاف میں منتخب ہو کر آیا تھا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

اہم فیصلے

- ☆ شہباز شریف کو وزیر اعلیٰ بنانے کا فیصلہ درست ثابت ہوا
- ☆ شہباز شریف کی مخالفت کرنے والوں نے آخر کار کس کا ساتھ دیا ہے
- ☆ میں اختر مینگل کو تبدیل کرنے کے خلاف تھا میرے سیاسی حلیفوں نے فیصلہ کروایا
- ☆ مجھے اختر مینگل کو وزارت اعلیٰ سے ہٹوانے کا آج بھی افسوس ہے
- ☆ مہتاب عباسی بڑے اچھے ایڈمنسٹریٹر تھے ان کی کارکردگی اچھی رہی
- ☆ لیاقت جتوئی کی حکومت صحیح نہیں تھی ہم نے اپنی ہی حکومت معطل کر دی

شہباز شریف کی وزارت اعلیٰ

1997ء کے انتخابات کے بعد آپ کے ایک فیصلے پر بڑی تنقید کی گئی کہ آپ نے اپنے بھائی شہباز شریف کو وزیر اعلیٰ بنایا، کیا یہ فیصلہ صحیح تھا؟

نواز شریف: میرا خیال ہے کہ کچھ حلقوں کی طرف سے تنقید ہوئی ہوگی اور ان حلقوں کو آپ بھی سمجھتے ہیں اور میں بھی سمجھتا ہوں کہ وہ کون سے حلقے ہیں۔ ان کے ساتھ لابیز بھی ہوتی ہیں جو پریس میڈیا میں اور سیاست دانوں میں بھی کام کرتی ہیں۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ اگر یہ فیصلہ کسی حلقہ کی طرف سے تنقید کا نشانہ بھی بنا، نتیجتاً یہ فیصلہ کس طرح کا ثابت ہوا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بہت اچھا فیصلہ ثابت ہوا۔ اس فیصلہ کے نتائج آپ نے دیکھ لئے کہ پنجاب میں الحمد للہ ایک شفاف انتظامیہ ملی، ترقیاتی کام زوروں سے کروائے گئے۔ تعلیمی نظام کو بہتر بنانے کے لئے شہباز شریف نے کتنے اچھے اقدامات کیے۔ صحت کے معاملہ میں کتنے اچھے اقدام کیے، اسی طرح سڑکیں، پل وغیرہ کی پوری صوبے میں بھرمار کر دی۔ نہ

صرف لاہور بلکہ فیصل آباد، ملتان، راولپنڈی میں آپ دیکھیں کہ کتنی تیزی سے ترقیاتی کام کروائے گئے۔ پھر میرٹ کو ایک معیار بنایا گیا۔ پھر امتحانوں میں نقلوں کو ختم کیا گیا، ہر شعبے میں نظم وضبط پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، سرکاری ملازمین کی کارکردگی کو بہتر بنایا گیا، تو غالباً پنجاب میں بہت عرصے کے بعد اچھے کام کیے گئے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ نتیجہ کس چیز کا اچھا نکلا ہے؟ اگر یہ فیصلہ جس کو بعض کوارٹرز نے تنقید کا نشانہ بنایا، ملک وقوم کے لئے اچھا ثابت ہوا ہے تو یہ اچھا فیصلہ تھا۔

آپ کے سیاسی حلیف بھی تو اس سے ناراض ہوئے؟ آپ کو اس فیصلے کی بھاری سیاسی قیمت ادا کرنی پڑی؟

نواز شریف: دیکھیں جی ہر ایک کے اپنے ذاتی مفادات بھی ہوتے ہیں۔ وہ جو ایک اچھے فیصلے پر ناراض ہونے والے لوگ ہیں تو وہ ہو جائیں۔ پھر وہ ایسے سیاسی حلیف تھے جنہوں نے آخر کار کس کا ساتھ دیا مشکل وقت آیا تو ہمیں چھوڑنے میں دیر نہ لگائی دیکھیں بات یہ ہے کہ ہم سب کو ساتھ لے کر چلنے کی بات تو کرتے ہیں لیکن اگر فیصلے میرٹ پر کیے جائیں تو وہ اچھے لگتے ہیں اور ملک کے لئے بہتر ثابت ہوتے ہیں۔

مہتاب عباسی اور اختر مینگل

یہ آپ نے بڑی عجیب بات کہی کہ جب آپ وزیراعظم تھے تو پنجاب میں بڑے اچھے کام ہوئے لیکن پورے ملک میں یہ سب کچھ کیوں نہ ہوا؟ آپ تو پورے ملک کے وزیراعظم تھے؟

نواز شریف: نہیں، میرا خیال ہے کہ صوبہ سرحد میں بھی اچھا کام ہوا ہے۔ صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ مہتاب عباسی صاحب اچھے ایڈمنسٹریٹر تھے جن کی آج بھی لوگ تعریف کرتے ہیں انہوں نے بھی اپنے صوبے میں اچھا کام کیا۔ اسی طرح اگر آپ بلوچستان کی بات کرتے ہیں تو وہاں جس طرح کی ٹیم تھی، اور وہاں جو اختر مینگل صاحب تھے، بڑے اچھے انسان تھے جن کو میں سپورٹ کر رہا تھا۔ لیکن ہمارے سینئر ساتھیوں نے جو آج مجھے چھوڑ چکے ہیں، اس شخص کو تبدیل کروانے میں ایک بڑا اہم کردار ادا کیا۔ میں تبدیل کرنے کے حق میں نہیں تھا بلکہ میں تو ان کو ساتھ لے کر چلنے کے حق میں تھا۔ میں نے کہا کہ اگر ہماری مسلم لیگ کی اکثریت ہے بھی تو کیا فرق پڑتا ہے کہ اگر دوسرا شخص وہاں پر وزیراعلیٰ ہے، کام

صحیح چلا رہا ہے تو چلنے دیں کام کو۔ لیکن جیسے آپ نے ابھی وسیع تر مفادات کی بات کی۔ دو اشخاص ایسے وہاں پر تھے جنہوں نے مجھ سے انہیں تبدیل کروایا اور مجھے اپنی مرضی کے خلاف ایک فیصلہ مجبوراً کرنا پڑا۔ مجھے اس فیصلے پر آج بھی افسوس ہے کہ میں نے اختر مینگل کو کیوں تبدیل کیا۔

لیاقت جتوئی کی حکومت

لیکن سندھ کے حالات تو کبھی کنٹرول نہیں ہوئے؟

نواز شریف: سندھ میں جس طرح کی ٹیم تھی جس میں معاملات آگے نہیں چل رہے تھے وزیر اعلیٰ لیاقت جتوئی صاحب صحیح نہیں چلا رہے تھے تو پھر اپنی حکومت کو ہمیں خود توڑنا پڑا۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا۔ ورنہ آج تک کون اپنی حکومت اس طرح معطل کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ اپنی طرز کی واحد مثال ہو گی کہ بھئی اپنی حکومت کو آپ خود ختم کر رہے ہیں اور وہاں گورنر راج نافذ کر رہے ہیں۔ یہ مجھے بتائیں کہ یہ کس دور کی ایسی مثال ہے؟ تو ان چیزوں کی تو تعریف کرنی چاہیے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

عدلیہ سے محاذ آرائی

- تاریخ میں عدلیہ کا کردار مشکوک رہا۔
- عدلیہ اور فوجی قیادت کے گٹھ جوڑ سے ملک اپنی ڈگر سے ہٹتا رہا ہے۔
- سجاد علی شاہ کا عدلیہ نے خود احتساب کیا تھا۔
- سجاد علی شاہ نگران وزیر اعظم بننا چاہتے تھے۔
- فاروق لغاری اور سجاد شاہ نے طے کر لیا تھا کہ وزیر اعظم کو نکال دیا جائے۔
- ججوں پر کام کرنے کا الزام غلط ہے۔
- جو جج پی سی او کے تحت حلف لے اس کے خلاف بھی بغاوت کا مقدمہ چلنا چاہئے۔
- سپریم کورٹ پر حملے کا مجھ سے دور دور تک بھی تعلق نہیں۔

سجاد علی شاہ سے لڑائی

آپ پر الزام ہے کہ آپ نے بطور وزیر اعظم عدلیہ سے لڑائی مول لی، آپ اداروں کا بالکل احترام نہیں کرتے تھے؟

نواز شریف: میں نے کوئی لڑائی مول نہیں لی، خود عدلیہ نے اپنی عدلیہ کا احتساب کیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بالکل ٹھیک کیا۔ وہ لوگ اپنے ہی چیف جسٹس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے کہ یہ کام غلط کر رہا ہے، غلط کام کرنے والا کون تھا، سید سجاد علی شاہ۔

بے نظیر بھٹو کا کہنا ہے کہ سجاد علی شاہ وزیر اعظم یا صدر بننا چاہتے تھے؟

نواز شریف: وہ بنے تو نہیں لیکن سنا میں نے بھی یہی ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ میں اور کچھ نہیں تو کم از کم

نگران وزیراعظم ہی بن جاتا۔ یا پھر مجھے صدارت کے عہدے پر بٹھایا جاتا۔ لیکن وہ بہرحال ایک پاور فل شخصیت بننا چاہتے تھے، وزیراعظم کو بھی خاطر میں نہیں لا رہے تھے۔ آج تیرہویں ترمیم اڑائی جا رہی ہے۔ کل چودھویں ترمیم اڑائی جا رہی ہے پتا نہیں پھر اس کے بعد پورے آئین کی باری آنی تھی۔ انہوں نے یہ تک تو کہہ دیا تھا کہ متفقہ ترمیم کو وہ ایک سیکنڈ میں کھڑکی سے باہر پھینک دیں گے۔ اب آپ مجھے بتایئے کہ ان کے اپنے ادارے کی ہی قابل احترام شخصیات اٹھ کھڑی ہوئیں جن میں جسٹس سعید الزمان صدیقی، اجمل میاں صاحب شامل تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو کہتے تھے کہ پی سی او (PCO) کے تحت حلف نہیں لیں گے۔ ہم اپنی دو سال کی چیف جسٹس شپ قربان کر دیں گے لیکن پی سی او کے تحت حلف نہیں لیں گے۔ ہم پاکستان کے آئین کے تحت حلف لیے ہوئے لوگ ہیں، ہم کسی اور کے تحت حلف نہیں لیں گے۔ وہ قابل عزت لوگ ہیں اور پوری قوم کو چاہیے کہ ان کا احترام کرے اور کوئی ایسا وقت انشاءاللہ ضرور آئے گا جب ان کا احترام کیا جائے گا جو یہ قربانی دے سکتے ہیں تو کیا وہ کسی غلط مقصد کے لئے اپنے چیف کے خلاف اٹھیں گے۔ انہوں نے تو اٹھ کر اس وقت پاکستان کی عدلیہ کو بچالیا۔ میں تو وثوق کے ساتھ یہ بات کہنے کے لئے تیار ہوں کہ انہوں نے اپنے ادارے کو بچالیا۔ اس معاملے میں فاروق لغاری آگئے اور انہوں نے سجاد علی شاہ صاحب کے ساتھ ایک گٹھ جوڑ کر لیا اور اس گٹھ جوڑ کے ذریعے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے نکال دیا جائے گا۔

اس گٹھ جوڑ کا آپ کے پاس کوئی ثبوت تھا؟

نواز شریف: سجاد علی شاہ اور لغاری کی آپس میں کھلی مشاورت ہوتی تھی، منصوبہ بندی ہوتی تھی کہ کس طرح سے ہم نے وزیراعظم کو نکالنا ہے، ہمیں ہر روز خفیہ ایجنسیوں سے اس کی رپورٹ ملتی تھی ہمارے پاس اس بات کا پورا ثبوت تھا۔

یہ آپ کے علم میں تھا؟

نواز شریف: سب کچھ علم میں تھا بالکل ان کی ایک ہم آہنگی تھی اور ایک دوسرے کا وہ تحفظ کرتے تھے۔

ججوں پر کام

فاروق لغاری صاحب نے اس حوالے سے آپ پر الزام لگایا کہ آپ نے ایک دفعہ ان سے ملاقات کے دوران کہا تھا کہ میں ججوں پر کام کر رہا ہوں یعنی کہ آپ کچھ ججوں کو

اپنے ساتھ ملا رہے ہیں؟

نواز شریف: نہیں نہیں، یہ غلط ہے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کسی بھی غلط مقصد کے لئے ججوں کو اپنے ساتھ ملا لیں، اگر آپ حق اور اصول پر نہ ہوں تو آپ کیسے کسی کو ساتھ ملا سکتے ہیں؟ ججوں نے سجاد شاہ کے فیصلے دیکھ کر ان کے خلاف خود ایکشن لیا تھا۔ یہ صرف اور صرف لغاری کے الزام ہیں ان میں حقیقت نہیں ہے۔

عدلیہ کا کردار

آپ کیا سمجھتے ہیں کہ پاکستان بننے سے لے کر اب تک عدلیہ کا کیا مجموعی طور پر کردار رہا ہے؟

نواز شریف: تاریخ میں عدلیہ کا کردار مشکوک رہا ہے میرا خیال ہے کہ عدلیہ اور فوجی قیادت کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے پاکستان اپنی ڈگر سے ہٹتا رہا ہے۔ جمہوریت نہیں پنپ سکی تو اس کی بنیادی وجہ یہی گٹھ جوڑ ہے۔ اگر فوجی لیڈرشپ سے غلط کام ہوتے رہے ہیں تو کم از کم اگر عدلیہ اپنا صحیح کام کرتی رہتی تو شاید یہ نوبت نہ آتی اور پاکستان کسی حد تک جمہوریت پر قائم رہتا۔ اگر عدلیہ پہلا فیصلہ اس فوجی شب خون کے خلاف کر دیتی تو پھر کبھی یہ نوبت نہ آتی۔ میری یہ سوچی سمجھی رائے ہے لیکن عدلیہ نظریہ ضرورت کے تحت ان کو سپورٹ کرتی رہی ہے۔

آپ اگر دوبارہ برسر اقتدار آئے تو عدلیہ میں کیا اصلاحات کریں گے؟

نواز شریف: میرا خیال ہے کہ عدلیہ میں اب بہت زیادہ اصلاحات کی ضرورت ہے اور یقیناً اب عدلیہ کا احتساب ہونا چاہیے۔ اگر ہم نے کسی سے ڈر کر بات کرنی ہے تو ہم اصلاحات نافذ کرنے کے قابل لوگ نہیں ہیں اگر ہم اصلاحات لانے میں مخلص ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان صحیح جمہوریت کی ڈگر پر رہے تو پھر جس کسی نے جو کچھ کیا ہے اس کے خلاف بہادری اور جرات سے بات بھی کرنی چاہیے اور اس پر جب عمل کرنے کا وقت آئے تو اس پر عمل بھی کرنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس معاملے میں میرے اور بے نظیر بھٹو صاحبہ کے درمیان اتفاق رائے ہونا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عدلیہ کو پہلے اس چیز کا ذمہ دار ٹھہرانا چاہیے کہ آپ نے یہ سب کچھ کیوں کیا۔ عدلیہ کے اس حصے کا احترام کرنا چاہیے جنہوں نے اصول اور جمہوریت کی خاطر قربانیاں دی ہیں اور پھر عدلیہ کو ایک ایسا ادارہ بنایا جائے جس

پر عوام کو پورا اعتماد ہو، جہاں انصاف بھی ملے اور عدلیہ آئین اور قانون کے مطابق فیصلہ بھی کرے۔ اس میں جج صاحبان کا تقرر، احتساب اور ان کی کسی قسم کی سبکدوشی پارلیمنٹ میں لے کر آئیں۔ اس میں پارلیمنٹ فیصلہ کرے۔ کوئی فردِ واحد اس میں فیصلہ کرنے کا مجاز نہ ہو۔ میثاق جمہوریت میں ہم نے یہ طے کیا ہے کہ پارلیمنٹ کے ذریعے ججوں کا انتخاب ہو۔

کیا ججوں کے انتخاب کے لئے کوئی پارلیمانی کمیٹی ہونی چاہیے؟

نواز شریف: بالکل اس سلسلے میں طریقہ کار وضع ہونا چاہیے۔ تاکہ سارا کچھ سامنے آجائے ججوں کی شہرت اور ساکھ کسی بھی شبے سے بالاتر ہونی چاہئے میرا خیال ہے کہ اس میں جو پاکستان کی ججوں کی سپریم باڈیز ہیں جیسے سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن اور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن تو ان سب کا کردار بھی بیچ میں آنا چاہیے کہ وہ سب متفقہ طور پر حکومت کو عدلیہ کے لئے نام پیش کریں۔ یہ جو گورنر اور چیف منسٹر سفارش کرتے ہیں تو یہ طریقہ کار بند ہونا چاہیے۔ یہ سب کچھ آزادانہ طور پر ہونا چاہیے۔ جو جج اپنے حلف سے انحراف کرے اور پی سی او کے تحت حلف لے تو اس کے خلاف بھی آرٹیکل 6 کے تحت ایکشن ہونا چاہیے یہ بھی تو آئین سے بغاوت ہے۔

آپ پر یہ الزام بھی ہے کہ آپ نے سپریم کورٹ پر حملہ کروایا؟

نواز شریف: میں نے کوئی حملہ نہیں کروایا۔ مجھے پتا تھا کہ اگر کوئی حملہ کروایا جائے تو اس کے منطقی نتائج کبھی بھی اچھے نہیں نکلیں گے۔ وہ حکومت کے لئے بدنامی کا باعث بنے گا۔ یہ چند لوگ تھے جنہوں نے از خود جا کر وہاں ایسی حرکت کی۔ گو کہ سجاد علی شاہ کا کردار اس وقت قابل رشک نہیں تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہاں پر حملہ کروایا جائے۔ یہ غلط ہوا اور یہ نہیں ہونا چاہیے تھا اور میں اس حملے کے حق میں قطعاً نہیں تھا۔ یہ حملہ کم تھا اور پروپیگنڈہ زیادہ تھا۔ ایسا حملہ بھی کوئی نہیں ہوا تھا اس کو سجاد علی شاہ نے اچھالا تھا۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ میں بطور وزیراعظم سپریم کورٹ میں پیش ہوا تاکہ ثابت ہو کہ کوئی بھی انصاف اور قانون سے بالاتر نہیں ہے میں نے پاکستان میں پہلی بار یہ مثال قائم کی کہ وزیراعظم خود کورٹ میں حاضر ہوا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

ایٹمی دھماکہ، فوج اور بھارت

- بھارت نے دھماکہ کیا تو میں نے اسی وقت جواب دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
- جنرل جہانگیر کرامت دھماکے کے حق میں نہیں تھے ان کا خیال تھا کہ امریکہ ناراض ہو جائے گا۔
- بھارت سے دوستی کا فیصلہ فوج نے نہیں کابینہ نے کرنا تھا۔
- مسئلہ کشمیر کا حل جنگ سے نہیں مذاکرات سے ممکن ہے۔
- کشمیر پہلے دن سے ایجنڈے میں شامل تھا، خبر نہیں مشرف کس بات کا کریڈٹ لیتے ہیں۔
- یہ طے ہو چکا تھا کہ مسئلہ کشمیر 1999ء میں حل ہو جائے گا۔
- سب فوجی سربراہوں نے گورنر ہاؤس میں واجپائی کو سلوٹ کیا تھا۔

دھماکے کا فیصلہ

آپ نے ایٹمی دھماکہ کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا کیا آپ نے اس کے مضمرات پر اچھی طرح غور کر لیا تھا؟

نواز شریف: جب بھارت نے ایٹمی دھماکے کیے تو میں اس وقت وسطی ایشیائی ریاستوں کے دورہ پر تھا۔ وہاں مجھے اطلاع ملی ہم تو اس دھماکے کی امید نہیں کر رہے تھے میں نے وہیں سے جنرل جہانگیر کرامت صاحب سے بات کی۔ میں نے کہا کہ ایسا ہوا ہے تو اب میرا خیال ہے کہ پاکستان کو بھی ایٹمی دھماکے کی تیاری کرنی چاہیے۔ اور اس کا فوراً جواب دینا چاہیے۔ جنرل جہانگیر کرامت مجھے کہنے لگے کہ آپ پہلے واپس آ جائیں پھر ہم مل کر اس کا حل سوچیں گے، کہ کیا کرنا چاہیے۔ لیکن میں نے کہا کہ مجھے تو آنے میں بھی ابھی ایک دو روز لگ جائیں گے آپ ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔ جنرل

جہانگیر کرامت کی رائے یہی تھی کہ ہمیں دھماکے نہیں کرنے چاہیے، امریکہ ناراض ہو جائے گا۔ میں شروع ہی سے چاہتا تھا کہ ایٹمی دھماکہ ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں کوئی دباؤ قبول نہیں کرنا چاہیے چنانچہ میں نے کوئی دباؤ قبول نہیں کیا اور دھماکہ کر دیا۔

پروگرام کا اصلی انچارج کون؟

آپ نے جنرل جہانگیر کرامت کو ایٹمی دھماکے کے بارے میں کیوں کہا؟ کیا فوج ایٹمی پروگرام کی انچارج ہے؟

نواز شریف: گو میں اپنے سائنسدانوں کو بھی کہہ سکتا تھا، ڈاکٹر قدیر یا ڈاکٹر ثمر مبارک مند کو بھی کہہ سکتا تھا، لیکن چونکہ ایٹمی پروگرام میں فوج کا بالواسطہ تعلق بھی تھا۔ تو میں نے سوچا کہ ان کو بھی کہنا چاہیے ظاہر ہے کہ انتظامات میں بھی ان کا ایک کردار ہوتا ہے۔ تو میں نے ان کو کہا لیکن مجھے ٹیلی فون پر لگا کہ جیسے ان کے دل میں ابھی کچھ ہچکچاہٹ ہے۔ غالباً میں نے سائنس دانوں کو بھی پیغام بھیج دیا تھا۔ کہ وہ تیار رہیں۔ بس پھر جیسے ہی میں واپس آیا تو اس وقت تک یہ ملک میں نمبر ون ایشو بن چکا ہوا تھا۔ میں نے پہلے دن سے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب اس کے بغیر ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ جس وقت ہندوستان نے ایٹمی دھماکے کیے تو اس وقت ہی میں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔ پھر میں نے آتے ہی ان کی میٹنگ بلائی، پھر اس کو ڈسکس کیا۔ کابینہ کی دفاعی کمیٹی کی میٹنگ ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ بلائی۔ ان میٹنگز میں تینوں چیف ہوتے ہیں اور چیئرمین جائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی بھی ہوتا ہے۔ باقی دیگر لوگ بھی ہوتے ہیں۔ پھر یہ سارا معاملہ صدر سے ڈسکس کیا۔ پھر اپنے دوست ممالک سے بھی میں نے مشورہ کیا۔ ملک کے اندر میں نے میڈیا کے لوگوں کو بھی اس معاملے میں دعوت دی۔ وہ بھی آئے۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو میں نے بلایا میں یہ چاہتا تھا کہ سب کی رائے اس میں شامل ہو جائے۔ پھر اپنی پارٹی کے اراکین کو بھی بلا کر مشورہ کیا۔ مختلف فورم پر بیٹھ کر بات چیت کی۔ اس لئے اس معاملے میں میں پہلے دن سے ہی تیار تھا کہ کیا کرنا چاہیے اس وقت دھماکے کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔

جہانگیر کرامت کے تحفظات

چیف آف آرمی سٹاف جنرل جہانگیر کرامت کے کیا تحفظات تھے؟

نواز شریف: کسی وقت وہ کہتے تھے کہ کرنا چاہیے اور کبھی کہتے تھے کہ سوچ لیں۔ اس زمانے کے جوائیڑ چیف تھے وہ صاف یہی چاہتے تھے کہ اب اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ لیکن نیول چیف اور آرمی چیف کے کچھ تحفظات تھے کہ ہاں کر بھی لیا جائے، نہ بھی کیا جائے۔ اس کے نتائج سوچ لیے جائیں، دیکھ لیا جائے، کہیں ہمارے اوپر کوئی اور پابندیاں نہ لگ جائیں، یا پاکستانی کسی دباؤ کے زیر اثر نہ آ جائے یا زیر عتاب نہ آ جائے تو وہ یہ سب مجھے کہتے رہتے تھے کہ یہ بھی سوچ لیں۔ پھر دیکھیں اور کریں لیکن میں ان چیزوں سے مرعوب یا متاثر نہیں ہوتا تھا۔ میرا یہ خیال تھا کہ ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی حل نہیں ہے پھر اس کے بعد دنیا کے لیڈروں نے مجھے فون کیا جس میں صدر کلنٹن تھے، ٹونی بلیئر تھے۔ اس میں سے کئی ایک کی گفتگو کی رپوٹ میرے پاس ہے (صدر کلنٹن سے نواز شریف کی گفتگو کی مکمل تفصیل کتاب کے ضمیمے میں شامل ہے) انہوں نے مجھے سمجھانے اور روکنے کی کوشش کی۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ یہ اس طرف نہیں آ رہا تو انہوں نے پاکستان کو 5 بلین ڈالر کا ایک اکانومک پیکج آفر کیا کہ شاید اس کی وجہ سے پاکستان رک جائے اور اس پیکج کے لالچ میں دھماکے بھول جائے۔ تو وہ بھی جب ہم نے قبول نہ کیا تو انہوں نے ہمیں پابندیوں کی دھمکی دی جو ہمارے لئے بہت خطرناک ثابت ہوسکتی ہیں۔ جب میں ان چیزوں کو خاطر میں نہ لایا اور دھماکہ کر دیا تو کرنے کے بعد میں نے صدر کلنٹن کو فون کیا کہ ہم نے ایٹمی دھماکے کر دیئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کو اس بات کا افسوس تھا کہنے لگے کہ میرے ہاتھ اب بندھ چکے ہیں۔ اور مجھے اب پاکستان پر پابندیاں عائد کرنا پڑیں گی کیونکہ میں قانون کے تحت پابند ہوں۔ لیکن میں آپ سے ایک بات ضرور کہوں گا کہ آپ نے سیدھے بلے کے ساتھ کھیلا ہے (یعنی کوئی دھوکہ نہیں دیا) میں نے کہا کہ شکریہ۔ یہ باتیں انہوں نے میرے ساتھ کیں۔ پھر اس کے بعد صدر کلنٹن میرے دوست بن گئے وہ اکثر مجھے کال کرتے تھے۔ کبھی کسی ایشو پر تو کبھی کسی پر۔ پھر افغانستان کے معاملات پر بھی۔ اس وقت صدر کلنٹن مجھے کہتے تھے کہ ہماری یہ اطلاع ہے کہ بہت بڑے پیمانے پر کچھ لوگ ہمارے ملک میں تباہی کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں اسامہ بن لادن اور اس کے لوگ ملوث ہیں جن کو طالبان کی حمایت حاصل ہے۔ اسی لئے میرا خیال ہے کہ انہوں نے وہاں پر میزائل وغیرہ سے بھی حملہ کیا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میزائل سے انہوں نے افغانستان میں ان کے اڈوں پر حملہ کیا جس پر میں نے صدر کلنٹن سے احتجاج کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ میں ویسے انہیں سمجھاتا تھا کہ آپ نے جو بھی ایکشن لینا ہے۔ اس کے بارے میں پہلے اچھی طرح سے سوچیں سمجھیں۔

معاشی اثرات

آپ نے کیا محسوس کیا کہ ایٹمی دھماکوں کے بعد پاکستان معاشی طور پر کمزور ہوا یا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ نے ٹھیک فیصلہ کیا تھا؟

نواز شریف: گزارا تو ہو ہی رہا تھا۔ بلکہ ہمارے قرضوں کی ری شیڈولنگ بھی شروع ہو گئی تھی جب کہ مشرف صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ ری شیڈولنگ ہم نے شروع کروائی۔ لیکن یہ تو اس زمانے میں اسحٰق ڈار صاحب کے ذریعے طے ہو چکی ہوئی تھی۔ اس کا نتیجہ بعد میں نکلا جب انہوں نے ہماری حکومت توڑ دی۔ آپ دیکھیں کہ اس کے بعد واجپائی صاحب پاکستان بھی آئے، اس سے پہلے ہندوستان ہمارے ساتھ رعب سے بات کرتا تھا لیکن جب ہم نے ایٹمی دھماکے کیے تو ان کی بات چیت میں بھی خاصا سلجھاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ پھر انڈین وزیر اعظم خود پاکستان آئے اور انہوں نے پاکستان کی تعریف کی اور قیام پاکستان کو تسلیم کیا مینار پاکستان بھی گئے۔

فوج اور بھارت سے تعلقات

لیکن کہتے ہیں کہ پاک فوج نے بھارت کے ساتھ دوستی کی مخالفت کی تھی؟ کیا آپ نے فوج کے ساتھ اس حوالے سے مشورہ کیا تھا؟

نواز شریف: نہیں، مخالفت تو ایسی کوئی نہیں کی جو میرے علم میں آئی ہو۔

لیکن کیا آپ کی فوج سے کبھی بھارت سے دوستی کے معاملے پر بات ہوئی؟

نواز شریف: یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس میں فوج کا کردار نہیں ہے، اگر ہم انڈیا کے ساتھ دوستی کرنا چاہتے ہیں تو ظاہری بات ہے کہ اس کا فیصلہ پاکستان کی کابینہ کرتی ہے، پاکستان کی پارلیمنٹ فیصلہ کرتی ہے، فوج کے سربراہ کو تو صرف بتانا پڑتا ہے بلکہ وہ بھی ضروری نہیں کہ آپ بتائیں یا نہ بتائیں کہ ہم ہندوستان کے ساتھ تعلقات قائم کرنا چاہیے ہیں۔

کس حوالے سے آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ بھارت سے تعلقات قائم کرنے چاہیے؟

نواز شریف: میرا خیال تھا کہ بھارت کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے ہم مسئلہ کشمیر کا حل ڈھونڈ سکتے

ہیں۔ یہی ایک راستہ ہے کیونکہ آپ لڑ کر تو ان چیزوں کا حل نہیں ڈھونڈ سکتے۔ اس طرح تو تناؤ ہی بڑھے گا۔ آپ نے ماضی کے 50 سال بھی دیکھے ہیں۔

کیا آپ کے ذہن میں اکانومی بھی تھی کہ اس سے پاکستان کی اکانومی کو فرق پڑے گا؟

نواز شریف: ظاہر ہے کہ اگر آپ کے ملک کا ماحول کسی دباؤ کے زیر اثر نہیں ہو گا تو آپ اپنے ملک کے اندر ایک صاف ستھرا ماحول پیدا کریں گے تو آپ کی اکانومی پر لازماً اس کا اثر پڑے گا لیکن اگر آپ ہر وقت لڑنے لڑانے اور ہندوستان پر حملہ کی باتیں کرتے رہیں گے تو آپ کی اکانومی تباہی سے تباہی کی طرف چلتی چلی جائے گی۔ تو ان چیزوں کا تو بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر آپ نے واقعی ترقی کرنی ہے تو ان چیزوں کو حل کرنا چاہیے۔ اور جب ہمیں پتہ چلا کہ واجپائی صاحب کی طرف سے بھی اچھی خواہشات کا اظہار ہو رہا تھا اور یہ دھماکوں سے پہلے کی بات ہے۔ مثال کے طور پر سری لنکا میں سارک کے موقع پر میٹنگ ہوئی تھی تو ان کی طرف سے بھی ملنے کی خواہش تھی۔ یہ خواہش یک طرفہ نہیں تھی بلکہ دونوں اطراف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔ کہ مل بیٹھ کر حل تلاش کیا جائے جس میں کشمیر کا مسئلہ بھی شامل تھا۔ یہ مشرف صاحب نے ایک دو مرتبہ کہا ہے کہ جی کشمیر کا مسئلہ میں نے مذاکرات میں شامل کروایا تھا۔ بھئی کشمیر ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ جس کو حل کیے بغیر دونوں ممالک کے درمیان تعلقات استوار ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ تو پہلے دن سے ہی مذاکرات کے ایجنڈے میں تھا۔ جنرل مشرف پتا نہیں کس بات کا کریڈٹ لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہوں نے کشمیر کو ایجنڈے میں شامل کروایا۔ وہ اپنے طور پر کریڈٹ لینے کی کوشش کریں تو لیں لیکن بات تو یہ ہے جو کہ سب جانتے ہیں کہ کشمیر ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ جس کو حل کیے بغیر تعلقات استوار ہو ہی نہیں سکتے۔

آپ کی واجپائی صاحب سے کشمیر کے حوالے سے بات چیت ہوئی تھی؟

نواز شریف: واجپائی صاحب سے میری کشمیر کے حوالے سے بات چیت ہوئی تھی۔ ہم دونوں نے طے کیا تھا کہ آئیں کشمیر کا مسئلہ حل کریں ہم نے بیک ڈور چینل بنایا اور اس بیک ڈور چینل نے دونوں اطراف سے اس بات پر رضا مندی ظاہر کی کہ چلیں سال 1999ء کو کشمیر کے مسئلہ کے حل کا سال بنائیں یہ کتنی بڑی بات تھی کہ سب فریق اس مسئلے کے حل پر متفق تھے۔ اس وقت اس پر مختلف تجاویز زیر بحث تھیں تو واجپائی بھی اس میں بے چین تھے کہ یہ ایشو اب حل ہو جائے۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ یہ ایشو اب حل ہو جانا چاہیے۔ دیکھیں اگر کوشش کی جاتی گو یہ بہت بڑا مسئلہ ہے، حل مشکل ہے لیکن دنیا

نے بہت بڑے بڑے اور مشکل مسائل کو حل بھی کیا ہے۔

واجپائی صاحب کا جو پاکستان آنے کا منصوبہ تھا یہ خبریں بھی مل رہی تھیں کہ فوج مخالفت کر رہی ہے، فوج نے وزیر اعظم واجپائی کو سیلوٹ نہیں کیا تھا؟

نواز شریف: ایسا نہیں ہے کہ فوج نے سیلوٹ نہیں کیا یہ، کہا جاتا ہے کہ وہ بارڈر پر آنے کے لئے تیار نہ تھے، ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ میں نے ہی پروگرام بنایا تھا۔ کیونکہ جب ایک وزیر اعظم آتا ہے، چاہے وہ ایئرپورٹ کے راستے سے آئے، چاہے وہ دوسرے راستے سے آئے۔ تو وزیر اعظم کے ساتھ اس کی کابینہ کے ارکان، فوجی کمانڈرز اور چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی سب مل کر استقبال کرتے ہیں۔ ہم نے طے یہ کیا تھا کہ جب گورنر ہاؤس میں ہیلی کاپٹر اترے گا تو وہاں استقبال کیا جائے تو پھر فوجی کمانڈرز نے وہاں پر استقبال کیا تھا۔

کیا فوجی کمانڈروں نے بھارتی وزیر اعظم کو سیلوٹ نہیں کیا تھا؟

نواز شریف: ظاہر ہے کہ جب بھی کوئی ہیڈ آف سٹیٹ آتا ہے تو اس کو سیلوٹ کرتے ہیں۔ ہمارا چیف آف آرمی سٹاف صرف اپنے ملک کے وزیر اعظم کو سیلوٹ کرنے سے گریز کرتا ہے، باقی باہر والوں کو سیلوٹ کرنے سے نہیں گھبراتے۔ (ہنستے ہوئے)

سنا گیا ہے کہ آپ کے زمانے میں بیک چینل ڈپلومیسی کے ذریعے بھارت کے ساتھ کشمیر کے مسئلے پر کافی پیش رفت ہو چکی تھی، حقیقت کیا ہے؟

نواز شریف: یہ سچ ہے کہ اس معاملہ میں کافی پیش رفت ہو چکی تھی معاہدہ لاہور سے پہلے مجھے بھارتی وزیر اعظم واجپائی نے کہا تھا کہ 1999ء مسئلہ کشمیر کے حل کا سال ہوگا اور یہ ایسا حل ہوگا جو بھارت اور پاکستان دونوں کے لئے قابل قبول ہو اس پر میں نے واجپائی سے کہا کہ ایسا حل تلاش کرنا چاہیے جو پاکستان اور بھارت کے ساتھ ساتھ کشمیریوں کے لئے بھی قابل قبول ہو۔ واجپائی نے اس بات پر بھی رضامندی کا اظہار کیا اور یوں بیک چینل ڈپلومیسی شروع ہوئی پھر کارگل کا واقعہ ہو گیا اور بھارت نے بات چیت روک دی بھارت کا موقف تھا کہ اسے پشت سے چھرا گھونپ دیا گیا ہے اور یہ بات کوئی غلط بھی نہیں تھی۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

کرامت سے مشرف تک

- ایجنسیوں نے جنرل مشرف کو آرمی چیف بنانے کے خلاف رپورٹ دی۔
- خفیہ اداروں نے رپورٹ دی تھی کہ مشرف جلد مشتعل ہو جاتا ہے۔
- جہانگیر کرامت کو ہٹایا تو کئی جرنیلوں نے اس بات کا برا منایا۔
- جنرل مشرف کی بطور چیف آف آرمی سٹاف تقرری کا فیصلہ جلدی میں کیا۔
- جنرل علی قلی سینئر موسٹ تھا اسے آرمی چیف نہ بنا کر غلطی کی۔
- جنرل افتخار اور ان کے بھائی کی علی قلی خان سے ذاتی مخالفت تھی۔
- فوج کے سربراہ اور صدر کا یہ کام نہیں کہ وہ وزیراعظم کے اختیارات میں مداخلت کریں
- صدر اور فوج کے سربراہ ایک دوسرے کی مدد سے وزیراعظم کو بلیک میل کرتے ہیں۔
- آرٹیکل 58 ٹو بی سے ملک اور جمہوریت کو ناقابل بیان نقصان پہنچا ہے۔
- جنرل جہانگیر کرامت کی نیشنل سیکورٹی کونسل کی تجویز وزیراعظم پر فوج کی حاکمیت قائم کرنے کی کوشش تھی۔
- وزیراعظم کو یہ آئینی حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی معاملے پر فوج کے سربراہ سے جوابدہی کرسکے۔
- فوج نے ہمیشہ وزیراعظم پر ناحق دباؤ ڈالا ہے اور حکومت کے کاموں میں مداخلت کی ہے۔

جہانگیر کرامت سے اختلافات

میاں صاحب! پاکستان میں یہ تاثر عام ہے کہ آپ کی کسی بھی چیف آف آرمی سٹاف سے نہیں بنی اور جہانگیر کرامت جیسے شخص کو جس کے بارے میں عام تاثر یہی ہے کہ وہ بہت جمہوری ذہن کے مالک تھے ان کو بھی آپ نے ہٹا دیا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟

نواز شریف: میں ہمیشہ آئین کی بالادستی اور جمہوریت کے اصولوں کے لئے لڑا ہوں۔ میں نے اصولوں پر سمجھوتہ کرنے سے ہمیشہ انکار کیا ہے۔ اگر کوئی عادی دھوکے باز اور فریبی اپنی حرکات سے باز رہنے سے انکاری ہو تو اس کا یہ حل نہیں ہے کہ اس کی مجرمانہ سرگرمیوں کو قانونی حیثیت دے دی جائے۔ اگر لندن میں 20 ہزار چور ہوں تو کیا چوری کو جرم نہیں کہا جائے گا؟ یہ میرا نصب العین ہے کہ آئین اور قانون کی بالادستی کے لئے اپنے ملک میں لڑتا رہوں کیونکہ یہ میرا اپنا ملک ہے اور مجھے یہ بہت عزیز ہے۔ یہ میرا وعدہ ہے اور میں انشاء اللہ یہ وعدہ پورا کروں گا۔ میری جدوجہد کا مرکز ایک جمہوری اور منظم پاکستان رہا ہے یہ کہا جاتا ہے کہ برائی اس وقت سر اٹھاتی ہے جب اچھائی خاموش ہو جاتی ہے۔ یہ ہماری بہت بڑی کمزوری رہی ہے کہ تباہی اور نقصان پہنچانے والے لوگ ہمیشہ سزا سے بچتے رہے ہیں۔ اس طرح ہم نے ان لوگوں کو جو کہ سقوط ڈھاکہ کے ذمہ دار تھے، بغیر سزا اور پوچھ گچھ کے چھوڑ دیا۔ ہمارا المیہ یہ رہا ہے کہ شروع سے ہی عوام کے منتخب نمائندوں کی جگہ مہم جو اور غیر منتخب لوگ سازشوں کے ذریعے اور غیر قانونی طریقوں سے اقتدار کے ایوانوں میں پہنچنے میں کامیاب رہے ہیں۔ یہ سیاسی جماعتیں ہی ہیں جو لوگوں کی امنگوں کے مطابق بڑی محنت سے اپنا منشور تیار کرتی ہیں اور پھر اس منشور کی منظوری عوام سے الیکشن کے کٹھن مرحلے سے حاصل کی جاتی ہے۔ کابینہ اور وزیراعظم بھی اس منشور کو عملی جامہ پہنچانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں جس کے لئے عوام نے انہیں ووٹ دیا ہے۔ پس یہ نہ تو صدر اور نہ ہی فوج کے سربراہ کا کام ہے کہ وہ وزیراعظم کے اختیارات میں مداخلت کرے جو کہ اسے آئین کے ذریعے بطور وزیراعظم حاصل ہیں۔ بہر حال میرا تجربہ بطور وزیراعظم ایک نہیں بلکہ دو مرتبہ بڑا تلخ رہا ہے۔ میرا اپنا تجزیہ یہ ہے کہ آرٹیکل 58 ٹو بی کے تحت غیر جمہوری اختیارات جو صدر کو حاصل ہوتے ہیں اور ساتھ ہی فوج کے سربراہ کی پشت پناہی بھی اسے حاصل ہوتی ہے، ان دونوں کے گٹھ جوڑ سے وزیراعظم کے اختیارات سلب ہو جاتے ہیں۔ اور وہ وزیراعظم کو بلیک میل ایک دوسرے کے ذریعے کرتے ہیں اور اس کی آئینی حیثیت یا حاکمیت کو جس کے لئے وہ عوام کو جواب دہ ہے، مجروح کرتے ہیں۔ یہ رسہ کشی جمہوری نظام کے خاتمے پر ہی ختم ہوتی ہے۔ یہ اسمبلیوں کی 1990ء اور پھر 1993ء میں برخاستگی کے موقع پر ہوا۔ حیران کن بات تو یہ ہے کہ 1993ء میں فوج نے ٹی وی اسٹیشن اور دوسرے اہم سرکاری مقامات کا کنٹرول سنبھال لیا تھا پیشتر اس کے کہ غلام اسحٰق خان اسمبلی کی تحلیل کا حکم جاری کرتے، یہ ایک حقیقت ہے کہ مجھے فوج کے ٹی وی اسٹیشن پر قبضے کا پتہ صدر کے اسمبلی کی تحلیل کرنے کی خبر سے پہلے چلا۔ اسمبلی کی تحلیل کا حکم نامہ میں نے کبھی نہیں دیکھا جنرل کاکڑ ان دنوں میں فوج کے سربراہ تھے اور انہیں وفاقی حکومت اور وزارت داخلہ یا اسلام آباد کی انتظامیہ کی تحریری منظوری

کے بغیر فوجی دستے بھیجنے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ 1996ء میں صدر فاروق لغاری، بے نظیر بھٹو کا اپنا انتخاب تھا۔ مگر اس نے کسی وجہ سے اپنا جھکاؤ پیپلز پارٹی کی گورنمنٹ کی طرف سے ہٹا لیا جس پارٹی نے 30 سال تک فاروق لغاری کی دیکھ بھال کی تھی۔ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ یہ پیپلز پارٹی تھی جس نے فاروق لغاری کے مفادات کا خیال کیا۔ پیپلز پارٹی میں شامل ہونے سے پہلے وہ ایک سردار تو ہو سکتا تھا مگر ایک سیاستدان نہیں تھا یہ پارٹی ہی تھی جس نے اسے ایک بہت اہم مقام پارٹی کے اندر اور پارٹی کے باہر حکومت میں عطا کیا۔ یہ پیپلز پارٹی ہی تھی جس نے اس کو ملک کی صدارت ایک پلیٹ میں رکھ کر پیش کی۔ آرٹیکل 58 ٹو بی نے ملک اور جمہوریت کو جتنا نقصان پہنچایا ہے، وہ نا قابل بیان ہے فوج کے سربراہ کو جو اختیارات حاصل ہیں، وہ اسے ملک کی اندرونی سیاست میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دیتے اور یہ بات ہم سب کو سمجھ لینی چاہیے۔ پس جنرل جہانگیر کرامت کی نیشنل سکیورٹی کونسل بنانے کی تجویز نہ صرف غیر جمہوری تھی بلکہ اپنی قیادت کے ذریعے وزیر اعظم پر اپنی غیر قانونی حاکمیت جتانے کی کوشش تھی۔ جب اس غلط اور غیر جمہوری سوچ کی طرف اس کی توجہ دلائی گئی تو اس نے ایک شریف انسان اور اچھے افسر کی طرح نہ صرف اپنی غلطی کو تسلیم کیا بلکہ ملازمت سے ریٹائرمنٹ کی بھی درخواست کی۔ جنرل جہانگیر کرامت نے اس واقعے کو ان الفاظ میں بیان کیا کہ ان کا استعفیٰ ان کے آئندہ جانشینوں کے لئے ایک سبق ہے۔ میری رائے میں فوج کے سربراہ کو اپنی حاکمیت کا غلط استعمال نہیں کرنا چاہیے اور اس طرح کی الجھنیں پیدا نہیں کرنی چاہیے جس سے ملک کے نظم و نسق میں خلل پڑے۔

جب میں نے جنرل مشرف کو برخاست کیا تو حالات جنرل جہانگیر کرامت سے کہیں زیادہ خراب تھے، اسی وقت بنیادی طور پر یہ ان واقعات کے تسلسل کی ایک کڑی تھی جو کارگل سے شروع ہوئے تھے جس نے مجھے ایسا قدم اٹھانے پر مجبور کیا کہ میں مشرف کو سبکدوش کروں۔ میں نے بطور وزیر اعظم فوج کے سربراہ کا ہمیشہ احترام کیا ہے۔ میری یہ پختہ سوچ رہی ہے کہ وزیر اعظم اور وفاقی حکومت کو فوج کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔ فوج کا اپنا ایک دائرہ اختیار ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگرچہ حکومت کو پورا اختیار اور حق ہے کہ وہ کسی فوجی اقدام کے متعلق جواب دہی کر سکے یہ میرا حق تھا کہ ہم فوجی قیادت یا چیف آف آرمی سٹاف سے کسی معاملے میں بھی پوچھ گچھ کر سکیں۔ لیکن ہم نے کبھی فوج کے کاموں میں مداخلت نہیں کی، ہماری یہ سوچ رہی ہے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے تاکہ وہ اپنے معاملات کو خود حل کر سکیں لیکن یہ بڑی افسوسناک چیز رہی ہے کہ فوج نے ہمیشہ حکومت کے کاموں میں مداخلت کی کوشش کی ہے اور وزیر اعظم اور حکومت پر ناحق دباؤ ڈالنے کی کوشش کرتی رہی ہے اور وزیر اعظم کی اتھارٹی کو مجروح کرنے کے لئے فوج نے بعض اوقات صدر سے بھی گٹھ جوڑ کیا ہے۔

جب آپ جہانگیر کرامت کو ہٹا رہے تھے تو اس بات کا احساس تھا کہ فوج کا ادارہ اس بات کا برا مان سکتا ہے؟

نواز شریف: جی، مجھے اس بات کا خدشہ تھا اور یہ مجھے بعد میں پتا چلا کہ بعض جرنیلوں نے اس بات کا برا مانا ہے اور انہوں نے محسوس کیا ہے کہ وزیر اعظم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اصول کی بات تھی۔ اور جب آپ اصولوں پر سمجھوتہ کرنا شروع کر دیں تو آپ کہیں کے نہیں رہتے۔ اور ظاہر ہے کہ آپ یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی اور وزیر اعظم کی اتھارٹی کو نظر انداز کر دے اور اس کی طاقت کو Overstep کرنے کی کوشش کرے۔

جنرل مشرف کی تقرری

لیکن اس وقت جنرل جہانگیر کرامت کو ہٹا کر جنرل مشرف کو چیف آف آرمی سٹاف بنانے کا جو فیصلہ آپ نے کیا، کیا وہ جلدی میں کیا ہوا فیصلہ تھا یا بڑا سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا؟

نواز شریف: میرا خیال ہے کہ یہ ایک جلدی میں کیا ہوا فیصلہ تھا۔ کیونکہ مجھے امید نہیں تھی کہ جنرل جہانگیر کرامت اس طرح کا Nasty بیان دیں گے۔ اور مجھے اس طرح کا فیصلہ لینا ہو گا بلکہ انہیں خود استعفیٰ دینے کے لئے کہنا ہو گا لیکن جیسا کہ یہ سب کچھ اچانک اور جلدی میں ہوا۔ پھر ہمیں اگلے چیف آف آرمی سٹاف کا انتخاب بھی کرنا تھا۔ اس وقت ہم بڑی جلدی میں تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے بڑی جلدی میں یہ فیصلہ کیا۔ اگرچہ ہمیں سنیارٹی (Seniority) کے لحاظ سے نمبر 1 کو منتخب کرنا چاہیے تھا۔ یہ میری غلطی تھی۔ مجھے اس وقت سینئر موسٹ جنرل علی قلی خان یا جنرل خالد نواز کو چیف آف آرمی سٹاف بنانا چاہیے تھا، اس وقت مجھے غلط ایڈوائس دی گئی مجھے کہا گیا یہ فلاں کی سائیڈ پر ہے اور یہ فلاں کا رشتہ دار ہے۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ سیکرٹری دفاع افتخار علی خان اور ان کے بھائی کی علی قلی خان سے کوئی ذاتی پرخاش تھی۔ اور انہوں نے ان کا تقرر رکوا کر اپنی ذاتی پرخاش کا بدلہ اتارا اس معاملے میں میں نے یہ سبق سیکھا کہ ہمیشہ سینئر موسٹ کو حق ملنا چاہیے۔ ماسوائے کہ اس میں بہت بڑی خامی نہ ہو، جنرل علی قلی خان میں کوئی ایسی خامی بھی نہیں تھی۔ درحقیقت واقعی ایک بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہے اور یہ سینئر ترین شخص کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے جو کہ نہیں ہونی چاہیے تھی۔

جنرل علی قلی خان نے دی نیوز کے رؤف کلاسراہ کے ساتھ ایک انٹرویو میں بھی آپ کے اس اعتراف پر آپ کی بڑی تعریف کی ہے؟

نواز شریف: اچھا۔

جنرل مشرف کے خلاف رپورٹس

لیکن اس وقت آپ نے جنرل مشرف کو چیف آف آرمی سٹاف بنانے کے فوائد و نقصانات پر غور تو کیا ہوگا؟

نواز شریف: (توقف کرتے ہوئے) میں آپ کو صاف بتاؤں کہ خفیہ ایجنسیوں کی سفارشات مشرف کی تقرری کے خلاف تھیں۔

ایجنسیوں نے جنرل مشرف کے بارے میں کیا کہا تھا؟

نواز شریف: ان کا خیال تھا کہ وہ چیف آف آرمی سٹاف کے عہدہ کے لئے ایک موزوں شخص نہیں ہے کیونکہ وہ بڑا جلد باز اور مشتعل ہو جانے والا بندہ ہے۔ اور بغیر سوچے سمجھے جلدی میں فیصلے کرتا ہے۔

کون سی ایجنسیوں نے ایسا کہا تھا؟

نواز شریف: میں ان ایجنسیوں کا نام نہیں لوں گا لیکن وہ ایجنسیاں سفارشات دینے کے معاملے میں ذمہ دار ہیں۔ میں سب سے زیادہ متعلقہ ایجنسیوں کی بات کر رہا ہوں اور ان کا خیال یہ تھا کہ مشرف کو چیف آف آرمی سٹاف نہ بنایا جائے کیونکہ اس عہدہ کے لئے موزوں نہیں اور وہ چیزوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اور نہ ہی سنگین اور اہم معاملے کے نتائج سے ہونے والے ردعمل کو کوئی اہمیت دیتا ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ کچھ اور چیزیں بھی تھیں جن کا میں ذکر نہیں کرنا چاہتا۔ جن کی بناء پر انہوں نے کہا تھا کہ وہ ایک موزوں شخص نہیں ہے۔

ان ایجنسیوں کی رپورٹ کے باوجود آپ نے جنرل پرویز مشرف کا تقرر کر لیا؟ آخر کیوں؟

نواز شریف: میں نے یہ فیصلہ کیا کیونکہ میرا خیال تھا کہ مجھے اتنا گہرائی میں نہیں جانا چاہیے ہوسکتا ہے کہ اگر میں پہلے تین یا پہلے چار میں سے کسی ایک کا انتخاب کروں تو اس سے کوئی اتنا فرق نہیں پڑے گا۔

اگر چہ کہ مجھے اب اس چیز کا بڑا افسوس ہوتا ہے کہ مجھے نمبر ون کو چیف آف آرمی سٹاف بنانا چاہیے تھا۔ کیونکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا۔ کیونکہ ماضی میں یہ روایت چلتی آ رہی ہے کہ ہم عام طور پر سینئر شخص کو بغیر کسی وجہ کے نظر انداز کر جاتے ہیں۔ جو کہ میرا خیال ہے کہ ایک اچھی پالیسی نہیں ہے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

سیاسی مسائل

- واجپائی کی آمد پر جماعت اسلامی نے ایجنسیوں کی مدد سے مظاہرے کئے تھے۔
- میاں اظہر فوج سے ملے ہوئے تھے وہ طیارے میں جنرل مشرف سے مل چکے تھے۔
- جنرل محمود کا میاں اظہر سے مسلسل رابطہ تھا انہوں نے ہی اسے مسلم لیگ (ق) کا صدر بنوایا تھا۔
- فوج اور آئی ایس آئی کا بے نظیر بھٹو کے احتساب کے لئے دباؤ تھا۔
- بے نظیر کے خلاف جان بوجھ کر ایسے اقدامات کروائے گئے کہ سیاستدانوں کا اعتبار ختم ہو۔
- میرے دور حکومت میں ایک بار بھی آصف زرداری کو گرفتار نہیں کیا گیا۔
- بے نظیر بھٹو کو مقدمے میں سزا سنانے سے پہلے ہی باہر جانے کا مشورہ دیا گیا۔
- جنگ کے خلاف کارروائی غلطی تھی یہ سیف الرحمٰن کا کارنامہ تھا۔

سیف الرحمٰن کا احتساب

آپ کے دوسرے دور میں کئی پیچیدہ سیاسی مسائل پیدا ہوئے آپ نے احتساب کا ایسا طریق کار اپنایا کہ اپنی قائد حزب اختلاف بے نظیر بھٹو کا پتہ ہی صاف کر دیا کیا یہ جمہوری رویہ تھا؟

نواز شریف: احتساب کا طریق کار غلط تھا۔ ہمیں اس حوالے سے اکسایا گیا تھا۔ فوج اور آئی ایس آئی کا ہم پر دباؤ تھا۔ جان بوجھ کر ہم سے بے نظیر اور اپوزیشن کے خلاف ایسے اقدامات کروائے گئے تا کہ سیاست دانوں کا اعتبار ختم ہو جائے۔

زرداری کی جیل

اب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں لیکن آپ کے اپنے دور میں آصف زرداری مسلسل جیل میں بند رہے بے نظیر بھٹو کو سزا دلوائی گئی؟

نواز شریف: آصف زرداری کو ہماری حکومت نے ایک بار بھی گرفتار نہیں کیا۔ میں تو بے نظیر بھٹو کو گرفتار کرنے کے حق میں بھی نہیں تھا۔ سیف الرحمٰن کہتے تھے کہ بے نظیر بھٹو کو گرفتار ہونا چاہیے۔ لیکن چودھری شجاعت حسین گواہ ہیں کہ میں نے کہا تھا کہ بے نظیر سزا ہونے سے پہلے بیرون ملک چلی جائیں تاکہ انہیں جیل نہ بھیجنا پڑے۔ میں خود بے نظیر بھٹو کو جیل بھیجنے کے خلاف تھا۔

آپ ہی کے دور میں صحافیوں کے خلاف اقدامات ہوئے جنگ کے خلاف کارروائی کی گئی اب آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

نواز شریف: یہ میری غلطی تھی۔ مجھے علم ہے کہ آپ بھی ان چودہ لوگوں میں شامل تھے، جنہیں جنگ گروپ سے نکلوانے کا کہا گیا تھا۔ یہ سب کچھ سیف الرحمٰن کی کارستانی تھی، لیکن میں انہیں بھی برا نہیں کہتا۔ اس کے لئے دعا کرتا ہوں۔ یہ ہماری غلطی تھی۔

میاں اظہر سے اختلافات

آپ کے دوسرے دور میں آپ کے ساتھی میاں اظہر آپ سے ناراض ہوئے کیا یہ سچ ہے کہ جب آپ کی فیکٹریاں نیشلائز ہوئیں تو میاں اظہر کے والد نے آپ کے والد کی مالی مدد کی تھی؟

نواز شریف: مالی مدد اس طرح سے تو نہیں لیکن ان کے والد صاحب، میرے والد صاحب کے بہت اچھے دوست تھے اُن کی میرے والد صاحب کو آخری وقت تک قدر رہی ان کے بھائی میاں اسلم تھے ان کا بھی ہماری فیملی میں بڑا احترام تھا۔ شاید میاں اسلم صاحب زندہ ہوتے تو میاں اظہر کو اس راستے پر نہ جانے دیتے جس پر کہ وہ چلے گئے ہیں یا اگر ان کے والد صاحب ہی زندہ ہوتے تو میاں اظہر کو اس راستے پر نہ جانے دیتے میاں اظہر تو راستے سے بھٹک گئے۔ ان کے والد صاحب بہت عمدہ انسان تھے۔ ان کے بھائی میاں محمد اسلم بھی بہت عمدہ طبیعت کے مالک تھے وہ ہمارے سٹیل ایجنٹ تھے ہم ان

کو سٹیل بیچتے تھے۔ بادامی باغ میں ان کا شوروم تھا وہ ہم سے کافی مال خریدتے تھے جب اتفاق فاؤنڈری نیشنلائز ہوئی تو والد صاحب نے اُن سے اِس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کے پاس جو فالتو فرنس پڑی ہوئی ہے، وہ آپ ہمیں دے دیں ہم اس کو لگا لیتے ہیں۔ اور جیسے ہی یہ چلنا شروع ہوگئی تو ہم اس کے پیسے آپ کو دے دیں گے۔ کیونکہ انہوں نے وہ لگائی نہیں ہوئی تھی۔ تو انہوں نے اس بات کو مان لیا جس کی ان کی بڑی مہربانی ہے ورنہ ایسی چیزیں نقد یا کیش پر دی جاتی ہیں انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، آپ اسے لگائیں، چلائیں اور پھر اس کے پیسے ادا کر دیجئے گا۔ انہوں نے ہر طرح سے اعتبار کرتے ہوئے ہمیں وہ فرنس دے دیا اور ہم نے اس کو لگا لیا۔ اتنی بری طرح سے ہٹ ہونے کے باوجود ہم دوبارہ اسی فیلڈ میں واپس آئے۔ اور بڑا رسک لیا کہ ٹھیک ہے اگر مل نیشنلائز ہوگئی ہے تو کوئی بات نہیں، پھر ایک مرتبہ سہی، اور سوچا کہ اپنے ملک پاکستان کے اندر تعمیر کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ پھر ہم نے ان کو وہ پیسے واپس کیے۔ اور یہ ان کی بڑی مہربانی ہے کہ انہوں نے ان شرائط پر وہ فرنس ہمیں اس موقع پر دی اس فیملی کا ساری زندگی بڑے میاں صاحب کو بھی اور ہم سب کو بھی بڑا خیال رہا ہے لیکن میاں اظہر صاحب سیاست میں جس ڈگر پر چل نکلے، ہم نے تو بڑی نیک نیتی سے خود میاں اظہر سے درخواست کی تھی کہ آپ آئیں میاں اظہر کو لاہور کا میئر بنانے میں ہمارا بڑا دخل ہے ویسے تو بنانے والی ذات اللہ تعالٰی کی ہے، میئر بننے کے بعد میں نے میاں اظہر کو اپنی سیٹ جو خالی کی تھی، اس کی آفر کی وہ وہاں پر الیکشن لڑے، الیکشن تو صرف خانہ پری تھی۔ کیونکہ حلقہ تو بہت محفوظ تھا، وہ منتخب ہو گئے۔ پھر اللہ تعالٰی نے میاں اظہر صاحب کو ہمارے ہی ہاتھوں سے گورنر بنایا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چلتا چلا گیا۔ اس کے بعد میاں اظہر صاب نے اپنا پینترا بدلا جس کی ہمیں کبھی امید نہیں تھی کہ اس طرح کا شخص بھی بدل سکتا ہے۔ بہر حال کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ جس حد تک خیر خواہی نباہ سکتا ہے وہ ہم نے ایک دوست ہونے کے ناطے نبھائی، آگے نہیں نبھی تھی تو نہیں نبھی۔ یہ افسوس ضرور ہوتا ہے کہ جو نہیں ہونا چاہیے تھا، وہ ہوا۔ بلکہ میرے والد صاحب خود مجھے ساتھ لے کر ان کے گھر چل کر گئے۔ میاں اظہر صاحب کے والد صاحب کو کہا کہ میاں اظہر کو ہم پنجاب کا گورنر بنانا چاہتے ہیں تو آپ اجازت دیں، ہم نے ان کا ہر طرح خیال رکھا مگر ان کا ذہن بدل چکا تھا۔

ذہن کی تبدیلی کی وجہ کیا تھی؟

نواز شریف: سچ بتاؤں، انہیں بڑے سہانے خواب دکھائے گئے تھے مجھے میاں اظہر کے فوج سے رابطوں کا بہت پہلے علم ہو چکا تھا ملائشیا سے واپسی پر طیارے میں میاں اظہر کی جنرل مشرف سے

ملاقات ہوئی تھی بعد میں جنرل محمود نے میاں اظہر سے رابطہ رکھا ہوا تھا جنرل محمود نے ہی میاں اظہر کو مسلم لیگ (ق) کا صدر بنوایا تھا۔

جماعت اسلامی سے محاذ آرائی

واجپائی کے دورہ پاکستان سے جماعت اسلامی سے محاذ آرائی بڑھی آپ نے لاٹھی چارج کروایا جس سے تلخیاں بڑھیں؟

نواز شریف: مجھے بتائیں کہ وزیر اعظم ہندوستان جب پاکستان آئے تو ان کی گاڑیوں یا ڈپلومیٹ کی گاڑیوں پر پتھر مارنے والے کون لوگ تھے، یہ جلوس اور مظاہرہ کرنے والے کون لوگ تھے۔ لیکن جو اطلاع ہمارے پاس موجود ہے۔ وہ یہ تھی کہ جماعت اسلامی والے تو سڑکوں پر تھے لیکن ان کے پیچھے ایجنسیاں تھیں جنہوں نے ان کو باہر نکالا اور وہاں پر ویڈیو کیسٹ اور ویڈیو فلمیں بھی بنائیں اور پھر ان کو جا کر دکھائیں کہ دیکھیں جی آپ کے ساتھ حکومت نے کیا کیا ہے؟ پولیس نے لاٹھی چارج اس طرح سے کیا ہے، پھر مجھے یہ بتائیں کہ متحدہ مجلس عمل کے جو لوگ خود ہندوستان ہو کر آئے انھوں نے وہاں گفت وشنید کی اور اخباروں میں بڑی بڑی سرخیاں لگیں تو اس پر تو جماعت اسلامی نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ تو اس وقت وزیر اعظم ہندوستان خود پاکستان آئے تھے، کوئی میں تو ہندوستان نہیں گیا تھا۔ تو اتنا بڑا احتجاج کیوں کیا گیا۔ گاڑیوں کے شیشے تک ٹوٹ گئے۔ جرمنی کے سفیر تھے، ترکی کے سفیر تھے، دیگر ہمارے دوست ممالک کے سفیر تھے۔ ان کی گاڑیوں کے شیشے توڑے گئے۔ اس جلوس کے اوپر پتھر مارے گئے اور وہاں ایک بھرپور مظاہرہ کیا گیا۔ لاہور کے مختلف علاقوں میں جلسے جلوس کیے گئے۔ ان کے پیچھے کون تھا؟ صرف جماعت اسلامی نہیں تھی، ان کے پیچھے ایجنسیاں تھیں، دوسرے لوگ تھے جنہوں نے ان کو یہ سارا کام کرنے کا مشورہ بھی دیا اور کروایا بھی۔ ظاہر ہے کہ پھر آپ دیکھیں کہ مشرف صاحب بھی ہندوستان گئے تو اس وقت مظاہرہ کرنے والے کہاں تھے، اس وقت احتجاج کہاں تھا۔ کیوں نہیں احتجاج ہوا۔ ایم ایم اے والے خود وہاں سے ہو کر آئے ہیں، اس وقت احتجاج کیوں نہیں ہوا۔

شریعت بل

آپ پر الزام ہے کہ آپ شریعت بل کے ذریعے ملک میں آمرانہ نظام نافذ کرنا

چاہتے تھے؟

نواز شریف: یہ بات بالکل غلط ہے۔ میں کوئی نظام حکومت نہیں بدلنا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ فرقہ پرستی، انتہا پسندی اور انصاف میں تاخیر کے حوالے سے قانون سازی کی جائے۔ شریعت بل اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ ہم نے مذہبی انتہا پسندوں اور دہشت گردوں کے خلاف جس جرأت اور بہادری سے کارروائی کی، شاید فوج بھی یہ نہ کر سکے۔ شریعت بل کے حوالے سے ہمارے سامنے کچھ تحفظات آئے تھے جس کے بعد ہم نے اس کو منظور کروانے پر زور نہیں دیا تھا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

کارگل

- وزیراعظم سے پوچھے بغیر چار ماہ تک فوج کارگل میں بیٹھی رہی۔
- مجھے واجپائی کے ذریعے پتہ چلا کہ ہماری فوج کیا کر رہی ہے۔
- جنگ کا فیصلہ صرف جرنیلوں نے نہیں بلکہ پوری قوم نے کرنا ہوتا ہے۔
- کارگل کے مسئلے پر وزیراعظم کو بے خبر رکھا گیا۔
- کارگل کے معاملے میں ایئر چیف، نیول چیف اور کور کمانڈر تک لاعلم تھے۔
- 2700افراد شہید ہو گئے جرنیلوں کی عقل کہاں گئی تھی۔
- کارگل انتہائی ناقص منصوبہ بندی سے تیار کیا گیا آپریشن تھا۔
- اس جنگ کا مقصد پاکستان اور بھارت کے مذاکرات کو سبوتاژ کرنا تھا۔
- جنرل مشرف میرے پاس بھاگے آئے کہ ہمیں بچائیں۔
- مجھے کلنٹن اور ٹونی بلیئر کی باتیں سننی پڑیں لیکن میں نے برداشت کیا۔
- کارگل سے پاکستان کے وقار اور ساکھ کو نقصان پہنچا۔

کارگل کے مجاہدین

کارگل کا مسئلہ شروع کیسے ہوا، بطور وزیراعظم آپ کو کس حد تک اعتماد میں لیا گیا؟

نواز شریف: مجھے تو بحیثیت وزیراعظم کارگل کے مسئلہ پر اعتماد میں نہیں لیا گیا اور جب چار ماہ بعد تھوڑا بہت بتایا گیا تو یہ کہا گیا کہ اس حملے سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔ کوئی جانی نقصان نہیں ہوگا، مجھ سے یہ بھی کہا گیا کہ فوج خود حملے میں شریک نہیں ہوگی۔ صرف مجاہدین کا حملہ ہی کافی ہوگا۔ لیکن جب یہ کارگل کا معاملہ شروع ہوا تو پوری کی پوری ناردرن لائٹ انفنٹری اڑ گئی۔ 2700 نوجوان شہید ہو گئے اور

سینکڑوں لوگ زخمی ہو گئے۔ شہداء کی یہ تعداد 1965ء اور 1971ء کی دونوں جنگوں کے شہداء سے زیادہ تھی، اس قدر نقصانات ہوئے تو میں نے جنرل مشرف سے پوچھا کہ آپ تو کہتے تھے کہ فوج کا نقصان نہیں ہوگا۔ تو کہنے لگے انڈین فوج کارپٹ بمبنگ کر رہی ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کو پہلے علم نہیں تھا کہ اس طرح بمباری ہو سکتی ہے۔ تو کہنے لگے صاحب ہمیں یہ علم نہیں تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ جب بھارتی بمباری کرتے تھے تو چونکہ موروچوں کے اوپر کچھ نہیں ہوتا تھا تو لوگوں کے سر اڑ جاتے تھے۔ میں آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ جب واشنگٹن کا معاہدہ ہوا۔ تو آدھی چوکیاں بھارتی خالی کروا چکے تھے۔ اور آگے بڑھ رہے تھے۔ میں نے ان کی عزت رکھ لی ورنہ ان کے پلے کچھ نہ رہتا۔

فوج کا موقف ہے کہ اس نے اس معاملے میں آپ کو بریف کیا گیا تھا؟ کیا یہ سچ ہے؟

نواز شریف: مجھے اس موضوع پر کبھی کچھ نہیں بتایا گیا (خفیہ ایجنسیوں کی طرف سے وزیراعظم نواز شریف کو جنرل مشرف کے دورۂ چین کے دوران جنرل عزیز سے کارگل کے حوالے سے گفتگو ضمیمے میں شامل ہے) مجھے ابھی کارگل کے اوپر بہت کچھ کہنا ہے جو کہ ابھی تک میرے دل کے اندر ہے میں نے اس خاص موضوع پر ابھی تک اس طریقے سے اظہار خیال نہیں کیا ہے۔ جس طرح کہ میں کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہ ایک بڑا نازک معاملہ ہے۔ اس وقت تو میں نے کارگل کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی تھی۔ میں نے ذمہ داری اس لئے لی تھی کہ میں اپنی فوج کو کسی بھی قسم کی بڑی شرمندگی سے بچاؤں گا اور یہ ایک حقیقت ہے، اس میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے، کارگل، ایک لمبی کہانی ہے بہرحال بعد کے تمام واقعات خاص طور پر 12 اکتوبر 1999ء کا واقعہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور انشاء اللہ کارگل کے مس ایڈونچر کی اصل حقیقت اس طرح سے پوشیدہ نہیں رہے گی جس طرح کہ سقوط ڈھاکہ کی رہی ہے اور انشاء اللہ اصل حقائق لوگوں کے سامنے لائیں جائیں گے اور ان تمام ذمہ دار اور قصوروار لوگوں کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

میاں صاحب! فوج اگر کارگل کو فتح کر رہی تھی اور اس نے آپ کو نہیں بھی بتایا تھا تو آخر اس میں حرج ہی کیا تھا؟ شاید وہ آپ کو کوئی سرپرائز دینا چاہتے ہوں؟

نواز شریف: پاکستان کی مسلح افواج کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ وزیراعظم یا وفاقی حکومت کی پیشگی منظوری کے بغیر کوئی مہم جوئی کرے یا کسی مہم کے لئے تیاری کرے۔ انہیں پہلے وزیراعظم یا وفاقی حکومت سے کلیرنس لینا پڑتی ہے۔

درحقیقت، جنگ جرنیلوں کے ذریعے نہیں لڑی جاتی، بلکہ یہ قوم اور ملک کے ذریعے لڑی جاتی ہے جنگ کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو صرف آرمی ہی لڑتی ہے بلکہ قوم اور ملک بھی جنگ لڑتے ہیں۔ جنگ صرف ملٹری کی سرگرمیوں تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ اس میں ملک سے متعلقہ ہر چیز آ جاتی ہے۔ اللہ معاف کرے اگر ہمارا ملک جنگ ہار جاتا تو صرف پاکستانی فوج یہ جنگ نہ ہارتی بلکہ پورا ملک یہ جنگ ہار جاتا، اس لئے یہ ضروری ہے کہ کسی بھی مسئلے کے حل کے لئے صرف فوجی جرنیلوں کو فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ساری قوم اور سیاسی قیادت کو فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے۔

کارگل کے سیاسی مقاصد

میاں صاحب! آپ کے حامی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کارگل ایک ایسی سیاسی حکمت عملی کا نام تھا جس کا اصل مقصد آپ کو اقتدار سے الگ کرنا تھا؟

نواز شریف: ہوسکتا ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن میں نہیں جانتا کہ اس وقت منصوبہ بندی کرنے والوں کے ذہن میں کیا چل رہا تھا مجھے ابھی تک اس کی منطق سمجھ میں نہیں آئی کہ کارگل شروع کیوں کیا گیا تھا، اس میں کیا ہم نے حاصل کرنا تھا، ہمارے ٹارگٹ کیا تھے۔ فوج نے کیا مقصد حاصل کرنا تھا اور جب یہ منصوبہ بنایا گیا تھا تو کیا ٹارگٹ سامنے رکھ کر منصوبہ بندی کی گئی۔ کم از کم پولیٹیکل لیڈرشپ کو تو واضح علم ہونا چاہیے تھا نا کہ ہم نے اس سے کیا حاصل کرنا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے اوپر آرمی لیڈرشپ بھی واضح نہیں تھی۔ ان کو خود بھی پتا نہیں تھا کہ اس سے ہم نے حاصل کیا کرنا ہے تو وہ پولیٹیکل لیڈرشپ کو بھی بتانے میں اور قائل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ میرا یہ ذاتی خیال ہے کہ آرمی لیڈرشپ کے ذہن میں سوائے اس کے شاید اور کوئی ٹارگٹ نہیں تھا کہ اس کے ذریعے ہم کشمیر کے مسئلے کو عالمی سطح پر اجاگر کرلیں گے اور اس کو پبلسٹی ملے گی۔ ہوا یہ کہ کارگل سے بین الاقوامی سطح پر کشمیر کو اجاگر کرنے کی بجائے ہم اپنے ملک کو اور زیادہ دنیا کی طرف سے دباؤ میں لے آئے۔ کوئی دہشت گردی کی تہمت لگا رہے ہیں۔ کسی نے ''روگ'' آرمی کا ذکر کرنا شروع کر دیا۔ کسی نے کہا کہ پاکستان خواہ مخواہ لڑائی کی طرف چل پڑا ہے۔ جب کہ دونوں ملکوں کے درمیان جو امن کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک دکھ اور افسوس کی بات ہے اور ممکن ہے کہ جب اس معاملے کے شواہد اکٹھے ہوں گے، تو میں کسی نتیجے پر پہنچوں گا۔ ممکن ہے کہ اس وقت پاکستان کی حکومت کو یا مجھے اقتدار سے الگ کرنے کی لئے یہ ایک سازش ہو جس میں یقیناً پاکستان کے اندر جو پاکستان کے دشمن ہیں، ان کا ہی ہاتھ ہو۔ لیکن اس پر حتمی رائے قائم کرنے کے لئے ہمیں کچھ اور اطلاعات کی بھی ضرورت ہے جب انشاءاللہ وقت آئے گا تو وہ اطلاعات ہمیں ضرور

ملیس گی۔اس کے حقائق سے پردہ ضرور اٹھے گا لیکن اگر کارگل کا مقصد اس ایشو کو عالمی طور پر اجاگر کرنا بھی مقصود ہوتا تو پھر جناب اس میں اتنی بڑی قربانی دینے کی کیا ضرورت تھی کہ ناردرن لائٹ انفنٹری کی یونٹس کی یونٹس اڑ گئیں۔ اتنے بندے ہم نے وہاں شہید کروا دیئے جتنے کے ہم نے 1965ء اور 1971ء دونوں مشترکہ جنگوں میں اتنے شہید نہیں ہوئے۔ 1971ء میں ہمارے جو لوگ مشرقی پاکستان میں بموں سے اڑائے گئے تھے۔ ان کو نکال دیں۔ میں صرف جنگ کی بات کرتا ہوں کہ 65 کی جنگ میں وار فرنٹ یا میدان جنگ میں 65 اور 71 کی جنگوں کو ملا کر بھی دیکھا جائے تو ہمارے اتنے نوجوان شہید نہیں ہوئے جتنے اس چھوٹی سے مہم میں ہم نے شہید کروا دیئے۔ کیا ملک یا قوم صرف کشمیر کے مسئلے کو بین الاقوامی سطح پر لانے کے لئے اتنی زیادہ قیمت دیتے ہیں؟ کیا ان لوگوں کے پاس دماغ نہیں ہے؟ سوچنے کے لئے عقل نہیں ہے؟ کیا کشمیر کو Internationalize کرنے کا یہی طریقہ تھا؟ اور بھی بے شمار طریقے تھے مجھے پتا ہے کہ جب میں امریکہ گیا تھا تو مجھے کیا کیا باتیں امریکیوں کی سننا پڑی تھیں۔ اور جب میں برطانیہ گیا تو وہاں پر مجھے کیا سننا پڑا۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس مہم جوئی سے جتنی بدنامی ہمیں ملی ہے اور جتنا کشمیر کے اوپر ہم نے کھویا ہے، آج تک شاید اس کوئی مداوا نہ کر پائے۔

اس معاملے میں کیا کیا نقصان ہوئے؟

نواز شریف: بہت نقصان ہوا ہے۔ اس وقت ایک ایسا موقع تھا جب لوگ محسوس کر رہے تھے کہ ہاں جی ہندوستان پاکستان کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے اور کشمیر کا مسئلہ نہ بات چیت سے حل کرتا ہے اور نہ ہی کسی اور طریقے سے حل کرتا ہے تو پریشر ان پر آ رہا تھا اور پھر ایٹمی تجربات پہلے انہوں نے کیے۔ ہم نے بعد میں جواباً کیے، وگرنہ ہم کبھی نہ کرتے۔ تو اس سب کی ذمہ داری ہندوستان پر تھی۔ کارگل نے اٹھا کر وہ ذمہ داری ہماری گردن پر ڈال دی۔ بتایئے، یہ ہمارے جرنیلوں کی عقل اور سوجھ بوجھ ہے؟ یہ کوئی کام کرنے سے پہلے سوچتے ہی نہیں کہ اس کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں، کیا نتائج نکلیں گے، انہوں نے وزیراعظم سے پوچھے بغیر ہی دسمبر جنوری میں کارگل پر چڑھائی کی تیاری شروع کی ہوئی تھی۔ وزیراعظم کو جا کر چار پانچ مہینوں کے بعد بریف کر رہے ہیں اور وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ مجاہدین لڑ رہے ہیں لیکن پیچھے سے کچھ اور معاملہ نکلا مجھے تو واجپائی صاحب کے ٹیلی فون سے پتا چلا کہ آپ کی فوج وہاں پر لڑ رہی ہے۔

وزیراعظم واجپائی کے فون کے بعد آپ نے کیا کیا؟ آپ نے فوراً فوج کا احتساب نہیں کیا؟

نواز شریف: بات یہ ہے کہ چند جرنیلوں نے بھانپ لیا تھا کہ اب گفت وشنید کے ذریعے دونوں ملکوں کے درمیان جو بیک چینل قائم ہو گیا ہے، اس میں جو پیش رفت ہو رہی ہے، اس کے ذریعے سے مسئلہ

کشمیر حل ہونے کو آ رہا ہے انہیں سمجھ آ رہی تھی کہ کشمیر کے مسئلے کے حل ہونے کے کافی امکانات ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ بعض لوگ امن کے اس عمل سے خوش نہیں تھے۔ پاکستان فوج کے اندر جوان کے سربراہان ہیں، وہ میرا خیال ہے کہ ویسے بھی ان مذاکرات کے خلاف تھے۔ انہوں نے ان مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کے لئے کارگل کا مسئلہ شروع کیا۔

کارگل کی غلطیاں

ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ آپ کو کارگل کے بارے میں اعتماد میں نہیں لیا گیا جب کہ دوسری طرف آپ خود محاذ جنگ پر بھی گئے اور وہاں نعرے تک لگائے آپ نے ایک طرح سے فوج کی بالواسطہ مدد کی؟

نواز شریف: دراصل پرویز مشرف نے بار بار اصرار کیا کہ میں محاذ پر چلوں اور وہاں جا کر محاذ پر اپنے جوانوں سے ملوں تو ایک دن ایسا بھی آیا جب مشرف صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ معاملات بڑے دگرگوں ہو گئے ہیں۔ اور ہماری چوٹیاں یکے بعد دیگرے ہندوستان کے ہاتھوں فتح ہو رہی ہیں اور ہم وہ پوسٹس کھوتے جا رہے ہیں جوان چوٹیوں پر ہیں۔ اور چوٹیاں بھی کھو رہے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ آپ نے اس چیز کو مدنظر نہیں رکھا تھا جب آپ نے یہ سارا آپریشن پلان کیا تھا؟ کہتے ہیں کہ ہم نے تو رکھا تھا بلکہ ہم سب کا خیال تھا کہ ہم اوپر ہیں اور وہ نیچے سے آئیں گے اور ہم ان کو اوپر سے ماریں گے۔ لیکن وہ تو ہزاروں کی تعداد میں آ رہے ہیں، انہوں نے مجھے یہ کہا تو میں نے کہا کہ آپ فوجی لوگ کس طرح کی پلاننگ کرتے ہیں۔ کیا آپ نے ان چیزوں کا پہلے نہیں سوچا تھا یا جو بھی آپ کا فوجی طریقہ کار ہوتا ہے اس کے حوالے سے نہیں دیکھا تھا، آپ نے ان چیزوں کی پرواہ نہیں کی؟ کہنے لگے کہ کیا تھا، بس یہ ہو گیا تو کیا کیا جا سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ اب اس کا کیا حل ہے تو کہنے لگے کہ اب آپ اس کا کوئی حل نکالیں اور سوچیں۔ اب آپ دیکھیں کہ اس سارے آپریشن کا علم یا پرویز مشرف کو تھا یا جنرل عزیز کو تھا جو اس وقت وہاں پر چیف آف جنرل سٹاف تھے یا جنرل محمود کو تھا جو کور کمانڈر اس علاقے کے تھے۔ یا پھر جنرل جاوید حسن ہیں جو کہ وہاں نادرن علاقے کے ڈویژن کمانڈر تھے۔ تو ان چاروں کے علاوہ کسی اور کمانڈر کو بھی پتا نہیں تھا۔ پاکستان کے نیول چیف تک کو اس کا علم نہیں تھا۔ پاکستان کے چیف آف ایئر سٹاف کو اس کا علم نہیں تھا۔ تو بتائیں کہ پھر کس کو علم تھا؟ وزیر اعظم کو علم نہیں تھا، ڈیفنس منسٹر کو علم نہیں تھا، ڈیفنس سیکرٹری کو پتا نہیں تھا تو پھر علم تھا تو کس کو تھا۔ مجھے بتائیں، اور پھر اس طرح کے آپریشن تو ناکام ہو جاتے ہیں۔ جب کسی کو اعتماد میں نہ لیا جائے۔ مناسب پلاننگ نہ ہو، کسی

سے مشورہ نہ کیا جائے، اور پھر ساری چیزوں کو کور نہ کیا جائے تو پھر اس طرح کے آپریشن سے یہی اندازہ ہوتا ہے یہ انتہائی ناقص منصوبہ بندی سے بنایا گیا آپریشن تھا پھر اس میں ایک چیز کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس کا مقصد وزیراعظم کی کوششوں کو ناکام کرنا ہی تھا جو کہ وہ کشمیر کے مسئلے کو پرامن طریقے سے حل کرنے کے لئے کر رہا تھا۔ یہ امن مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کی ایک سازش ہوسکتی ہے۔

ہر کوئی بے خبر تھا

جب آپ کارگل آپریشن سے بے خبر تھے اسے غلط بھی سمجھتے تھے تو پھر اس معاملے پر آپ نے فوج کی حمایت کیوں کی؟ آپ محاذ پر گئے اور نعرے لگائے یہ تو تضاد ہے؟

نواز شریف: مجھے جنرل مشرف کہنے لگے کہ آپ اس کا کوئی حل نکالیں، پھر بے شمار میٹنگ کیں گئیں، پہلے ہم نے کابینہ کی دفاعی میٹنگ بلائی، پھر لاہور میں انہوں نے مجھے کہا کہ آپ سب کو بلائیں، لاہور سے پہلے پھر کور کمانڈر کے دفتر میں میٹنگ ہوئی، جہاں بے شمار لوگ تھے بہت سے فوجی لوگ بھی تھے جن میں چیف آف نیول سٹاف، چیف آف ایئر سٹاف شامل تھے۔ انہوں نے واضح طور پر کہا کہ جناب ہمیں کوئی نہیں بتایا گیا۔ ہم بھی مسلح افواج کا حصہ ہیں، جنگ ہو رہی ہے لیکن ہمیں کوئی اشارہ نہیں دیا گیا کہ کیا ہو رہا تھا۔ ہمیں تو پتا ہی نہیں چلتا اصل حقیقت کا اگر آپ میٹنگ نہ بلاتے۔ کیا ہم مسلح افواج کا حصہ نہیں ہیں۔ یہ بڑا سنگین مسئلہ تھا کہ یہ الزام آئے چیف آف آرمی سٹاف پر کہ انہوں نے کسی اور کو اعتماد میں نہیں لیا۔ ان کے اپنے کور کمانڈرز کو بھی نہیں پتا تھا۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے پھر اس کے بعد مجھے کہنے لگے کہ اس کا کوئی راستہ نکالیں۔ میں نے کہا اس کا راستہ یا حل کیا ہوسکتا ہے؟ بیٹھے بیٹھے باتوں سے بات نکلی کہ امریکی صدر کلنٹن سے کوئی رابطہ کیا جائے کیونکہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان پرامن جنگ بندی کروا سکتے ہیں۔ مجھے ایک تاثر یہ بھی مل رہا تھا کہ اگر میں نے فوری ایکشن نہ لیا تو ہم بہت کچھ کھو دیں گے۔

کیا تاثر مل رہا تھا کہ ہم کیا کھو دیں گے؟

نواز شریف: یہی کہ ہم جنگ ہار جائیں گے اور ہم محاذ جنگ پر پسپا ہو رہے تھے اور مجھے یہ واضح اشارہ مل رہا تھا کہ بس اب اس کے بعد بڑی بدنامی اور بے عزتی ہوگی اگر جو بھی کرنا ہے تو فوری کرنا ہوگا پرائم منسٹر کے اوپر انہوں نے سارا ملبہ ڈال دیا اور ذمہ داری بھی ڈال دی کہ آپ کچھ کریں ہمیں بیل آوٹ کریں تو جناب پھر بیل آوٹ کرنے میں ہم لگ گئے۔ پھر مجھے بڑی باتیں صدر کلنٹن سے بھی سننا پڑی، ٹونی بلیئر سے بھی اور دوسروں سے بھی کہ آپ نے کارگل میں ایسا کیوں کیا تھا؟ آپ کو کیا ضرورت تھی ایسا کرنے

کی، دنیا بھر پاکستان کی بدنامی ہوئی اور سارا الزام ہمارے اوپر آ گیا۔ تمام دنیا نے پاکستان کو اس آپریشن کے لئے ذمہ دار ٹھہرایا۔ پھر ہمارا بھارت کے ساتھ امن کا پروگرام بری طرح مجروح ہوا۔ ہم نے انڈین قیادت کا اعتماد کھویا وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ پاکستان نے پشت میں چھرا گھونپ دیا ہے۔ یہ کسی بھی خود مختار اور آزاد ملک کے لئے اچھی چیز نہیں کہ ملک کی سویلین قیادت کسی اور کی غلطی پر سبکی محسوس کرے اور سارا الزام سویلین قیادت پر لگ جائے۔

کون جیتا کون ہارا؟

بہر حال ایک تاثر یہ بھی پایا جا رہا تھا کہ ملٹری لیڈر شپ نے جنگ جیت لی تھی لیکن سیاسی قیادت اس کو برداشت نہ کر سکی اور سیاسی قیادت نے جنگ ہروادی؟

نواز شریف: میرا خیال ہے کہ آرمی یہ تاثر قائم کر رہی تھی کہ ہم تو پتا نہیں کیا فتح کرنے والے تھے، وزیر اعظم نے ہمیں کچھ نہیں کرنے دیا، معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ جنرل مشرف میرے پاس دوڑے بھاگے آئے کہ ہمیں بچائیں۔

آپ اس وقت کیوں نہیں بولتے تھے؟ آپ اس وقت ہی لوگوں کو سچ بتا دیتے؟

نواز شریف: میں اس لئے نہیں بولتا تھا کہ مجھے پاکستان سے محبت ہے، اپنی مسلح افواج سے محبت ہے، اور میں نے اس محبت کی خاطر کہ میرے پاکستان پر کسی قسم کی کوئی آنچ نہ آئے اور اس پر کسی قسم کا کوئی حرف نہ آئے، دنیا میں ہم ذلیل و رسوا نہ ہوں، اس کی خاطر میں نے سارا کچھ اپنے کندھوں پر لے لیا اور اپنی فوج کو اس سے بچا لیا۔ اس بدنامی سے اور اس بڑے دھچکے سے جو ہمیں لگا تھا اور آئندہ لگنا تھا۔ تو میں نے سارا کچھ اپنے اوپر لے لیا۔ اور ہم خاموشی کے ساتھ اس کو سہہ گئے۔ برداشت کر گئے، یہ سارا نچوڑ ہے، اس میں میں نے ایک فی صد بھی کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو خاموشی سے اپنے ملک کی خاطر، اپنی فوج کی خاطر، اپنی عزت و ناموس کی خاطر اور اپنے وطن پاکستان کی خاطر سارا بوجھ اپنے اوپر لے لیتے ہیں۔ اور میں نے وہی کیا ہے اور اس کا اچھا بدلہ اس جرنیلی ٹولے نے دیا ہے جو اس وقت پاکستان میں بیٹھا ہوا ہے۔ بہت دکھ ہوتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے اور بھی جو شہادتیں ہوئی تھیں، ان سے بھی ملک کو بچا لیا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

واشنگٹن میں جنگ بندی

- جنگ بندی کے لئے امریکہ جانے لگا تو جنرل مشرف ایئر پورٹ پر ملنے آئے۔
- جنرل مشرف بے چین تھے کہ کسی طرح کارگل کے معاملے کو جلدی سے نمٹاؤں۔
- حالت یہ تھی کہ پنگے یہ لیں اور بھگتیں ہم۔
- کلنٹن نے تین دن کیلئے پاکستان آنا تھا مارشل لا کی وجہ سے صرف چند گھنٹے رکے۔
- کارگل کے دوران جنرل مشرف نے وزیراعظم سے پوچھے بغیر ایٹمی ہتھیاروں کی نقل و حرکت کی۔
- صدر کلنٹن پاکستان کے لئے خلوص کا جذبہ رکھتا تھا۔
- بل کلنٹن میرے ذاتی دوست بن گئے تھے خلیج میں آئے تو مجھے فون کیا۔
- کارگل میں فوج کو شرمندگی سے بچایا ورنہ بہت شہادتیں ہوتیں۔
- مشرف اینڈ کمپنی کے دل میں چور تھا اس لئے انہوں نے فوج میں غلط پیغام دیا۔
- جرنیل پیغام دیتے رہے کہ ہم کشمیر لینے لگے تھے نواز شریف نے روک لیا حالانکہ بات الٹ تھی
- میں نے سب کچھ دل سے نکال دیا جرنیلوں نے بغض رکھا۔
- کارگل کا بغض ہی ہمیں اقتدار سے باہر نکالنے کا باعث بنا

کلنٹن سے مذاکرات

صدر کلنٹن سے کیا بات ہوئی، مذاکرات کیا شکل اختیار کرتے رہے؟

نواز شریف: صدر کلنٹن کو جب میں ملنے کے لئے جا رہا تھا تو یہ موصوف (جنرل پرویز مشرف) خود ایئر پورٹ پر مجھے ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ مجھ سے آخری باتیں کرنے کے لئے کہ صدر کلنٹن سے

آپ ایسے کہیں، وہ کہیں، یہ کہیں، تا کہ اس کے ذریعے ہمیں اگر جنگ میں سے نکلنے کا تھوڑا بہت راستہ ہی مل سکتا ہے، تو مل جائے، بہرحال یہ بہت بے چین تھے کہ میں جلدی میٹنگ کر کے جلدی معاملے کو نمٹاؤں ورنہ مجھے صدر کلنٹن کو جا کر ملنے کی کیا ضرورت تھی۔ یعنی پنگے یہ لیں اور بھگتیں ہم۔ میں نے ان کے اصرار پر ایک دن پہلے صدر کلنٹن کو فون کیا۔ آپ کو تو پتا ہے کہ وہ ایک انتہائی مصروف ترین انسان ہے میں نے کہا کہ جناب صدر! کیا حال ہے آپ کا، کلنٹن کہنے لگے کہ نواز! آپ کیسے ہیں؟ میں نے کہا کہ شکریہ، میں ٹھیک ہوں۔ اس سے پہلے بھی ان سے رابطہ وغیرہ ہو رہا تھا اور میرا ان سے کچھ بالواسطہ رابطہ بھی تھا۔ پھر امریکہ سے بھی پیغامات آ رہے تھے کہ ہمیں فوراً جنگ بند کروانی چاہیے۔ کیونکہ بشمول امریکہ ہر کوئی ہمیں ذمہ دار ٹھہرا رہا تھا۔ جیسا کہ میں نے آپ کو پہلے ہی بتایا تو میں نے ان کو فون کیا۔ میں نے کہا کہ بل! میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ تو کہنے لگے کہ آپ امریکہ آنا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ جی، میں امریکہ آنا چاہتا ہوں۔ تو کہنے لگے کہ آپ مجھ سے کب ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ کل (Tomorrow) کہنے لگے کہ کل؟ کل تو میری بیٹی چھٹیاں گزارنے کے بعد واپس سکول جا رہی ہے اور میں نے بہت سے لوگوں کو اپنے گھر مدعو کر رکھا ہے لیکن میں نے کہا کہ میں تو آپ سے کل ہی ملنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ کل اتوار ہے۔ ویک اینڈ ہوگا۔ اور 4 جولائی بھی ہے جو کہ آپ کا قومی دن ہے کہنے لگے کہ نواز ٹھیک ہے لیکن مجھے اپنا پروگرام ری شیڈول کرنا ہوگا۔ میں آپ کو ابھی تھوڑی دیر میں بتاتا ہوں۔ تو میں نے کہا کہ شکریہ۔ میں کبھی اس کو بل کہتا تھا اور کبھی مسٹر پریزیڈنٹ بھی کہہ دیتا۔ وہ بھی مجھے نواز کہتا یا کبھی پرائم منسٹر کہتا۔ تو انہوں نے مجھے ایک گھنٹے کے اندر اندر فون کیا کہ نواز! ٹھیک ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے کل ایک بجے مل سکیں۔ میں نے فلائٹ کا پہلے ہی پتا کر لیا تھا۔ ہم نے سوچا تھا کہ آج اگر ہم رات کو نکلیں تو کل 12 بجے تک واشنگٹن پہنچ جائیں گے۔ تو میں نے اس کو کہا انشاء اللہ ہم پہنچ جائیں گے۔ تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ ملاقات کے دوران صدر کلنٹن نے تین گھنٹے ہمارے ساتھ صرف کیے، کھپتا رہا۔ اس دوران ہم نے تھوڑا سا وقفہ لیا۔ ہم سے ساری باتیں کرنے کے بعد پھر وہ مجھ سے کہنے لگا کہ کیا میں انڈین وزیراعظم سے بات کر سکتا ہوں؟ اس نے رات کے ڈیڑھ بجے واجپائی کو اٹھایا اس کو کہا کہ نواز شریف یہاں ہیں۔ میں نے کلنٹن کو کہا تھا کہ ایک تو ہم جنگ بند کرانے کے لئے تیار ہیں تو دوسرا ہمارے لئے کشمیر کا مسئلہ بھی حل کراؤ کہنے لگے کہ میں بھارتی وزیراعظم سے بات کرتا ہوں۔ اصل میں ہمارا مطالبہ بڑا ہی دلچسپ تھا جواباً بھارت کا ردعمل یہ تھا کہ کیا یہ جنگ بندی کر کے ہمارے اوپر احسان کر رہے ہیں الٹا یہ مطالبہ بھی کر رہے ہیں کہ جنگ بندی کے انعام کے طور پر ہمیں کشمیر بھی دو۔ بھارت نے ہمارے مطالبے کے جواب میں امریکی صدر کو کہا کہ

جنگ پاکستان نے شروع کی ہے ان کی مرضی ہے بند کریں یا نہ کریں ہمیں کوئی پرواہ نہیں کشمیر کے مسئلے پر بھی انہوں نے کوئی مدد کرنے سے انکار کر دیا تاہم صدر کلنٹن نے اس موقع پر بہت مثبت کردار ادا کیا اور کہا کہ وہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ذاتی دلچسپی لیں گے جنگ بندی کے لئے بھی انہوں نے تعمیری کوشش کر کے معاملہ حل کروا دیا کشمیر کے معاملے میں صدر کلنٹن کا وعدہ وقت کے حساب سے کافی اہم تھا میرے ساتھ اس کے اچھے تعلقات بن رہے تھے امید تھی کہ میں انہیں مسئلہ کشمیر کے حل کی طرف مائل کرنے کی کوشش کروں گا۔ درمیان میں کلنٹن مجھے یہ بھی کہہ رہا تھا کہ آپ نے بڑی زیادتی کی ہے اس طرح سے تو کسی کے ساتھ نہیں کرتے کہ ایک طرف تو بات چیت ہو رہی ہے اور دوسری بات آپ یہ کر رہے ہیں۔ آپ کی فوج کیا کر رہی ہے؟ کیا اسے ایسا کرنا چاہیے۔ پھر آپ جانتے ہیں کہ جب کلنٹن پاکستان آیا تو اس نے آنا تو تین دن کے لئے تھا، مجھ سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ میں فلاں فلاں جگہ جاؤں گا اور فلاں فلاں جگہ کا دورہ کروں گا، میں خیبر پاس بھی جاؤں گا۔ ہم نے پلاننگ بھی کر لی تھی۔ لیکن ہوا کیا، اس نے جو تین دن کے لئے آنا تھا، وہ صرف تین گھنٹے کے لئے آیا اس نے آ کر جس طرح سے ان فوجی جرنیلوں کو لیکچر دیا، میرا خیال ہے کہ ان کو اس دن آئینے میں اپنی شکل دیکھنی چاہیے تھی، جو باتیں اس نے کیں، وہ انتہائی سچی اور حقیقت پر مبنی تھیں۔

ایٹمی ہتھیاروں کی نقل وحرکت

یہ بات کس حد تک درست ہے واشنگٹن میں صدر کلنٹن نے آپ کو پاکستان کے نیوکلیئر وار ہیڈز کی نقل وحرکت کا بھی بتایا تھا؟

نواز شریف: جی جی! بالکل یہ بات ہوئی تھی کہ پاکستان نے ایٹمی ہتھیار اپنے ایک سٹیشن سے دوسرے سٹیشن منتقل کئے تھے کارگل کی جنگ کے دوران ایٹمی ہتھیاروں کی یہ نقل وحرکت کی گئی تھی میں تو صدر کلنٹن کی یہ بات سن کر حیران رہ گیا کیونکہ مجھے اس بات کا بالکل علم نہیں تھا صدر کلنٹن نے مجھے کہا کہ ہمارے پاس یہ بالکل درست اطلاع موجود ہے کہ پاکستان نے ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کے لئے ان کی نقل وحرکت کی تھی امریکی صدر کلنٹن نے مجھ سے پوچھا کہ کیا بطور چیف ایگزیکٹو اور وزیراعظم آپ کو اس بات کا علم کیوں نہیں؟ اب آپ دیکھئے اگر واقعی یہ بات سچی ہے تو کیا جنرل مشرف کو وزیراعظم سے پوچھے بغیر ایٹمی ہتھیاروں کی نقل وحرکت کرنی چاہئے تھی اگر ملک کو کوئی نقصان پہنچتا تو ذمہ داری حکومت پر آتی تھی۔ جنرل مشرف کا یہ رویہ سراسر غیر ذمہ دارانہ تھا۔

کلنٹن کا خلوص

صدر کلنٹن پاکستان کے ساتھ کتنے مخلص تھے؟

نواز شریف: میرا خیال ہے کہ صدر کلنٹن واقعی پاکستان کے ساتھ خلوص کا جذبہ رکھتا تھا جو وہ اپنے منہ سے ایسے الفاظ ادا کر رہا تھا۔ وہ خلوص ہی تھا جب وہ کہہ رہا تھا کہ ملک اس طرح سے نہیں چلتے۔ جس طرح سے آپ چلا رہے ہیں۔ جس طرح سے جمہوریت کی ٹرین کو پٹڑی سے اتار کر کے آپ لوگ آ جاتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں، یہ نہیں ہوتا۔ یہ لوگوں کو اختیار ہے اور یہ اختیار لوگوں کے پاس ہی رہنا چاہیے کہ وہ کس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ اور پھر ان کے پاس تو ایک فیصلہ کن ووٹ ہے، اس کے ذریعے وہ تبدیلی لے کر آئیں جب وہ لانا چاہیں۔ تو اس نے درحقیقت ہمارے جرنیلوں کو سمجھایا کہ آپ صحیح کام نہیں کر رہے جس سے پاکستان کو نقصان پہلے بھی پہنچا ہے اور آئندہ بھی پہنچ سکتا ہے اس سے بڑا مخلص مشورہ اتنے بڑے آدمی سے ایک ملک کے لئے کیا ہو سکتا ہے؟ اس کے دل میں پاکستان کے لئے وہ درد تھا جس کا اظہار وہ قوم کے سامنے کر رہا تھا۔

ذاتی دوستی

کیا اب بھی آپ کا صدر کلنٹن سے رابطہ رہتا ہے؟

نواز شریف: صدر کلنٹن بعد میں میرے ذاتی دوست بن گئے گزشتہ دنوں خلیج کے علاقے میں آئے تو مجھے فون کیا میری خیریت دریافت کی، لیکن میں نے کبھی صدر کلنٹن سے مدد طلب نہیں کی۔

احسان کا بدلہ

بقول آپ کے آپ نے کارگل کی بڑی باعزت طریقے سے جنگ بند کروا دی، پھر آپ کے اور جنرل مشرف کے درمیان کیا ہوا؟

نواز شریف: اس کے باوجود میں اس ساری چیز کو برداشت کر گیا۔ میں نے دل میں کوئی بات نہیں رکھی، میں نے کہا کہ میں نے حب الوطنی کا فرض ادا کیا ہے۔ اپنی فوج کو بڑی شرمندگی سے بچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچانے والا ہوتا ہے۔ وہ کام اللہ تعالیٰ نے مجھ سے لیا۔ پھر جو اتنی زیادہ اور شہادتیں ہونی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی بچا لیا۔ کئی جانیں بچیں، شرمندگی سے بچے اگرچہ ہم نے انڈیا کا اعتماد کھویا، وہ ہم نہیں

قائم رکھ سکے، اس سے ہمیں شدید دھچکا لگا ہے، جس کا خمیازہ غالباً ہم آج تک بھگت رہے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ میرا ضمیر مطمئن تھا کہ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ جو مجھے ایسے وقت میں ادا کرنا چاہیے تھا۔ میں نے سب کچھ اپنے دل سے نکال دیا گو مجھے اس کا ذاتی طور پر بڑا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے جس کو میں ناجائز سمجھتا ہوں کہ ناجائز کارروائیاں میرے خلاف ہوتی رہیں۔ لیکن اس وقت سے ان کے دل میں چونکہ چور تھا یعنی مشرف اینڈ کمپنی کے دل میں۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس نے ہمیں بہت بڑی شرمندگی سے بچایا ہے، ظاہر ہے کہ پھر انہوں نے فوج کے اندر ایک عجیب پیغام دینا شروع کر دیا کہ ہم تو کشمیر لینے گئے تھے اور شاید نواز شریف نے اس کو روک دیا ہے، حالانکہ سارا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اگر یہ جنگ بند نہ ہوتی تو چند دن کے بعد وہاں ہمیں مجبوراً کافی نقصان اٹھانا پڑتا۔ میں دانستہ طور پر ہتھیار ڈالنے کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہتا لیکن صورتحال یہی تھی ہماری سپلائی لائن ٹوٹ چکی تھی، ہمارے فوجی جوان اپنے بنکرز میں بیٹھ کر چیختے تھے کہ: ''راشن نہیں دینا تو نہ دو، ہتھیار تو دو ہم کس چیز سے لڑیں'' یہ وہاں پر گھاس کھاتے تھے اور برف کھاتے تھے۔ یہ حال وہاں پر تھا ایسے حالات میں جب پیچھے سے سپلائی لائن بھی ٹوٹی ہو اور ختم ہو گئی ہو۔ کیونکہ بھارت نے انہیں نقصان پہنچایا تھا اور پوسٹ ایک ایک کر کے کھو رہے ہوں تو کیا لڑائی جناب آپ لڑیں گے اور دنیا میں ہم سفارتی تنہائی کا شکار ہو گئے تھے تو دنیا ہمیں اس کا مجرم قرار دے رہی تھی۔ پوری دنیا ہمیں کہہ رہی تھی کہ آپ نے یہ کیا کیا ہے تو جناب اس کے باوجود میں نے سب کچھ اپنے دل سے نکال دیا، کوئی غصہ نہیں تھا۔ میں نے کھلے دل کے ساتھ ان سے معاملات شروع کیے لیکن انہوں نے دل میں بغض رکھا اور اس بغض کو پھیلایا اور اتنا بڑھایا کہ معاملہ مجھے اقتدار سے باہر نکالنے تک پہنچا۔ انہوں نے اسی بغض کے تحت ہماری حکومت کو ختم کر کے خود ٹیک اوور کر لیا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

آخری معرکے

☆ جنرل مشرف سے اختلافات

☆ فیصلہ کن لمحات

☆ فوج کا کردار

☆ خفیہ ایجنسیاں

☆ متفرقات

جنرل مشرف سے اختلافات

- 12/ اکتوبر سے دو ماہ پہلے نجی محفل میں جنرل مشرف نے کہا ''وزیر اعظم بہت حرامی ہے''۔
- جرنیلوں کے دل میں چور تھا کہ کہیں کارگل کے مسئلے پر ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو جائے۔
- اپنے خلاف کارروائی سے روکنے کیلئے مجھے ہٹایا تا کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔
- جنرل مشرف کا خیال تھا کہ انہیں چیئرمین کمیٹی بنا کر فوجی سربراہ کسی اور کو بنا دیا جائے گا۔
- میں نے چیئرمین اس لئے بنا دیا کہ ان کا عدم تحفظ دور ہو اور اطمینان سے کام کر سکیں۔
- جنرل طارق پرویز نے انہیں کہا تھا کہ ہمیں کارگل کے مسئلے پر اعتماد میں نہیں لیا گیا۔
- میں نے فوج کے ساتھ بہت بنا کر رکھنے کی کوشش کی اُدھر سے نہیں بنی۔
- جنرل مشرف نے طارق پرویز کو نکالنے کیلئے اصرار کیا تو تناؤ سے بچنے کے لئے میں مان گیا۔
- طارق پرویز کو نکالنے پر فوج نے سرخیاں لگوائیں کہ وزیر اعظم سے ملاقات پر اسے نکال دیا گیا۔
- میں نے سیکرٹری دفاع سے کہا کہ جنرل مشرف سے کہہ کر اس کی تردید کروائی جائے۔
- جب تین دن تک اس کی تردید نہ ہوئی تو میں سمجھ گیا کہ یہ وزیر اعظم کا وقار ختم کر رہے ہیں۔
- یہی وہ بات تھی جس پر میں نے جنرل مشرف کو ہٹانے کا فیصلہ کیا۔
- ہمیں اطلاع مل رہی تھی کہ فوج ٹیک اوور کرنے والی ہے۔
- چند روز پہلے وزیر اعظم ہاؤس کی سیکورٹی کو نئے ایئر فون دیئے گئے۔

اختلاف کی وجہ

کارگل پر جنگ بندی کے بعد جنرل مشرف سے اختلاف کی وجہ کیا تھی؟

نواز شریف: دراصل بات یہ ہے کہ ان کے دل میں چور تھا۔ اور وہ یہی سوچ رہے تھے۔ حالانکہ میں

نے دل میں سے سب کچھ نکال دیا تھا یہ چند جرنیل اس مخمصے میں پھنسے ہوئے تھے کہ شاید میاں صاحب ہمارے خلاف کارگل کے ایشو پر کوئی کارروائی کروائیں گے۔ جنرل مشرف بھی، جنرل عزیز بھی اور جنرل محمود بھی۔ان کے دلوں میں یہ چیز بیٹھ گئی تھی۔ چونکہ وہ اس کے ذمہ دار تھے تو پھر احساس جرم تو ہوتا ہے ناں۔ انسان کے دل میں جب کسی چیز کا چور ہو تو وہ بات بڑی مشکل سے جاتی ہے تو وہ سمجھتے تھے کہ ایسی کوئی سٹیج آئے گی۔ توانہوں نے سوچا کہ اسی کو ہٹاؤ، نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

قصہ چیئرمین چیفس آف سٹاف کمیٹی کا

واقعات تو اس طرح نہیں ہوئے آپ نے تو اس کے بعد جنرل مشرف کو چیئرمین جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی بنا دیا تھا آپ نے سزا نہیں، انہیں انعام دیا تھا؟

نواز شریف: اس وقت ایسی صورتحال ایسی تھی کہ جنرل مشرف کو عدم تحفظ کا کمپلیکس ہو گیا تھا۔ وہ کارگل فوبیا کے شکار تھے میرا خیال ہے کہ اُن کو چین نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ممکن ہے کہ مجھے چیف آف آرمی سٹاف کی پوزیشن سے ہٹا کر شاید چیئرمین بنا دیا جائے کیونکہ چیئرمین کی پوزیشن اس وقت خالی تھی۔ تو مجھے وہاں بھیج دیا جائے ان کا خیال تھا کہ انہیں اوپر بھیج کر ان کی جگہ پر نیا آرمی چیف لگا دیا جائے گا میں نے کہا میں نے جب سارا کچھ بھلا ہی دیا ہے اور سب کچھ صاف کر دیا ہے میں نے ان کی اتنی بڑی غلطی کے باوجود انہیں معاف کر دیا میں انہیں ہٹانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ غلطیوں سے ہی انسان سیکھتا ہے تو ان کو بھی ایک موقع ملنا چاہیے۔ بجائے اس کے کہ میں اور نئی رسہ کشی میں اپنے آپ کو ڈال لوں اور ان کو یہاں سے نکال دوں تو میں نے صبر کر لیا۔ چونکہ ان کے دل میں عدم تحفظ تھا تو میں نے اوپر والا عہدہ چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کا بھی ان کو وقتی طور پر ساتھ ہی دے دیا۔ تاکہ اس کا دل مطمئن ہو جائے اور تسلی ہو جائے۔ میں نے کہا کہ دونوں عہدے موصوف کے پاس رہیں گے تاکہ یہ اطمینان سے اپنا کام کریں۔

لیکن انسان بنیادی طور پر ناشکرا ہوتا ہے ہونا تو چاہیے تھا کہ وہ احسان مند ہوتا یہاں تو کہا جاتا ہے کہ جس بندہ پر احسان کرو تو اس کے شر سے بچو۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ تو یہاں پر احسان کا بدلہ یہی ملتا ہے جو انہوں نے میرے ساتھ کیا ہے۔

جنرل طارق پرویز کا معاملہ

اس دوران آپ کی جنرل مشرف سے میٹنگ ہوتی رہیں؟

نواز شریف: بات یہ ہے کہ یہ اپنے یونٹس میں جا کر الٹا پیغام دیئے جا رہے تھے، اپنے فوجی یونٹوں اور بنکروں میں جا کر جو کہتے تھے مجھے ان سب کی اطلاع مل رہی تھیں۔ پھر مشرف نے پرائیویٹ میٹنگ میں غلیظ زبان استعمال کرنا شروع کر دی۔ میرے پاس وہ خفیہ رپورٹیں موجود ہیں جس میں انہوں نے وزیراعظم کو گالیاں تک دی ہوئیں ہیں۔ مجھے اور میری ذات کو، لیکن میں اپنی ذات کو بیچ میں لایا ہی نہیں۔ کیونکہ یہ ذات سے بالا معاملہ تھا۔ پھر ایک وقت آیا جب انہوں نے مجھے کہا کہ جنرل طارق پرویز کا میٹنگ میں انداز ٹھیک نہیں تھا تو میں ان کو نکالنا چاہتا ہوں میں نے کہا کہ آپ ان کو کیوں نکالنا چاہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا انہوں نے میٹنگ میں میرے ساتھ صحیح انداز میں گفتگو نہیں کی۔ حالانکہ یہ کوئی نکالنے کی وجہ تو نہیں ہوتی ہے۔ انسان کو سننا چاہیے جنرل طارق پرویز نے غالباً اسی بات پر اظہار خیال کیا تھا کہ آپ نے ہمیں تک نہیں بتایا کہ کارگل میں آپ کیا کرنے لگے ہیں جنرل طارق پرویز نے میٹنگ میں انہیں کہا کہ میں بھی کور کمانڈر ہوں کارگل آپریشن شروع کرنے سے پہلے مجھے اعتماد میں کیوں نہیں لیا گیا تو اس کا یہ خاطر خواہ جواب نہیں دے سکے۔ یہ کوئٹہ کے اندر بڑی تفصیلاً بریفنگ ہوئی۔ انہوں نے شاید یہ بھی کہا کہ آپ کو تو نواز شریف کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے آپ کو اور فوج کو بچا لیا ہے اور ہم سب کو بیل آؤٹ کر دیا ہے ورنہ پتا نہیں ہماری فوج کا اور کارگل آپریشن کا کیا انجام ہوتا اور ہمارا مقدر کیا ہوتا، یہ باتیں انہوں نے کیں، اب بتائیں کہ یہ بات اگر کوئی کہتا ہے تو یہ بات ایسی تو نہیں کہ ناراض ہوا جائے بلکہ اس پر توجہ دینی چاہیے، الٹا یہ رائے قائم کر لی کہ اس شخص نے اگر سچی بات بتائی تو میں اس کو فارغ کروں اور نکالوں۔ اس طرح تو سارے کور کمانڈروں کو نکالنا چاہیے تھا کیونکہ ان کو بھی اعتماد میں نہیں لیا گیا تھا اور اعتماد میں نہ لینے کا ثبوت میرے پاس موجود ہے جو میں آپ کو ابھی بتاتا ہوں (ضمیمہ جات میں جنرل عزیز اور جنرل مشرف کی ٹیلی فون بات چیت کی رپورٹ)۔ تو جناب یہ ساری چیزیں ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے میرے پاس آ کر کہا کہ جنرل طارق پرویز کو نکالیں۔ میں نے کہا کہ کیوں نکالیں۔ مجھے وجہ بتائیں۔ آپ یقین کریں کہ مجھے انہوں نے اصرار کیا تو میں اس پر بھی مان گیا۔ کیونکہ میں چاہتا تھا کہ میں تناؤ اور لڑائی والا ماحول نہ پیدا کروں۔ یا تو میں موصوف کو ہی فارغ کروں گا۔ اگر فارغ نہیں کرتا تو پھر ایک Tension free تعلق تو کم از کم چلنا چاہیے۔ اب اس حد تک میں نے صبر کیا اور اس حد تک ان سے گزارا کرنے کی کوشش کی جیسا کہ آپ نے مجھے سوالوں میں پوچھا کہ آپ کی ان سے کیوں نہیں بنتی رہی؟ اب میرا خیال ہے کہ میں نے بہت زیادہ صبر کا مظاہرہ کر کے ان سے بنا کر رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ اب بنی تو پھر کدھر سے نہیں بنی۔ ان کی طرف سے نہیں بنی۔ پھر کیا ہوا؟ اگلے دن اخباروں میں سرخیاں لگ گئیں کہ وزیراعظم سے ملنے

پر جنرل طارق پرویز کو فارغ کیا گیا ہے۔ میں نے سیکرٹری ڈیفنس کو کہا کہ یہ سرخی کیسے لگی ہے؟ سیکرٹری ڈیفنس ریٹائرڈ فوجی آدمی ہے اور کسی وقت بھی اس سے پوچھا جا سکتا ہے تو میں نے کہا کہ یہ کیسے سرخی لگ گئی ہے؟ ایک تو طارق پرویز مجھ سے ملا ہی نہیں ہے، اگر مل بھی لیتا تو کیا گناہ ہوتا، وزیراعظم کو کیا کوئی جرنیل یا کور کمانڈر نہیں مل سکتا۔ تو یہ کیا پیغام قوم کو دیا جا رہا ہے، وزیراعظم کی اتھارٹی کو ختم کیا جا رہا ہے، کہ ایک منتخب کردہ وزیراعظم کو ایک جرنیل مل رہا ہے، اس کی سزا جرنیل کو یہ دی جا رہی ہے کہ وہ اس کو ملا کیوں ہے، حالانکہ ملاقات ہوئی ہی نہیں۔ تو میں نے ان سے کہا کہ جنرل مشرف کو کہیں کہ اس بات کی تردید دیں۔ انہوں نے تردید دینے سے انکار کر دیا۔ میں نے چیک کروایا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں آئی ایس پی آر (ISPR) سے یہ خبر آئی تھی۔ ہمیں پتا تھا کہ (ISPR) کی طرف سے یہ Leak کیا گیا ہے وہیں سے تردید آنی چاہیے تھا اس کی تردید چھپنی چاہیے تھی اور فوجی ذرائع سے چھپنی چاہیے تھی۔ لیکن انہوں نے نہیں دی جنرل مشرف سری لنکا چلے گئے۔ میں نے سیکریٹری دفاع سے کہا کہ جی آپ سری لنکا ان سے بات کریں۔ وہ جو قائمقام چیف آف آرمی سٹاف سعید الظفر صاحب تھے، میں نے کہا کہ ان سے آپ بات کریں میں نے سیکرٹری ڈیفنس جنرل افتخار کو کہا کہ آپ سعید الظفر صاحب سے کہیں کہ وہ سری لنکا میں ان سے بات کریں۔ انہوں نے آئیں بائیں شائیں کر دیا تو انہوں نے کہا رابطہ نہیں ہو رہا۔ ایک دن تردید نہیں ہوئی، دو دن تردید نہیں ہوئی۔ تین دن تردید نہیں ہوئی تو صبر کی کوئی حد ہوتی ہے۔ آئین اور قانون کے اعتبار سے پرائم منسٹر کی اتھارٹی اگر ختم ہو جائے تو اس کو کم از کم برداشت کرنا ممکن نہیں ہوتا اور برداشت کرنا بھی نہیں چاہیے۔ تو میں نے کہا یہ ایسی بات ہے تو میں نے اس کا پھر نوٹس لیا۔ یہ وہ فیصلہ کن بات تھی جو مشرف کو ہٹانے کے فیصلہ کی وجہ بنی۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بڑا اہم واقعہ ہوا کہ انہوں نے اچانک ''111'' بریگیڈ کا کمانڈر بدل دیا۔ نئے کمانڈر کے آنے کے بعد ہم نے پرائم منسٹر ہاوس کے فوجی پہرہ کے حوالے سے کچھ تبدیلیاں دیکھیں ان کے ایئرفون لگے ہوئے تھے، وہ ہر آنے جانے والے کو نوٹ کر رہے تھے اور ہماری موومنٹ کو بھی نوٹ کرتے رہے۔ ان کو ایک خاص قسم کا ٹیلی کمیونیکیشن سیٹ ملا میں نے اپنے ملٹری سیکرٹری بریگیڈئر جاوید ملک سے پوچھا کہ یہ کوئی نئی چیز میں دیکھ رہا ہوں اور نئے طریقے سے یہ لوگ ایکٹ کر رہے ہیں اس کا پتہ کریں کہ کیوں ایسا ہے؟ انہوں 111 بریگیڈ کے کمانڈر سے بات کی، بریگیڈئیر جاوید ملک نے بات کی تو پھر یہ وائرلیس سیٹ واپس لے لئے اور ہمیں شش و پنج میں ڈال دیا کہ کیا وجہ تھی کہ انہوں نے بغیر کسی وجہ کے یہ نئی چیز شروع کی اور جب ہم نے نوٹس لیا تو پھر اسے واپس لے لیا گیا۔ ہمیں کوئی وجہ بھی نہیں بتائی گئی کہ جناب ہم نے یہ کام اس لئے کیا تھا۔ ہمارے اپنے بھی

ذرائع تھے جن سے ہمیں اطلاع ملتی تھی اور ارد گرد سے بھی اطلاعات ملتی تھیں۔ وہ بڑی ہی عجیب تھیں۔ موصوف پرویز مشرف کی گفتگو کے حوالے سے جو بیانات آتے تھے، نجی محفلوں میں وہ جو باتیں کرتے تھے، اس وقت اور بھی بہت سی باتیں پھیلی ہوئی تھیں کہ جی شاید فوجی ٹیک اوور ہونے والا ہے۔

نجی محفلوں کے حوالے سے آپ کے پاس کس قسم کی اطلاعات آتی تھیں، ان کی تفصیل کیا ہے؟

نواز شریف: انٹیلی جنس بیورو نے مجھے 12 اکتوبر سے 2 ماہ پہلے ایک ٹیپ دی جس میں جنرل پرویز مشرف کی گفتگو تھی اس میں انہوں نے کہا تھا ''یہ وزیر اعظم بہت حرامی ہے یہ مجھے کبھی بھی چیئر مین چیفس آف سٹاف کمیٹی نہیں بنائے گا'' ایک اور پرائیویٹ محفل میں جنرل پرویز مشرف نے کہا ''I will sort this barstard out'' ان حالات میں اور اس گفتگو کے سننے کے باوجود میں نے جذبات کو قابو میں رکھا اور سوچا کہ یہ ذاتی باتیں ہیں قومی مفادات ان باتوں سے بہت بڑے ہوتے ہیں اور ان گالیوں کے باوجود میں نے جنرل مشرف کو چیئر مین جائنٹ چیفس آف سٹاف بنا دیا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

فیصلہ کن لمحات

- مجھے اسمبلیاں توڑنے کے کاغذ پر دستخط کرنے کو کہا تو میں نے کہا over my dead body
- میں نے کاغذ اٹھا کر باہر پھینک دیا تو مجھے کہا گیا کہ آپ سے بدلہ لیا جائے گا۔
- جرنیل پہلے سے اقتدار پر قبضہ کے لئے تیار بیٹھے تھے ورنہ چند گھنٹوں میں بغاوت ممکن نہ تھی۔
- جنرل مشرف کو ہٹانے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا ان کے عزائم میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی۔
- جنرل ضیاءالدین میں کوئی خامی نہ تھی وہ ہر معاملے کو بخوبی سمجھتے تھے۔
- جنرل مشرف، جنرل ضیاءالدین کے بارے میں خود کہتے تھے کہ یہ ذہین ترین جرنیل ہے۔
- مشرف کو نکالنے کا رسک ضروری تھا ورنہ وزارت عظمیٰ توہین آمیز ہو چکی تھی۔
- جب مشرف کو ہٹانے کا فیصلہ کیا تو وہ فضا میں نہیں بلکہ سری لنکا میں تھے۔
- میں نے کور کمانڈر کراچی کو ہدایت کی کہ ریٹائرڈ چیف آف آرمی سٹاف کا عزت سے استقبال کیا جائے۔
- جمہوریت کو شب خون سے بچانے کے لئے جنرل مشرف کو ہٹانے کا فیصلہ ضروری تھا۔

ٹیک اوور کا خطرہ

فیصلہ کن لمحات میں جب جنرل مشرف کو ہٹانے کا فیصلہ کیا تو کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو پہلے سے اندازہ تھا کہ فوج ٹیک اوور کرنے والی ہے؟

نواز شریف: کافی حد تک اس طرح کی اطلاعات مل رہی تھیں کہ شاید وہ ٹیک اوور کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے، کارگل پر جوان کے دل میں چور تھا، اس سے بچنے کے لئے، اس کی انکوائری سے بچنے کے لئے اور اپنی کھال بچانے کے لئے یہ کام کرنا چاہتے تھے۔

فضاء میں کیوں ہٹایا؟

پھر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ آپ نے چیف آف آرمی سٹاف کو جب وہ فضا میں تھے ہٹا دیا، کیا انتظار نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ واپس آ جائیں؟

نواز شریف: جی، ایک تو میں نے بات بتائی جنرل طارق پرویز کی۔ دوسرا یہ بھی ایک ہٹانے کی وجہ تھی کہ ایک جمہوری حکومت ملک میں چل رہی تھی، اس کو ایک شب خون پڑنے کا خطرہ تھا۔ اور یہ ان لوگوں کے دلوں میں کارگل کے معاملے پر چور تھا، یہ قانون کے مجرم تھے، ان کے دل صاف نہیں تھے۔ ان کے دلوں میں بغض بھرا ہوا تھا۔ پھر یہ کوئی ایسے موقع کی تلاش میں تھے جب یہ پرائم منسٹر کو فارغ کر سکیں تاکہ یہ کارگل کا ایشو ہی ختم ہو جائے آئندہ اس کی کوئی پوچھ گچھ نہ ہو۔ تو یہ سب چیزیں تھیں۔ ایک پرائم منسٹر کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ماورائے آئین اقدامات سے بچانے کے لئے آئین کی حفاظت کرے تو میں نے اس لحاظ سے بھی اپنا فرض ادا کیا کہ ہم اپنی جمہوریت کو پٹڑی سے اترنے سے بچائیں۔ اس حوالے سے بھی یہ فیصلہ صحیح تھا۔

اب آپ نے جو یہ کہا کہ جہاز میں تھے۔ تو جہاز میں نہیں تھے موصوف، وہ اس وقت ابھی سری لنکا میں تھے لیکن اس دن آنے والے تھے۔ میں یہ فیصلہ ایک دو دن پہلے کرنا چاہتا تھا، لیکن میں نے نہیں کیا کہ وہ ابھی ایک غیر ملک میں ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ مناسب نہیں کہ وہ اس وقت دورے پر ہو، دورہ ختم کر کے جس دن انہوں نے ملک واپس پہنچنا ہو گا، اس دن میں یہ فیصلہ کروں گا، وہ اس دن پہنچنے والے تھے، راستے میں تھے میں نے کہا کہ جب وہ آئیں گے تو ان کو یہ فیصلہ مل جائے گا، موصول ہو جائے گا۔ پھر میں نے اپنے ملٹری سیکرٹری کو کہا کہ کور کمانڈر کراچی کو ٹیلی فون کریں کہ مشرف کا جہاز جب آئے، ان کا ایئرپورٹ پر عزت کے ساتھ استقبال کریں اور ان کو بطور ریٹائرڈ چیف آف آرمی سٹاف ریسیو کرنے کے بعد ان کے گھر تک لے جائیں۔ میرا مقصد یہ تھا کہ انہیں بطور سابق چیف آف آرمی سٹاف عزت دی جائے اور کور کمانڈر ان کو ان کے گھر تک عزت کے ساتھ پہنچا دے اور ان کو بتا دے کہ جناب یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور اس کے بعد وہ اپنے گھر میں رہیں، جو چاہیں جیسے چاہیں کریں۔ تو یہ ایک باعزت طریقہ تھا کہ ہم کور کمانڈر کو خود کہہ رہے ہیں کہ آپ جا کر وہاں پر ان کو ریسیو کریں اور ان کو بتا دیا کہ ہم نے جنرل مشرف کو ریٹائر کر دیا ہے پھر باقی کور کمانڈروں کو بھی یہ اطلاع دی گئی جنرل ضیاء الدین صاحب جو نئے چیف آف آرمی سٹاف تھے، ان کو میں نے کہا کہ آپ سب کور کمانڈروں کو اطلاع کر دیں۔ چیف آف جنرل سٹاف جنرل عزیز کو بھی اطلاع کر دیں، جنرل محمود کو بھی اطلاع کر دیں۔

ہمارے دل میں تو بدلہ لینے کی کوئی خواہش یا ارادہ نہ تھا ہم تو باعزت ریٹائرمنٹ کے لئے ان سے بات کر رہے تھے۔

جہاز کی ہائی جیکنگ؟

لیکن آپ پر الزام تو یہ ہے کہ آپ نے فضاء میں جہاز کو روکا اور جنرل مشرف سمیت بہت سے مسافروں کی جانوں کو خطرے میں ڈالا آپ نے جہاز کو ہائی جیک کروانے کی کوشش کی؟

نواز شریف: سب غلط باتیں ہیں۔ یہ تو سب خود ساختہ کہانیاں ہیں جو مشرف جتنی چاہے، اتنی کرے میں نے بھلا زمین پر بیٹھ کر فضا میں جہاز کو کیسے روکنا تھا۔ اور کبھی زندگی میں ایسا نہ سوچا نہ کیا تو کیا پرائم منسٹر بن کر ہی ایسا کرنا تھا اور سوچنا تھا۔ ورنہ مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں کور کمانڈر کراچی کو ایسا کہتا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کور کمانڈر کراچی کو کہنا کہ آپ ایئر پورٹ پر جا کر ان کا استقبال کریں۔ میرا ایسا کوئی برا ارادہ نہیں تھا، کوئی بات کوئی بنیاد نہیں تھی۔ پھر غوث علی شاہ کو میں نے کہا کہ آپ ایئر پورٹ جائیں اور ان کو ایئر پورٹ پر جا کر میرا یہ پیغام دیں اور وہاں پر ان سے بات کر کے ان کو اپنے گھر عزت کے ساتھ پہنچا دیں۔

رسک تو تھا

جب آپ نے یہ فیصلہ کیا تو آپ کو خدشہ تو ہوگا کہ آپ کا تختہ الٹا جا سکتا ہے؟

نواز شریف: یہ رسک تو لینا تھا اور اس طرح کا رسک پرائم منسٹر کو لینا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے اپنے ملک وقوم کی خاطر اپنے ملک کی بقا کے لئے اور ساتھ ہی اپنے آئین کو کسی ماورائے آئین اقدامات سے بچانے کے لے رسک تو لینا پڑتا ہے پھر ظاہر ہے کہ جب وزیر اعظم کی آئینی اتھارٹی اور رٹ آف دی گورنمنٹ پر آنچ آتی ہے، جب اصولوں پر سمجھوتہ کے لئے مجبور کیا جاتا ہے جب آئینی عہدوں کی اہمیت کم ہوتی ہے تو یا تو آپ اس عہدے کو چھوڑ دیں یا آپ رسک لیں۔ کیونکہ ایسے حالات کے بعد جب کہ اس طرح کی باتیں چھپنا کہ جنرل طارق پرویز کو اس لئے فوج سے نکالا گیا ہے کہ وہ پرائم منسٹر کو ملا ہے، پھر اس کے بعد پرائم منسٹری کرنا بذات خود بڑی توہین آمیز چیز تھی۔

جنرل ضیاء الدین کی چوائس

جنرل ضیاء الدین کے حوالے سے آپ کیا کہیں گے؟ کیا آپ اب بھی سمجھتے ہیں کہ جنرل ضیاء الدین کا انتخاب درست تھا بہت سے لوگ آپ کے انتخاب سے اختلاف رکھتے ہیں؟

نواز شریف: جنرل ضیاء الدین اس عہدے کے لئے فٹ آدمی تھا۔ اس میں کوئی خامی نہ تھی، ہر لحاظ سے ان کی کوالیفکیشن مکمل تھی وہ سینئر ترین افسر تھا اور آرمی میں اہم ترین عہدوں پر خدمات انجام دے چکا تھا۔ کور کمانڈر رہ چکے تھے اور ویسے بھی کافی ذہین آدمی سمجھے جاتے تھے۔ پھر وہ ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی تھا۔ ہر معاملے کو بخوبی سمجھتے تھے۔ ایک بڑی اہم پوزیشن میں Serve کر رہے تھے۔ بلکہ جب ان کی تقرری بطور ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی ہوئی تھی تو پرویز مشرف صاحب نے کہا جنرل عزیز کو یا جنرل ضیاء الدین میں سے کسی ایک کا تقرر کر لیں۔ اگر آپ جنرل ضیاء الدین کو ڈی جی آئی ایس آئی (DG ISI) نہیں لگائیں گے تو میں ان کو چیف آف جنرل سٹاف لگا لیتا ہوں۔ اگر آپ جنرل ضیاء الدین کا آئی ایس آئی میں تقرر کرتے ہیں تو میں جنرل عزیز چیف آف جنرل سٹاف لگا لیتا ہوں یہ باتیں اس کی تقرری پر ہوئیں تھیں اور مجھ سے خود مشرف نے تعریف کی تھی کہ جنرل ضیاء الدین بہت ذہین جرنیل ہے اور بہت سی خوبیوں کا مالک ہے۔

کیا یہ سچ ہے کہ جنرل ضیاء الدین کا انتخاب کشمیری ہونے کی بناء پر کیا گیا تھا کیا آپ برادریوں پر یقین رکھتے ہیں؟

نواز شریف: نہ میں برادریوں پر یقین رکھتا ہوں اور نہ ہی اس سوال کی ضرورت ہے۔ ان باتوں کو چھوڑیں۔

اور کیا کرتا

کیا آپ کے پاس جنرل مشرف کو ہٹانے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا؟

نواز شریف: نہیں کوئی اور راستہ نہیں تھا جب آپ کو علم ہو کہ یہاں وزیر اعظموں کا کیا حشر ہوتا رہا ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دے دی گئی جونیجو کو ہٹایا گیا میری اور بے نظیر بھٹو کی حکومتیں ختم کی گئیں جب ہر

معاملے میں وزرائے اعظموں کے ساتھ زیادتی اور بدمعاشی کی جائے تو کیا آپ عوامی حقوق کی خاطر، وزیر اعظم کے عہدے کے وقار کی خاطر عوامی مینڈیٹ کی خاطر، ان جرنیلوں کے عزائم میں رکاوٹ نہیں بنیں گے مزاحمت نہیں کریں گے۔

یہ پہلے سے تیار تھے

کیا یہ سچ ہے کہ فوج کو اچانک اقتدار پر قبضے کا فیصلہ کرنا پڑا یا پھر یہ پہلے تیار بیٹھے تھے؟

نواز شریف: سچ تو یہ ہے کہ جرنیل اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے پہلے سے تیار بیٹھے تھے ورنہ چند گھنٹوں میں بغاوت ممکن نہیں ہوتی ٹیک اوور کے بعد 12 اکتوبر کی رات میرے پاس جنرل محمود اور جنرل علی جان اورکزئی آئے اور کہا: ''اس کاغذ پر دستخط کر دیں'' اس کاغذ پر وزیر اعظم کی طرف سے اسمبلیاں توڑنے کا مشورہ تحریر تھا۔ میں نے انکار کیا اور کہا: ''Over my dead body'' اور کاغذ اٹھا کر پھینک دیا۔ اس پر ان جرنیلوں نے کہا: ''اب آپ سے بدلہ لیا جائے گا''۔ بعد ازاں مجھے وہاں سے چند فٹ کے کمرے میں منتقل کر دیا اور اس کے شیشوں کو رنگ دیا گیا کہ میں باہر بھی نہ دیکھ سکوں۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

فوج کا کردار

- فوجی حلف میں تبدیلی ہونی چاہئے تاکہ وزیراعظم ہاؤس پر قبضے کا غیر قانونی حکم کوئی نہ مانے۔
- پارلیمنٹ کو سپریم کورٹ کا کردار ادا کرتے ہوئے آئین توڑنے والوں کو سزا دینی چاہئے۔
- آٹھویں ترمیم سیفٹی والو نہیں حکومت کے لئے ایک رکاوٹ تھی۔
- فوج سیاست میں آنے والی ہوتی کون ہے یہ کیسے کسی کا احتساب کر سکتے ہیں۔
- اگر فوج اپنا احتساب کرتی تو یحییٰ خان جیسے لوگ فوج کے سربراہ کیسے بنتے۔
- اگر فوج برسر اقتدار نہ ہوتی تو مشرقی پاکستان کبھی الگ نہ ہوتا۔
- دفاعی خریداریوں میں بدعنوانیوں کا احتساب آج تک نہیں ہوا۔
- چار پیسوں کا احتساب کرنا کوئی بڑی بات نہیں ملک توڑنے والوں کا احتساب نہیں ہوا۔
- ایڈمرل منصور الحق کو میں نے نکالا، صدر لغاری اور جہانگیر کرامت نے مخالفت کی۔

فوجی حلف میں تبدیلی

آپ دو دفعہ وزیراعظم رہے ہیں آخر منتخب حکومتوں اور فوج کا تضاد کیسے ختم ہو سکتا ہے، آپ کی نظر میں اس مسئلے کا حل کیا ہے؟

نواز شریف: ہر فوجی، آئین پاکستان کا حلف لیتا ہے اسے لازمی طور پر اس حلف کی پابندی کرنی چاہیے میرے خیال میں فوج کے حلف میں تبدیلی کی جانی چاہیے کہ آئندہ بھی فوج کو ان کا کمانڈر یا چیف آف آرمی سٹاف، وزیراعظم ہاؤس یا دوسری عمارتوں پر قبضہ کرنے کا حکم دے تو وہ اس حکم کو غیر آئینی اور اپنے حلف کی خلاف ورزی سمجھتے ہوئے اسے ماننے سے انکار کر دیں فوج کے حلف میں یہ پہلے سے لکھا

ہوا ہے کہ آپ آئین پاکستان اور سویلین حکومت کے وفادار رہیں گے۔ آئندہ کے لئے یہ بھی طے ہونا چاہیے کہ مارشل لاء لگانے، اپنا حلف توڑنے اور آئین کو سبوتاژ کرنے والوں کو آرٹیکل 6 کے تحت سزا ملنی چاہیے۔ پارلیمنٹ کو سپریم کورٹ آف پاکستان کے طور پر اپنا رول ادا کرتے ہوئے آئین کو سبوتاژ کرنے والوں کو مثالی اور عبرتناک سزا دینی چاہیے۔

آٹھویں ترمیم

آپ نے آٹھویں ترمیم ختم کردی اس کے حامی کہتے ہیں کہ یہ سیفٹی والو تھا جو آپ نے ختم کردیا یوں صدر بالکل بے بس ہوگیا تھا۔ اور فوج کے لئے آنے کا راستہ ہموار ہوگیا تھا؟

نواز شریف: آٹھویں ترمیم کے سیفٹی والو سے کیا مراد ہے یہ سیفٹی والو نہیں کام کے راستے میں رکاوٹ تھی یعنی کہ یہ فوج کے روکنے کے لئے ایک سیفٹی والو تھا؟ بھئی فوج آئے کیوں اقتدار میں، فوج کا سیاست میں کیا کام ہے؟ فوج کون ہوتی ہے ملک کے اندر سیاست دانوں یا حکومت کا احتساب کرنے والی، کون ہے، وہ۔ اگر فوج کے اندر احتساب کرلیں تو یحییٰ خان جیسے بندے کبھی منظر عام پر نہ آتے، پرویز مشرف جیسے بندے کبھی منظر عام پر نہ آتے۔

لیکن فوج کا نقطہ نظر ہے کہ وہ ملک کی حفاظت کے لئے آتے ہیں، اگر ملک تباہی کے کنارے پر آجائے تو کیا اسے فوج نہ بچائے؟

نواز شریف: ملک کی حفاظت سرحدوں پر ہوتی ہے یا اسلام آباد میں بیٹھ کر حکومت میں ہوتی ہے۔

فوج مجبوری میں آتی ہے

فوج والے کہتے ہیں کہ جب ملک خراب ہوجاتا ہے تو مجبوری میں ہم آجاتے ہیں؟

نواز شریف: اور خراب کر کے چلے جاتے ہیں یعنی مجھے بتائیں، جب ملک خراب ہوا، اس وقت بھی فوج تھی جب مشرقی پاکستان تھا، اور جب مشرقی پاکستان کٹ گیا تو اس وقت بھی فوج تھی۔ اگر فوج پہلے نہ آتی، تو مشرقی پاکستان کبھی آپ سے نہ کٹتا۔ اگر آپ مشرقی پاکستان کو اور پورے ملک کو سیاست دانوں کے حوالے کرتے، شیخ مجیب الرحمٰن کو اس کا مینڈیٹ دیتے اور اس کو کہتے کہ پورا ملک چلاؤ تو کبھی مشرقی پاکستان نہ ٹوٹتا۔ اسی لئے ٹوٹا ہے کہ فوج نے مینڈیٹ کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ احتساب

ان چیزوں کا ہونا چاہیے۔ احتساب فوج کے نیب کے اداروں کے ذریعے کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس نے بگاڑ پیدا کیا ہے۔ ابھی مجھے بتائیں کہ پچھلے چار چھ سالوں کا احتساب ملک کو کہاں لے گیا اور کیا احتساب ہوا ہے۔

المیہ مشرقی پاکستان

آپ کا کیا خیال ہے کہ المیہ مشرقی پاکستان کے جو کردار ہیں، ان کا احتساب ہونا چاہیے؟

نواز شریف: ضرور ہونا چاہیے۔ اس احتساب کے بغیر احتساب کا طریقہ کار کبھی مکمل نہیں ہوگا یہ اصل احتساب ہے۔ چار پیسوں کا کسی کا احتساب، احتساب نہیں کہلاتا۔ ایک طرف ملک ٹوٹا ہوا ہے، اسی کا احتساب کسی نے کیا نہیں ہے اور چار پیسے اگر کوئی بنا کر چلا گیا ہے، کوئی جھوٹا یا سچا کیس ہے تو اس کا احتساب ہو رہا ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ ڈیفنس کی بہت بڑی ڈیل ہوتی ہے۔ کوئی جہازوں کی خریداری ہے، آبدوزوں کی خریداری ہے، ٹینکوں کی خریداری ہے۔

دفاعی خریداروں میں بدعنوانیاں

کیا آپ کے علم میں دفاعی خریداریوں میں ایسی بدعنوانیاں آئیں ہیں؟

نواز شریف: میرے علم میں ایسی بہت سی بدعنوانیاں ہیں جن کا احتساب آج تک کسی نے کیا ہی نہیں ہے۔

تو آپ کو احتساب کرنا چاہیے تھا؟

نواز شریف: احتساب کا بھی ایک اپنا وقت ہوتا ہے۔

کیا آپ احتساب کرنے والے تھے؟ وہ وقت کب آنا تھا؟

نواز شریف: ہوسکتا ہے۔ ہم نے احتساب ایک تو کیا ہے، ہمارے زمانے میں تو ایڈمرل منصور الحق کو اپنے عہدے سے نکالا گیا تھا۔ کیوں نکالا گیا تھا؟ کیونکہ انہوں نے ہیرا پھیری کی تھی۔ اور یہ ہیرا پھیری آبدوزوں کے کنٹریکٹ میں کی تھی۔ میں نے قدم اٹھالیا اور ان کو نکالا گیا۔ ورنہ اس وقت چیف آف آرمی سٹاف جہانگیر کرامت اور صدر فاروق لغاری اس حق میں نہیں تھے۔ میں نے لغاری صاحب سے کہا کہ بھئی آپ صدر ہیں آپ ان سے بلا کر بات کریں کہ آپ کے خلاف یہ چارج شیٹ ہے۔ یہ الزام ہے اور یہ حقیقت ہے۔ جہانگیر کرامت صاحب بھی وہاں پر موجود تھے لیکن انہوں نے کہا کہ جی

میرے لئے تو یہ مشکل ہے۔ پھر یہ ذمہ داری مجھ پر آئی کہ میں ان تک یہ ساری بات پہنچاؤں میں نے سیکرٹری دفاع کو کہا کہ آپ ان کو بلائیں اور بتائیں کہ وہ استعفیٰ دیں۔ سیکرٹری دفاع خود ان کے گھر گئے، خود جا کر ان سے بات کی اور انہوں نے از خود پیش کش کی کہ ٹھیک ہے میں استعفاد ے دیتا ہوں۔ پھر میں نے اس معاملے کو حل کروایا اور یہ احتساب کا پہلا قدم تھا جو ہم نے اٹھایا تھا۔ آپ دیکھیں کہ وہ سارا واقعہ سچ نکلا ہے اور اب سنا ہے کہ نیب والوں نے ان کے ساتھ بھی ڈیل کر لی ہے نیب کا تو یہ کردار رہا ہے۔ میں نے جہانگیر کرامت صاحب سے خود بیٹھ کر بات کی تھی کہ اس ایڈمرل منصور الحق کے خلاف یہ چیز ثابت ہوئی ہے تو اس کے خلاف ایکشن ہونا چاہیے اور مقدمہ چلنا چاہیے۔ جہانگیر کرامت صاحب کہنے لگے کہ جی رہنے دیں، چھوڑ دیں، نہ کریں، یہ جہانگیر کرامت صاحب نے خود کہا کہ وزیراعظم صاحب، ایسا ایکشن مت لیں، چھوڑ دیں۔

کیا وجہ تھی، جنرل جہانگیر کرامت نے ایسا کیوں کہا؟

نواز شریف: اب وجہ کی تو کوئی دلیل نہیں تھی سوائے اس کے آپ اس کو مزید آگے نہ چلائیں حالانکہ اس کو آگے چلانا چاہیے تھے غالباً مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ میں ان کی بات مان لیتا۔ تو یہ دیکھیں کہ وزیر اعظم چیف آف آرمی سٹاف کے لئے کس حد تک لچک کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن ان کا رویہ پھر دیکھیں کہ ایک منتخب وزیراعظم کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

خفیہ ایجنسیاں

- دو جرنیلوں نے منشیات سرکاری طور پر سمگل کرنے کی تجویز دی تھی میں نے رد کر دی۔
- حکومت کی مرضی کے بغیر دوسرے ممالک میں خفیہ آپریشن کیے جاتے ہیں۔
- غلط کام خفیہ ایجنسیاں کرتی ہیں اور نتائج حکومتوں کو بھگتنے پڑتے ہیں۔
- حسینہ واجد، گجرال اور حسین محمد ارشاد نے آئی ایس آئی کی مداخلت کا الزام لگایا۔
- آئی ایس آئی حکومت کے ماتحت کام نہیں کرتی۔
- چیف آف آرمی سٹاف اپنے آپ کو بادشاہ یا سپر پرائم منسٹر سمجھتا ہے۔
- آصف نواز نے کیپ اتار دی تاکہ وزیراعظم کو سیلوٹ نہ کرنا پڑے۔
- اگر فوج نے اقتدار پر قبضہ کرنا ہوتا ہے تو پھر چیف آف آرمی سٹاف کا الیکشن ہونا چاہئے۔
- جب تک آئی ایس آئی کا رول ختم نہیں ہوگا سیاسی نظام مستحکم نہیں ہو سکتا۔
- بطور وزیراعظم میرے ٹیلی فون ٹیپ ہوتے تھے حاضر سروس بریگیڈئر ملوث تھے۔
- آئی ایس آئی میں کوئی بھی باوردی افسر نہیں ہونا چاہئے۔

ایجنسیوں کی من مانی

پاکستان کے بیشتر وزرائے اعظم کو یہ شکایت رہی ہے کہ خفیہ ایجنسیاں ان سے بالا بالا ہی سارے کام کرتی ہیں اس حوالے سے آپ کا کیا تجربہ رہا؟

نواز شریف: پاکستان میں خفیہ ایجنسیاں بہت منہ زور ہو چکی ہیں صدر اور وزیراعظم کو بتائے بغیر کام کیے جاتے ہیں دنیا میں کہیں بھی یہ تصور نہیں ہے کہ خفیہ ایجنسیاں حکومت کی اجازت کے بغیر کام کریں کیونکہ

آپ دنیا میں یا ملک کے اندر جو بھی کارروائی کریں اس کی ذمہ داری تو حکومت پر آتی ہے اور اسے ہی دنیا کے سامنے جواب دہ ہونا پڑتا ہے پاکستان میں غلط کام تو خفیہ ایجنسیاں کرتی ہیں اور جوابدہی حکومت کی ہوتی ہے جسے ان معاملات کا علم ہی نہیں ہوتا مثلاً میرے پہلے دور حکومت میں ایک بار دو سینئر فوجی جرنیل ملنے آئے، میٹنگ شروع ہوئی تو ایک جنرل نے کہا کہ: ''ملک کی معاشی حالت سنوارنے کے لئے منشیات کو حکومتی سرپرستی میں بیرون ملک بھجوایا جائے ہیروئن برآمد کرنے سے ملک کی معاشی تقدیر بدل جائے گی''۔ میں اس بات پر حیران ہوا اور میں نے سختی سے پوچھا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں تو جرنیل نے جھینپتے ہوئے کہا کہ یہ تو صرف تجویز ہے اس پر دوسرے جنرل بولے کہ: ''تمام ترقی یافتہ ملکوں نے بلیک منی سے ہی ترقی کی ہے انگلینڈ ہو یا سوئٹزرلینڈ یہ سب بلیک منی سے ہی امیر ہوئے تھے امریکہ نے دوسرے ممالک کی دولت لوٹی ہے ہمیں بھی چاہیے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور ملک کو منشیات کی سمگلنگ سے خوشحال بنالیں''۔ میں نے سختی سے یہ تجویز رد کردی۔

خارجہ پالیسی میں مداخلت

بے نظیر بھٹو کا یہ بھی کہنا ہے کہ فوج کے خفیہ ادارے خارجہ پالیسی کے دائرہ کار میں بھی مداخلت کرتے ہیں یہ بات کتنی درست ہے آپ کے تجربات کیا کہتے ہیں؟

نواز شریف: کیا سناؤں اور کیا نہ سناؤں۔ وزیراعظم کو اپنا دل بہت بڑا رکھنا پڑتا ہے اور بہت سی باتوں پر پردہ ڈالنا پڑتا ہے۔ اپنے دوسرے دور حکومت میں سہ ملکی کانفرنس کے حوالے سے ڈھاکہ گیا۔ وہاں میری بھارتی وزیراعظم اندر کمار گجرال سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پاکستان کے لئے بڑے نیک جذبات کا اظہار کیا اور کہا کہ میں ذاتی طور پر پاکستان سے اچھے تعلقات کا حامی ہوں، لیکن آپ کی آئی ایس آئی بھارت میں بدامنی پھیلاتی ہے اور یہ سب کچھ پاکستان کی سیاسی حکومت کی مرضی کے بغیر ہوتا ہے جب کہ بھارت میں ایجنسیاں ایسا نہیں کرسکتیں۔ میں نے بھارتی وزیراعظم کو کہا کہ: ''آئی ایس آئی کو ہر بات کا ذمہ دار ٹھہرانا فیشن بن چکا ہے''۔ وہیں ڈھاکہ میں میری ملاقات بیگم حسینہ واجد سے ہوئی انہوں نے شدید گلہ کیا کہ: ''بنگلہ دیش میں ان کے سیاسی مخالفوں کو پاکستانی آئی ایس آئی فنڈ دیتی ہے اور بنگلہ دیش میں گڑبڑ کروانے میں بھی آئی ایس آئی کا حصہ ہے''۔ ڈھاکہ میں میری تیسری ملاقات بنگلہ دیش کے سابق صدر جنرل حسین محمد ارشاد سے ہوئی انہوں نے کہا کہ: ''وہ پاکستان کے حامی ہیں انہیں پاکستانی فوج سے بھی محبت ہے لیکن آئی ایس آئی نے ان کے 18 حامی اراکین کو خالدہ

ضیاء کے ساتھ شامل کروا دیا ہے اور ان کے پاس اس کے دستاویزی ثبوت بھی ہیں''۔ اب آپ ہی بتائیں کہ کیا کسی خفیہ ایجنسی کو یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ دوسرے ملکوں میں اس طرح کی مداخلت کر کے ان ملکوں کو پاکستان کے خلاف کرتی رہے۔ حسینہ واجہ کو اچھی طرح علم ہے کہ آئی ایس آئی انکے خلاف کیا کردار ادا کرتی ہے۔ اس لئے وہ جب بھی حکومت میں آتی ہیں وہ بھارت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا کسی ایجنسی کو خارجہ پالیسی کے نازک پہلوؤں کا علم ہو سکتا ہے۔ غلط کام ایجنسیاں کرتی ہیں اور نتائج پاکستان کو بھگتنا پڑتے ہیں۔

آئی ایس آئی کا رول اتنا بڑھا کیوں ہے؟

نواز شریف: مختلف فوجی حکومت کے برسر اقتدار رہنے کی وجہ سے آئی ایس آئی کا رول بہت بڑھ چکا ہے کہ اب یہ ایجنسی سول حکومت کے ماتحت کام نہیں کرتی۔ بے نظیر بھٹو کو بھی یہی گلہ ہے۔ آئی ایس آئی نے پورے ملک کے سیاسی نظام کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ فوج کا چیف آف آرمی سٹاف عہدہ سنبھالنے کے بعد اپنے آپ کو بادشاہ یا سپر پرائم منسٹر سمجھنے لگتا ہے۔ یہ اپنے آپ کو اس قدر طاقت ور سمجھتے ہیں کہ عوام کے منتخب کردہ وزیر اعظم کو سیلوٹ مارنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ میں جنرل آصف نواز کے دور میں جی ایچ کیو کے دورے پر گیا تو اس نے اپنی کیپ اندر ہی اتار دی تا کہ سیلوٹ نہ مارنا پڑے۔ البتہ وحید کاکڑ کے دور میں جب میں جی ایچ کیو گیا تو انہوں نے مجھے سیلوٹ مارا جی ایچ کیو کی کئی بریفنگز میں فوج کے چیف آف آرمی سٹاف یا دوسرے جرنیل اپنی کیپ اندر رکھ آتے ہیں تا کہ انہیں وزیر اعظم کو سیلوٹ نہ کرنا پڑے یہ بھارتی وزیر اعظم کو سیلوٹ کرنے میں بالکل نہیں ہچکچاتے لیکن پاکستانی وزیر اعظم کو سیلوٹ کرنا تک انہیں گوارا نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ جس طرح فوج کے کئی جرنیل اقتدار پر قبضے کے لئے بے چین ہوتے ہیں۔ چیف آف آرمی سٹاف کے لئے بھی الیکشن ہونا چاہیے (مسکراتے ہوئے) تا کہ اگر انہوں نے اقتدار سنبھالنا ہی ہے تو کم از کم انہیں کچھ نہ کچھ ووٹ تو ملے ہوں۔

آئی ایس آئی کا اصل کردار کیا ہے؟

نواز شریف: پاکستان میں آئی ایس آئی سیاست کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتی۔ اس نے اپنا اصلی کام بھلا کر سیاسی جماعتوں کو توڑنے اور بنانے کا کام اپنا لیا ہے سیاستدانوں کی وفاداریاں بدلنے میں بھی آئی ایس آئی ہی اہم کردار ادا کرتی ہے الیکشن میں دھاندلی یا اراکین اسمبلی کو بلیک میل کرنا یہ سارے کام آئی ایس آئی ہی کر رہی ہے جب تک آئی ایس آئی کا رول ختم نہیں ہوگا ملک کا سیاسی نظام مستحکم نہیں ہو سکتا آئی ایس آئی کا اصل کام سیاست نہیں ملکی دفاع میں مدد کرنا ہے۔

آئی ایس آئی کا سیاسی کردار کیسے ختم ہوسکتا ہے؟

نواز شریف: آئی ایس آئی کے چارٹر میں تبدیلی کی ضرورت ہے میرے خیال میں آئی ایس آئی میں کوئی بھی باوردی فوجی افسر نہیں ہونا چاہیے آئی ایس آئی کو مکمل طور پر سول حکومت کے ماتحت ہونا چاہیے بھارت کی جو اس طرح کی خفیہ ایجنسی ہے اس میں کوئی بھی حاضر سروس فوجی یا باوردی افسر نہیں ہوتا۔

وزیراعظم کی جاسوسی

کیا آپ کو کبھی احساس ہوا کہ بطور وزیراعظم بھی آپ کی جاسوسی کروائی جاتی تھی؟

نواز شریف: جب میں وزیراعظم تھا یہ 1997ء کی بات ہے تو میری گفتگو ٹیپ ہوتی تھی۔ مجھے اپنے ذرائع سے اطلاع ملی کہ آئی ایس آئی نے ہماری گفتگو کو ریکارڈ کیا ہے۔ پھر اس کی باقاعدہ ہم نے انکوائری کروائی آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل ضیاءالدین کو میں نے یہ بات کہی۔ پھر انہوں نے لاہور میں چیک کیا تو واقعہ سچ نکلا۔ اب بتایئے کہ وزیراعظم کی گفتگو ریکارڈ کرنے کا اختیار کس نے کس کو دیا ہے؟ لاہور میں بریگیڈیئر اعجاز شاہ صاحب جو تھے، وہ اس ریکارڈنگ کروانے میں شامل تھے۔ یہ وہ سارے حقائق ہیں جو بہت سی چیزوں کی وجوہات بن جاتے ہیں یہ سچا واقعہ ہے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں اس میں بہت سارے لوگ شامل تھے، وہ سارا معاملہ ریکارڈ میں موجود ہے ممکن ہے کہ گفتگو اب انہوں نے کہیں ضائع کردی ہو لیکن یہ انکوائری کرائی گئی اور واقعہ سچا نکلا تھا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

متفرقات

- جیلوں سے خوفزدہ نہیں تھا مکہ، مدینہ جانے سے انکار کفران نعمت ہوتا۔
- مجھے علم تھا کہ سعودی عرب کی حکومت ہماری رہائی کے مذاکرات کر رہی ہے۔
- مجھے تو سعودی عرب آمد کو جلاوطنی سے زیادہ ہجرت کہنا اچھا لگتا ہے۔
- عوام سے یہ سوال ضرور کروں گا کہ منتخب حکومت کو ہٹانے پر آپ خاموش کیوں رہے؟
- وہ لوگ اچھے ہوتے ہیں جو منہ پر کھری بات کریں پیٹھ پیچھے آپ کی تعریف کریں۔
- اسلام ہمیں اعتدال کا درس دیتا ہے میں انتہا پسندی کے خلاف ہوں۔
- نائن الیون میں ہزاروں شہریوں کو مارنے سے کیا فائدہ ہوا۔
- امریکہ کے اقدامات درست نہیں۔ کلنٹن مدبر تھے بش بے اصولیاں کر رہے ہیں۔
- شہباز شریف سے کئی باتوں پر اختلاف ہے اور یہ صحت مند بات ہے۔
- شہباز کہتا ہے فوج کے حوالے سے نقطہ نظر سخت نہ رکھیں۔
- اب شہباز شریف میرے نقطہ نظر کے زیادہ قریب آ چکا ہے۔

ڈیل کیا تھی

ہر کوئی آپ کی سعودی عرب میں آمد کے حوالے سے ڈیل کے بارے میں جاننا چاہتا ہے؟

نواز شریف: ہاں یہ سچ ہے کہ مجھے علم تھا کہ سعودی عرب کی حکومت ہماری رہائی کے بارے میں حکومت سے مذاکرات کر رہی ہے میں جیلوں سے خوفزدہ نہیں تھا لیکن مکہ یا مدینے میں جانے سے انکار تو کفران نعمت ہوتا۔ خاندان کے ہمراہ یہاں رہنا، پھر اللہ کی تمام نعمتوں کا موجود ہونا خدا کا بہت بڑا احسان ہے

مجھے تو اسے جلاوطنی کہنا بھی بہت عجیب سا لگتا ہے، ہاں آپ اسے ہجرت کہہ سکتے ہیں۔

عوام سے سوالات

آپ کے اقتدار سے ہٹائے جانے پر عام لوگ خاموش رہے اس کی کیا وجہ تھی؟

نواز شریف: یہ درست ہے اس حوالے سے عوام سے بھی کچھ سوال کرنے ضروری ہیں کہ جب ان کے منتخب وزیر اعظم کو ہٹایا جاتا ہے تو وہ خاموش کیوں رہتے ہیں۔ مجھے جب کبھی بھی پاکستان جانے کا موقع ملے گا تو میں عوام سے یہ سوال ضرور کروں گا کہ میری یعنی ان کی اپنی حکومت توڑ دی گئی مجھ پر الزامات لگائے گئے لیکن کوئی مقدمہ نہیں چلا۔ میرے خلاف بہت کچھ کیا گیا لیکن کچھ نہیں نکلا۔ اس حکومت سے میرا زیادہ مخالف اور کون ہو سکتا ہے۔ میں عوام سے یہ سوال ضرور کرنا چاہوں گا کہ آپ اٹھے کیوں نہیں؟ میں اس وقت تک الیکشن نہیں لڑوں گا جب تک مجھے اس سوال کا جواب نہیں ملتا قوم کے کردار کی تعمیر کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے مجھے اقتدار میں آنے کی جلدی نہیں لیکن عوام میں شعور پیدا کرنا میرا فرض ہے۔

خوشامد یا سچ؟

آپ کو کون سے لوگ اچھے لگتے ہیں خوشامد کرنے والے یہ سچ بتانے والے؟

نواز شریف: ایسے لوگ جو آپ کو آپ کے منہ پر ایسی باتیں سنائیں جو سچی اور کھری ہوں اور حقیقت پر مبنی ہوں، آپ کو اچھی نہ بھی لگتی ہوں، وہ آپ کو بتایں، باہر اگر وہ کسی سے ملیں، تو آپ کے خلاف بات نہ کریں۔ یہ آپ کے بہترین دوست ہوتے ہیں باہر آپ کا دفاع کریں اور اندر منہ پر سچی بات کریں۔

لیکن حکمرانوں کے قریب تو خوشامدی لوگ زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

نواز شریف: وہ مفاد پرست ہوتے ہیں جو خوشامدی بن کر منہ پر آ کر آپ کی تعریف کریں تو ان کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ حکمرانوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں سے بچیں۔ خوشامد کے جال میں حکمران بہت پھنستے ہیں۔ خوشامد کس کو پسند نہیں ہے اور کوئی آ کر آپ کی پالیسیوں، عادات اور معاملات کی تعریف کرے تو آپ بڑے خوش ہوتے ہیں۔ یہ تو انسانی فطرت ہے لیکن خاص طور پر حکمران کو دوسرا پہلو بھی مدنظر رکھنا چاہیے اور ایسے لوگوں کی تلاش میں رہنا چاہیے جو آ کر اس کو دوسری طرف کی حقیقت پر صحیح طرح سے بتائے۔ دوسری طرف کی کہانی بتانے والے لوگ کم ہوتے

ہیں لیکن ویسے ہوتے ضرور ہیں۔ میں نے آپ کو ابھی بتایا کہ آپ کا بہترین دوست وہ ہوتا ہے جو آپ کو آپ کے منہ پر سچی اور کھری بات بتائے اور بعد میں جا کر اگر آپ کی تعریف نہیں کر سکتا تو آپ کا دفاع ضرور کرے۔ میرا خیال ہے کہ اخلاقی اعتبار سے بھی اس طرح کے لوگ بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن آج کل کے دور میں وہ لوگ بہت کم ملتے ہیں۔

اسلام میں اعتدال

آپ کے اقتدار سے ہٹنے کے بعد امریکہ میں نائن الیون کا واقعہ ہوا آپ اس حوالے سے کیا رائے رکھتے ہیں؟

نواز شریف: اسلام ہمیں اعتدال کا سبق دیتا ہے میں تو ہر قسم کی انتہا پسندی کے خلاف ہوں آپ ہی بتائیں نائن الیون کے واقعہ کا ہدف کون تھا ہزاروں معصوم شہریوں کو مارنے کا نتیجہ کیا نکلا مسلم دنیا کو اس سے کیا فائدہ ملا۔ اسلام تو امن پسندی اور اعتدال کا مذہب ہے اسلام کے نام پر قتل و غارت کی گنجائش نہیں ہے کیا صدام حسین کا رویہ معقول تھا اس نے کویت پر حملہ کیا مسلم ملک ایران پر حملہ کیا اب اس کے اقدامات کا خمیازہ عراق کے عوام بھگت رہے ہیں انتہا پسندی کا نتیجہ برا ہی نکلتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امریکہ کے اقدامات درست ہیں صدر کلنٹن ایک مدبر سیاست دان تھا جارج بش نے اقوام متحدہ کی منظوری کے بغیر عراق پر حملہ کیا جو سراسر غلط ہے اس بے اصولی پر دنیا نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔

اسامہ بن لادن؟

آپ پر یہ الزام بھی لگتا ہے کہ آپ نے اسامہ بن لادن سے پیسے لے کر بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد لانے کی کوشش کی تھی؟

نواز شریف: یہ سب غلط الزامات ہیں میں نے تو اس حوالے سے واضح موقف اپنا رکھا ہے کہ دہشت گردی غلط ہے اور اسلام کو اس سے نقصان پہنچ رہا ہے۔

شہباز شریف سے اختلاف رائے

اکثر خبریں شائع ہوتی ہیں کہ آپ اور شہباز شریف کا کئی باتوں میں اختلاف رائے ہے

حقیقت کیا ہے؟

نواز شریف: شہباز کا بعض چیزوں پر اپنا نقطہ نظر ہے جن سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ اور یہ ہونا بھی چاہیے کیونکہ یہ ایک صحت مندانہ اختلاف ہے جیسا کہ میں کہتا ہوں کہ جس کسی نے جو کیا ہے وہ بھرنا چاہیے شہباز اس معاملے میں تھوڑا نرم ہے وہ مجھے کئی دفعہ کہتا ہے بھائی صاحب فوج کے اقتدار کے حوالے سے آپ اپنا نقطہ نظر اتنا سخت نہ رکھیں تو میں نے کہا کہ نہیں، بات یہ ہے کہ ہم کوئی ایسا سمجھوتہ نہیں کرنا چاہتے جس سمجھوتے سے ہمارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے اور ایسا سمجھوتہ جو ملک وقوم کے لیے بھی صحیح نہ ہو۔ اب آپ آئین سے غداری کرنے والوں سے کیا سمجھوتہ کریں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فوج کو محفوظ واپسی کا راستہ دیا جائے تو بھئی محفوظ واپسی کسی چیز کی کس چیز کے لئے جو گھر میں آکر ڈاکہ مارتا ہے تو اس کو آپ محفوظ ایگزٹ دے دیتے ہیں۔ کہ یہ دروازہ ہے بھئی اور اس دروازے سے باہر نکل جاؤ جو ڈاکہ مارتا ہے، اس کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی ہونی چاہیے تو یہ چیزیں ہیں اب شہباز کسی حد تک اس پوائنٹ پر آچکا ہوا ہے۔ شروع میں اس کے نظریات اور تھے لیکن اب وہ میرے نظریات سے اتفاق کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آج ہماری قوم کی اکثریت اس نقطہ نظر سے اتفاق کرتی ہے میں جانتا ہوں اور یہاں بیٹھ کر بھی قوم کی نبض پر میرا ہاتھ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قوم کیسے سوچتی ہے اور کیا سوچتی ہے۔ آج شاید قوم کو وہ ساری چیزیں یاد آرہی ہیں جو ہم نے کیں تھیں۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

جدہ اور لندن کے حالات

☆ جدہ میں جلاوطن

☆ لندن کے لیل ونہار

جدہ میں جلاوطن

شریف خاندان کی جلاوطنی کے بعد سعودی عرب سے کتاب کے مصنف کی خصوصی رپورٹ جس کے ذریعے سے شریف خاندان کے حالات وتاثرات پہلی بار براہ راست پاکستان کے لوگوں تک پہنچے تھے۔ یہ تاثراتی انٹرویو ہمیشہ کے لئے یادگار حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

- تحریک لیڈر کے بغیر بھی چل جاتی ہے۔
- سیف الرحمٰن کی بجائے جسٹس شفیع الرحمٰن کو احتساب کا انچارج ہونا چاہئے تھا۔
- آصف زرداری کو ہماری حکومت نے ایک بار بھی گرفتار نہیں کیا۔
- بے نظیر بھٹو کو جیل بھیجنے کے خلاف تھا۔
- چودھری شجاعت گواہی دیں گے میں نے کہا تھا بینظیر سزا سے پہلے ہی بیرون ملک چلی جائیں۔
- ایٹمی دھماکے کے بعد تلخ اقتصادی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔

شریف خاندان کی سعودی عرب جلاوطنی کو سال سے زیادہ ہو چلا ہے۔ اس دوران پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہے۔ تاہم دو دفعہ ملک کے وزیر اعظم رہنے والے نواز شریف کے خاندان کے حالات کبھی تفصیل سے سامنے نہیں آئے۔ یہ رپورٹ شریف خاندان کے حالات وواقعات، ان سے بالمشافہ ملاقاتوں، مشاہدے اور ٹیلی فونک گفتگو کے حوالے سے مرتب کی گئی ہے۔ رپورٹ کی تیاری میں سچ اور صرف سچ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

شریف خاندان کو قریب سے دیکھنے اور جانچنے کا یہ پہلا موقع تھا، جس میں ان کے خاندان کا دینی لگاؤ، ان کی عادات واطوار، ان کی بول چال، کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا سب کچھ دلچسپی کا حامل تھا۔ نواز شریف کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا استعمال سیکھ رہے ہیں۔ وہ فارغ وقت اپنے پوتے، پوتیوں اور نواسے

نواسیوں کے ساتھ گزارتے ہیں۔ شاید اس طرح کی فرصت کے لمحات ابھی پہلی بار میسر آئے ہیں۔ شام کو وہ ٹریک سوٹ پہن کر محل کے اندر ہی واک کرتے ہیں۔ شہباز شریف بھی باقاعدگی سے واک اور ورزش کرتے ہیں۔ انہوں نے عربی میں مزید مہارت حاصل کرنے کے لئے ایک ٹیوٹر کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ وہ اب پہلے سے زیادہ بہتر عربی بولتے ہیں۔ سعودی عرب کی حکومت سے رابطے کا فریضہ وہی انجام دیتے ہیں۔ اباجی یا میاں شریف پہلے سے مطالعے کے شوقین ہیں۔ سعودی عرب میں قیام کے دوان ان کے زیر مطالعہ زیادہ تر مذہبی کتابیں رہتی ہیں۔ حسین نواز شریف خاندان کے سعودی عرب میں سب سے متحرک فرد ہیں۔ وہ اسٹیل مل کے معاملات کی نگرانی کے لئے روز صبح گھر سے تیار ہو کر نکل جاتے ہیں۔ گھر کے انتظامی معاملات کی نگرانی کیپٹن (ر) صفدر کرتے ہیں۔ کلثوم نواز سیاسی معاملات سے لاتعلق ہیں اور پندرہ بیس سال بعد شاید پہلی بار اپنے اہل خاندان کے ساتھ بھرپور وقت گزار رہی ہیں۔ گھر کے سب سے کم گو فرد عباس شریف ہیں جو نماز پڑھتے اور عبادت کرتے ہیں۔ محل کی سب سے دل چسپ شخصیت سہیل ضیاء بٹ ہیں جو ہر محفل کو کشت زعفران بنائے رکھتے ہیں۔ مسلم لیگ سعودی عرب کے معاملات میں ان کی بھرپور دل چسپی ہے۔ سہیل ضیاء بٹ لمبی عبا اور پگڑی پہن کر حرم شریف جاتے ہیں تو وہاں کے دربان انہیں جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔

شریف خاندان کے سرور پیلس کے دو حصوں میں الگ الگ کچن ہیں۔ شہباز شریف اور عباس شریف بغلی حصے میں مقیم ہیں۔ گھر کے مکیں کھانے کے مینو میں بھرپور دل چسپی لیتے ہیں۔ پاکستان کی شاید ہی کوئی نعمت ہو جو وہاں تازہ میسر نہ ہو۔ اپنے قیام کے دوران وہاں تازہ ترین آم، پھلیاں اور میتھی بھی کھائی۔ یہ سبزیاں پاکستان سے وہاں بھیجی گئی تھیں۔ گھر کے مرکزی حصے کے کچن میں کوئی خصوصی ڈش پکے تو اسے بغلی حصے میں بھیجا جاتا ہے اور اگر بغلی حصے میں کوئی ڈش تیار ہو تو اسے مرکزی حصے میں ضرور بھجوایا جاتا ہے۔ خاندان کے افراد جدہ سے باہر مکہ یا مدینہ جائیں تو شاہی مہمان خانے یا پھر ہوٹل میں قیام کرتے ہیں۔ جدہ میں قیام کے دوان زیادہ وقت اہل خاندان آپس میں گپ شپ میں گزارتے ہیں۔

شریف خاندان کے افراد سے اس رپورٹ کے لئے انٹرویوز وقفوں سے ہوئے۔ تازہ ترین گفتگو جنرل مشرف کے قوم سے خطاب کے بعد ہوئی۔ تاہم گفتگو کا بیشتر حصہ پہلی ملاقاتوں میں طے ہوا۔ آیئے شریف خاندان کے حالات وواقعات اور گفتگو سے لطف اندوز ہوں۔

☆☆☆

شریف خاندان کی پاکستان سے جلاوطنی اور سعودی عرب میں ان کے حالات و معمولات بہ ظاہر پراسراریت کی دبیز تہوں میں گم ہیں، اس لئے پاکستان میں سیاست سے دل چسپی رکھنے والا ہر شخص شریف خاندان کے حالات و واقعات کی تفصیلات جاننے کا خواہش مند ہے۔ اس حوالے سے شریف خاندان کے حالات کی خبر تجسس بن چکی ہے۔

ان کے حالات کی آگہی کی خواہش مہمیز دیتی رہی کہ کسی نہ کسی طرح شریف خاندان کی روزمرہ زندگی کے پہلو سامنے آنے چاہئیں۔ خواب و خیال اس طرف متوجہ رہے اور پھر امریکہ جاتے ہوئے عمرے کا موقع ملا تو ایک سبیل نکل آئی۔ خواب اور حقیقت کا ملاپ ہو گیا۔ حقیقت کی نگاہیں وا کیں تو سامنے جدہ کا ایک وسیع اور کشادہ علاقہ تھا۔ کھلی سڑکیں، صاف روشیں اور بڑے بڑے گھروں پر مشتمل جدہ کا یہ حصہ الایمان اسٹریٹ کہلاتا ہے اور یہاں پر جدہ کے متمول گھرانے آباد ہیں۔

جدہ کے مرکزی کاروباری علاقے سے کئی موڑ کاٹتے ہوئے بالآخر ایک کشادہ سڑک کے مین گیٹ پر گاڑی رکی تو دل کی دھڑکن تیز ہو گئی کہ بالآخر منزل مراد قریب آ پہنچی۔ یہی وہ جگہ ہے، جہاں شریف خاندان مقیم ہے۔ گھر کے دیو ہیکل آہنی دروازے پر گاڑی نے ہارن دیا تو سعودی فوج کے مسلح گارڈز نے دروازہ کھول دیا اور فرنٹ سیٹ پر مانوس چہرے دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے اور ساتھ ہی بغلی کمرے میں موجود اپنے حفاظتی روم میں چلے گئے۔ سعودی فوج کے یہ گارڈز شریف خاندان کی حفاظت کے لئے ہر وقت یہاں موجود رہتے ہیں۔ ہر آنے جانے والے کی خبر رکھتے ہیں اور مہمانوں کی آمد و رفت کا مکمل اندراج کرتے ہیں۔ مکین کی اجازت کے بغیر محل میں داخلہ ممکن نہیں ہے۔

گاڑی آہنی دروازے سے اندر داخل ہوئی تو خوابوں میں نظر آنے والے محلات کی تعبیر سامنے موجود تھی۔ مین گیٹ سے ہی ایک بہت بڑے محل کے نقوش نظر آئے۔ گیٹ سے اندر جانے کے لئے ایک سڑک ہے، جس کے دونوں طرف بڑے بڑے وسیع و عریض لان ہیں، جن میں پام اور کھجور کے درختوں کی قطاریں اور آرائشی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ لان کے ساتھ ساتھ سڑک گھومتی ہوئی محل کے بڑے حصے کے دروازے کے سامنے سے گزر کر پارکنگ لاٹ کی طرف جاتی ہے۔ پارکنگ لاٹ میں 20,15 گاڑیاں کھڑی کرنے کی جگہ تھی۔

وسیع گراؤنڈز میں گھرے ہوئے کئی ایکڑ پر مشتمل یہ گھر تین بڑے بڑے غیر منقسم حصوں پر مشتمل ہے۔ گھر کا مرکز حصہ، اس کے ساتھ ہی ایک متوازی بغلی حصہ اور ملازمین کے لئے عقب میں الگ سے ایک حصہ موجود ہے۔ گھر کا مرکزی حصہ سب سے بڑا ہے اور مین گیٹ سے اندر آئیں تو پہلے یہی حصہ نظر آتا ہے۔ اس حصے میں سابق وزیراعظم، نواز شریف، ان کی اہلیہ، حسین نواز شریف اور ان کے

خاندان، میاں محمد شریف، ان کی اہلیہ اور مریم نواز شریف مع اپنے شوہر کیپٹن (ریٹائرڈ) صفدر مقیم ہیں۔ اس دومنزلہ حصے سے چند قدم پر بالکل متوازی محل کا بغلی حصہ ہے۔ یہ بھی دومنزلہ حصہ ہے لیکن مرکزی حصے سے الگ اور ذرا چھوٹا ہے۔ بغلی حصے میں میاں شہباز شریف، ان کے اہل خاندان، میاں عباس شریف اور ان کے اہل خاندان کے علاوہ سابق رکن صوبائی اسمبلی سہیل ضیاء بٹ بھی مقیم ہیں۔

محل نما گھر کے مرکزی حصے میں داخلے کے لئے ایک چھوٹا سا برآمدہ ہے۔ برآمدے میں ایک بہت بڑا خوش نما لکڑی کا دروازہ اندر کی طرف کھلتا ہے۔ اندر داخل ہوں تو ایک چھوٹی سی انتظار گاہ ہے، جس کے بغل میں ایک اضافی ڈرائنگ روم ہے، جس میں زیادہ دیر بیٹھنے والے ملاقاتی تشریف رکھتے ہیں۔ ڈرائنگ روم کے مدمقابل ایک دفتر ہے، جس میں نواز شریف کے عربی اور اردو جاننے والے سیکریٹری، عبدالوہاب بیٹھتے ہیں۔ اسی دفتر میں کمپیوٹر اور دیگر دفتری سہولتیں موجود ہیں۔ دن کے وقت ایک نوجوان ٹیلی فون آپریٹر ڈیوٹی پر موجود ہوتا ہے۔ جب کہ شام کو عباس شریف کا صاحب زادہ عزیز اپنی معصوم شرارتوں کے ساتھ ساتھ اپنے تایا نواز شریف کو انٹرنیٹ سے پاکستان اخبارات کی اہم خبروں اور تبصروں کے پرنٹ آوٹ دکھاتا ہے۔ اس چھوٹے دفتر کے ساتھ ہی ایک بڑا دفتر ہے۔ جہاں میاں نواز شریف اپنے دن کا اکثر حصہ گزارتے ہیں، ملاقاتیں کرتے ہیں، گپ شپ لگاتے ہیں اور بعض اوقات اباجی اور شہباز شریف کے ساتھ بیٹھ کر اپنے مستقبل کے تانے بانے جوڑتے ہیں اور شاید ماضی کی غلطیوں کا تجزیہ بھی کرتے ہوں گے۔

نواز شریف کے دفتر کے ساتھ سے ایک طرف کو اوپر کے حصے پر جانے کے لئے سنگ مرمر کی سیڑھیاں ہیں اور ساتھ ہی لفٹ بھی لگی ہوئی ہے۔ اباجی اوپر کے حصے پر جانے اور نیچے آنے کے لئے لفٹ استعمال کرتے ہیں جب کہ خاندان کے اکثر افراد سیڑھیوں کے سامنے اور گھر کے مرکزی دروازے کے مقابل ایک دربار نما بڑا ڈرائنگ روم ہے۔ جس میں پچاس سے زائد افراد کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ سرخ صوفے اور دیدہ زیب غالیچوں کی وجہ سے ڈرائنگ روم دربار کا سا منظر پیش کرتا ہے۔ محل کے تمام حصوں میں سنہری ٹیک وڈ کا فرنیچر، کرسٹل کے ٹیبل لیمپ، رنگ بہ رنگے پردے اور جگ مگ کرتے فانوس، اس کی آرائش کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ مرکزی حصے کے ڈرائنگ روم کے عقب میں ایک لمبا اور وسیع ڈائننگ ہال ہے، جس کی سنہری کرسیاں اور گولڈ پلیٹڈ کراکری اس محل کے مکینوں کے اعلیٰ ذوق کی آئینہ دار نظر آتی ہیں۔ ڈائننگ روم کے سامنے واش رومز کا حصہ ہے۔ جب کہ اس کے ساتھ ایک بڑا کچن ہے، جہاں پاکستان، کانٹی نینٹل، عربی اور چائنیز فوڈ پکانے کا انتظام موجود ہے۔

محل کے مرکزی حصے کے اوپر کا حصہ رہائشی ہے، جس میں شاندار لاؤنج اور بیڈ رومز موجود ہیں۔

گھر کی خواتین اوپر کے حصے میں ہی مقیم رہتی ہیں جب کہ مرد حضرات نیچے آتے جاتے رہتے ہیں۔ پانچ وقت کی نماز باجماعت ہوتی ہے۔ باجماعت نماز کی امامت اکثر حسین نواز شریف کراتے ہیں۔ وہ خوش الحانی سے قرأت کرتے ہیں۔ گھر میں باجماعت نماز کا اہتمام بڑے ڈرائینگ روم میں کیا جاتا ہے اباجی کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز کے بعد اباجی کو حسین نواز اپنے ہم راہ سہارا دے کر اوپر لے جاتے ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد کئی بار میاں شریف، میاں نواز شریف کے دفتر میں بیٹھ کر صلاح مشورے میں شریک ہوتے ہیں۔

شریف خاندان جمعہ کے روز جدہ کی مرکزی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتا ہے۔ گھر کے تمام مرد اکٹھے ہو کر گاڑیوں میں مسجد پہنچتے ہیں۔ سعودی عرب کی حکومت نے شریف خاندان کو شاہی مہمان کا درجہ دے رکھا ہے۔ انہیں سفر کے لئے ایک بلٹ پروف گاڑی اور چار سیاہ مرسڈیز گاڑیوں کا بیڑا فراہم کیا گیا ہے۔ چار عربی ڈرائیور بھی سعودی حکومت کی طرف سے مہیا ہیں، جو میاں نواز شریف کے کہیں بھی جانے کی صورت میں ان کے ہم راہ ہوتے ہیں۔ کئی دفعہ پولیس اسکارٹ بھی ساتھ جاتا ہے لیکن جدہ میں آمد و رفت یا مسجد آنے جانے کے لئے اسکارٹ نہیں منگوایا جاتا۔ کچھ ملازمین شریف خاندان کے ساتھ پاکستان سے بھی گئے ہیں اور کچھ کی خدمات انہوں نے وہاں سے بھی حاصل کر رکھی ہیں۔ محل کے کام کرنے والے ملازمین میں سعودی، سوڈانی، مصری، تھائی لینڈ اور پاکستانی قومیتوں کے لوگ شامل ہیں۔

جمعہ کی نماز سے کچھ پہلے گھر کے تمام لوگ باہر نکلے اور گاڑیوں میں بیٹھنے لگے۔ خواب اور حقیقت کا ایک بار پھر ملاپ ہوا۔ ماضی کے دھندلکوں سے حال میں آیا تو نواز شریف ایک سال میں کافی بدلے ہوئے نظر آئے۔ ان کے سیاہ بالوں میں اب کافی چاندی آ گئی ہے۔ ان کی مسلسل ورزش سے ان کا وزن بھی کچھ کم ہو گیا ہے۔ ملاقات سے کچھ روز پہلے انہیں یورک ایسڈ میں زیادتی کی شکایت پیدا ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے وہ کچھ کمزور ہو گئے تھے، لیکن پھر وہ مکمل صحت یاب ہو گئے۔ نواز شریف سے آمنا سامنا ہوا، سلام دعا ہوئی اور قافلہ نماز جمعہ کے لئے چل پڑا۔ ابھی عربی خطبہ جاری تھا کہ قافلہ مسجد میں داخل ہوا۔ عربی نمازیوں میں سے کسی نے سابق وزیر اعظم اور ان کے اہل خاندان کی مسجد میں آمد پر کوئی خاص توجہ نہ دی، البتہ مسجد میں موجود پاکستانی نمازی ان کی آمد پر متوجہ ہو گئے اور کئی ایک نے آگے بڑھ کر مصافحے شروع کر دیئے۔ مسجد میں حسین نواز شریف سے آمنا سامنا ہوا، انہیں اپنا تعارف کروانے کی کوشش کی تو انہوں نے 9 سال پہلے لندن جاتے ہوئے طیارے میں ہونے والی واحد ملاقات کی یاد دہانی کروا کے حیران کر دیا۔ یہ ان کی غیر معمولی یادداشت کی نشانی تھی۔ یہیں پر شہباز شریف سے بھی

ملاقات ہوئی۔ انہوں نے لاہور کے حوالے سے حال چال دریافت کیا۔ نماز جمعہ کے بعد کئی پاکستانیوں نے باقاعدہ قطار میں لگ کر میاں نواز شریف اور میاں شریف سے مصافحہ اور معانقہ کیا۔

جمعہ کی نماز کے بعد عمرے کے لئے روانہ ہوگیا اور پھر عمرے سے واپسی پر نواز شریف اور شہباز شریف سے باقاعدہ ملاقات ہوئیں۔ نواز شریف سے وقفے سے وقفے سے ملاقاتوں کے تین دور ہوئے۔ تاہم پہلی باقاعدہ ملاقات کا آغاز کچھ اتنا خوش گوار نہ تھا۔ باقاعدہ ملاقات شروع ہوئی تو سابق رکن اسمبلی، سہیل ضیاء بٹ اور کیپٹن (ریٹائرڈ) صفدر نے تعارف کی رسم پوری کرتے ہوئے میرے بارے میں بتایا۔ اس پر میاں نواز شریف بالکل خاموش رہے اور اپنی نظریں ٹی وی پر گاڑے رکھیں اس روز بھارت اور پاکستان کے حوالے سے ایک تاریخی دن تھا کہ واجپائی اور مشرف کی ملاقات ہو رہی تھی، وقت کی رفتار تھم گئی تھی، گھڑی کی سوئیوں کی رفتار آہستہ ہوگئی تھی۔ نواز شریف مسلسل ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھے اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ مجھے نظر انداز کر رہے ہیں۔ انہوں نے ایک لمحے کے لئے اپنی نگاہیں ٹی وی سے ہٹائیں تو میں نے اپنی ندامت کو جھٹکتے ہوئے پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے گفتگو چھیڑنی چاہی۔ نواز شریف نے موضوع میں دل چسپی لیتے ہوئے اپنے چہرے کا رخ میری طرف موڑا، لیکن خاموش رہے۔ وقت کی چند اور ساعتیں گزر گئیں۔ نواز شریف کی خاموشی گہری ہوتی جارہی تھی اور میرا پیمانہ صبر لبریز ہوتا جارہا تھا۔ میرے چہرے کی بے چینی کو بھانپتے ہوئے نواز شریف یوں گویا ہوئے، "ہمارے دور میں آپ نے اچھا نہیں کیا۔ آپ ہمارے خلاف لکھتے رہے"۔ میں نے ان کی تلخی بھری شکایت کو سنا اور مسکراتے ہوئے کہا کہ "آج آپ کے خلاف لکھنے والا تو سامنے موجود ہے اور اس وقت آپ کے حق میں لکھنے والے آج آپ کے خلاف لکھ رہے ہیں"۔ اور ان میں سے کسی نے جرأت نہیں کی کہ اس دور ابتلاء میں آپ سے بات کرتے اور آپ کا احوال سن کر لکھتے۔ نواز شریف کے ماتھے سے شکایت کی سلوٹیں دور ہوئیں اور ہلکی پھلکی گپ شپ سے وہ تھوڑا سا کھل گئے اور پاک بھارت مذاکرات کے حوالے سے تاریخی انکشاف کیا۔

"معاہدہ لاہور سے پہلے بھارتی وزیر اعظم واجپائی نے مجھ سے کہا کہ 1999ء مسئلہ کشمیر کے حل کا سال ہوگا اور اس مسئلے کا ایسا حل تلاش ہوگا جو بھارت اور پاکستان دونوں کے لئے قابل قبول ہو۔ اس پر میں نے واجپائی سے کہا کہ ایسا حل تلاش کرنا چاہیے جو پاکستان اور بھارت کے ساتھ ساتھ کشمیریوں کے لئے قابل ہو۔ واجپائی نے اس بات پر بھی رضامندی ظاہر کی اور پھر بیک چینل ڈپلومیسی شروع ہو گئی تھی۔ پھر کارگل کا واقعہ ہوگیا اور بھارت نے بات چیت روک دی۔ بھارت کا موقف تھا کہ اسے پشت سے چھرا گھونپ دیا گیا ہے اور یہ بات کوئی غلط بھی نہیں تھی"۔

بھارت کے ساتھ مذاکرات پر گفتگو شروع ہوئی تو پھر سابق وزیر اعظم نے اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا:

''کشمیر کے حوالے سے پاک بھارت مذاکرات کا سنہرا موقع کھو دیا گیا۔ معاہدہ لاہور ایک تاریخی موقع تھا۔ اب بھارت اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اب مقبوضہ کشمیر کی بات چھوڑیں موجودہ حکومت کے اقدامات سے آزاد کشمیر کو بچانے کی فکر کریں۔ ان حالات میں بریک تھرو کی بات کرنے والا پاگل ہوگا۔ بھارتی تو یہ ضرور کہیں گے کہ جو شخص اپنے وزیر اعظم کے ساتھ مخلص نہیں، بھارت اس پر کیسے اعتبار کرے گا''۔

نواز شریف کا یہ پرانا تجزیہ تھا۔ جنرل مشرف نے چند روز پہلے قوم سے خطاب میں نئے اقدامات کیے تو نواز شریف سے از سر نو رائے لی گئی۔ ان کا کہنا تھا:

''جنرل مشرف کی کس بات پر اعتبار کریں۔ پہلے یہ آزاد کشمیر میں جا کر جہاد کے نعرے لگاتے تھے۔ اب کہتے ہیں بھارت جا کر دہشت گردی کی اجازت نہیں۔ اس طرح پہلے بھارت سے مذاکرات کے خلاف تھے۔ اب کھٹمنڈو میں زبردستی واجپائی سے صلح کے لئے مصافحہ کر رہے ہیں۔ ان کی کون سی بات پر یقین کیا جائے۔ اس وقت کی باتوں پر یا آج کی باتوں پر؟''۔

پاک بھارت تعلقات پر بات چیت چلتے چلتے میاں نواز شریف کی حکومت کے خاتمے پر آ گئی اور میں نے صحافیانہ تجسس کے تحت یہ سوال داغ دیا کہ آخر آپ کو جنرل پرویز مشرف کو چیف آف آرمی اسٹاف سے ہٹانے کی فوری وجہ کیا تھی؟

نواز شریف نے سوال کے کسیلے لہجے کو برداشت کرتے ہوئے کہا:

''کارگل کے حوالے سے جنرل مشرف اور حکومت میں دوری تو پیدا ہو چکی تھی، لیکن اصل بات اور ہے''۔

میں نے ان کی بات کو اچکتے ہوئے لقمہ دیا کہ: ''اچھا وہ جو فوج نے آپ کو آپ کی اپنی گفتگو کی ٹیپ سنائی گئی تھی، جس میں آپ جنرل مشرف کو ہٹانے کے حوالے سے بات کر رہے تھے''۔

نواز شریف نے ہنستے ہوئے کہا، ''یہ سب کہانیاں جھوٹی ہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ جب کوئٹہ کے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل طارق پرویز کو فوج سے ریٹائر کرنے کی خبر شائع ہوئی تو فوج کے محکمہ اطلاعات عامہ (آئی ایس پی آر) کی طرف سے یہ خبر جاری کی گئی کہ جنرل طارق پرویز کو وزیر اعظم سے ملاقات کرنے کی وجہ سے ہٹایا گیا۔ ظاہر ہے اس خبر سے حکومت کی اتھارٹی ختم کرنا مقصود تھا۔ مجھے اس خبر پر بہت غصہ آیا، کیوں کہ یہ غلط خبر تھی۔ میری جنرل طارق پرویز سے گھر میں ملاقات نہیں ہوئی تھی بلکہ کوئٹہ

میں ایک سرکاری تقریب میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس خبر پر میں نے سیکرٹری دفاع جنرل (ر) افتخار علی خان اور جنرل پرویز مشرف کو کہا کہ اس خبر کی تردید جاری کروائیں اور وضاحت کروائیں۔ سیکرٹری دفاع مجھے کہتے رہے کہ ایک روز ٹھہر جائیں، دو روز ٹھہر جائیں۔ کئی روز گزر گئے تو میری سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ یہ وزیر اعظم کے عہدے کی تذلیل چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر میں نے جنرل مشرف کو ہٹانے کا فیصلہ کیا''۔

نواز شریف اور جنرل مشرف کے درمیان ہونے والے اختلافات کا ذکر آئے تو کارگل کی بات کا زیر بحث نہ آنا ناممکن ہے۔ میں نے کارگل کے حوالے سے بات چھیڑی تو سابق وزیر اعظم نے کہا:

''مجھے تو بہ حیثیت وزیر اعظم کارگل کے مسئلے پر اعتماد میں نہیں لیا گیا اور جب تھوڑا بہت بتایا گیا تو یہ کہا گیا کہ اس حملے سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا، کوئی جانی نقصان نہیں ہوگا۔ مجھ سے یہ بھی کہا گیا کہ فوج خود حملے میں شریک نہیں ہوگی، صرف مجاہدین کا حملہ ہی کافی ہوگا۔ لیکن جب یہ کارگل کا واقعہ شروع ہوا تو پوری کی پوری ناردرن لائٹ انفنٹری اڑ گئی۔ 2700 نوجوان شہید ہو گئے اور سینکڑوں لوگ زخمی ہو گئے۔ شہداء کی یہ تعداد 1965ء اور 1971ء کی دونوں جنگوں کے شہداء سے زیادہ تھی۔ اس قدر نقصانات ہوئے تو میں نے جنرل مشرف سے پوچھا کہ آپ تو کہتے تھے کہ فوج کا نقصان نہیں ہوگا، تو کہنے لگے انڈین فوج کارپٹ بمبنگ کر رہی ہے۔ میں نے کہا کہ کیا آپ کو پہلے علم نہیں تھا کہ اس طرح بم باری ہو سکتی ہے تو کہنے لگے، ''صاحب! ہمیں یہ علم نہیں تھا''۔ مجھے بتایا گیا کہ جب بھارتی بم باری کرتے تھے تو چونکہ مورچوں کے اوپر کچھ نہیں ہوتا تو لوگوں کے سر اڑ جاتے تھے۔ میں آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ جب واشنگٹن کا معاہدہ ہوا تو آدھی چوکیاں بھارتی خالی کروا چکے تھے اور آگے بڑھ رہے تھے''۔

میں نے پھر ٹوک کر پوچھا کہ واشنگٹن میں معاہدہ آپ کی خواہش تھی یا کسی اور کی؟ میاں نواز شریف نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا، ''میں نے ان کی عزت رکھ لی ورنہ ان کے پلے کچھ نہ رہتا''۔

بعد ازاں میاں شہباز شریف نے اس حوالے سے ایک دل چسپ واقعہ سنایا۔ ''کارگل کے واقعے کے دوران میاں نواز شریف نے واشنگٹن میں جا کر جنگ بندی کرنے کے حوالے سے صلاح مشورہ کیا تو میں نے تجویز دی تھی کہ واشنگٹن جا کر معاہدہ کرنا ہے تو جنرل مشرف کو بھی ساتھ لے جایا جائے۔ لیکن اباجی کی رائے تھی کہ گھر کا بچہ لڑے تو گھر کے باپ کا فرض ہے کہ وہ سب کی عزت بچائے''۔

کارگل جیسے حساس موضوع پر گفتگو جاری تھی کہ میں نے نواز شریف سے کہا کہ جس طرح بھٹو سے ضیاء الحق کے انتخاب میں غلطی ہوئی تو آپ کے عروج میں اصلی رکاوٹ کا آغاز تو جنرل مشرف کے انتخاب سے ہوا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ معاملہ حساس تھا۔ میاں نواز شریف کچھ دیر خاموش رہے، کچھ سوچا

اور پھر کہنے لگے:

''یہ میری غلطی تھی۔ مجھے اس وقت سینئر موسٹ جنرل علی قلی خان کو چیف آف آرمی سٹاف بنانا چاہیے تھا۔ اس وقت مجھے غلط ایڈوائس دی گئی۔ مجھے کہا گیا۔ کہ یہ فلاں کی سائیڈ پر ہے اور یہ فلاں کا رشتہ دار ہے۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ سیکرٹری دفاع افتخار علی خان اور ان کے بھائی چودھری نثار علی خان کی علی قلی خان سے کوئی ذاتی پرخاش تھی اور انہوں نے ان کا تقرر روک کر اپنی ذاتی پرخاش کا بدلہ اتارا۔ اس معاملہ سے میں نے یہ سبق سیکھا کہ ہمیشہ سینئر موسٹ کو حق ملنا چاہیے ماسوائے کہ اس میں کوئی بہت بڑی خامی ہو۔ جنرل علی قلی خان میں ایسی خامی بھی نہیں تھی''۔

معاملات اور واقعات کی تہیں کھلنے لگیں تو میں نے ایک اور سوال داغ دیا، ''کیا آپ کو فوج کے اقتدار میں آنے کا پہلے سے علم ہو گیا تھا''۔

نواز شریف کے چہرے پر سرخی دوڑی، اعتماد سے بھرے لہجے میں بولے ''بالکل علم ہو چکا تھا۔ اس واقعے سے پہلے وزیر اعظم ہاؤس میں فوج کے اندر نقل و حرکت ہوئی۔ پھر ایک روز پہلے وزیر اعظم ہاؤس میں ایسا فوجی دستہ بھیجا گیا، جس کے پاس وائرلیس سیٹ تھے۔ میں نے ملٹری سیکریٹری جاوید ملک سے کہا کہ پتا کرو، یہ کیا بات ہے۔ جاوید ملک نے جی ایچ کیو میں بات کی تو وہ جواب میں آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ پھر بغیر کچھ بتائے وائرلیس سیٹ والے فوجی دستے واپس بلا دیئے گئے۔ پھر ہمیں یہ خبر بھی مل گئی تھی کہ ٹرپل ون بریگیڈ کے کچھ دستے اسلام آباد کے قریب ''بارہ کہو'' میں لائے گئے ہیں۔ تو ایک طرح سے ہمیں علم تھا کہ یہ فوجی جنرل کچھ کرنے والے ہیں''۔

12 اکتوبر 1999ء کے واقعات کا ذکر ہوا تو نواز شریف نے بتایا کہ ''12 اکتوبر کی رات کو جنرل محمود اور جنرل اکرم میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ اسمبلیوں کی تحلیل کے کاغذ پر دستخط کر دیں۔ وہ ایک ٹائپ شدہ کاغذ لے کر آئے ہوئے تھے۔ میں نے انکار کر دیا۔ وہاں تلخی کا ماحول بھی پیدا ہوا اور بعد ازاں مجھے وہاں سے چند فٹ کے کمرے میں منتقل کر دیا گیا اور اس کے شیشے کو رنگ دیا گیا''۔

نواز شریف حکومت کے خاتمے کے واقعات سے متعلق بات کی جا رہی تھی تو ان کی حکومت کے زوال سے متعلق کئی سوالات ذہن میں آ رہے تھے۔ نواز شریف نے توقف کیا تو میں نے پوچھا کہ کیا رفیق تارڑ کو صدر بنانے کا فیصلہ درست تھا؟

نواز شریف شاید اس سوال کا جواب دینے کے لئے ذہنی طور پر پہلے سے تیار تھے۔ کہنے لگے:

''رفیق تارڑ کو جس وقت صدر بنایا گیا، اس وقت حالات یہ تھے کہ فاروق لغاری نے اپنی پارٹی کے ساتھ محسن کشی کی تھی اور جب میں الیکشن میں حصہ لے رہا تھا تو میرے ذہن میں اس وقت سے یہ

موجود تھا کہ یہ ایک محسن کش آدمی ہے، اس لئے ایسے آدمی کا لانا ضروری تھا، جو کوئی مسائل پیدا نہ کرتا اور ہم سازشوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے عوام کی خدمت کر سکتے۔ اس بناء پر رفیق تارڑ صاحب کو صدر کے لئے چنا گیا''۔

نواز شریف کے متنازع اقدامات پر بات چیت شروع ہوئی تو شریعت بل کا ذکر آ گیا۔ میں نے پوچھا کہ شریعت بل کے حوالے سے خیال جاتا تھا کہ آپ آمرانہ نظام نافذ کرنا چاہتے تھے۔ نواز شریف نے فوراً جواب دیا'' یہ بات بالکل غلط ہے۔ میں کوئی نظام حکومت نہیں بدلنا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ فرقہ پرستی، انتہا پسندی اور انصاف میں تاخیر کے حوالے سے قانون سازی کی جائے۔ شریعت بل اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ ہم نے مذہبی انتہا پسندوں اور دہشت گردوں کے خلاف جس جرأت اور بہادری سے کارروائی کی، شاید فوج بھی یہ نہ کر سکے''۔

11 ستمبر کے بعد فوجی حکومت نے پاکستان میں جو اقدامات کیے، ان کے بارے میں نواز شریف کی رائے تھی:

''11 ستمبر کے بعد پارلیمنٹ بحال کر دینی چاہیے تھی اور ملک کے اہم اور نازک ترین مسائل پارلیمنٹ کے ذریعے حل کروانا چاہئیں تھے''۔

چند روز پہلے جنرل پرویز مشرف کے انتہا پسند حلقوں اور جہادی تنظیموں کے خلاف کیے گئے اقدامات کا ذکر ہوا اور بتایا گیا کہ اس تقریر کا ہر طرف چرچا ہے تو نواز شریف نے ہوا کے دوش پر کہا:

''ہم ان مرحلوں سے کئی بار گزرے ہیں۔ اصل بات زمینی حقائق کی ہوتی ہے۔ تقریروں سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ چند دن تقریر کی گونج رہے گی پھر لوگ زمینی حقائق کی طرف لوٹیں گے۔ کیا ملک سے بے روزگاری، اقتصادی بدحالی اور بدامنی ختم ہو گئی ہے۔ جب تک ان مسائل کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ اس وقت تک ملک کی تقدیر نہیں سنور سکتی۔ ہم نے جب ایٹمی دھماکہ کیا تو چند روز تک کامیابی کے گیت گائے جاتے رہے اور ایک ماہ بعد ہمیں پھر اقتصادی مسائل جیسے تلخ زمینی حقائق کا سامنا تھا''۔

ایٹمی دھماکے کے حوالے سے پہلی ملاقات میں تفصیلی سوال جواب ہوتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا ایٹمی دھماکہ آپ نے فوج کے دباؤ پر کیا یا یہ آپ کا اپنا فیصلہ تھا؟ نواز شریف نے مجھے حیران ہو کر دیکھا اور کہا:

''اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف (جنرل جہانگیر کرامت) نے تو مجھے کہا تھا کہ ہمیں دھماکے نہیں کرنے چاہئیں۔ امریکہ ناراض ہو جائے گا۔ جب بھارت نے دھماکے کیے تو میں نے اس

وقت سینٹرل ایشیا کے ملک ازبکستان کے دورے پر تھا۔ میں نے وہیں سے فون کر کے کہا کہ ہمیں ایٹمی دھماکے کی تیاری کرنی چاہیے۔ آرمی چیف اس کے حق میں نہیں تھے۔ میرا شروع سے ہی دل چاہتا تھا کہ دھماکہ ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں کوئی دباؤ قبول نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے کوئی دباؤ قبول نہیں کیا اور دھماکہ کر دیا''۔

فوج اور آئی ایس آئی کے سیاسی کردار پر بات ہوئی تو نواز شریف کے خیالات بے نظیر سے مختلف نہ تھے۔ کہنے لگے:

''آئی ایس آئی کا رول بہت زیادہ بڑھ چکا ہے۔ یہ ایجنسی حکومت کے ماتحت کام نہیں کرتی۔ بے نظیر بھٹو کو بھی یہی گلہ ہے۔ آئی ایس آئی نے پورے ملک کے سیاسی نظام کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ فوج کا چیف آف آرمی اسٹاف عہدہ سنبھالنے کے بعد اپنے آپ کو بادشاہ یا سپر پرائم منسٹر سمجھنے لگتا ہے۔ یہ اپنے آپ کو اس قدر طاقت ور سمجھتے ہیں کہ عوام کے منتخب کردہ وزیر اعظم کو سیلوٹ مارنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ میں جنرل آصف نواز کے دور میں جی ایچ کیو کے دورے پر گیا تو اس نے اپنی کیپ اندر ہی اتار دی تا کہ اسے سیلوٹ نہ مارنا پڑے۔ البتہ وحید کاکڑ کے دور میں جب میں جی ایچ کیو گیا تو انہوں نے مجھے سیلوٹ مارا۔ ان فوجی سربراہوں کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ منتخب وزیر اعظم کو سیلوٹ نہ ماریں اور ان کا حال یہ ہے کہ بھارتی وزیر اعظم کو سیلوٹ مارنے پر تیار رہتے ہیں۔ جب تک آئی ایس آئی کا سیاسی کردار ختم نہیں ہوگا، ملک میں سیاسی نظام مستحکم نہیں ہوسکتا''۔

سیلوٹ مارنے کی بات ہو رہی تھی۔ میں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے پوچھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ فوجی سربراہوں نے واہگہ بارڈر پر واجپائی کو سیلوٹ مارنے سے انکار کر دیا تھا؟

نواز شریف نے کہا'' بالکل غلط ہے۔ ہم نے انہیں بلایا ہی گورنر ہاؤس تھا۔ واہگہ بارڈر پر بلایا ہی نہیں گیا تھا اور یہ سب کچھ مشورے سے طے ہوا تھا''۔

کافی گفتگو ہو چکی تو میں نے اخبارات کی آزادی پر پابندی کی بات کی اور پوچھا ''جنگ'' کے خلاف کیے گئے اقدامات کی وجہ کیا تھی اور یہ بھی دریافت کیا کہ جن 14 لوگوں کو روزنامہ جنگ سے نکلوانے کی کوشش کی تھی، ان کا قصور کیا تھا؟

نواز شریف کے لہجے میں پہلی بار کمزوری دکھائی دی۔ وہ کہنے لگے:

''یہ میری غلطی تھی۔ مجھے علم ہے کہ آپ بھی ان چودہ لوگوں میں شامل تھے، جنہیں نکلوانے کا کہا گیا تھا۔ یہ سب کچھ سیف الرحمٰن کی کارستانی تھی، لیکن میں اسے بھی برا نہیں کہتا۔ اس کے لئے بھی دعا کرتا ہوں۔ یہ ہماری غلطی تھی''۔

پاکستان کی سیاست پر بات چیت شروع ہوئی تو حزب اختلاف کے ساتھ سلوک پر تان ٹوٹی۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو حزب مخالف کو آخری حد تک دبایا۔ آصف علی زرداری کو گرفتار کیے رکھا، بے نظیر کو بھی گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ شاید آپ اپوزیشن کو ویسے ہی ختم کرنا چاہتے تھے۔ میں نے نوکیلے لہجے میں پوچھا۔ سابق وزیر اعظم میرے لہجے کی تبدیلی پر پریشان ہوئے اور کہا:

''آصف زرداری کو ہماری حکومت نے ایک بار بھی گرفتار نہیں کیا۔ میں تو بے نظیر بھٹو کو بھی گرفتار کرنے میں حق میں نہیں تھا۔ سیف الرحمٰن شور مچاتا تھا کہ بے نظیر کو گرفتار ہونا چاہیے۔ لیکن چودھری شجاعت حسین گواہ ہیں کہ میں نے کہا تھا کہ بے نظیر سزا ہونے سے پہلے ہی بیرون ملک چلی جائے تاکہ اسے جیل نہ بھیجنا پڑے۔ میں خود بے نظیر بھٹو کے جیل بھیجنے کے خلاف تھا اور آج مجھے بے نظیر فاشسٹ کہہ رہی ہیں۔ انہیں تو حقائق کا علم ہے۔ انہیں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے''۔

''کیا آپ کا احتساب ٹھیک تھا'' میں نے لوہا گرم دیکھ کر ایک اور سوال پوچھ لیا۔ نواز شریف نے صاف گوئی سے کہا:

''احتساب کا طریق کار غلط تھا۔ ہمیں اس حوالے سے اکسایا گیا تھا۔ فوج اور آئی ایس آئی کا ہم پر دباؤ تھا۔ جان بوجھ کر ہم سے بے نظیر اور اپوزیشن کے خلاف ایسے اقدامات کروائے گئے تاکہ سیاست دانوں کا اعتبار ختم ہو جائے''۔

سیاست دانوں کے اعتبار کے حوالے سے بات ہوئی تو میں نے کہا، شاید یہی وجہ تھی کہ جب آپ کی حکومت ختم ہوئی تو کوئی احتجاج نہیں ہوا۔ نواز شریف نے اعتراف کرتے ہوئے کہا:

''یہ درست ہے کہ اس وقت لوگ ہم سے ناراض تھے، اس لئے لوگ ہماری حکومت کے خاتمے پر سڑکوں پر نہیں آئے، لیکن میں لوگوں پر الزام نہیں دھرتا۔ ہم اس وقت تک عوام کے لئے زیادہ کام نہیں کر سکے تھے۔ ہم کام شروع کرنے والے تھے کہ ہماری حکومت ختم کر دی گئی۔ مگر آج کے حالات تو کہیں زیادہ خراب ہیں۔ ملک میں اقتصادی کساد بازاری ہے۔ تنخواہ دار طبقہ پس کر رہ گیا ہے، لوگوں کے پاس کھانے کو نہیں ہے، وہ کب تک گھر میں بیٹھے رہیں گے، بھوکے ننگے لوگ کبھی تو باہر نکلیں گے۔

لیڈر کے بغیر ہی؟ میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا اور کہا کہ آپ اور بے نظیر تو بیرون ملک بیٹھے ہیں، تحریک کون چلائے گا؟

نواز شریف نے سرد لہجے میں جواب دیا:

''کئی تحریکیں لیڈروں کے بغیر بھی چل جاتی ہیں۔ لیڈر جیل میں ہوتے ہیں اور تحریکیں چلتی رہتی ہیں۔ خمینی ایران میں نہیں تھے، جب وہاں ان کے حق میں تحریک چلی۔ بے نظیر اور نواز شریف ہوں یا نہ

ہوں، تحریک چلی تو جلد فیصلہ ہو جائے گا۔ بھٹو تو قومی اتحاد کی تحریک کا تین ماہ مقابلہ کر گیا تھا، اب نہیں ہو سکے گا''۔

آپ کی پارٹی اور ووٹ بینک دونوں ہی مائل بہ زوال ہیں؟ میں نے سوال کا نشتر چبھوتے ہوئے پوچھا۔ بلدیاتی انتخابات میں آپ کی جماعت لاہور میں اکثریت تک حاصل نہیں کر سکتی؟

نواز شریف نے اطمینان سے کہا: ''یہ سیاسی الیکشن نہیں تھا۔ میرے جتنے بڑے مخالفین تھے وہ تو ہار گئے۔ خواجہ ریاض محمود کے ساتھ کیا ہوا، میاں اظہر کے ناصر جبران کے ساتھ کیا ہوا؟ جب بھی سیاسی الیکشن ہوگا فوجی حکومت کی نفرت کا ووٹ ہمیں ملے گا''۔

''آپ کا ملک سے کوئی رابطہ نہیں، پارٹی کا کوئی پرسان حال نہیں ایسے میں کیا ہوگا''۔ میں نے شریف خاندان کا اصل پروگرام جاننا چاہا۔ نواز شریف نے سیاسی جواب دیا:

''ہمیں صورت حال سے مکمل آگاہی ہے۔ لحہ بہ لحہ خبر ملتی رہتی ہے۔ جوں جوں مناسب وقت آئے گا ہم متحرک ہوتے جائیں گے''۔

سیاست کے بعد فوجی حکومت کی حالیہ طالبان پالیسی اور کشمیر پالیسی پر بھی ہوا کے دوش سے گفتگو ہوئی تو نواز شریف نے کہا:

''پہلے یہ کہتے تھے کہ طالبان میں ہماری جان ہے اور پھر طالبان سے آنکھیں بدلنے میں وقت نہ لگایا۔ پھر کشمیر میں جا کر جہاد کے نعرے لگاتے تھے، اب اس کے حوالے سے بھی بدل گئے ہیں''۔

نواز شریف کے ساتھ گفتگو کے کئی دور ہوئے، کبھی خیالات میں کبھی خوابوں میں، کبھی ہوا کے دوش پر کبھی بالمشافہ، آخر میں ان سے حساس ترین سوال پوچھا:

کیا آپ واقعی ڈیل کے ذریعے باہر آئے ہیں اور آپ کے سیاست کرنے پر دس سال کی پابندی عائد ہے؟''۔

نواز شریف نے جواباً کہا: ''یہ بات بالکل غلط ہے۔ کوئی ڈیل نہیں، مجھ پر کوئی پابندی نہیں''۔ یہ کہتے ہوئے شاید ان کے جذبات ان کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

نواز شریف سے سیاست سے فوج اور بین الاقوامی حالات سے لے کر داخلی حالات پر گفتگو ہوئی۔ سابق وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف سے بھی فلسفیانہ اور سیاسی موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ تخیلات کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے دنیا کی سیاست پر بات شروع ہوئی تو شہباز شریف نے فوج اور سیاست دانوں کے درمیان قائم گہری خلیج کو یوں پاٹنے کی کوشش کی:

''ہمیں جنوبی افریقا کی کرشمہ ساز شخصیت نیلسن منڈیلا سے راہ نمائی لینی چاہیے۔ ایک طویل عرصہ

جیل میں گزارنے کے بعد جب کسی نے پوچھا آپ کی خوش گوار ترین یاد کون سی ہے تو منڈیلا نے کہا، جیلر نے ایک بار شدید پیاس میں مجھے پانی دیا تھا۔ یہی میری سب سے حسین یاد ہے۔ ہمیں اس طرح کی کشادہ دلی سے کام لینا چاہیے''۔

فوج سے رابطوں کے حوالے سے قیاس آرائیوں کی حقیقت کو جاننے کے لئے شہباز شریف سے پوچھا کہ اس بات میں کس حد تک حقیقت ہے کہ آپ فوج سے رابطے میں ہیں؟ شہباز شریف نے ترت جواب دیا:

''میرا فوج سے کوئی رابطہ نہیں۔ مجھے بالواسطہ طور پر صلح کا پیغام دیا گیا تھا، لیکن میں نے جواباً کہا کہ اگر میں خاندان سے وفادار نہیں رہا تو پھر آپ سے کیسے وفاداری کر سکوں گا''۔

میں نے پوچھا آپ کی فوج کے بارے میں کیا رائے ہے؟

شہباز شریف نے سوچے سمجھے الفاظ میں کہا:

''فوج کو ایک زمینی حقیقت کے طور پر ماننا پڑے گا۔ اگر فوج نہ رہی تو ملک بھی نہیں رہے گا۔ فوج 28,27 سال حکومت کر چکی ہے۔ یہ حقائق زمینی ہیں۔ فوج سے محاذ آرائی نہیں ہونی چاہیے۔ فوج تو ایک بڑا منظم ادارہ ہے، اس سے کیسی محاذ آرائی؟ یہ چند جرنیل ہیں، جن کے سیاسی عزائم ہیں''۔

اگر کبھی آپ کو واپسی کا موقع ملا تو اب کیا کریں گے؟ میں نے سیاست دانوں میں تبدیلی نہ آنے کے رویے کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ سوال پوچھ لیا۔ شہباز شریف نے مسکراتے ہوئے کہا:

''ہم یہ طے کر چکے ہیں کہ جمہوری حکومت کو پہلا پوائنٹ یہ طے کرنا چاہیے کہ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کسی صورت میں فوج کو نہیں آنے دیں گے''۔

پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے شہباز شریف نے دوٹوک الفاظ میں کہا:

''بہترین راستہ امن کا ہے، جب تک بھارت اور پاکستان میں کشیدگی ختم نہیں ہوگی، غربت ختم نہیں ہو سکتی''۔

شہباز شریف کے عوامی منصوبوں کے حوالے سے پوچھا گیا کہ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ کیا تھا؟

شہباز شریف نے فوراً کہا: ''میں سمجھتا ہوں میرا سب سے بڑا کارنامہ غریبوں کے لئے ایئر کنڈیشنڈ بسیں چلانا تھا''۔

شہباز اپنے کارنامے سنا رہے تھے اور میرے ذہن میں ان کے بارے میں عمومی تاثر کا خاکہ ابھر رہا تھا۔ وہ سخت مزاج ہیں، عوام کے پسندیدہ راہ نما نہیں بلکہ ایک سخت گیر منیجر ہیں میں نے یہی تاثر ان کے سامنے رکھ دیا۔

شہباز شریف نے غور سے بات سنی اور پھر کہا:

''میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں شاید عوام میں اس قدر مقبول نہیں تھا اور میں زیادہ تر منیجر کا کام ہی کرتا تھا لیکن میری رائے یہی تھی کہ مجھے اراکین صوبائی اسمبلی سے ملاقاتوں کے بجائے عوام کی فلاح و بہبود کے منصوبوں پر توجہ دینی چاہیے''۔

12 اکتوبر کے واقعات کا ذکر ہوا تو شہباز شریف نے اپنے خاندان سے مختلف رائے کا اظہار کیا اور کہا:

''مجھ سے مشورہ کیا جاتا تو میں جنرل پرویز مشرف کو فوج سے نکالنے کی مخالفت کرتا۔ مجھے علم تھا کہ فوج نے معاہدہ واشنگٹن کے بعد حکومت کی عزت کرنی چھوڑ دی تھی''۔

ڈیل کے حوالے سے شہباز شریف نے کہا:

''میں نے تو جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا تھا، کچھ جرنیل اور جیل کے ساتھی گواہ ہیں''۔

مسلم لیگ کے اندر اختلافات اور شخصیات سے تضاد کے حوالے سے سوالات در سوالات کیے گئے۔ شہباز شریف نے انتہائی نپے تلے انداز میں ان کا جواب یوں دیا:

''چودھری شجاعت حسین بنیادی طور پر شریف النفس ہیں، لیکن انہیں کارگل اور دوسرے معاملات پر متنازع بیانات نہیں دینے چاہئیں تھے۔ نواز شریف بتاتے ہیں کہ چودھری شجاعت نے انہیں کہا تھا کہ مجھے بس آپ ہی کے ساتھ سیاست کرنی ہے۔ اس کے بعد سیاست نہیں کرنی۔ اب وہ خود فیصلہ کر لیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے''۔

میں نے پھر سوال کی گرہ لگائی، ''میاں شریف نے چودھری خاندان سے وزارت اعلیٰ کا حلف اٹھوانے کا وعدہ کیا تھا''۔

شہباز شریف نے تیز لہجے میں کہا، ''یہ بالکل غلط ہے۔ میاں شریف نے کبھی یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ وہ انہیں وزیر اعلیٰ بنائیں گے۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ پرویز الٰہی کے بیانات اور اقدامات سے مجھے بہت صدمہ پہنچا ہے''۔

اور میاں اظہر؟ میں نے مزید کریدا۔

شہباز شریف نے صاف دلی سے کہا:

''میں شروع میں سمجھتا تھا کہ میاں اظہر کا ہم سے اصولی اختلاف ہے لیکن اب میری رائے ہے کہ جب میاں اظہر نے ہم سے اختلاف کیا تو اس کا فوج سے رابطہ ہو گیا تھا، اسی لئے ہماری مخالفت کرتا تھا''۔

آخر میں میں نے احتساب کے حوالے سے پوچھا کہ کیا آپ کے دور میں شفاف احتساب ہوا؟

شہباز شریف کہنے لگے:

''بالکل نہیں! اصل میں سیف الرحمٰن کو احتساب بیورو کا سربراہ بنانا غلط تھا۔ جسٹس شفیع الرحمٰن کے ذریعے سے بے لاگ اور غیر جانب دارانہ احتساب ہونا چاہیے تھا تاکہ کوئی بھی احتساب پر انگلی نہ اٹھا سکتا''۔

باتیں تو بہت تھیں، لیکن وقت اور قانون کی پابندیاں آڑے آتی رہی اور یوں یہ ملاقاتیں اور یہ خواب انجام کو پہنچ گئے۔ (سنڈے میگزین)

روزنامہ جنگ

10 فروری 2002ء

لندن کے لیل ونہار

(لندن میں سابق وزیراعظم نواز شریف کے حالات، سرگرمیوں اور گفتگو پر مبنی خصوصی رپورٹ جس کے بعض حصے اخبار کی اشاعت کے مراحل میں سینسر کی نذر ہو گئے تھے یہ مکمل رپورٹ پہلی بار شائع ہو رہی ہے)

- کارگل جنگ کے دوران وزیراعظم سے پوچھے بغیر ایٹمی ہتھیاروں کی نقل وحرکت کی گئی۔
- ٹیک اوور کا فیصلہ اور تیاری پہلے سے ہو چکی تھی، کارگل پر کمیشن بیٹھتا تو یہ کارروائی ہونی تھی۔
- میں کارگل پر کمشن بٹھانے کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر غور کر رہا تھا۔
- جنرل ضیاءالدین اگر تھری سٹار جنرل بننے کا اہل تھا تو چیف آف آرمی سٹاف بھی بن سکتا تھا۔
- شریعت بل کے حوالے سے ایسی چیزیں سامنے آئی تھیں کہ اسے ملتوی کرنا پڑا تھا۔
- 73ء کے آئین کی اسلامی شقیں کافی ہیں انہی سے اسلامی جمہوری نظام نافذ العمل ہو سکتا ہے۔
- سب سے پہلے والدہ نے سعودی عرب جانے کی رائے دی، والد صاحب نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا۔
- جیل بہادری سے کاٹی، فوجی حکومت مجھے راستے سے ہٹانا چاہتی تھی، رونے سے اللہ نے محفوظ رکھا۔
- 17ویں ترمیم کے بعد اپنے کسی کارکن کو بھی وزیراعظم بنوانے کا سوچ تک نہیں سکتا۔
- صدر تارڑ اسی لئے صدر کے عہدے پر رہے کہ میری مدد کا کوئی موقع استعمال کر سکیں۔
- صدر کلنٹن کے دورۂ پاکستان کے دوران صدر تارڑ نے میری رہائی کی بات کی تھی۔
- مشکلات مجھے باغی بنا سکتی تھیں مگر میں اور زیادہ جمہوری ہو گیا ہوں۔
- جنرل محمود نے ٹیک اوور کی رات مجھے پوچھا کیا آئی ایس آئی نے بتایا نہیں تھا جنرل مشرف کو ہٹانے کا نتیجہ کیا نکلے گا۔
- جہانگیر کرامت کا ذاتی احترام تھا لیکن ان کا بیان جمہوری حکومت کی رٹ کے خلاف تھا۔

- نائن الیون کے بعد جنرل مشرف کی طرح اتنی جلدی امریکہ کو ہاں نہ کرتے، پارلیمنٹ سے فیصلہ لیتے۔
- دہشت گردی کے خلاف ہوں نائن الیون کے بعد شاید ہمارا فیصلہ بھی جنرل مشرف سے مختلف نہ ہوتا۔
- کشمیر میں آزادی کی جدوجہد ہو رہی ہے اسے دہشت گردی قرار دینا غلط ہے۔
- والد کی کمی بہت محسوس کرتا ہوں وہ ہر دم مجھے غریبوں کا خیال رکھنے کی ہدایت کرتے تھے۔
- والد صاحب کبھی جیل میں ملنے نہیں آئے وہ سمجھتے تھے کہ جیل میں جا کر کس بات پر افسوس کریں

پاکستان کے سابق وزیراعظم میاں نواز شریف نے حال ہی میں اپنی سیاسی سرگرمیوں کے لئے آکسفورڈ سٹریٹ میں سیلف رجز سٹور کے ساتھ ہی مسلم لیگ (ن) کا دفتر قائم کیا ہے مسلم لیگ (ن) کی ورکنگ کمیٹی کے لندن اجلاس کے بعد اس آفس میں بہت رونق رہی۔ فرسٹ فلور پر واقع فلیٹ نمبر 10، بنیادی طور پر تین بیڈ روم کا فرنشڈ فلیٹ تھا جسے میاں نواز شریف کے فرزند حسن نواز شریف کی کمپنی نے خرید کر فرنش کیا تھا اب اسے ان سے کرایہ پر لیا گیا ہے۔ میاں نواز شریف صبح ہی سے سیاسی سرگرمیاں شروع کر دیتے ہیں البتہ حسن نواز شریف اور اہل خاندان کے ساتھ صبح دو گھنٹے گزارتے ہیں حسن نواز اپنے والد کے لندن آنے سے پہلے صبح آٹھ بجے، پکاڈلی روڈ پر گرین پارک کے بالمقابل اپنے دفتر روانہ ہو جاتے تھے والدین کی لندن موجودگی کی وجہ سے وہ دس بجے دفتر جاتے ہیں میاں نواز شریف نے ایک روز حسن کی تعریف کرتے ہوئے بتایا کہ حسن نے خاندانی بزنس سے ہٹ کر یعنی صنعت کاری سے الگ رئیل اسٹیٹ اور انوسٹمنٹ کا کاروبار شروع کیا اور ماشاءاللہ تھوڑے ہی عرصے میں اس نے کاروبار میں بہت ترقی کی ہے حسن جہاں ورلڈ مارکیٹس میں شیئرز اور انویسٹمنٹ کا کاروبار کرتے ہیں وہاں وہ لندن میں پراپرٹی خرید کر خود اس کو ڈیویلپ کرتے ہیں چند سالوں میں ہی انہوں نے ملین آف پاؤنڈز کما کر برطانیہ میں اپنی کاروباری ساکھ بنالی ہے۔

کوئی مہمان ہو تو میاں نواز شریف دوپہر کا کھانا لندن کے کسی نہ کسی ریستوران میں کھاتے ہیں عام طور پر ریستوران کا انتخاب حسن نواز شریف یا میاں نواز شریف کے فیملی فرینڈ سجاد شاہ کرتے ہیں لندن میں میرے قیام کے دوران تین چار بار عربی، لبنانی ریستورانوں ''فواز'' اور ''نورا'' پر کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ نورا پر جمعہ کے روز تازہ مچھلی اور پلاؤ کی خصوصی ڈش تیار کی جاتی ہے جو بہت ہی لذیذ ہوتی ہے۔ نواز شریف اور ان کے اہل خانہ حسن سے خصوصی محبت بھی کرتے ہیں اور اس کا خاص

خیال بھی کرتے ہیں حسن نواز شریف بھی تحمل بردباری اور تابع داری کی مثال ہیں اکثر کھڑے رہ کر اپنے والد کی نشست و برخاست اور آرام کا خود خیال رکھتے ہیں لندن میں قیام کے دوران سومیل دور ڈاکٹر طوسی کے زرعی فارم پر گئے تو حسن نواز نے ڈرائیونگ کی راستے میں وہ اپنے والد سے پاکستانی سیاست پر گفتگو کرتے رہے حسن نواز کی بیماری کی تشخیص ہو چکی ہے اسے طب کی دنیا میں MS کہتے ہیں لوزان سوئزرلینڈ کے ڈاکٹروں نے بھی اسی بیماری کی تصدیق کی اور لندن میں ہونے والے طریق علاج کو درست قرار دیا۔ اب حسن نواز شریف کا علاج شروع ہو چکا ہے اس طریق علاج میں خاص قسم کے انجکشن لگائے جاتے ہیں حسن نواز بہت حوصلے میں ہیں اور روزانہ دفتر جانے کے معمول کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

نواز شریف کے بچپن کے دوست سجاد شاہ اب شریف خاندان کے فیملی فرینڈ بن چکے ہیں حسن نواز سے ان کی الگ دوستی اور شہباز شریف سے الگ رشتہ ہے سجاد شاہ محفل میں موجود ہوں تو ہلکا پھلکا مذاق چلتا رہتا ہے سجاد شاہ کھانے کا بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں اس حوالے سے بھی ان سے چھیڑ چھاڑ جاری رہتی ہے۔ میاں نواز شریف نے بال لگوانے کا فیصلہ کیا تو سجاد شاہ کے بال بھی لگوائے تاہم انہوں نے دوسرا اسیشن نہیں کروایا اس لئے محسوس ہی نہیں ہوتا کہ انہوں نے بال لگوائے ہیں شروع شروع میں میاں نواز شریف کے سیاہ گھنے بال نامانوس لگتے تھے لیکن اب آہستہ آہستہ وہ ان کی شخصیت کا حصہ بنتے جارہے ہیں۔ سجاد شاہ اور ان کی اہلیہ کے علاوہ فیملی لنچز اور ڈنرز میں چودھری جعفر اقبال، ان کی اہلیہ عشرت اشرف، غوث علی شاہ اور ان کی اہلیہ بھی شریک ہوتے ہیں۔

آکسفورڈ سٹریٹ کے ساتھ والی گلی میں واقع مسلم لیگ (ن) کے نئے دفتر میں میاں نواز شریف اور شہباز شریف کے لئے الگ الگ دفتر بنائے گئے ہیں دفتر میں لاہور پارٹی کے دیرینہ کارکن عمران خان، افضال بھٹی اور عامر موجود ہوتے ہیں۔ عمران خان، بائیں بازو کے نظریاتی گورو اور سابقہ دور میں میاں نواز شریف کے دست راست پرویز رشید سے انسپائرڈ ہیں اور انہی سے رہنمائی لیتے ہیں پی آئی اے کے سابق میڈیا ایڈوائزر رنادر چودھری بھی لندن میں مقیم ہیں پارٹی کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کی تیاری میں وہ بہت سرگرم رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں انہیں مدعو نہیں کیا گیا۔

نواز شریف نے سیاسی میٹنگ کرنی ہو تو مسلم لیگ (ن) کے دفتر میں ہی کرتے ہیں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے بعد راجہ ظفر الحق، چودھری نثار علی، احسن اقبال اور رانا ثناء اللہ سے ملاقاتیں یہیں ہوتی رہیں۔

میاں نواز شریف سے یہ انٹرویو دو نشستوں میں ہوا تاہم دس بارہ ملاقاتوں میں سیاست ہی زیر

بحث رہی۔ نواز شریف کے لندن میں شب و روز اور خیالات پر مبنی رپورٹ کے ساتھ ساتھ انٹرویو بھی قارئین کی نذر ہے۔

☆ ☆ ☆

یہ لندن ہے جو گئے وقتوں میں سورج کے طلوع ہونے سے غروب ہونے تک پھیلے مختلف ملکوں پر مشتمل برٹش ایمپائر کا دارالحکومت ہوا کرتا تھا اب پلوں سے بہت سا پانی بہہ چکا۔ سلطنت عظمیٰ برطانیہ کی حدود سکڑتے سکڑتے ایک جزیرے تک محدود ہو چکی ہیں طاقت قوت اور دم خم ماضی کی کہانی لگتی ہے۔ تاہم اب بھی برطانیہ میں بالعموم اور لندن میں بالخصوص ماضی کی دولت و ثروت، جاہ و جبر اور حکومت و طاقت کے آثار جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ ٹریفالگر سکوائر ہو، بگ بین ہو، ہاؤس آف کامنز ہو یا آل انڈیا آفس لائبریری یا ایسٹ انڈیا کمپنی کا علاقہ ہر جگہ تاریخی داستانیں بکھری نظر آتی ہیں۔ سنٹرل لندن کی کسی بھی سڑک پر نظر دوڑائیں تو دنیا بھر کی مختلف قومیتوں اور رنگ برنگی نسلوں کے لوگ آزادانہ گھومتے نظر آتے ہیں برطانیہ کی دنیا بھر میں پھیلی ماضی کی نوآبادیات کے بہت سے باشندے اب بھی گھومنے پھرنے اور رہنے کے لئے لندن کو بہتر جگہ تصور کرتے ہیں۔ برطانیہ میں موجود شہری آزادیوں کے سبب دنیا بھر میں حکومتوں کے مخالف، اپنی ریاستوں سے جلاوطن شہری اور اپنے ہی ملکوں میں دوگز جگہ نہ ملنے والے بہت سے لوگ ڈیرہ جمائے بیٹھے رہتے ہیں۔

لندن ان دنوں پاکستانی سیاست کے حوالے سے بھی خاصی اہمیت کا حامل بنا ہوا ہے سابق وزیر اعظم میاں نواز شریف اور ان کے خاندان کے لوگ کئی سال تک سعودی عرب میں قیام کے بعد لندن میں موجود ہیں سعودی عرب میں سیاست پر عمومی پابندی ہے شاید اسی لئے یا کچھ اور نادیدہ پابندیوں کے باعث میاں نواز شریف نہ تو گزشتہ کئی سال پاکستانی سیاست کے حوالے سے سرگرم ہو سکے اور نہ پاکستان کے بدلتے ہوئے حالات پر ان کے خیالات عوام تک پہنچ سکے۔ میاں نواز شریف جب سے لندن پہنچے ہیں وہ اپنے مستقبل کی سیاست کے بکھرے ہوئے تار و پود کو ترتیب دینے میں مصروف ہیں ایک طرف تو وہ بے نظیر بھٹو کے اشتراک سے اے آر ڈی کو مضبوط بنانا چاہتے ہیں جب کہ دوسری طرف وہ لندن ہی میں آل پارٹیز کانفرنس بلا کر ایم ایم اے کو بھی متحدہ اپوزیشن میں شامل کرنے کے خواہش مند ہیں۔

اپنی صحافتی مصروفیات کے سلسلے میں مارچ، اپریل کے مہینے میں لندن میں قیام رہا اس دوران میاں نواز شریف کی سیاسی سرگرمیوں کا مشاہدہ کرنے، ان سے تبادلہ خیال کرنے اور ان کی گفتگو، احساسات اور جذبات کا تجزیہ کرنے کا موقع ملتا رہا۔ لندن میں قیام کے دوران دس بارہ ملاقاتیں

ہوئیں دو چار دفعہ ون ٹو ون ملاقات بھی ہوئی جب کہ اکثر ملاقاتوں کے دوران میاں نواز شریف کی کسی نہ کسی ورکر سے پاکستان ٹیلی فون پر لمبی بات چیت جاری رہتی یا پھر ملاقات کے دوران پاکستان سے آنے والے مسلم لیگی رہنما بھی شامل ہو جاتے۔ ان بہت سی ملاقاتوں کے دوارن، تھوڑا سا وقت با قاعدہ سیاسی گفتگو اور آن دی ریکارڈ انٹرویو کے لئے بھی نکلتا رہا۔

میاں نواز شریف اور ان کے اہل خانہ لندن کے مرکزی علاقے میں رہائش پذیر ہیں عرف عام میں اس سڑک کو پارک لین کہتے ہیں لندن کا خوبصورت اور تاریخی ہائیڈ پارک اس سڑک کے ایک طرف ہے تو دوسری طرف رہائشی عمارتیں ہیں جہاں سے اس پاک کا سبزہ اور درخت دل کو فرحت بخشتے ہیں۔ شریف خاندان کی رہائش آکسفورڈ سٹریٹ کے ایک کنارے ماربل آرچ سے چند فٹ دور ہے ماربل آرچ سے ہائیڈ پارک کے متوازی پارک لین پر چلیں سکینڈ لیفٹ پر بائیں مڑ جائیں تو گرین سٹریٹ میں داخل ہو جاتے ہیں گرین سٹریٹ میں آتے ہی فرسٹ رائٹ پر Dunraven street ہے جس میں Avenfield House کے تیسرے فلور پر شریف خاندان کے رہائشی فلیٹ ہیں فلیٹ 16 میں نواز شریف کا خاندان رہائش پذیر ہے فلیٹ 17 میں شہباز شریف رہتے ہیں تاہم میاں نواز شریف کی لندن آمد کے موقع پر اس فلیٹ کو ملاقاتوں اور میٹنگز کے لئے مختص کر دیا گیا 17-A میں ان دنوں کیپٹن صفدر اور مریم نواز شریف رہائش پذیر ہیں۔

میاں نواز شریف کی لندن آمد سے پہلے گھروں کی نئے سرے سے آرائش کی گئی ہے جس میں سادگی کو مدنظر رکھا گیا ہے البتہ فرنیچر، پردوں، دیواروں اور قالینوں کے رنگوں میں نمایاں تبدیلی لائی گئی ہے کشنز میں گہرے سرخ رنگ یعنی گلاب کے پھول کا رنگ غالب ہے اتفاق سے گلاب کا پھول، میاں نواز شریف کا پسندیدہ پھول بھی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ جدہ کے ڈرائنگ روم اور میاں خاندان کے ماڈل ٹاؤن والے گھر میں بھی یہ رنگ کثرت سے نظر آتا تھا ایک کمرے کے صوفے کے کشنز پر شیر بنے ہوئے ہیں میاں نواز شریف کی سیاسی جماعت کا انتخابی نشان شیر رہا ہے ہوسکتا ہے کہ ان کا پسندیدہ جانور بھی شیر ہی ہو۔ شاید اسی وجہ سے شیر کی شبیہہ لندن میں ان کے فلیٹ میں بھی موجود ہے۔

لندن میں قیام کے دوران میاں نواز شریف نے بہت صبح اٹھنے اور بہت جلد سونے کے معمول کو جاری رکھا ہے مجھے کئی بار ان کا صبح 7:30 بجے فون آیا اس وقت وہ دن کے شیڈول کو فائنل کر رہے ہوتے تھے۔ میری معلومات کے مطابق وہ صبح نماز ادا کرنے کے لئے اٹھتے ہیں پو پھٹتے ہی وہ بیگم کلثوم نواز کے ساتھ صبح کی سیر کے لئے نکل جاتے ہیں لندن میں مارچ، اپریل میں کافی سردی ہوتی ہے لمبے کوٹ پہن کر ہی باہر نکلا جا سکتا ہے سیر کرنے کے بعد دونوں میاں بیوی آکسفورڈ سٹریٹ میں واقع

مارکس اینڈ سپنسر کے ریسٹورنٹ میں چلے جاتے ہیں مارکس اینڈ سپنسر سٹور تو دس بجے کھلتا ہے لیکن اس کا ریسٹورنٹ صبح آٹھ بجے کھل جاتا ہے یہاں کی Layte کافی میاں نواز شریف کی پسندیدہ کافی ہے۔ سیر کرنے اور کافی پینے کے بعد وہ گھر واپس آکر تیار ہوتے ہیں اور اس کے بعد ملاقاتوں، ٹیلی فونوں اور رابطوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو رات کے کھانے تک جاری رہتا ہے میاں نواز شریف رات دس، ساڑھے دس بجے سو جاتے ہیں۔

جمعہ کے روز شریف خاندان کے سارے مرد اور ان کا سٹاف اکٹھے ہو کر ریجنٹ پارک کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں پارک لین سے ریجنٹ پارک کی مسجد چند منٹ کا فاصلہ ہے ایک روز مسجد پہنچے تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی مسجد کی انتظامی کمیٹی کے لیبیائی اور پاکستانی باشندوں نے استقبال کرتے ہی خصوصی کمرے کھلوا دیئے کیونکہ مین ہال بھر چکے تھے نماز جمعہ انہی خصوصی کمروں میں ادا کی گئی۔

لندن میں گھر سے باہر، میاں نواز شریف اکثر پاکستانی لباس یعنی شلوار قمیض ہی پہنے رہتے ہیں ہلکے نیلے رنگ اور سلیٹی رنگ کا شلوار قمیض ان کا پسندیدہ لباس ہے البتہ خوبصورت کف لنک اور جوتے ان کے حسن ذوق کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ حسن نواز شریف اور میاں شہباز شریف دونوں میاں نواز شریف کو کہتے رہے کہ آپ لندن میں سوٹ پہنا کریں۔ لندن میں میرے قیام کے آخری دنوں میں میاں نواز شریف نے پتلون اور شرٹ کا استعمال شروع کر دیا گیا تھا گو ان کا کہنا تھا ابھی وزن زیادہ ہے وزن کم ہو گیا تو سوٹ بھی پہنا کروں گا نواز شریف نے بتایا کہ حسن تو کہتا ہے کہ میں گاڑی بھی خود ڈرائیو کیا کروں۔ میں جب پہلے برطانیہ آتا تھا تو خود ہی ڈرائیو کیا کرتا تھا۔ اب بھی کوشش کروں گا کہ ڈرائیونگ کروں۔

شریف خاندان کی اکثریت ان دنوں جدہ سے لندن جا چکی ہے میاں نواز شریف، بیگم کلثوم نواز شریف کے بعد والدہ میاں نواز شریف، کیپٹن صفدر، مریم صفدر اور ان کے بچے بھی لندن آ چکے ہیں جدہ میں حسین نواز شریف خاندان کے علاوہ عباس شریف اور سہیل ضیاء بٹ ہی وہاں کے مستقل مکین رہ گئے ہیں حسین نواز شریف اور ان کی اہلیہ کا لندن اور دوبئی آنا جانا لگا رہتا ہے البتہ عباس شریف اور سہیل ضیاء بٹ جب سے سعودی عرب گئے ہیں وہاں سے بیرون کسی اور ملک نہیں جا سکے۔

جدہ اور لندن کی رہائش گاہوں اور رہن سہن میں کافی نمایاں فرق ہے۔ جدہ کے السرور پیلس میں ہر طرف نوکروں کا ہجوم تھا کئی بیرے اور کئی خدام تھے جب کہ لندن میں صرف ایک نوکر حمید ہے جو چائے پکانے یا چھوٹا موٹا کھانا پکانے اور سودا سلف لانے پر مامور ہے۔ لندن میں بہت زیادہ مہمانوں

کے بٹھانے کا گھر پر انتظام نہیں ہے زیادہ لوگوں نے کھانا کھانا ہو تو اس کا آرڈر بھی باہر ہی کیا جاتا ہے۔ گو لندن جیسے مہنگے اور گنجان شہر کے حساب سے شریف خاندان کے فلیٹس بہت کشادہ ہیں لیکن ان کے مکینوں کے اعتبار سے جگہ کم پڑتی ہوئی لگتی ہے اپریل کے مہینے میں میاں نواز شریف کے ساتھ حسن نواز، ان کی اہلیہ، حسن نواز کی ساس جو بیگم کلثوم کی بہن بھی ہیں اور حسن نواز کے سسر ڈاکٹر آصف بھی وہیں رہائش پذیر تھے، مارچ کے آخری دنوں میں کیپٹن صفدر، مریم صفدر اور ان کے بچوں کے علاوہ میاں نواز شریف کی والدہ بھی لندن آگئی ہیں۔ میاں شہباز شریف کی فرسٹ اور سیکنڈ فیملی میں سے کوئی بھی لندن کے ان فلیٹس میں رہائش پذیر نہیں البتہ میاں شہباز شریف اپنے بھائی کے شانہ بہ شانہ وہیں نظر آتے ہیں۔ وہ اکثر مختلف سیاسی امور پر مشورہ اور عالمی حالات پر تبصرہ کرتے ہیں میاں نواز شریف ہر سیاسی میٹنگ میں انہیں ساتھ بٹھاتے اور ان سے مشورہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں جو بھی میٹنگ کریں اس کی بریفنگ میاں شہباز شریف کو کرتے ہیں۔ مختلف سفارت خانوں سے رابطے، غیر ملکی تنظیموں سے ملنا جلنا اور شریف خاندان کے ویزے اور آنے جانے کے مسائل کے سلسلے میں ملاقاتیں شہباز شریف ہی کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف کے سیاسی نقطۂ نظر میں اختلاف ہو لیکن باہمی میل جول اور گفتگو میں میاں شہباز شریف احترام کو اس قدر ملحوظ خاطر رکھتے ہیں کہ اس اختلاف کو ڈھونڈنا بہت مشکل ہوتا ہے یہ بات البتہ درست ہے کہ میاں شہباز شریف ہر سیاسی معاملے میں لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے تحفظات و اعتراضات کا میاں نواز شریف کے سامنے اظہار ضرور کرتے ہیں اور وہ ان کی رائے کو غور سے سن کر ہی فیصلہ کرتے ہیں۔

میاں شہباز شریف ہی اکثر پاکستان اور بیرون پاکستان سے آنے والے مہمانوں کی میاں نواز شریف سے ملاقاتوں کا شیڈول طے کرتے ہیں میاں شہباز شریف کے پاکستان سے زبردستی واپس لوٹائے جانے کے زخم ابھی تک تازہ ہیں ان کا کہنا ہے ”اسٹیبلشمنٹ تو ان کے آنے پر اتنی ناراض نہیں تھی البتہ پنجاب کا چودھری خاندان یہ سمجھتا تھا کہ شہباز شریف کے آنے سے وہ ختم ہو جائیں گے اور اصل رکاوٹ انہوں نے ہی ڈالی تھی“۔

میاں نواز شریف کو سارا دن ہی دنیا بھر سے پاکستانیوں کے فون آتے رہتے ہیں وہ ان سے طویل گفتگو کرتے ہیں سیاسی حالات پر اپنا موقف بیان کرنے کے علاوہ وہ ہر فون کرنے والے مسلم لیگی سے اس کے بال بچوں کی خیریت پوچھتے اور اس کے والدین کو آداب و سلام دینا بھی نہیں بھولتے۔

میاں نواز شریف سے کئی ملاقاتوں میں بہت سے سوال ذہن میں کلبلاتے رہے سب سے زیادہ یہ بات ذہن میں آتی تھی کہ آخر 12 اکتوبر کو جنرل مشرف کو ہٹانے کے علاوہ کوئی درمیانی راستہ نہ تھا۔

میاں نواز شریف نے میرا سوال غور سے سنا۔تھوڑا سا مسکرا کر کہا۔'' درمیانی راستہ تو تھا کوئی ایکشن نہ لیتا تو وزیراعظم تو رہتا مگر بطور وزیراعظم میری کوئی حیثیت نہ رہتی میں اپنا اقتدار تو بچا سکتا تھا لیکن عوام کے منتخب کردہ وزیراعظم کی عزت اور اتھارٹی ختم ہو جاتی''۔میری اس جواب سے تشفی نہ ہوئی میں نے پھر سوال داغا'' آپ کا ماضی کا سیاسی کیریئر اس بات کا گواہ ہے کہ آپ نے بہت سوچ سمجھ کر اور تجزیہ کر کے سیاسی فیصلے کیے کیا جنرل مشرف کو ہٹانے کے فیصلے سے پہلے سوچا تھا کہ اس فیصلہ پر عملدرآمد ممکن نہیں ہوگا''نواز شریف نے کچھ لمحے سوچا اور شاید 12اکتوبر کے دن کیے گئے اپنے فیصلے پر دوبارہ سے غور کیا اس وقت کے حالات کو یاد کیا اور پھر کہا'' کامیابی کا امکان ففٹی ففٹی تھا مجھے علم تھا کہ یہ رسکی فیصلہ ہے تاریخ کو اٹھا کر دیکھیں تو صاف نظر آتا تھا کہ فوج بار بار اقتدار پر قبضہ کر لیتی ہے لیکن پھر بھی چانس ضرور لینا چاہیے تھا سو میں نے لیا''۔

غیر رسمی بات شروع ہوئی تو باقاعدہ انٹرویو کا راستہ بھی نکل آیا۔

یہ بات کس حد تک درست ہے کہ اگر آپ چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف کو 12اکتوبر کو ان کے عہدے سے ہٹانے کا فیصلہ نہ بھی کرتے تو ٹیک اوور ہو جاتا۔آپ کے خیال میں اس صورت میں ٹیک اوور کب ہوتا؟

نواز شریف: یہ بات کافی حد تک درست ہے کہ جیسے ہی جنرل مشرف کو ہٹانے کا فیصلہ ہوا فوراً ہی فوج ٹیلی ویژن سٹیشن اور پرائم منسٹر ہاؤس پہنچ گئی ویسے بھی فوج اتنی جلدی پہنچا نہیں کرتی اور سارے فوجی مکمل طور پر تیار چوق و چوبند اور اسلحہ سے لیس تھے اس سے چند دن پہلے پرائم منسٹر ہاؤس پر تعینات فوجی دستوں کے پاس ایک خاص وائرلیس دیکھی گئی جو ہماری نقل و حرکت اور وزیراعظم ہاؤس میں ہر آنے جانے والے کے بارے میں اطلاع دیتے تھے یہ بات میرے ملٹری سیکرٹری نے نوٹ کی اور اس نے بریگیڈ کمانڈر سے بات کی اور پوچھا یہ کیا معاملہ ہے۔جس کے بعد وہاں کے فوجی سیکورٹی عملے سے وہ وائرلیس واپس لے لی گئی دلچسپ بات یہ ہے کہ جس رات مجھے گرفتار کیا گیا جنرل محمود نے مجھے پوچھا کہ کیا آپ کو آئی ایس آئی نے بتایا نہیں تھا کہ اگر آپ نے چیف آف آرمی سٹاف کو ہٹایا تو اس کے کیا نتائج ہوں گے اس بات سے صاف پتہ چلتا تھا کہ ان کی پلاننگ پہلے سے مکمل تھی۔

کیا آپ کو آئی ایس آئی نے ممکنہ ٹیک اوور کے بارے میں اطلاع دی تھی؟

نواز شریف: جی! مجھے آئی ایس آئی نے اس بارے میں اطلاع نہیں دی تھی چونکہ چند جرنیلوں کے دل

میں کارگل کا چور تھا تو اس لئے انہوں نے سوچ رکھا تھا کہ اگر اس معاملے پر کوئی ایکشن کیا گیا تو پھر وہ ٹیک اوور کریں گے اور ان کو خوف تھا کہ اگر کارگل پر کوئی کمیشن بیٹھتا یا کوئی انکوائری ہوتی تو پھر یہ ایکشن کرنے کا پروگرام بنا چکے تھے۔

کیا آپ اس وقت کارگل پر کوئی کمیشن بنانا چاہ رہے تھے۔

نواز شریف: اصل میں، میں اس وقت کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کیونکہ ایک طرف مجھے ملک کا وقار بہت عزیز تھا کہ اس پر کوئی داغ نہیں لگنا چاہیے کیونکہ اگر فوج کی کارگل یا کسی اور حوالے سے کمزوری سامنے آتی تو پاکستان کا دنیا میں امیج بہت متاثر ہوتا کمیشن مقرر کرنے کا مطلب یہ بھی ہوتا کہ ہمیں بہت دھچکا اور نقصان ہوا تھا پھر اس سے بہت سے پول کھلتے میں کبھی کبھی میں یہ سوچتا تھا کہ کمیشن بنانے سے فوج اور ملک دونوں کے وقار کو داغ لگتا اس لئے میں اپنا ذہن اس حوالے سے بنا نہیں سکا تھا۔ دوسری طرف میں سوچتا تھا کہ ایسا کمیشن بنانا ضروری بھی تھا کہ کیونکہ کارگل کی جنگ سے پاکستان کے مفادات کو بہت ضرب لگی تھی بہت خوفناک منظر اور تشویشناک صورتحال بن چکی تھی۔ ہم ایٹمی جنگ کے قریب پہنچ گئے تھے۔

بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپ جنرل ضیاء الدین کی جگہ کسی اور جنرل کا انتخاب کرتے تو شاید فوج آپ کا فیصلہ مان لیتی؟

نواز شریف: غلطی ...... تو میں نہیں جانتا۔ لیکن تھری سٹار جنرل تو وہ تھا اگر تو ایک تھری سٹار جنرل چیف آف آرمی سٹاف بننے کے لائق نہیں تو پھر اسے تھری سٹار جنرل بھی نہیں بننا چاہیے تھا اگر جنرل ضیاء الدین تھری سٹار جنرل کے عہدے تک پہنچ گیا تھا تو پھر اسے چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے تک ترقی بھی دی جا سکتی تھی لیکن غلطی شاید میں نے اس حوالے سے کی کہ میں نے جرنیلوں کی سنیارٹی کو نظر انداز کیا جب جنرل مشرف کو لگایا گیا تو خالد نواز خان اور علی قلی خان بائی پاس ہو گئے تھے یہ میری غلطی تھی اس میں سبق یہ ہے کہ جو میرٹ پر آتا ہو اور اس میں کردار کی کوئی خامی بھی نہ ہو تو پھر اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

کیا کبھی یہ تو محسوس نہیں ہوتا کہ اگر جنرل جہانگیر کرامت سے استعفیٰ نہ لیا جاتا تو بہتر تھا؟

نواز شریف: جی نہیں۔ گو میں جنرل جہانگیر کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہوں کہ وہ جمہوری ذہن کا شخص تھا لیکن جو پالیسی بیان جنرل جہانگیر کرامت نے دیا تھا وہ جمہوری حکومت کے معاملات میں

مداخلت کے مترادف تھا۔ جنرل جہانگیر کرامت کا یہ بیان ان کے دائرہ کار سے باہر نکل کر دیا گیا تھا جو کہ غلط تھا۔ حکومت کی رٹ کو قائم رکھنا بہر حال ضروری ہوتا ہے۔ حکومت کی رٹ پر کوئی ضرب کسی بھی صورت برداشت نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرے دل میں آج بھی ذاتی طور پر جنرل جہانگیر کرامت کا احترام موجود ہے۔ ان میں جمہوریت کے احترام کا جذبہ موجود تھا۔

کیا جمہوریت کے اس احترام کی وجہ سے انہیں ان کے عہدے پر برقرار نہیں رہنا چاہیے تھا؟

نواز شریف: نہیں وہاں معاملہ پھر اصول کا آجاتا ہے۔ اصولوں پر مصلحت نہیں کی جاسکتی۔

بے نظیر بھٹو کے خلاف ہائی کورٹ نے جو فیصلہ سنایا تھا اس کے حوالے سے جو آڈیو کیسٹس آئی ہیں ان میں آپ کا نام بھی آتا ہے؟

نواز شریف: مجھے اس حوالے سے کوئی علم نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس میں میرا کوئی کردار ہے۔ نہیں۔ نہیں مجھے اس بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔

فرض کریں نائن الیون کو ٹوئن ٹاور پر حملے کے وقت آپ وزیر اعظم ہوتے تو کیا آپ جنرل مشرف سے کوئی مختلف فیصلہ کر سکتے تھے؟

نواز شریف: دیکھیں۔ جہاں تک دہشت گردی کی بات ہے تو اس کے خلاف برسر پیکار ہونا لازمی امر ہے میں تو دہشت گردی کے سخت خلاف ہوں لیکن کم از کم سپر پاورز کو بھی چاہیے کہ وہ دہشت گردی اور جدو جہد آزادی کے درمیان جو باریک فرق ہے اس کو سمجھیں یقیناً نائن الیون کا واقعہ صریحاً دہشت گردی تھی میں اس دہشت گردی کے سخت خلاف ہوں۔ ہم بھی شاید کوئی مختلف فیصلہ نہ کرتے لیکن قوم کو اعتماد میں لے کر فیصلہ کرتے۔ ہم اتنی جلدی امریکہ کو ہاں نہ کرتے جتنی دیر تک پارلیمنٹ کے اندر فیصلہ نہ ہو جاتا۔ ہم اتنی جلدی امریکہ کے آگے نہ بچھ جاتے۔ پہلے ہم پوری قوم کو قائل کرتے کہ ہمیں دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑنی چاہیے پھر کوئی قابل عزت فیصلہ کرتے۔

میں یہ بات بھی واضح طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ سپر پاورز کو بھی یہ اختیار نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اپنے مفادات کی خاطر جہاں آزادی کی جدوجہد ہو رہی ہے اسے دہشت گردی کہہ دیں یا جہاں دہشت گردی ہو رہی ہے اسے آزادی کی جدوجہد قرار دیں اب کشمیر میں آزادی کی جدوجہد ہو رہی ہے اسے

دہشت گردی قرار دینا سراسر غلط ہے۔ فلسطین کے اندر ایک طرف سے اسرائیل ریاستی دہشت گردی کرتا ہے جب کہ فلسطینی اینٹوں سے اپنا دفاع کرتے ہیں اب یہ کوئی دہشت گردی نہیں ہے اسرائیل کی ریاستی دہشت گردی کو آپ کس کھاتے میں ڈالیں گے۔

آپ کے دور حکومت میں فوج نے بھارت سے دوستی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ جنرل مشرف کے دور میں پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے کئی نشیب وفراز آئے کیا فوج کا پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے رویہ اور نظریہ بدل چکا ہے؟

نواز شریف: میرے خیال میں میرے زمانے میں پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے اعتماد سازی کے جو اقدامات ہوئے تھے پوری قوم نے ان کی تائید کی تھی اس زمانے میں یہ کام بڑی عزت، وقار اور توقیر کے ساتھ ہو رہا تھا اب تو وہی کام بڑی بے عزتی کے ساتھ ہو رہا ہے لگتا ایسا ہے کہ چند لوگوں پر مشتمل گروہ جن کو آپ اسٹیبلشمنٹ یا فوج کہہ رہے ہیں ان کو یہ کام پسند نہیں آیا اس میں ان کا کوئی مفاد پوشیدہ ہوگا۔

اسٹیبلشمنٹ تو بڑا مضبوط گروپ ہے آپ اسے چند لوگوں کا گروہ کہہ رہے ہیں؟

نواز شریف: پاکستان میں اسٹیبلشمنٹ چند لوگوں ہی کا گروہ ہے جس کو توڑنا ہمارے وقت کی اہم ضرورت ہے ان کی طاقت، ضد، شہ زوری کو ختم کرنا ضروری ہے اگر ہم نے ملک کو مہذب اور جمہوری بنانا ہے تو ان کی طاقت ختم کرنی ہوگی اور ماورائے قانون ان کے اختیارات کا خاتمہ ہونا چاہیے ملک کی ترقی، خوشحالی اور نظام کے لئے یہ ضروری ہے میں تو جیل بھی قانون کی رٹ برقرار رکھنے کے جرم میں گیا قید بھی کاٹی، قلعوں میں قید رہا، صعوبتیں برداشت کیں، جائیداد گئی، گھر تک سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ہمارے ماڈل ٹاؤن والے گھر پر مشرف صاحب کا قبضہ ہے جلاوطنی کاٹی (حالانکہ میں تو اسے جلاوطنی نہیں سمجھتا) والد صاحب کی تدفین پر پاکستان نہیں جا سکا یہ میری اس جدوجہد کا حصہ ہے جس کے ذریعے ہم اسٹیبلشمنٹ کی لاقانونیت کو توڑنا چاہتے ہیں۔

کیا آپ کی وزارت عظمیٰ کے دوران اسٹیبلشمنٹ لاقانونیت کا اظہار کرتی تھی؟

نواز شریف: لاقانونیت تو بہت دور کی بات ہے یہ تو آئین کے خلاف جاتے تھے ابھی بھی آئین کے خلاف جا رہے ہیں۔

آپ کو اپنے والد سے غیر معمولی محبت تھی ان کی وفات کے بعد کس طرح کی کمی محسوس کرتے ہیں؟

نواز شریف: بہت کمی محسوس کرتا ہوں۔ والد صاحب نے ہمارا بہت ساتھ دیا مجھے یاد ہے کہ جب میں پہلے اور دوسرے دور میں وزیر اعظم تھا تو مجھے بار بار کہتے تھے "نواز شریف آٹا نہیں مہنگا ہونے دینا" چاہے غریبوں کے لئے سستا کرنا پڑے، چاہے بجٹ سے اس مد میں پیسہ ڈالنا پڑے گھی مت مہنگا ہونا دینا، بجلی کے ریٹ نہ بڑھانا، پٹرول کو مہنگا نہ کرنا، یہ غریبوں کی چیزیں ہیں ان کو کم کرنے کی کوشش کرو"۔ اسی لئے تو کابینہ کی میٹنگز گھنٹوں اور پہروں جاری رہتی تھی لیکن میں آٹا اور گھی کے ریٹ بڑھانے پر تیار نہیں ہوتا تھا اور پاکستان کی تاریخ میں ہم ہی نے پہلی بار بجلی کے ریٹ کم بھی کیے تھے آٹے پر سبسڈی دی بلکہ اگر کسی چیز کی عالمی منڈی میں قیمتیں بڑھتی بھی تھیں تو ہم اپنی طرف سے اس اضافے کو برداشت کرتے تھے عام آدمی پر اس اضافے کا بوجھ نہیں ڈالتے تھے والد صاحب ان چیزوں کے بارے میں بہت تاکید کرتے تھے مجھے ان کی خاص طور پر اس لئے بھی بہت یاد آتی ہے کہ وہ مجھے کبھی جیل میں ملنے نہیں آئے۔

جیل میں ملنے نہ آنے کی وجہ کیا تھی؟

نواز شریف: بس! انہوں نے کہا نہیں...... میرے خیال میں یہ ان کی بہادری تھی ان کی ہمت اور عزم تھا کہ یہ جو جدوجہد کر رہے ہیں ایک دن یہ منطقی نتیجے تک پہنچے گی شاید وہ اس لئے جیل نہیں آتے کہ ان کے پاس جا کر کس چیز کا افسوس کروں کس بات پر دکھ کا اظہار کروں کہ آپ جیلوں میں ہیں اور آپ بڑے تنگ ہوں گے اس لئے وہ جیل نہیں آتے تھے اور جو بھی میرے لئے پیغام ہوتا تھا وہ کلثوم کو دے دیتے تھے کہ نواز شریف کو بتا دینا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سعودی عرب جانے کے فیصلے پر آپ ابتدائی طور پر رضا مند نہیں تھے اور شاید یہ آپ کے والد کا فیصلہ تھا؟

نواز شریف: اصل میں، میرے والد نے کہا تھا کہ اگر ہمارے مخلص دوست پرنس عبداللہ ہمیں سعودی عرب آنے کی دعوت دی ہے تو ہمیں اس کو مسترد نہیں کرنا چاہیے۔

تو کیا آپ شروع میں ہچکچا رہے تھے؟

نواز شریف: نہیں۔میں نے شروع سے ہی فیصلہ والد صاحب پر چھوڑا ہوا تھا نہ تو میں ہچکچا رہا تھا اور نہ ہی تلا ہوا تھا میں نے سوچا کہ بزرگوں کا جو بھی فیصلہ ہوگا میں اس کی پیروی کروں گا۔ والدہ صاحب چاہتی تھیں کہ ہمیں جلدی سے جلدی سعودی عرب کی طرف سے دعوت فوراً قبول کر لینی چاہیے جب کہ والد صاحب نے اس بات پر ذرا سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا سب سے پہلے فیصلہ والدہ صاحبہ نے کیا اور بعد میں سب اس کے قائل ہوئے والد صاحب کو ہم سعودی عرب میں کہتے رہے کہ آپ کچھ دنوں کے لئے پاکستان چلے جائیں آپ کو تو کوئی نہیں روک سکتا لیکن وہ کہتے کہ نہیں اکٹھے ہی چلیں گے لیکن بالآخر وہ اس وقت سے پہلے ہی چلے گئے اور ہم اکٹھے وطن واپس نہ جا سکے۔

بلوچستان کے حالات روز بروز خراب ہو رہے ہیں آپ کے نزدیک صوبوں میں بداعتمادی کی اصل وجہ کیا ہے؟ آپ دو بار وزیر اعظم رہے ہیں آپ کو تو اس حوالے سے کافی علم ہوگا؟

نواز شریف: آئین سے انحراف صوبوں کے درمیان بداعتمادی کی اصل اور بنیادی وجہ ہے ہمارا دور تھا بلوچستان بھی تھا اس کی یہی لیڈر شپ تھی انہوں نے تیرہویں اور چودہویں ترمیم کے موقع پر ہاتھ اٹھا کر ہمارے ساتھ ووٹ دیا یہ سب ترامیم متفقہ طور پر پاس ہوئی تھیں اس وقت بے نظیر بھٹو نے بھی ہمارا ساتھ دیا تھا حالانکہ ہماری ورکنگ ریلیشن شپ اس وقت بھی کچھ اچھی نہ تھی نواب اکبر بگٹی، مینگل اور بزنجو نے بھی ہمیں ووٹ دیئے تھے اس چیز کو تو قومی یک جہتی کہتے ہیں اسی کو صوبوں کے درمیان اچھے تعلقات کی تعبیر سمجھا جاتا ہے صرف جمہوریت اور جمہوری حکومتیں ہی صوبوں کے درمیان اچھے تعلقات قائم رکھ سکتیں ہیں یہ فوج اور جرنیلوں کا کام نہیں ہے یہ تو اچھے بھلے کام کو بگاڑ دیتے ہیں کسی نظام کو بگاڑنا ہو تو فوج کو لے آؤ۔ سنوارنا ہو تو جمہوری حکومتوں کو لانا پڑتا ہے صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم بہت ہی مشکل مسئلہ تھا 70 سال تک یہ کام نہیں ہو سکا تھا ہم نے یہ کام صوبوں کے اتفاق رائے سے کر ڈالا کون کون سی مثالیں دوں......

آپ کے دور میں شریعت بل کی منظوری کی کوشش ہوئی کیا آپ 1973ء کے آئین کی اسلامی شقوں سے مطمئن نہیں یا ان شقوں کو ناکافی سمجھتے ہیں؟

نواز شریف: میری ہمیشہ سے یہ سوچ رہی ہے کہ ہم اسلام کا نفاذ سب سے پہلے اپنی ذات میں کریں پھر دوسروں کو تلقین کریں میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ شریعت بل کے قومی اسمبلی میں پاس ہونے کے بعد کچھ

ایسی چیزیں سامنے آئیں کچھ لوگوں نے اس میں مشورے بھی دیئے تھے جن کو درست کرنا ضروری تھا اس لئے ہم نے سینٹ میں اس کی منظوری کے حوالے سے زیادہ زور نہیں دیا اسی لئے شریعت بل التواء میں پڑا رہا۔

کیا آپ 1973ء کی اسلامی شقوں سے مطمئن نہیں؟

نواز شریف: میرے خیال میں 1973ء کی اسلامی شقیں بھی کافی ہیں اور اگر 1973 کے آئین پر مکمل طور پر عمل کیا جائے تو ایک مکمل جمہوری اسلامی نظام نافذ العمل ہو سکتا ہے۔

آپ کے مخالف سمجھتے ہیں کہ کارگل کی صلح کے معاملے میں آپ امریکی صدر کلنٹن کے سامنے جھک گئے تھے؟

نواز شریف: (توقف کرتے ہوئے، سوالیہ انداز میں) امریکہ سامنے، کلنٹن کے سامنے میں کس بات پر جھک گیا تھا؟

آپ نے امریکہ جا کر کہا ہماری صلح کروائیں؟

نواز شریف: (غصے سے) مجھے بھیجنے والے خود مشرف تھا۔

آپ انہیں ساتھ لے جاتے؟

نواز شریف: بس! انسان سے غلطیاں تو ہو جاتی ہیں (مسکراتے ہوئے) حالات اور واقعات سے انسان بہت کچھ سیکھتا ہے جھکنے کا وقت تو وہ تھا جب پاکستان نے ایٹمی دھماکے کرنے تھے اس وقت نہیں جھکے تو کارگل کے معاملے پر کیا جھکنا تھا۔

آپ بڑے طاقتور وزیراعظم رہے کس غلطی پر سب سے زیادہ پچھتاوا ہوتا ہے؟

نواز شریف: (مسکراتے ہوئے) جنرل مشرف کو چیف آف آرمی سٹاف بنا کر غلطی کی (سنجیدہ انداز میں) میرے خیال میں اپوزیشن سے اپنے اختلافات کو اس حد تک نہیں لے جانا چاہئے تھا کہ ذاتی مخالفت بن جائے۔ ہم سب نے یہ سبق سیکھا ہے اور یہ سبق ملک وقوم کے لئے بہت ضروری ہے۔ جس طرح کی مشکلات سے میں گزرا ہوں یہ حالات تو مجھے باغی بنا سکتے تھے لیکن اچھی بات یہ ہے کہ میں باغی نہیں ہوا ورنہ میں کہتا گھیراؤ کرو، جلاؤ، مارو، اڑا دو۔ مجھ میں جمہوریت اور زیادہ رچ بس گئی ہے اور

اب میں پاکستان کو حقیقی طور پر جمہوری ملک دیکھنا چاہتا ہوں جس میں پارلیمنٹ سپریم ہو، جوڈیشری ہو جو آ کر عدلیہ کا صحیح نظام قائم کریں۔

جیل میں دکھ اور تکلیف کے دوران رونا تو آتا ہوگا؟

نواز شریف: جو ہم نے داستان اپنی سنائی، تو آپ کیوں روئے (مسکراتے ہوئے) نہیں رونے سے تو اللہ نے محفوظ رکھا اور آئندہ بھی رکھے تو کیا آپ کے خیال میں، میں نے جیل بزدلی سے کاٹی ہے ہرگز نہیں جیل میں نے بہت بہادری سے کاٹی ہے۔

فوجی حکومت کو برسر اقتدار آئے سات سال ہونے کو ہیں کیا یہ سیاسی قیادت کی ناکامی نہیں کہ اتنے لمبے عرصے میں بھی اے آر ڈی کوئی مؤثر طاقت نہیں بن سکی؟

نواز شریف: اس چیز کا ہم جائزہ لے رہے ہیں اور جلد ہی ایسے اقدامات سامنے آئیں گے جس سے جمہوری راستے کا تعین ہو جائے گا۔

رسمی گفتگو ختم ہوئی تو پھر غیر رسمی باتوں کا سلسلہ چل نکلا ڈیل کی بات ہوئی تو نواز شریف نے کہا ''سترہویں ترمیم کے ساتھ میں شوکت عزیز کی طرح کا وزیراعظم بنوں یہ سوچ بھی نہیں سکتا میں خود تو کیا اپنے کسی ورکر کو بھی ایسا وزیراعظم بننے کی اجازت نہ دوں'' میں نے کہا ایک طرف تو آپ کا اتنا سخت اور اصولی موقف ہے اور دوسری طرف آپ ڈیل کے تحت ہی سعودی عرب سے باہر آئے ہیں۔ میاں نواز شریف نے مجھے مسکرا کر دیکھا ''میرا لندن آنا تو اس بات کی نفی کرتا ہے کہ کوئی ڈیل ہوئی تھی پھر حکومت کے دعوے کیا ہوئے کہ سیاست پر پابندی ہے بول نہیں سکتے وغیرہ وغیرہ پھر سنجیدہ لہجے میں کہا حالیہ بلدیاتی انتخابات سے پہلے مجھے سعودی حکومت سے ایسے اشارے ملے تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ اب میں لندن جا سکتا ہوں لیکن اس دوران پاکستان حکومت بار بار سعودی حکومت کو یہ پیغام بھیجتی رہی کہ اگر نواز شریف لندن چلا گیا تو بلدیاتی انتخابات کے نتائج میں حکومت کو نقصان ہوگا حکومت پاکستان مجھے وہاں سے نکلنے نہیں دینا چاہتی تھی پھر فوجی حکومت نے بار بار ایسی پابندیاں لگانے کی شرائط عائد کرنی چاہیے کہ نواز شریف برطانیہ جا کر آزادانہ تحریر و تقریر نہ کر سکے لیکن اللہ کا فضل ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہو سکا اور میں آپ کے سامنے بالکل آزادانہ اپنی رائے کا اظہار کر رہا ہوں''۔

بات چلتے چلتے ملک کے مستقبل اور آئندہ کے سیاسی نظام پر مرکوز ہو گئی میاں نواز شریف نے کہا ''پاکستان کی اسمبلی اور آئین کو خود مختار طریقے سے کام نہیں کرنے دیا جاتا چند جرنیل بیٹھ کر حکومت پر

قبضہ کرنے کا سوچ لیتے ہیں اب آئینی حکومتوں کو بغاوت کے مسئلے کا دیرپا حل سوچنا ہوگا۔ بھارت اس حوالے سے خوش قسمت رہا کہ وہاں جرنیلوں نے اپنا ملک فتح نہیں کیا۔ اب فوج کے نظام میں ایسی تبدیلیاں کرنا ہوگی کہ مستقبل میں ٹیک اوور نہ ہو سکے اور کم از کم چند جرنیلوں کی خواہشات کو روکنے کے لئے سویلین اداروں کے پاس بھی اپنے دفاع کے لئے متبادل فورس ہو"۔

لندن میں ایک ملاقات کے دوران بیگم کلثوم نواز موجود تھیں میں نے نواز شریف سے کہا بہت سے لوگ اب بھی کہتے ہیں کہ آپ جیل میں رہ جاتے جیل کاٹتے تو شاید آج کا سیاسی منظر اور ہوتا، بیگم کلثوم نے کہا کہ شروع میں میاں نواز شریف نہیں مانتے تھے لیکن میاں شریف صاحب کا فیصلہ سب کو ماننا پڑا میاں نواز شریف نے کہا کہ مجھے یقین تھا کہ فوجی حکومت کسی قاعدہ قانون کی پرواہ کیے بغیر مجھے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے گی۔ پاکستان سے سعودی عرب آنے کی بات کا ذکر ہوا تو میاں نواز شریف نے صدر رفیق تارڑ کے کردار کو سراہا اور کہا "رفیق تارڑ نے شاید اسی لئے صدر رہنا قبول کر لیا تھا کہ اگر میری مدد کا کوئی موقع آئے وہ اسے بطور صدر استعمال کرسکیں صدر کلنٹن پاکستان کے دورے پر آئے، صدر رفیق تارڑ نے صدر کلنٹن سے میری رہائی پر زور ڈالنے کی بات کی تھی"۔

میاں نواز شریف سے مستقبل کے ارادوں پر بات ہوئی تو ایسا لگا کہ وہ کچھ وقت لندن اور کچھ وقت باقی فیملی کے ساتھ سعودی عرب گزارا کریں گے مستقبل کا سیاسی خاکہ بھی وہ بنا چکے ہیں کہ آئندہ انتخابات میں اگر اپوزیشن اکٹھی ہو جائے یا سیٹ ایڈجسٹمنٹ ہو جائے تو جو جماعت سب سے زیادہ نشستیں لے اسے وزارت عظمیٰ دے کر قومی حکومت بنائی جائے اگر اتحادی جماعتوں میں کامیابی کا تناسب 40:60 ہو تو وزارت عظمیٰ کا دور نصف نصف بھی ہو سکتا ہے"۔

نواز شریف ابھی سے مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ قدرت نے ان کے مستقبل کے بارے میں کیا فیصلہ کر رکھا ہے۔

روزنامہ جنگ (سنڈے میگزین)

30 اپریل 2006ء

شہباز شریف سے مکالمہ

☆ پاکستان میں کیوں نہ اتر سکا ☆ اصل کہانی کیا تھی؟
☆ ڈیل کیا ہے؟ ☆ بڑے بڑے مسائل
☆ عدلیہ کی اصلاح ☆ سپریم کورٹ پر حملہ
☆ امیر غریب کا فرق ☆ میں سوشلسٹ ہوں
☆ بچپن کی لڑائیاں ☆ نواز شریف کی شفقت
☆ والد کا احترام ☆ جنرل مشرف سے روابط
☆ میں لاعلم تھا ☆ تعلیم کا مسئلہ
☆ فوج سے مصالحت ☆ ذاتی خیالات

شہباز شریف سے ملئے

(سابق وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف سے انٹرویوز اور گفتگو مختلف ملکوں، مختلف اوقات اور مختلف حالات میں ہوتی رہی۔ جدہ (ستمبر 2001ء)، نیویارک (جولائی 2003ء) اورلندن (جون 2004ء اور اپریل 2006ء) میں ملاقاتیں اور گفتگو ہوئی)

- جرنیلوں کو اعتراض نہیں تھا چودھری میری واپسی سے گھبرا گئے تھے۔
- حکومت پاکستان سے کوئی ڈیل نہیں، معاہدہ ہمارے خاندان اور سعودی حکومت کے درمیان ہے۔
- سعودی عرب سے خود جنرل مشرف کے دفتر فون کیا، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔
- جس سفارتکار نے میرے پاسپورٹ کی تجدید کی اسے پاکستانی حکام نے بہت ڈانٹا
- معاہدے پر میرے، نواز شریف، حسین نواز اور عباس شریف کے دستخط ہیں۔
- حکومت پاکستان کے ساتھ معاملہ نواز شریف کی طرف سے صدر تارڑ کو لکھے جانے والے خط تک تھا۔
- دل پر بوجھ ہے کہ نواز شریف نے پرویز مشرف کو ہٹانے کے فیصلے پر مجھے اعتماد میں کیوں نہیں لیا۔
- فوج سے ڈائیلاگ ہونا چاہئے، میری رائے نواز شریف سے الگ ہے۔
- ماضی کی غلطیوں کو فراموش کر دینا چاہئے کسی سے زیادتی کی ہے تو ملک کی خاطر معذرت کرنے کو تیار ہوں۔
- اپنے ملک میں بھوک ننگ ہو تو کشمیر کو کیسے فتح کیا جا سکتا ہے۔
- دفاعی بجٹ پارلیمنٹ میں پیش ہونا چاہئے فوج کے معاملات شفاف ہوں گے تو اس کا وقار

بڑھے گا۔

- بچپن میں نواز شریف سے بہت لڑائیاں ہوتی تھیں اب باپ کی طرح ادب کرتا ہوں
- نواز شریف کھلے عام تنقید پسند نہیں کرتے باتوں باتوں میں مشورہ دینا پڑتا ہے
- نواز شریف بہت شفقت کرتے ہیں آؤٹ آف دی وے جا کر میری خواہش پوری کرتے ہیں
- عدلیہ کو خود مختار بنانے کے لئے جوڈیشنل ایکٹوازم بھی اپنانا پڑے تو کوئی حرج نہیں

پاکستان کیوں نہ اتر سکا

آپ لندن سے پاکستان آئے مگر آپ کو پاکستان میں داخل نہ ہونے دیا گیا آپ کو پہلے سے اس بات کا اندازہ تھا۔

شہباز شریف: سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ میرے خلاف کوئی کیس نہیں ہے۔ میرے آنے میں کوئی قانونی رکاوٹ نہیں تھی۔ میرا اندازہ ہے کہ جرنیلوں کو میرے پاکستان آنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا البتہ چودھری خاندان کو ڈر تھا کہ میں آ گیا تو ان کے اقتدار کو خطرہ ہوگا۔ اسی لئے انہوں نے میرے آنے کی بھرپور مخالفت کی اور اس بات کو یقینی بنایا کہ میں پاکستان نہ اتر سکوں۔

اصل کہانی کیا تھی؟

اندرونی کہانی کیا تھی کیا کوئی اندرون خانہ مذاکرات ہوئے تھے

شہباز شریف: کوئی ایسی بات نہیں تھی کوئی قانونی رکاوٹ تو تھی نہیں بس سیاسی مخالفت کی وجہ سے اترنے نہ دیا گیا۔

ڈیل کیا ہے؟

آپ بیماری کے سلسلے میں سعودی عرب سے باہر گئے تھے، لوگ بہت سی باتیں بناتے ہیں کہ آپ کی گورنمنٹ سے کوئی ڈیل ہوئی تھی یا حکومت پاکستان سے اجازت لے کر امریکہ گئے تھے؟

شہباز شریف: نہیں میری کوئی ڈیل نہیں ہوئی، گورنمنٹ آف پاکستان آخری وقت تک کوشش کرتی رہی کہ میں لندن نہ جاسکوں لیکن یہ تو سعودی حکومت کو جب میری بیماری کا علم ہوا کہ خطرناک اسٹیج پہ پہنچ رہی ہے اور اس میں وقت ضائع بھی نہیں کرنا چاہیے تو سعودی حکومت نے بھی بہت کوشش کی۔ سعودی حکومت تو اس حد تک بھی سوچ رہی تھی کہ اگر حکومت پاکستان میرا پاسپورٹ جاری نہیں کر رہی تو سعودی پاسپورٹ جاری کر دیا جائے۔ یعنی وہ اس حد تک سوچتے تھے، پھر جدہ میں جو پاکستان کا قونصل جنرل تھا اس سے بھی میں ملا، میں دو ہفتے اس کام میں لگا رہا۔ میں نے سوچا کہ میں جنرل مشرف کو بھی فون کروں اور انہیں بتاؤں کہ یہ تو ''سیریس مسئلہ'' ہے خطرناک بیماری ہے خدانخواستہ جان بھی جاسکتی ہے۔ خیر میں نے جنرل مشرف کے آفس میں فون کیا اور بتایا کہ میں شہباز شریف بول رہا ہوں مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے وہاں بتایا کہ میری بیماری کا مسئلہ ہے ایمرجنسی ہے اس لئے میری ان سے بات کروا دیں، آخر کار میں پاکستانی ہوں میرا حق ہے۔ اس میں کوئی سیاست والی بات نہیں۔ نہ اس میں کوئی تھی، نہ کوئی Give and take کا مسئلہ تھا۔ یہ صرف میری صحت کا مسئلہ ہے۔ زندگی اور موت کا معاملہ ہے لہٰذا میری بات کروا دیں لیکن اس طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ چاروں طرف سے کوئی راستہ نظر نہ آیا رات ایک بجے میں مایوس ہو گیا خیر میں نے پھر جدہ میں پاکستان قونصلیٹ میں کہا کہ میرا پاسپورٹ ''Expire'' ہو گیا وہ مجھے نیا بنا دیجئے۔ انہوں نے کہا میاں صاحب بھجوا دیجئے۔ میں نے ارجنٹ فیس کے ساتھ کاغذات دیئے، ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد مجھے پاسپورٹ مل گیا، پھر میں نے سعودی اتھارٹی کو فون کیا اور میرا ویزا بھی لگ گیا۔

وہ پاسپورٹ اس شخص نے اپنے طور پر دے دیا یا پھر اس میں حکومت پاکستان کی رضامندی شامل تھی۔

شہباز شریف: جی بالکل، اس کے بعد جب اپنی بیوی بچوں کے بارے میں کاغذات دیئے تو وہی شخص کہنے لگا کہ اسلام آباد سے مجھے بہت ڈانٹ پڑی کہ کہ تم نے پاسپورٹ کیوں جاری کیا ہے اور میں یہ ریکارڈ کی بات کر رہا ہوں۔ ایک بات میں اور کر دوں۔ میری ہمیشہ سے یہ سوچ رہی ہے کہ ''بھول جاؤ اور معاف کرو''۔ میری یہ سوچ اور میرا یہ ایمان ہے کہ پاکستان اب مزید نفرتوں اور لڑائیوں کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ پاکستان اب مزید ذاتیات اور شخصیات کی لڑائیاں نہیں لڑسکتا۔ ماضی میں جو زیادتیاں، جو غلطیاں ہوئیں ان کو نہیں دہرانا چاہیے، بڑا دل کر کے اور بڑی سوچ کے ساتھ آگے بڑھنا ہوگا۔ ہمیں پاکستان کی قسمت اور مقدر کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اگر واقعی ہم نے غربت کو ختم کرنا ہے اور واقعی پاکستان

کے مسائل حل کرنے ہیں تو ہمیں نفرتوں اور کدورتوں کو بھلا کر اور ایک طرف رکھ کر آگے بڑھنا ہوگا اور اگر میں یہ سوچوں کہ ہمیں ہتھکڑیاں لگوائی گئیں یا پھر نواز شریف کو ہتھکڑیاں لگوائی گئیں اور ہمارے ساتھ کیا کیا، کیا گیا اور ہم بدلہ لیں گے تو یہ غلط ہوگا اور ایسی ''ادلے بدلے'' کی سیاست نے گزشتہ 56 سالوں میں پاکستان کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔

یعنی آپ چاہتے ہیں کہ موجودہ حکومت نے جو کچھ بھی کیا سب کچھ بھلا دیا جائے؟

شہباز شریف: میں یہ نہیں کہہ رہا، میں نے تو مثال دی ہے کہ اگر میں نے بھی زیادتی کی ہے تو میں ''سوری'' کرنے کے لئے تیار ہوں صرف اور صرف پاکستان کی خاطر ہمیں سب کچھ بھلا دینا چاہیے۔

آپ کی جلاوطنی کی ڈیل اب تک راز ہے؟ ایک طرف تو حکومت پاکستان کہتی ہے کہ آپ کو ڈیل کے تحت سعودیہ بھجوایا گیا ہے دوسری طرف آپ یہ کہتے ہیں کہ ڈیل نہیں ہوئی، سچ کیا ہے؟

شہباز شریف: آپ تو میاں صاحب سے ملتے رہتے ہیں۔ آپ نے ان سے یہ سوال نہیں کیا؟

ان سے علیحدہ طور پر یہ سوال پوچھا گیا ہے؟

شہباز شریف: دیکھیں میں آپ کو بالکل سچ کہتا ہوں کہ سعودیہ کے فرماں رواں شہزادہ عبداللہ سعودیہ کی ماضی کی حکومتوں کی طرح پاکستان کے عوام سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ شہزادہ عبداللہ کی میاں نواز شریف کے ساتھ بھائیوں کی طرح دوستی اور تعلق ہے اور ان کی خواہش تھی کہ میاں نواز شریف اور ان کے خاندان کو میں اپنا مہمان بناؤں اور انہیں جدہ لے کر آؤں۔ وگرنہ آپ کو تو پتا ہے بھٹو کیس میں جس طرح پھانسی دی گئی، پھر جونیجو کو معزول کیا گیا، بے نظیر کو معزول کیا گیا، نواز شریف کو بھی اسی طرح معزول کیا گیا اور جھوٹے کیس میں بیس سال کی سزا دلوائی گئی۔ یہ تو سعودی حکومت کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ ہم لوگ وہاں گئے اور بہ حیثیت مسلمان ہمارا تو عقیدہ ہے کہ بلاوے کے بغیر کوئی بھی مکہ مدینہ نہیں جاسکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی انعام اور مہربانی تھی کہ ہم لوگ وہاں چلے جائیں۔

اچھا یہ بات تھی؟

شہباز شریف: بات یہ ہے کہ نیلسن منڈیلا تو کہتا ہے کہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے بیٹھ کر کوئی کیا ڈیل کر سکتا ہے۔

کیا یہ بات بھی ڈیل کا حصہ ہے کہ آپ کے خاندان کے لوگ سعودی عرب سے کہیں باہر نہیں جا سکتے تھے اور پاکستان واپس نہیں جا سکتے؟

شہباز شریف: نہیں نہیں ایسی بات نہیں، میں اپنی بات پہلے ختم کرلوں۔ یہ حقیقت ہے میں ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ کہہ چکا ہوں کہ آخر کار ہم نے اس دنیا میں تو ہمیشہ نہیں رہنا اللہ کو بھی جان دینی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ راشد قریشی نے ٹی وی پر ایک دفعہ غلط بات کی تھی اور میں خوش قسمتی یا بدقسمتی سے یہ بیٹھا سن رہا تھا۔ مہمان نوازی کے تقاضے تو یہ تھے کہ وہاں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے مگر اس وقت مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل پر آیا اور میں نے کہا کہ اسلامک ری پبلک آف پاکستان کے ترجمان غلط بات کہہ رہے ہیں۔ میں نے وہاں کہا کہ میں نے ہر طرح سے منت سماجت کی کہ مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہنے دو، میرے خلاف آپ نے جھوٹے مقدمے بنائے ہیں، میں ان کو ''Face'' کروں گا، مقابلہ کروں گا ان کا۔ میں نے کہا کہ مجھے کیوں بھجوا رہے ہیں تو کہنے لگے کہ آپ نہیں جائیں گے تو آپ کے خاندان کے کسی فرد کو نہیں جانے دیں گے۔ میں نے کہا کہ آپ جنرل مشرف، جنرل احسان اور جنرل محمود سے پوچھیں اور خانہ خدا میں آکر کہیں کہ آپ لوگ یہ کہہ رہے ہیں ٹھیک ہے۔ اگر ٹھیک ہے تو میں ہر سزا قبول کرلوں گا میں نے بتایا کہ یہ غلط بات کہہ رہے ہیں تو جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے کہ کیا ڈیل ہوئی تو سن لیں کہ سعودی حکومت اور ہمارے درمیان معاہدہ ہے۔ وہاں پر میرے بھی دستخط ہیں، حالانکہ میں کہتا ہوں کہ مجھے میری مرضی کے خلاف بھجوایا گیا لیکن اس معاہدے پر میرے دستخط ہیں اور یہ بات چھپانے میں کوئی حرج نہیں۔ وہاں میاں نواز شریف، عباس شریف اور حسین نواز ہم چاروں کے دستخط ہیں۔ لیکن یہ ہماری اور سعودی حکومت کے ساتھ بات چیت ہے اس میں ہمارا حکومت پاکستان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہے۔

یعنی پاکستانی حکومت کے ساتھ آپ کی کوئی ڈیل نہیں ہوئی؟

شہباز شریف: نہیں نہیں، یہ پاکستانی حکومت نہیں فوجی حکومت کے ساتھ کہیں نا۔

کیا یہ بات طے ہے کہ آپ ایک معینہ مدت کے لئے پاکستان واپس نہیں جائیں گے؟

شہباز شریف: بس ایک ''انڈرسٹینڈنگ'' ہے۔ اس کی تفصیل میں، میں نہیں جانا چاہتا، حکومت پاکستان کے ساتھ معاملہ صرف اتنا تھا کہ میاں صاحب نے صدر تارڑ کو ایک خط لکھا جو اخبارات میں آچکا ہے۔

آپ کی اس سارے معاملے میں کیا رائے ہے؟

اس میں ایسی صورت بنانی ہوگی کہ اگر سیاسی طور پر یا فوج کی طرف سے کتنا بھی دباؤ ہو۔ عدلیہ اس کو قبول نہ کرے۔ پھر عدلیہ میں ایسے لوگوں کو نامزد کیا جائے، جو پروفیشنلی اتنے قابل اور لائق ہوں کہ کوئی بھی ان کی طرف انگلی نہ اٹھا سکے اور اس کے لئے ان کی تعیناتی کا ایسا فول پروف سسٹم بنایا جائے، جس میں کسی قسم کی سیاسی یا فوجی مداخلت نہ ہو اور یہ کام حزب اقتدار اور اپوزیشن کے رہنما مل کر کر سکتے ہیں، بشرطیکہ کہ ان کے دل میں ملک و قوم کے لئے محبت ہو اور میں تو اس حد تک کہوں گا کہ عدلیہ کو آزاد اور خودمختار بنانے کے لئے تھوڑا عرصہ کے لئے جوڈیشل ''ایکٹوازم'' بھی اپنانا پڑے تو اس سے بھی فرق نہیں پڑے گا۔

لیکن یہی جوڈیشل ایکٹوازم جب جسٹس سجاد علی شاہ کے زمانے میں شروع ہوا تو آپ کی سیاسی حکومت اس پر معترض ہوئی تھی؟

شہباز شریف: آج میں کہتا ہوں کہ وقتی طور پر اگر کوئی سیاسی نقصان ہوتا بھی ہے تو کوئی بات نہیں لیکن آپ مستقبل کے تناظر میں دیکھیں تو اس کا بہت فائدہ پہنچے گا۔ آج اگر آپ دیکھیں کہ ہماری عدلیہ کا یہ حال ہے کہ بیرونی سرمایہ کار ہماری طرف رخ کرنے پر تیار نہیں ہیں، کیوں کہ انہیں پتا ہے کہ کسی وقت بھی اگر حالات خراب ہو گئے تو ان کی سرمایہ کاری کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے، اسی لئے وہ کسی قسم کا رسک لینے کے لئے تیار نہیں۔

ماضی میں آپ برسر اقتدار تھے تو آپ اس وقت عدلیہ کی آزادی کے بارے میں نہیں سوچتے تھے۔ اس معاملے میں کیا رکاوٹ پیش آتی تھی؟

شہباز شریف: بات یہ ہے کہ ماضی میں ہماری غلطی تھی یا پیپلز پارٹی کی ہمیں ماضی کی ان غلطیوں سے سبق سیکھنا ہے اور کھلے دل سے اعتراف کرنا ہے اور اگر میں یہ کہوں کے ماضی میں ہم سے بھی غلطیاں ہوئیں تو بے جا نہ ہوگا۔

آپ کے خیال میں وہ غلطیاں کون سی تھیں؟

شہباز شریف: میں یہ بات کھلے دل سے کہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے علم ہے، میاں نواز شریف نے اپنے دوسرے دور حکومت 99-1997ء کے دوران اپنے ذاتی تعلق، دوستی یا پسند کی بنیاد پر کسی ایک جج کی بھی تعیناتی کی سفارش نہیں کی اور یہ بات انہوں نے مجھے ذاتی طور پر بھی بتائی تھی کہ انہوں نے کوئی مداخلت نہیں کی لیکن ہماری حکومت کے خلاف عدلیہ کے حوالے سے ماضی قریب میں بہت پروپیگنڈا

کیا گیا۔

سپریم کورٹ پر حملہ

عدلیہ کے حوالے سے آپ کے آج کے خیالات بہت اچھے ہیں لیکن حال ہی میں چودھری شجاعت حسین نے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کے دور میں سپریم کورٹ پر جو حملہ ہوا تھا اس کی پلاننگ بطور وزیر اعلیٰ پنجاب آپ نے کی تھی۔ آپ اس الزام پر کیا کہتے ہیں؟

شہباز شریف: اچھا کیا آپ نے چبھتا ہوا سوال پوچھ لیا اور اس کا جواب بھی سچائی اور دیانت داری سے دوں گا تا کہ کم از کم عوام کو اس کا علم ہو جائے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بالکل الزام تراشی ہے کہ میری طرف سے سپریم کورٹ پر حملے کی منصوبہ بندی کی گئی۔ اس وقت سپریم کورٹ میں ہمارا کیس چل رہا تھا تو کیس سننے کے لئے مسلم لیگ کے ہمدرد، کارکن اور دوسرے لوگ آتے رہے اور نعرے بازی بھی کی گئی لیکن یہ کہنا کہ اس کی پلاننگ شہباز شریف نے کی تھی، یہ بالکل غلط ہے۔ جہاں تک سپریم کورٹ کے احترام اور وقار کی بات ہے تو میں یہ بات کہوں گا کہ تاریخ میں پہلی دفعہ ایسا ہوا کہ نواز شریف وزیر اعظم کی حیثیت سے بہ نفس نفیس خود عدالت میں حاضر ہوئے، اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی وزیر اعظم عدالت میں حاضر ہوا ہو۔ اس سے بڑا احترام اور عدلیہ کی خود مختاری کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ میں تفصیل میں جانے کی بجائے آپ کو بتانا چاہوں گا کہ سپریم کورٹ نے اس کیس کے حوالے سے دو انکوائریاں کروائیں۔ ایک انکوائری ہماری حکومت کے دوران ہوئی، جو چیف جسٹس اجمل میاں نے کروائی۔ اس پوری انکوائری میں کہیں بھی میرا نام نہیں آیا۔ میں خود کئی باتیں بتا سکتا تھا لیکن میں کسی بحث و تفصیل میں ان کو نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ لیکن اس میں دور دور تک میرا نام و نشان نہیں تھا۔ چلیں اگر کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ میری حکومت تھی، میں چیف منسٹر تھا تو شاید میں نے دباؤ ڈالا ہو گا تب میرا نام نہیں آیا، لیکن جب جنرل مشرف کے مارشل لا کے دوران دوسری انکوائری ہوئی اور جھوٹے جہاز اغوا کیس میں مجھے لانڈھی جیل میں رکھا گیا اور میرا نام جھوٹے کیس میں زبردستی ڈالا گیا، سپریم کورٹ نے روزانہ کی بنیاد پر جو تفصیلی انکوائری کروائی، اس میں بھی میرا دور دور تک نام شامل نہیں تھا تو اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ بے شک چودھری شجاعت یا کسی اور کا الزام ہو کہ اس میں میاں شہباز شریف کی منصوبہ بندی شامل تھی، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایسی گھٹیا منصوبہ

بندی کرواؤں۔ میں تو اس چیز کا داعی ہوں کہ عدلیہ کا احترام اور خود مختاری پاکستان کو ایک باوقار ملک بنا سکتی ہے۔ عدلیہ کے احترام کے حوالے سے میں ایک اور واقعہ آپ کو بتاتا ہوں۔ جنرل (ر) بابر نے مجھ پر الزام لگایا کہ میں نے فرانس سے ایک معاہدے کے دوران کمیشن کھایا۔ میں اس وقت وزیراعلیٰ تھا اور جنرل (ر) بابر نے قومی اسمبلی کی پبلک اکاؤنٹس کمیٹی میں یہ مسئلہ پیش کیا۔ میں نے یہ سب کچھ اخبار میں پڑھا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے کہ میں اس کمیٹی کے سامنے پیش ہونے کے لئے تیار ہوں۔ وہ ثبوت لائیں۔ مجھے کہا گیا کہ چھوڑیں، جنرل (ر) بابر تو روز اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ میں نے کہا نہیں اگر انہوں نے یہ الزام لگایا ہے تو پھر اس کا ثبوت بھی دیں اور میں پنجاب کے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے باقاعدہ پیش ہوا اور کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ چیف منسٹر کی حیثیت سے میں کمیٹی کے روبرو پیش ہوا۔ یہی میری سچائی کے لئے کافی ہے اور چودھری شجاعت جو مجھ پر الزامات لگا رہے ہیں، پہلے اپنے آپ کو دیکھ لیں کہ انہوں نے اسمبلی کے سیکرٹری کو اغوا کیا۔

آپ کون سے واقعے کا ذکر کر رہے ہیں؟

شہباز شریف: یہ واقعہ 1993ء میں ہوا تھا اور چودھری شجاعت اور ان کے رشتہ داروں نے پنجاب اسمبلی کے سیکرٹری کو اغوا کر لیا تھا۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ اور نہیں کہوں گا، کیوں کہ اگر میری زبان کھلی تو بات بہت دور تک جائے گی۔

اس کی تھوڑی سی تفصیلات تو بتائیں، کیوں کہ یہ بات پہلی دفعہ آپ بتا رہے ہیں۔ بظاہر اس اغوا کا فائدہ تو آپ کی مسلم لیگ کو ہی ہوا تھا۔ آپ اتنے سال تک تو اس بات پر خاموش رہے؟

شہباز شریف: میں فائدہ یا نقصان کی بات نہیں کر رہا۔ میں تو کہہ رہا ہوں کہ ایسا ہوا اور یہ سب کچھ چودھری شجاعت اور ان کے ساتھیوں نے کیا۔ مجھ پر اگر سپریم کورٹ پر حملے کے حوالے سے الزامات لگا رہے ہیں تو وہ اس واقعے کا بھی جواب دیں۔ میں نے تو ان کے الزام کا جواب دے دیا ہے، وہ بھی جواب دیں۔

امیر، غریب کا فرق

آپ کی تعلیم و تربیت ایک صنعتی گھرانے میں ہوئی۔ جب آپ بڑے ہوئے تو ظاہر

ہے ایک امیر ترین اور کھاتے پیتے گھرانے سے آپ کا تعلق تھا۔ اس وقت سوسائٹی کے بارے میں آپ کیا محسوس کیا کرتے تھے۔ کیا آپ کو معاشرے کے غریب طبقات سے معاشی تفاوت کا احساس ہوا؟

شہباز شریف: جب تک میں سیاست میں نہیں آیا تھا تو میری سوچ بھی ایک بزنس مین اور امیر ترین آدمی کی طرح تھی۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ ملکی مسائل کیا ہیں؟ معاشی ناانصافی کتنی ہے؟ لوگوں کی کیا ضروریات ہیں؟ ملک کو کن مسائل کا سامنا ہے؟ لیکن میں یہ بات ضرور کہوں گا کہ ہمارے والدین خاص طور پر ہمارے والد میاں شریف نے ہماری ایسی تربیت کی، جو اس وقت بھی کام آئی اور آج بھی کام آ رہی ہے۔ میرے والدین نے نہایت غربت میں آنکھ کھولی، لیکن ان کی شبانہ روز محنت نے 60 کی دہائی میں اتفاق فونڈریز کے ذریعے انہیں بہت بڑا بزنس مین بنا دیا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی تھی کہ میرے والد کو محنت کا اجر ملا۔ غربت سے لے کر آج تک میرے والد نے ہمیں یہی سبق سکھایا کہ سادگی میں زندگی گزارو، نمود ونمائش بہت بڑی جہالت ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی یہ بالکل پسند نہیں اور جو مقام ہمیں حاصل ہے، اس سے مستفیض ہونے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو بھی اس میں شریک کرو جو اس کے حق دار ہیں اور اس کا نتیجہ کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے کارخانے پر کارخانے لگ رہے ہیں۔ ہزاروں لوگوں کو روزگار مل رہا ہے۔ ملکی صنعتی ترقی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومت کے خزانے میں پیسے جا رہے ہیں۔ ہمارے والد صاحب کہتے تھے کہ یہ عبادت ہے۔ اور جو نماز اور قرآن پڑھتے ہیں، اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندگی میں ایک مقصد کے تحت بھجوایا ہے کہ محنت کرو اور دوسروں کے کام آؤ۔

کیا معاشی حوالے سے چھوٹی گاڑی استعمال کرنے یا دوسرے معاملات میں آپ کی سوچ اپنے خاندان سے مختلف تھی؟

شہباز شریف: میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں نے 85ء کے آخر میں یا 86ء کے شروع میں چھوٹی گاڑی استعمال کرنا شروع کی۔ اس سے پہلے میرے پاس جاپانی لگژری گاڑی ہوتی تھی جو شاید پاکستان میں واحد میرے پاس ہی وہ گاڑی تھی۔ اس وقت اس کی قیمت چار لاکھ روپے تھی۔ حالانکہ اس زمانے میں عام گاڑی بہت کم قیمت پر مل جاتی تھی۔ میری زندگی میں تبدیلی کیسے آئی، وہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میاں نواز شریف نے جب ”غیر جماعتی انتخابات“ لڑنے کا فیصلہ کیا تو میں نے چھوٹے بھائی کی حیثیت سے الیکشن میں ان کا ہاتھ بٹانے کا سوچا۔ میں شام روزانہ دو گھنٹے اندرون شہر گوالمنڈی، لنڈا بازار اور

دوسرے علاقوں میں الیکشن مہم میں ان کے لئے ووٹ مانگتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مہربانی کی۔ میاں نواز شریف الیکشن جیت گئے اور خدا نے انہیں وزیر اعلیٰ بنا دیا۔ ہوا یہ کہ جب وہ وزیر اعلیٰ بن گئے تو ان کی مصروفیت میں اضافہ ہو گیا اور ووٹرز میرے پیچھے پڑ گئے کہ میاں صاحب ہمیں وقت نہیں دیتے اور ہمارے مسائل حل نہیں ہو رہے ہے۔ آپ نے تو ہم نے ووٹ مانگے تھے اور بڑے دعوے کیے تھے کہ اگر ہم الیکشن جیت گئے تو آپ کی خدمت کریں گے، لہٰذا ہمارے مسائل حل کروائیں۔ آپ بھی تو نواز شریف کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ میں اس سے پہلے سیاست سے بہت نفرت کرتا تھا۔ سیاست میں ذرا بھی میری دلچسپی نہیں تھی۔ بس قسمت مجھے اس طرف لے آئی۔ پھر میں روزانہ دو گھنٹے ان لوگوں کے مسائل سننے کے لئے وقت دیتا تھا۔ پھر ان دو گھنٹوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ ایک دفعہ رات کو تراویح کے بعد میں نسبت روڈ پر ایک بیوہ کی مدد کرنے کے لئے اس کے گھر گیا۔ میرے ساتھ خواجہ ریاض محمود بھی تھے۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو چارپائی پر ایک کمزور لاغر سی جوان لڑکی لیٹی ہوئی تھی۔ بالکل چھوٹا سا کمرہ تھا۔ اس بیوہ خاتون کے ساتھ ایک چھوٹی بچی بھی تھی۔ میں نے خاتون سے پوچھا یہ چارپائی پر کون لیٹا ہے؟ خاتون نے کہا یہ میری جوان بیٹی ہے، جو ٹی بی کی مریضہ ہے۔ میرے ساتھ جو بیٹھی ہے یہ میری بیٹی ہے۔ میں نے پوچھا کہ بی بی! آپ کیا کام کرتی ہیں۔ وہ کہنے لگی میں کپڑوں کی سلائی کرتی ہوں۔ میں نے پوچھا کتنے پیسے کما لیتی ہیں۔ وہ کہنے لگی میں سات آٹھ سو روپے مہینے کے کما لیتی ہوں، اب چوں کہ عید آنے والی ہے تو میں ایک ہزار روپے تک کما لوں گی۔ میں اسی طرح کام کر کے گزارا کرتی ہوں۔ میرا خاوند چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ میں نے پوچھا آپ ان پیسوں سے کیسے گزارا کرتی ہیں۔ کہنے لگی میں کمرے کا ڈیڑھ سو روپیہ کرایہ دیتی ہوں۔ کرایہ تو تین سو روپے ہے لیکن مالک ترس کھا مجھ سے ڈیڑھ سو روپے لیتا ہے۔ کچھ بیٹی کی دوائی پر لگ جاتے ہیں، کچھ گھر کے گزارے پر خرچ ہو جاتے ہیں۔ آپ یقین کریں میں خاتون کی باتیں سن کر کانپ گیا۔ ساری رات میں سو نہ سکا۔ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ صبح میں دفتر گیا اور اپنے والد کو خط لکھا کہ یہ جو میرے پاس بڑی گاڑی ہے میں اسے کمپنی کو واپس کر رہا ہوں۔ یہ دفتر کے استعمال میں رہے گی۔ آئندہ میں یہ گاڑی استعمال نہیں کروں گا۔ اس دن سے آج تک میں نے کبھی بڑی گاڑی استعمال نہیں کی۔

صرف گاڑی ہی واپس کی یا زندگی میں کوئی اور تبدیلی بھی آئی؟

شہباز شریف: بزنس میں بھی میں بہت محنتی تھا۔ سارے کاموں کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتا تھا پھر سیاست میں آنے سے پہلے تین سال تک میں میاں صاحب کے کاموں کے سلسلے میں مختلف لوگوں کے

مسائل سنتا رہا اور ان کے حل کے عملی اقدامات کیے۔ ان مسائل سے نبٹتے نبٹتے میری شخصیت میں یہ تبدیلی آئی اور لوگوں کے دکھ درد کا احساس ہوا۔ ان سب چیزوں کا میری ذات پر بہت اثر پڑا۔

میں سوشلسٹ ہوں

تو کیا آپ اپنے آپ کو سوشلسٹ سمجھتے ہیں؟

شہباز شریف: ہاں میں اپنے آپ کو اس زمرے میں شمار کرتا ہوں بلکہ ہر اچھا معاشرہ سوشلسٹ ہونا چاہیے اور اسلام نے تو خود سوشل ویلفیئر کا نظریہ دیا ہے۔ سوشلسٹ کوئی ''بلا'' تو نہیں ہے، سوشل ویلفیئر کے داعی کو ہی ہم سوشلسٹ کہتے ہیں اور آپ خود ہی بتائیں کہ اسلام سے زیادہ سوشل ویلفیئر کا پروگرام کسی اور نے دیا ہے۔ اسلام یہ تو نہیں کہتا کہ امیر امیر تر ہوتا جائے اور غریب غریب تر ہوتا جائے اور پھر آپ چین کا نظام دیکھیں، یہ بالکل اسلام کے قریب ہے۔

سوشلزم کو اسلام حوالے سے قابل قبول نہیں سمجھا جاتا؟

شہباز شریف: سوشلزم اور ہمارے دین کو ملا دیا جائے تو مکمل اسلامی نظام بن جائے گا۔ خدا کا تو ابدی پیغام ہی یہی ہے کہ ''لوگوں کو فلاح دو، لوگوں کو ان کا حق دو''

بہت سے علماء سوشلزم کے نظریئے کو قبول نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں لوگوں سے دولت چھیننا غلط ہے؟

شہباز شریف: اونچ نیچ کا یہ مطلب نہیں کہ ''اے'' کے پاس اگر دس روپے ہیں تو ''بی'' کے پاس بھی دس روپے ہوں۔

میاں صاحب! ہمارے روایتی سیٹ اپ اور آپ کی سوچ میں فرق ہے۔ اگر ایک امیر آدمی زکوٰۃ دیتا ہے یا خیرات کرتا ہے تو پھر اس کے بعد اس کی دولت پر اعتراض کرنے کی تشریح سے روایتی علماء تو اتفاق نہیں کریں گے؟

شہباز شریف: میں تو قرآن کے الفاظ آپ کو بتا دیتا ہوں ''یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ اے نبی ﷺ! ہم خدا کی راہ میں کیا دیں'' فرمایا'' کہ ان سے کہہ دو کہ جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہے اور فالتو ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دو'' یہاں پر زکوٰۃ کی بات نہیں ہو رہی۔

شاید بہت سے مذہبی رہنماؤں کو آپ کی تشریح سے اتفاق نہیں ہوگا؟

شہباز شریف: میں تو سمجھتا ہوں کہ جو جید علماء ہیں، جن کا میں بہت احترام کرتا ہوں وہ تو کبھی بھی اس سے اختلاف نہیں کریں گے اور ایسے علماء کی پاکستان میں کوئی کمی نہیں۔ آپ جن لوگوں کی بات کر رہے ہیں وہ تو علمائے سو ہیں، جو اس فرسودہ نظام کی پشت پناہی اور اس کا تحفظ کرتے ہیں اور ایسے لوگ صرف ذاتی مفاد کے لئے ایسا کرتے ہیں، ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ وہ اسلامی نظام یا اسلامی سوچ کی اہمیت کو جانتے ہیں۔ دنیا میں اسلام سے زیادہ لبرل، کشادہ اور پروگریسو نظام اور کوئی نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جتنے بھی ویلفیئر پروگرام ہیں، وہ اسلام سے زیادہ کسی اور نظام نے نہیں دیئے۔ میں نہایت ادب سے یہ بات کہوں گا کہ اگر کسی مذہبی جماعت کا پروگرام اس ویلفیئر ایجنڈے سے ہٹ کر ہے تو نہ وہ اسلامی ہے اور نہ ہی عوامی ہے، پھر وہ کچھ بھی نہیں، صرف مغرب کے مفادات کے لئے کام کر رہی ہیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ ملک کے مختلف شہروں کے بس اسٹاپوں پر اپنے اپنے کاموں پر جانے کے لئے لوگ کھڑے ہیں۔ کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی مریض ہے، کوئی پروفیسر ہے، کوئی طالب علم ہے، سب کو جلدی ہے اور بس نہیں آرہی۔ قریب سے بڑی گاڑی گزر کر ان کی بے بسی اور غربت کا مذاق اڑائے تو آپ ہی بتائیں کہ یہ کیسا نظام ہے۔ ہم اس نظام کو پروموٹ کریں؟ کیا قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں نے ایسے اسلام کو نافذ کرنے کا کہا تھا اور یہ سب چیزیں کیا اسلام کے اصول کے مطابق ہیں۔ ہرگز نہیں۔

میں یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی مذہبی جماعتوں اور آپ کی سوچ میں کس بات پر اختلاف ہے؟

شہباز شریف: یہ تو آپ ان سے پوچھیں، میں تو اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ یہ تو میری سوچ اور فکر ہے۔ آپ جس چیز کا پوچھ رہے ہیں اس کے بارے میں تو آپ خود ہی ان مذہبی جماعتوں سے پوچھیں۔ میری رائے اور جواب یہ ہے کہ مذہب سے آشنا اور اسلام سے درخشندہ اور سنہرے اصولوں سے آشنا علماء قابل احترام ہیں اور ان کا پروگرام ان باتوں سے ہٹ کر نہیں ہوسکتا۔

بچپن کی لڑائیاں

آپ کا بچپن دوسروں عام بچوں کی طرح تھا یا اس سے مختلف؟

شہباز شریف: بالکل دوسرے بچوں کی طرح بچپن گزرا تھا۔ میں بھی کھلنڈرا سا تھا، پتنگیں اڑاتا، گلی ڈنڈا کھیلتا، پٹھوگرم وغیرہ ساری گیمز کھیلتا تھا۔ آپس میں لڑائیاں بھی ہوتی تھیں۔ والدین سے چھپ کر خاص طور پر والد سے چھپ کر فلمیں بھی دیکھتے تھے اور مار بھی پڑتی تھی۔ بالکل دوسرے بچوں کی طرح ہی بچپن گزرا، جس طرح دوسرے بچے شرارتیں کرتے ہیں، ہم بھی اسی طرح شرارتی تھے۔

کیا آپ دوسرے بچوں سے زیادہ ذہین تھے؟

شہباز شریف: نہیں ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی، البتہ والدین کی طرف سے پڑھائی کے معاملے میں جو سختی اور نگرانی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کھیل کود کے ساتھ ساتھ پڑھائی پر بھی توجہ دیتے تھے۔ میں نے میٹرک میں اسکالرشپ بھی حاصل کیا، جس کی بنا پر مجھے گورنمنٹ کالج میں داخلہ ملا۔ پھر کالج میں ایم اے اکنامکس پارٹ ون تک میں نے تعلیم حاصل کی اور اتفاق فاؤنڈریز کی نیشنلائزیشن کی وجہ سے تعلیم چھوڑنا پڑی۔ صرف اس بنا پر کہ والد صاحب کا کام کے حوالے سے جو عزم ہے، اس میں ان کا ہاتھ بٹایا جائے۔ بہرحال اس چیز کا افسوس ہے کہ میں اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکا۔

میاں نواز شریف اور آپ کے درمیان کیا بچپن سے ہی قریبی تعاون ہے۔ بچپن میں آپ دونوں کے معاملات کس طرح چلتے تھے؟

شہباز شریف: آپ یقین کریں کہ بچپن میں تو میری اور نواز شریف کی بہت لڑائیاں ہوتی تھیں۔ میں مار کھاتا بھی تھا اور کبھی کبھی مارتا بھی تھا لیکن جب میٹرک تک پہنچا تو تب جا کر عقل آئی اور والدین تو ہمیشہ ہی سے سمجھاتے تھے کہ بڑے بھائیوں کا احترام کرو، تب سے آج تک میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں اور کبھی ایسی کوئی بات بھی نہیں کہی، میں اپنے رائے کا ضرور اظہار کرتا ہوں، لیکن عزت اور احترام کے دائرے میں رہتے ہوئے! وہ آج بھی مجھے کسی بات پر جھاڑ دیتے ہیں، غصہ کر لیتے ہیں، ان کو پورا حق ہے، وہ بڑے ہیں، میں ان کا باپ کی طرح ادب کرتا ہوں۔

نواز شریف کی شفقت

میاں نواز شریف آپ پر کتنا اعتماد کرتے ہیں، جیسے آپ بتا رہے ہیں کہ آپ ان کا بہت ادب واحترام کرتے ہیں۔ ان کا آپ کے ساتھ سلوک کیسا ہے؟

شہباز شریف: ان کا تو جواب نہیں۔ وہ بہت شفیق بھائی ہیں۔

کیسے! کوئی واقعہ سنائیں کہ وہ آپ سے کیسے اور کتنی شفقت کرتے ہیں؟

شہباز شریف: یعنی ہر لحاظ سے وہ میرا خیال رکھتے ہیں، جب کبھی انہیں محسوس ہو کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ ''آؤٹ آف دی وے'' جا کر میری وہ خواہش پوری کرتے ہیں۔

جب آپ اور میاں نواز شریف دونوں ناراض ہوں تو پہلے کون مناتا ہے؟

شہباز شریف: میں ہی پہلے منا لیتا ہوں۔

کیسے مناتے ہیں؟

شہباز شریف: بس دو تین دن بعد ہی خود ہی بات کر لیتا ہوں کہ آپ ناراض ہیں۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔ ایک دفعہ کھانے کے دوران کسی بات پر بہت تلخ کلامی ہوگئی۔ انہوں نے مجھے جھاڑا۔ ظاہر ہے میں بھی انسان ہوں۔ میں ان کی باتوں پر بہت رنجیدہ ہوا۔ تین چار دن کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ کھانے پر بھی ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے لیکن بات نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن کھانے پر ہی میری والدہ نے کہا نواز تم شہباز سے کیوں نہیں بولتے، کیوں لڑتے رہتے ہو۔ اس وقت مریم نواز شریف بہت چھوٹی تھی۔ وہ میری گود میں آگئی اور رونے لگی۔ کہنے لگی ''ابو آپ نے انکل سے بہت زیادتی کی'' پھر ہم دونوں گلے مل گئے۔ اس طرح ہماری ناراضی ختم ہوگئی۔ بس اس طرح کے واقعات ہوتے رہے ہیں۔

جب کوئی مشکل وقت آتا ہے تو میاں نواز شریف آپ سے مشورہ کرتے ہیں؟

شہباز شریف: میں تو ان سے پوچھتا ہوں اور مشورہ بھی کرتا ہوں۔ وہ خود بھی بات کر لیتے ہیں لیکن میاں صاحب بنیادی طور پر بہت شرمیلے ہیں۔ بہت ہی شرمیلے، ان کے دل میں بہت خدا خوفی ہے اور غریبوں کا درد رکھتے ہیں۔ وہ پورے خاندان میں بہت شفیق جانے جاتے ہیں۔ ماں باپ کی بہت دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ وہ خود بھی ماں باپ کی بہت خدمت کرتے ہیں اور یہ صرف والدین کی دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ اور ملک کے وزیر اعظم بنے اور لوگوں نے انہیں اتنی عزت دی۔ ان سے جب مشورہ کرنا ہوتا ہے تو وہ ایسے ہی مشورہ نہیں مانگتے بلکہ ایک طریقے سے ان کو سمجھانا پڑتا ہے اور پھر ان کو مشورہ دیا جاتا ہے یعنی ان سے بات منوانے کا ایک طریقہ ہے۔

وہ کیا طریقہ ہے ذرا بتائیں تو سہی؟

شہباز شریف: اصل میں وہ کھلے عام تنقید پسند نہیں کرتے، انہیں علیحدہ یا پرائیویٹ طور پر تنقید کے ذریعے اگر سمجھایا جائے کہ فلاں پالیسی ٹھیک نہیں ہے، وہ کام اس طریقے سے ہونا چاہیے، پھر وہ اس پر توجہ دیتے اور بات بھی مان لیتے تھے۔

ان کو سمجھانے کا طریقہ تو آپ کو سب سے زیادہ آتا ہوگا؟

شہباز شریف: (ہنستے ہوئے) نہیں مجھے تو نہیں آتا وہ تو ایسے ہی ہے کہ ''گھر کی مرغی دال برابر'' والی بات ہے اور میری بات کا اتنا وزن نہیں ہوتا۔ بہر حال انہیں سمجھاتے تھے کہ یہ غلط بات ہے۔ میاں نواز شریف نے بہت سے انقلابی اقدامات کیے۔ موٹر وے جیسا عظیم منصوبہ شروع کرایا۔ پیلی ٹیکسی اور بے زمین کاشت کاروں کو زمینیں دیں۔ ہم انہیں یہ بھی مشورہ دیتے تھے کہ اپنے آس پاس اچھے بندوں کو رکھیں۔ ان سے مشورہ کا طریقہ یہ ہے کہ آپ جا کر باتوں میں شریک ہو جائیں۔ وہ خود مشورہ طلب نہیں کرتے۔ آپ باتوں باتوں میں اصل موضوع کی طرف آ جائیں اور مشورہ دیں۔ یہی طریقہ میں اختیار کرتا تھا۔

والد کا احترام

آپ کی فیملی کے بارے میں لوگ بہت تنقید کرتے ہیں کہ آپ اپنے والد، بھائی اور قریبی رشتہ داروں سے مشورہ کر کے سیاسی کام کرتے ہیں۔ اس میں کہاں تک سچائی ہے اور اس کی کیا فلاسفی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ لوگ اپنے والد سے مشورہ کے بغیر کوئی سیاسی فیصلہ بھی نہیں کرتے تھے، آخر ان میں کون سی خوبیاں ہیں جس کی وجہ سے آپ ہر فیصلہ ان سے کرواتے ہیں؟

شہباز شریف: سچائی یہ ہے کہ زندگی میں ہر کسی کا والد ہوتا ہے۔ ہر کوئی اپنے والد کا احترام کرتا ہے۔ میں بھی اپنے والد کا بہت احترام کرتا ہوں لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بحیثیت انسان میں نے ان جیسا محنتی، شفقت کرنے والا، دوسروں کا خیال کرنے والا، غریبوں کی مدد کرنے والا کوئی اور شخص نہیں دیکھا یہ میں جذباتی ہو کر نہیں کہہ رہا، بلکہ بالکل سچ بتا رہا ہوں کہ اتنی خوبیوں والا شخص میں نے نہیں دیکھا۔ میں نے دنیا دیکھی ہے۔ مغرب میں رہا ہوں۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے لیکن اتنی سادہ طبیعت کا خدا ترس انسان میں نے نہیں دیکھا۔ کمزوریاں انسان میں ہوتی ہیں۔ خوبیاں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں

ہیں لیکن یہ صرف اللہ کا خاص احسان ہے ان پر کہ اللہ نے میرے والد میں اتنی خوبیاں پیدا کیں۔ پھر میں ایک اور واقعہ بتاتا ہوں۔ 72ء میں بھٹو نے نیشنلائزیشن کے تحت ہماری فونڈریز لے لیں۔ اس وقت رات کو ہماری پوری فیملی اکٹھی ہوئی۔ ہم لوگ بہت پریشان تھے۔ میرے والد صاحب کہنے لگے کہ دعا کرو اللہ ہم پر رحم کرے۔ ہمیں اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے اور نئے سرے سے پھر کاروبار شروع کرنے کا سوچنا چاہیے۔ ہم سب کہنے لگے ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے، ہم نئے کاروبار کے بارے میں کیسے سوچ سکتے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ صبر اور عزم سے کام لینا چاہیے۔ انشاء اللہ خدا ہماری ضرور مدد کرے گا۔ اس وقت ہمارا سب کچھ لٹ چکا تھا۔ کمپنی کی گاڑیاں اور بینک میں کمپنی کا جتنا پیسا تھا وہ بھی حکومت کے پاس چلا گیا لیکن میرے والد نے ہمت اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور آپ یقین کریں کہ یہ پاکستان نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ میں پہلا واقعہ ہوگا کہ صرف 18 ماہ کے عرصہ میں ہم نے 6 فیکٹریاں بنائیں اور یہ میرے والد کی محنت اور ہمت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا اور وہی کام دوبارہ شروع کیا جو چھوڑا تھا حالانکہ کہ بہت سے لوگوں نے وہ کام چھوڑ کر دوسرا کام شروع کر لیا تھا اور یہ سب کچھ میرے والد کی فکر اور سوچ تھی جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی خصوصی مدد کی۔ ایک بات اور میں کہنا چاہتا ہوں کہ وہ فیکٹریاں یا کاروبار کے بارے میں صرف نفع اور نقصان کے حوالے سے نہیں، سوچتے تھے کہ بلکہ ان کے دل میں ملک اور قوم کا درد تھا، کہ میں نے ملک کی خدمت کرنی ہے۔ یہ میری دھرتی ہے۔ میں نے یہیں رہنا ہے اور یہیں رہ کر محنت کرنی ہے۔ اگر صرف نفع ونقصان کی ہی بات ہوتی تو وہ سوچتے کہ میں کاروبار شروع کروں گا تو کل کو پھر اسے کوئی لے اُڑے گا اور میری محنت پر ڈاکہ ڈالے گا لہٰذا میں اس کام کو کیوں شروع کروں لیکن ان کی سوچ ایسی نہیں۔ کئی لوگوں نے کہا کہ میاں صاحب آپ کیا کر رہے ہیں، آپ کیوں فیکٹریاں لگا رہے ہیں۔ میرے والد نے کہا کہ یہ میرا ملک ہے۔ میں اس کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ کل کو پھر نیشنلائز ہوتی ہے تو ہو جائے، اللہ کی مرضی، لیکن میں اپنے ملک کی ترقی چاہتا ہوں، ان ہی دنوں پھر میرے والد صاحب کو پہلا ہارٹ اٹیک ہوا تو ہم چاہتے تھے کہ وہ آرام کریں۔ ایک دن صبح سات بجے انہوں نے گاڑی نکلوائی اور ہمیں کہنے لگے کہ چلو دفتر چلتے ہیں۔ ہم نے کہا دفتر تو نیشنلائز ہو چکا ہے۔ ہمارے پاس کون سا دفتر ہے۔ انہوں نے کہا اردو بازار والے دفتر چلتے ہیں جو ہمارا آئس فیکٹری کا دفتر تھا اور جہاں صرف ایک آدمی کیش کے سلسلے میں بیٹھا کرتا تھا'' ہم نے کہا کہ وہاں ہم لوگ کیسے جائیں۔ میرے والد کہنے لگے کہ ہمیں حالات اور وقت کے مطابق اپنے آپ کو بدلنا ہے۔ خیر ہم لوگ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ مجھے یاد ہے کہ بنک اسکوائر کے پاس جب ہم لوگ پہنچے تو میرے والد کہنے لگے کہ شہباز تم کیا سوچ رہے ہو؟

میں نے کہا کچھ بھی نہیں، کہنے لگے مجھے پتہ ہے تم سوچ رہے ہو گے کہ ہمارا سب کچھ لٹ گیا۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ یہی نا...... کہنے لگے دیکھو تم دونوں میری بات غور سے سنو۔ ہمارے پاس جو کچھ بھی تھا وہ اللہ کی امانت تھا، وہ رزق حلال تھا، اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ انشاء اللہ خدا ہمیں اس سے دوگنا دے گا۔ آپ یقین کریں کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں سوچنے لگا کہ کہ اس کاروبار میں ہماری تو اتنی محنت بھی نہیں تھی۔ یہ صرف والد صاحب کی محنت اور عزم تھا لیکن اس کے باوجود وہ حوصلہ نہیں ہارے اور ہمیں حوصلہ دے رہے ہیں۔ خیر یہ 16 جون 79ء کی بات ہے۔ جب ہماری چھ فیکٹریوں نے کام شروع کیا اور میں نے اپنے والد کو کہا کہ آپ نے سات سال پہلے کہا تھا کہ اللہ ہمیں دوگنا دے گا اور آج واقعی اللہ تعالیٰ کی ذات نے ہمیں دوگنا کاروبار دے دیا ہے وہ کہنے لگے واقعی یہ صرف خدا کی خصوصی مہربانی سے سب کچھ ممکن ہوا۔ ایسا محنتی اور پرعزم شخص میں نے نہیں دیکھا تو ایسے شخص کی گائیڈ لائن لینا کون سی عجوبے والی بات ہے، ہم اگر اپنے والد سے کسی بات کے حوالے سے مشورہ مانگتے ہیں تو وہ صحیح مشورہ ہی دیں گے اور آج میں ایک اور بات ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں آپ بھی سن لیں۔ جب ہم سیاست میں آئے تو ہمارے والد نے کہا کہ نواز اور شہباز یہ بات غور سے سنو "تم کوئی پیدائشی سیاست دان نہیں ہو تم سے زیادہ پڑھے لکھے، زیادہ پیسے والے اور زیادہ عقل مند اور بھی دنیا میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اگر تم دونوں بھائیوں پر خصوصی عنایت کی ہے تو اس کا شکر ادا کرو اور خدا کا شکر اسی صورت میں ادا کر سکتے ہو کہ خلق خدا کی خدمت کرو۔ انہیں آسودگی دو۔ ان کے مسائل حل کرو اور گھر اس وقت تک نہ آؤ جب تک وہ تم سے مطمئن نہ ہو جائیں۔ انہیں خوش رکھو۔ کہنے لگے جب میری فیکٹری میں 10 ہزار ملازم برسر روزگار تھے تو میں خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ اللہ میاں یہ تیرا احسان ہے کہ میری فیکٹری کے ذریعے اتنے لوگوں کو روزگار ملا ہوا ہے اور ان کی دعائیں مل رہی ہیں۔ لہٰذا نواز شریف سنو تم چودہ کروڑ عوام کے سربراہ ہو، تم ان کی بھلائی اور خدمت کرو گے تو تمہارے ذریعے ہماری بھی نجات ہو گی۔" یہ ہے میرے والد صاحب کی فلاسفی، اب آپ ہی بتائیے کہ ہمارا ان سے مشورہ لینا غلط تھا۔

میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا آپ کے والد صاحب سیاسی طور پر بہت عقل مند شخص تھے۔ لوگوں کو اعتراض تو سیاسی معاملات میں مشوروں پر ہوتا تھا؟

شہباز شریف: وہ دنیاوی طور پر بھی بہت عقل مند ہیں۔ ان کی بڑی گہری اور پختہ سوچ ہے اور وہ بہت اصول پرست اور اصول پسند آدمی ہیں۔ میں ایک اور بات آپ کو بتاتا ہوں کہ ان کی بڑی کوشش تھی کہ

غلام اسحٰق خان سے معاملات خراب نہ ہوں۔ میرے والد نے میاں صاحب کو روکا کہ آٹھویں ترمیم کی بات نہ کرو۔ اگر تم میں سکت نہیں ہے تو تم یہ کیوں کرتے ہو لیکن پھر جو ہونا تھا، ہو گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ غلام اسحٰق صاحب تل گئے ہیں تو پھر میرے والد صاحب نے کہا کہ اب کھڑے ہو جاؤ۔ اب نیچے لگنے کا فائدہ نہیں ہے۔ اسی طرح جب بے نظیر وزیر اعظم کی حیثیت سے لاہور آئیں تو میرے والد نے کہا کہ تم وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے ان کا استقبال کرنے کے لئے ضرور جاؤ۔ میاں نواز شریف نے کہا کہ نہیں مجھے انٹیلی جنس ایجنسیوں نے منع کیا ہے کہ وہاں بہت نعرے بازی ہوگی۔ اس لئے آپ کا جانا مناسب نہیں۔ لیکن میرے والد نے کہا نہیں ملک کے وقار کے لئے بڑا دل رکھتے ہوئے ضرور جاؤ اور پھر ان کو کھانے پر بلاؤ، یا چائے پر بلاؤ، اور پھر ان کو چادر پیش کرو اور انہیں کہا کہ یہ ہماری روایت ہے اور انہیں کہو کہ محترمہ ماضی میں جو غلطیاں کوتاہیاں ہوئی ہیں انہیں بھول جائیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وزیر اعظم کا عہدہ دیا ہے مجھے وزیر اعلیٰ کا، لہٰذا مل کر ہم اس ملک کی خدمت کریں اور عوام کو خوش حال بنائیں۔ یہ وہ الفاظ تھے جو میرے والد نے میاں نواز شریف کو کہے۔ اس میں ایک لفظ بھی اوپر نیچے نہیں۔ میرے والد نے بزنس میں نئی نئی چیزیں متعارف کرائیں لیکن ان کا ''لائف سٹائل'' سادگی سے بھرا پڑا ہے۔ ان کی سادگی کا درس آج بھی ہمارے کانوں میں گونجتا ہے۔ کیا بلین کی فیکٹریوں کا مالک اتنی سادگی سے زندگی گزار سکتا ہے۔ پھر انہوں نے پاکستان کی تاریخ میں دو سب سے بڑے ٹرسٹ ہسپتال بنائے، جن میں اربوں روپے کی سرمایہ کاری کی گئی۔ تو ایسی سوچ رکھنے والا شخص جس نے غربت میں آنکھ کھولی، محنت کو اپنا شعار بنایا جو صنعتی ترقی کا معمار بن کر عزم کے ساتھ محنت کرتا رہا تو کیا ایسے محبّ وطن شخص سے ملک کے مفاد اور اس کی ترقی کے لئے کوئی مشورہ نہیں لیا جا سکتا۔

آپ کے والد صاحب نے جنرل مشرف کے حوالے سے کیا مشورے دیئے تھے؟

شہباز شریف: میں نے اپنے والد کی طرف سے جنرل مشرف صاحب کو گھر پر دعوت دی تھی اور وہاں بھی میرے والد نے ان سے کہا کہ میں نے اپنے بچوں کو یہی درس دیا ہے کہ فوج کے ساتھ اچھے تعلقات ہونے چاہیں۔ حکومت اور فوج میں اچھے روابط کی مثال قائم ہونی چاہیے۔ ملکی مفاد اور قوم کی بہتری کے لئے فوج اور حکومت میں انڈرسٹینڈنگ ہونی چاہیے۔ میں نے ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ جنرل مشرف کے منہ پر کہا کہ جنرل صاحب میرا آپ اور میاں نواز شریف کے درمیان ایک فیملی کی طرح رابطہ ہے۔ بنیادی طور پر نواز شریف ایک شرمیلے انسان ہیں لیکن میں آپ کے پیغامات اور ان کے پیغامات دونوں تک پہنچاؤں گا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ پاکستان کی مفاد کی خاطر یہ رابطہ قائم رہنا

چاہیے اور ہم دونوں کی سوچ میں صرف اور صرف قومی اور ملکی مفاد پیش نظر رہنا چاہیے۔

جنرل مشرف سے روابط

جنرل مشرف اور آپ کے درمیان کس قسم کی گفتگو ہوتی تھی اور کیا آپ صرف میاں نواز شریف کی پیغام رسانی کرتے تھے یا پھر اپنا بھی کوئی الگ موقف رکھتے تھے؟

شہباز شریف: بات دراصل یہ ہے کہ فوج ملک میں اٹھائیں سال سے براہ راست کردار ادا کر رہی ہے اور باقی ماندہ جو عرصہ ہے، اس میں بھی "Behind The Screen" (پس پردہ) ان ہی کا کردار رہا ہے اور یہ "اوپن سیکرٹ" ہے اس میں کوئی دو رائے نہیں۔ میری سوچ تھی اور اب بھی ہے کہ اس ادارے کے ساتھ ایسی کوآرڈی نیشن ہونی چاہیے، جو قومی مفاد کے لئے بہتر ہو اور اسی سلسلے میں، میں نے میاں نواز شریف کے حکومت اور جنرل مشرف کے درمیان ایک "پل" کا رول ادا کرنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ جنرل کرامت اور جنرل مشرف کے ساتھ میرا جو رابطہ تھا، وہ سب چیزیں میں میاں نواز شریف کو آ کر بتاتا تھا اور ان سے اس سلسلے میں گفتگو کرتا تھا۔

اگر حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے تو پھر آپ تو پل کا کردار ادا کرنے میں ناکام رہے، کیوں کہ بالآخر مذاکرات ٹوٹے اور فوج نے اقتدار سنبھال لیا؟

شہباز شریف: میں نہیں سمجھتا، میں نے پوری کوشش کی لیکن 12 اکتوبر کو جو میاں نواز شریف نے اپنا آئینی حق استعمال کیا، اس وقت حالات ایسے ہو گئے تھے۔ کارگل کا واقعہ ہو چکا تھا۔ ملک کی فضا خراب ہو رہی تھی، پھر گرینڈ الائنس کی کوشش تھی کہ فوج اور سویلین حکومت کا آپس میں ٹکراؤ ہو جائے سسٹم بیٹھ جائے اور مارشل لا آ جائے، الائنس کی کوشش تھی کہ انہیں دوبارہ اقتدار کا موقع ملے تو ایسے حالات میں ضروری تھا کہ آپس میں رابطہ ہو اور ایسی فضا پیدا نہ ہو اور ایسے حالات میں میں نے اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کی کہ کسی طرح سسٹم چلتا رہے۔

عام تاثر تھا کہ آپ کی اور میاں نواز شریف کی فوج سے تعلقاتِ کار کے بارے میں مختلف رائے تھی اور اسی وجہ سے اختلافات پیدا ہوئے؟

شہباز شریف: دیکھیں جی اس بارے میں آپ کو بتاتا ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کسی معاملے میں ایک شخص کی رائے کچھ اور ہے اور کسی معاملے میں دوسرے شخص کی رائے کچھ اور ہے۔ لیکن دونوں رائے کا مقصد تو

ایک ہی ہے نا کہ ہم نے اس منزل پر پہنچنا ہے۔ یا وہ چیز حاصل کرنی ہے۔ آرمی چیف سے میرا یہ رابطہ اور عمل صرف یہی تھا کہ سویلین حکومت اور فوج کے درمیان کسی قسم کی کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ درپیش مسائل ایک دوسرے سے زیر بحث لاتے رہیں بس صرف اور صرف یہ میرا مقصد تھا۔

آپ تو اس زمانے میں جنرل مشرف سے بہت ملتے تھے، کیا آپ کو اندازہ تھا کہ فوج ٹیک اوور کر سکتی ہے؟

شہباز شریف: یہ سوال تو آپ جنرل مشرف سے پوچھیں کہ انہوں نے ''ٹیک اوور کرنا تھا'' یا نہیں کرنا تھا میں حقیقتاً آپ کو سچ کہہ رہا ہوں کہ ہماری مخلصانہ کوشش تھی کہ ملکی مفاد کی خاطر حالات خراب نہ ہوں۔ اب کسی کی پلاننگ اور خیالات ایسے تھے تو میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

لیکن کیا آپ کو ساری صورت حال کا اندازہ ہو گیا تھا؟

شہباز شریف: ہم سب کوشش کر رہے تھے کہ ان مشکل حالات سے باہر نکلا جائے، کیوں کہ اس وقت بہت مشکل صورت حال پیدا ہو گئی تھی، دونوں طرف سے مشکل صورت حال کو دور کرنا مقصد تھا۔ ظاہر ہے کہ میاں صاحب کو لوگ کچھ اور بتاتے ہوں گے اور جنرل مشرف کو کچھ اور بریفنگ دیتے ہوں گے۔ پھر کارگل کا ایشو ایسا تھا کہ جس میں ''کشیدہ ماحول'' پیدا ہو گیا۔ نواز شریف کو اس بارے میں کچھ بتایا جا رہا تھا اور جنرل مشرف کو کچھ اور بریف کیا جا رہا تھا۔ اس ساری صورت حال کو ہم نے ٹھیک کرنے کی پوری کوشش کی۔

میں لاعلم تھا

ایک طرف آپ میاں نواز شریف کے پیغام رساں بن کر جنرل مشرف کے پاس جاتے تھے، دوسری طرف آپ کا موقف ہے کہ آپ کو جنرل مشرف کو چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے سے ہٹانے کا علم ہی نہیں تھا؟

شہباز شریف: یہ صحیح بات ہے کہ 12 اکتوبر کہ حوالے سے وزیراعظم کا جو ایکشن تھا، اس کے بارے میں مجھے علم نہیں تھا۔

یہ بڑی سنجیدہ بات ہے کہ آپ کے وزیراعظم بھائی نے اپنی زندگی کے اہم ترین فیصلے پر آپ کو اعتماد میں نہیں لیا، یہ تو آپ پر بداعتمادی تھی؟

شہباز شریف: یہ صحیح بات ہے کہ میرے دل میں اس حوالے سے ایک بوجھ تھا کہ میں ان کا چھوٹا بھائی تھا۔ مجھے ان پر اعتماد تھا اور انہوں نے اتنے بڑے فیصلے سے پہلے مجھے اعتماد میں کیوں نہیں لیا۔ ہماری حکومت کے خاتمے کے بعد ہمیں پنڈی اور مری میں ایسی جگہ رکھا گیا کہ ہماری ملاقات نہ ہو سکی۔ ہمیں کسی چیز کا علم نہ تھا۔ کھڑکیوں پر کاغذ چڑھے ہوئے تھے۔ سورج کی روشنی کا علم تھا نہ ہی کوئی اخبار وغیرہ تھے، یعنی ہر چیز سے بے خبر تھے۔ پھر کراچی میں جب ہم کورٹ میں تھے تو ہماری ملاقات ہوئی۔ میں نے میاں نواز شریف سے کہا کہ میں آپ کا چھوٹا بھائی ہوں اور آپ کا والد کی طرح احترام کرتا ہوں۔ آپ نے جنرل مشرف کو چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے سے ہٹانے کے متعلق مجھے کچھ کیوں نہیں بتایا۔ وہ کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ تم میرا بہت احترام کرتے ہو لیکن مجھے پتا تھا کہ تم مجھے ایسا نہیں کرنے دو گے، اس لئے میں نے تم سے یہ بات چھپا کر رکھی اور علم نہیں ہونے دیا۔ ان کا یہ جواب تھا، جو انہوں نے مجھے دیا۔

تعلیم کا مسئلہ

پاکستان میں تعلیم کا کیا مسئلہ ہے۔ آہستہ آہستہ تعلیمی معیار گرتا جا رہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

شہباز شریف: میں سمجھتا ہوں کہ تعلیم کی طرف ہر حکومت نے کم توجہ دی ہے۔ دوسرے شعبوں اور کاموں کی طرف دھیان دیا گیا ہے لیکن تعلیم پر فوکس نہیں کیا گیا۔ آپ خود ہی بتایئے جس معاشرے میں سیاست کے ذریعے کرائم کرنے کی کوشش کی گئی، جس معاشرے میں سفارش کلچر ہو، دولت سمیٹنے کا کلچر ہو، وہاں تعلیم کو مکمل طور پر نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم بدقسمتی سے چالیس فی صد شرح خواندگی کے گرد چکر لگا رہے ہیں، جب کہ دنیا نے چاند اور ستاروں پر کمند ڈال لی ہے۔ ہمسایہ ممالک میں دیکھ لیجے کہ سری لنکا میں 90 فی صد سے زائد شرح خواندگی ہے اور تو اور بنگلہ دیش میں 60 فی صد سے زائد شرح خواندگی ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں تعلیم کو جو درجہ دینا چاہیے تھا، وہ نہیں دیا گیا۔ حالانکہ تعلیم کے بغیر کوئی بھی معاشرہ نامکمل ہوتا ہے۔ آج جو معاشرے میں ہمارے ہاں برائیاں پائی جاتی ہیں، اس کی ساٹھ فی صد وجہ تعلیم نہ ہونا ہے۔ مذہبی لحاظ سے فرقہ واریت کے حوالے سے یا سماجی لحاظ سے جو بھی قتل ہو رہے ہیں جو بھی وارداتیں ہو رہی ہیں، یہ صرف اور صرف تعلیمی شعور نہ ہونے کی وجہ سے ہو رہا ہے آج اگر تعلیم عام

ہوتی، تعلیم کا زیور سب نے پہنا ہوتا تو میں دیکھتا کہ کس طرح تھانے دار ایک مظلوم سے زیادتی کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے 56 سال ضائع کر دیئے۔ آپ دیکھیں کہ بھارت نے پچھلے سال 8 ارب ڈالر کی انفارمیشن ٹیکنالوجی برآمد کی ہے، جب کہ ہماری کل تجارت 10 ارب ڈالر ہے۔ اب خود ہی بتائیں۔ ہم تو ابھی تک ''اے بی سی'' بھی طے نہیں کر سکے۔ اب ہمیں کسی کو موردِ الزام ٹھہرانے کی بجائے فوری طور پر تعلیم کے میدان میں انقلابی پروگرام بنانا ہوں گے اور اس سلسلے میں ہمیں تمام ذرائع استعمال کرنے چاہییں۔ ہمیں فوری طور پر مختصر المیعاد، درمیانی مدت اور طویل المیعاد منصوبے بنانے چاہییں۔

اگر ہم کوٹا سسٹم ختم کرا سکتے ہیں تو پھر ہم اگلے پانچ سالوں میں کیوں پوری قوم کو تعلیم کے زیور سے آراستہ نہیں کر سکتے۔ ہم کر سکتے ہیں اور ایسا کرنا ممکن ہے۔

جب اپنا راستہ عزم و یقین سے نکلے گا
جہاں سے چاہیں گے رستہ وہیں سے نکلے گا

یہ تو کرنے کی بات ہے۔ اس وقت اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ اس وقت ہماری قوم کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے تو میں کہوں گا کہ وہ تعلیم ہے۔ اس وقت جنگی بنیادوں پر تعلیم کا سسٹم بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ فنڈ کی تعلیم کو ضرورت ہے اور سب سے زیادہ توجہ اور انرجی کی ضرورت صرف تعلیم کو ہے۔ میرا ایمان ہے کہ جب پوری قوم تعلیم سے آشنا ہو جائے گی تو ہمارے تمام مسائل کا حل ممکن ہو جائے گا۔

آپ کے دورِ حکومت میں پنجاب میں گھوسٹ اسکولوں کا پتا چلانے کے لئے آپ نے فوج کی مدد لی۔ آپ نہیں سمجھتے کہ اس سے براہ راست مختلف سویلین معاملات میں فوج کی مداخلت کا راستہ ہموار ہو گیا؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس اقدام سے یہ طے ہو گیا تھا کہ سویلین حکومت اہم کام کرنے کی اہل نہیں رہی؟

شہباز شریف: آپ نے یہ بڑا ضروری اور چبھتا ہوا سوال کیا ہے۔ بہر حال میں اب آپ کو اس کی تفصیل بتاتا ہوں۔ جب ہم نے یہ قدم اٹھایا تو مجھے میرے ساتھیوں نے کہا کہ آپ یہ نہ کریں اس سے تو یہ تاثر ملے گا کہ ہم اس چیز کو ''اسٹیبلش'' کر رہے ہیں کہ سول حکومت ان معاملات کو ہینڈل نہیں کر سکتی اس وجہ سے فوج کو بلا رہے ہیں اور فوج کو بھی یہ محسوس ہونے لگے گا کہ یہ ہماری مدد کے بغیر چل نہیں سکتے لہٰذا فوج کے ماضی کی طرح ٹیک اوور کا راستہ ہموار ہو جائے گا میرے ساتھیوں نے بہت منع کیا

کہ ایسا نہ کریں لیکن میں نے یہ قدم اٹھایا اور یہ چیز میرے ذہن میں ہی آئی تھی کہ ان گھوسٹ سکولوں کا پتا چلایا جائے۔ میں نے ساتھیوں کو کہا کہ حکومت لاکھوں روپیہ خرچ کرتی ہے آخر یہ پیسے کہاں جاتے ہیں۔ بہر حال اس وقت وزیر تعلیم چودھری اقبال تھے۔ بڑے تجربہ کار اور اچھے ذہن کے مالک ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا۔ چودھری صاحب کیا آپ یہ ذمہ لینے کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے کہا جی میں بالکل یہ ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے پوچھا آپ کتنی دیر میں گھوسٹ سکولوں کا پتا کرا لیں گے۔ کہنے لگے میں یہ کام دو مہینوں میں کرلوں گا۔ میں نے انہیں دو مہینے کا وقت دیا اور فنڈز دیئے۔ دو مہینے کے بعد انہوں نے کہا، مجھے مزید وقت دے دیں۔ میں نے مزید وقت دے دیا۔ آخر کار انہوں نے ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ کہنے لگے یہ نہیں ہو سکے گا اس لئے کہ ”آوے کا آوا“ ہی بگڑا ہوا ہے اور سب لوگ آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ اصل میں محکمہ کا مافیا ہی گھوسٹ ٹیچرز کا پروموٹر تھا۔ محکمہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اب ایسے حالات میں آپ کس طرح ان ناسور کو ختم کر سکتے ہیں، جب محکمہ کے لوگ ہی اس میں شامل ہوں۔ میں نے پھر چودھری اقبال سے کہا کہ اب مجھے اجازت ہے کہ میں کوئی قدم اٹھاؤں۔ وہ کہنے لگے ٹھیک ہے۔ (یہ میں ریکارڈ کی بات کر رہا ہوں۔ آج کل چودھری اقبال ق لیگ کے وزیر ہیں، وہ یقیناً اس بات سے انکار نہیں کریں گے) بہر حال میں نے اس وقت چیف آف آرمی سٹاف جہانگیر کرامت سے بات کی۔ میں نے کہا جنرل صاحب تعلیم ہی نے ہمیں ترقی کی منازل طے کرانی ہیں۔ تعلیم ہی کے ذریعے ہم جاپان اور امریکہ کے ہم پلہ کھڑے ہوں گے، لہٰذا آپ میری اس سلسلہ میں مدد کریں۔ جنرل صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے کہ ہم اس سلسلہ میں میٹنگ کرتے ہیں۔ خیر میں نے ان سے میٹنگ کی اور ساری تفصیل سے انہیں آگاہ کیا۔ جنرل صاحب پڑھنے لکھنے والے بہت گہری سوچ اور ٹھیراؤ والے شخص تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں سوچتا ہوں پھر میں آپ کو بتاؤں گا۔ میں تین مہینے تک اس مسئلے کے پیچھے رہا، دوبارہ انہیں ملا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے کیس بنا کر کمیٹی کے سامنے رکھا ہوا ہے جلد ہی فیصلہ آجائے گا۔ آخر کار انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا اور مان گئے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ہم سے کم سے کم چار جز لئے، انہوں نے پنجاب بھر میں فوج کے ہزاروں لوگوں کو اس کام پر لگایا اور اس کے نتائج ہمیں دیئے، جس میں ہزاروں سکول اور ہزاروں ٹیچرز گھوسٹ نکلے حتیٰ کہ ہزاروں بچے بھی گھوسٹ نکلے۔ بلڈنگیں موجود تھیں لیکن لاکھوں روپیہ کھایا جا چکا تھا۔ دیہاتوں میں ڈیرے بنے ہوئے تھے، لوگ وہاں تاش اور جوا کھیلتے تھے۔ ایک گھناؤنا جرم ہو رہا تھا جسے پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اب آپ بتایئے کہ اتنے گھناؤنے جرم کو روکنے کے لئے اگر ہم نے فوج سے مدد لے لی تو اس میں کیا نقصان تھا۔ کسی برائی کو روکنے کے لئے اگر ایک طریقہ میں کامیابی نہیں ملتی تو آپ دوسرا

طریقہ اختیار کر سکتے ہیں اور پھر اگر انہوں نے پر امن طریقے سے ہماری مدد کر دی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم وہ کام کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ فوج تو ہماری مدد کے لئے آئی تھی، وہ محاذوں پر جنگ تو نہیں لڑنے کے لئے گئی تھی، پھر آپ یہ بھی بتایئے کہ فوج کا کام جنگ کرنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا ہوتا ہے نا، یا پھر ایمرجنسی جیسے سیلاب وغیرہ آجائے تو فوج سویلین حکومت کی مدد کرتی ہے تو اگر تعلیم کو ٹھیک کرنے کے لے ایمرجنسی طور پر فوج کو بلا لیا تو اس میں کیا برائی ہے۔ میں نے بوٹی مافیا کے خاتمے کے لئے فوج کو نہیں بلایا۔ گھوسٹ سکولوں کے خاتمے کے لئے اگر میں نے فوج کو بلایا تو اس کا مقصد یہ نہیں کہ فوج کی خوشنودی حاصل کی جائے یا فوج کے دل میں اپنا نرم گوشہ پیدا کیا جائے۔ ہاں البتہ سڑکوں کی تعمیر کے لئے فوج کو بلایا گیا، کیوں کہ وہ بھی اس لئے کہ ہم ٹھیکے داری کلچر کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ ٹھیکے دار تو محکمہ کے لوگوں اور سیاست دانوں کے ساتھ مل کر 80 فی صد پیسہ کھا جاتا تھا اور 20 فی صد پیسے سڑکوں پر لگاتے تھے۔ ایک بارش کے بعد یہ سڑکیں ٹوٹ پھوٹ جاتی تھیں تو اس کی روک تھام کے لئے ہم نے فوج کو بلایا اور پھر فوج میں باقاعدہ سڑکوں کی تعمیر کے لئے علیحدہ یونٹ ہے جو ایف ڈبلیو او (FWO) اور این ایل سی (NLC) کے تحت اپنا کام کرتے ہیں۔ اب آپ ہی بتایئے کہ اگر میں نے ایسا کیا تو تو اس میں کیا برائی تھی۔ فوج نے کام کر کے دکھایا تو میں نے انہی ٹھیکے داروں کو سبق دیا کہ دیکھو کام ایسے کرتے ہیں۔ اور آپ دیکھیں انہی ٹھیکے داروں نے پھر فرشتوں کی طرح ان سے بہتر کام کر کے دکھایا۔ تو بات کہنے کی صرف یہ ہے کہ قوموں کی زندگی میں ایسے مواقع آتے ہیں جب قومی مفاد کے لئے ایسے فیصلے کرنا پڑتے ہیں تو اس میں ایسی کوئی بات نہیں فوج کی مداخلت شامل ہو جاتی ہے۔ انہوں نے سویلین حکومت کے قانون کے مطابق کیا اور میں آج بھی اپنے اس فیصلے پر شرمندہ نہیں ہوں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے بہتر کام کروائے اور اس پر مجھے فخر ہے۔

فوج سے مصالحت

ابھی آپ نے جنرل جہانگیر کرامت کا ذکر کیا، ان کے استعفیٰ کی اصل کہانی کیا تھی؟

شہباز شریف: وہ تو میں نے میاں نواز شریف کے حوالے سے ساری تفصیل بتا دی اب اس حوالے سے مزید کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک بات اور آپ سے پوچھنا چاہوں گا کہ آپ فوج سے مصالحت چاہتے ہیں، جب کہ میاں نواز شریف کہتے ہیں کہ فوج سے کیسی مصالحت۔ یہ تو آپ دونوں کے

خیالات میں کھلا تضاد ہے؟

شہباز شریف: دیکھیں بات سنیں میں جو مصالحت کی بات کرتا ہوں تو میرا کہنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سیاسی جماعتوں سے مصالحت کی بات کی جائے۔

یعنی آپ فوج کے ساتھ مصالحت کی بات نہیں کرتے؟

شہباز شریف: وڑائچ صاحب! فوج کے ساتھ تو ہماری لڑائی ہی نہیں تو پھر مصالحت والی بات کیسی۔ فوج کا کام تو سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے۔ جب کہ سیاسی جماعتوں کا کام نظام حکومت کو چلانا اور عوام کی خدمت کرنا اس میں تو ٹکراؤ والی بات ہی نہیں۔ ٹکراؤ صرف اس بات پر ہے کہ فوج نے اٹھائیں سال تک حکومت کی۔ صرف منطق اور عقل سے انہیں سمجھانا ہوگا کہ فوج کا کام یہ نہیں کہ وہ پاکستان کی ایڈمنسٹریشن اور ایڈمنسٹریٹو معاملات کو چلائے بلکہ فوج کا کام ملک کی دفاعی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے۔

اس وقت جو سیاسی تعطل ہے اس میں دو موقف سامنے آئے ہیں ایک یہ کہ آپ کے خیال کے مطابق فوج سے مذاکرات کیے جائیں، جب کہ دوسرا موقف میاں نواز شریف کا ہے کہ فوج سے اس حوالے سے مذاکرات کا فائدہ نہیں ہے؟

شہباز شریف: نہیں میاں صاحب نے تو یہ نہیں کہا کہ ڈائیلاگ نہ کیے جائیں جہاں تک مصالحت والی بات ہے وہ تو میں نے پہلے بھی کہا کہ قومی مفاد اور ملک کی بہتری کے لئے سیاسی جماعتوں اور سیاست دانوں سے مصالحتی مذاکرات ہونے چاہئیں۔

پاکستان میں یہ تاثر ہے کہ آپ فوج سے ڈائیلاگ کرنا چاہتے ہیں، جب کہ میاں نواز شریف اس کی مخالفت کرتے ہیں؟

شہباز شریف: بات یہ ہے کہ میں تو اپنی بات کا اظہار کر چکا ہوں اور میں میاں صاحب کے خیالات کا بھی احترام کرتا ہوں لیکن میرا جو نقطہ نظر ہے وہ میرا اپنا ہے۔ میں آج بھی کہتا ہوں کہ ڈائیلاگ ہونے چاہئیں۔

گویا دونوں میں اختلاف رائے ہے؟

شہباز شریف: آپ کہہ سکتے ہیں کہ فوج سے ڈائیلاگ کے حوالے سے ہماری رائے الگ الگ ہے۔

کالج لائف میں آپ کے کیا مشاغل تھے؟

شہباز شریف: میں اور نواز شریف بڑے شوق سے کرکٹ کھیلتے تھے، میں تو باتھ روم سنگر تھا لیکن نواز شریف بہت اچھے سنگر تھے، بہت اچھی آواز تھی ان کی، اب تو دس پندرہ سال ہو گئے ہیں انہوں نے گانا نہیں گایا لیکن آپ یقین کریں کہ میاں نواز شریف کی آواز اور محمد رفیع کی آواز میں فرق نہیں ہے، آج بھی وہ گانا گائیں تو لگتا ہے کہ رفیع دوبارہ زندہ ہو گیا ہے، پھر میاں صاحب اور ان کے بیٹے قرآن پاک کی بڑی خوب صورتی سے تلاوت کرتے ہیں۔ میاں صاحب تو نعت بھی بہت خوب صورت پڑھتے تھے۔

آپ کو کس کے گانے پسند ہیں؟

شہباز شریف: مجھے بھی رفیع کے گانے بہت پسند ہیں، مہدی حسن اور لتا کی غزلیں بھی بہت پسند ہیں،

تم ضد تو کر رہے ہو، ہم کیا تمہیں سنائیں

یہ مہدی حسن کی بہت اچھی غزل ہے۔

فارغ اوقات میں آپ کیا کرتے ہیں؟

کتابیں پڑھنے کا مجھے بہت شوق ہے۔

کوئی ایسی کتاب جس نے آپ پر بہت اثر ڈالا ہو؟

نیلسن منڈیلا کی "A long walk to freedom" نے مجھے بہت متاثر کیا، واقعی منڈیلا نے جنوبی افریقہ کو بچایا ورنہ وہاں پر خون کی ندیاں بہہ جاتیں،

آپ کی فیملی لائف کیسی ہے؟

شہباز شریف: جب میں بزنس میں تھا میری بیوی کو بہت گلہ تھا کہ ٹائم نہیں دیتے۔ جب میں سیاست میں آیا تو ان کا گلہ اور بڑھ گیا کہ آپ بچوں کو اور فیملی کو وقت ہی نہیں دیتے، دن رات کام میں مشغول رہتے ہیں، یہ بات درست ہے کہ میں واقعی بچوں کو پورا وقت نہیں دے سکا لیکن خدا کا شکر ہے کہ والدین کی تربیت اور گھر کے ماحول کی وجہ سے میرے بچے اچھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور انہیں اپنی ''ویلیوز'' کا بھی مکمل طور پر علم ہے بڑوں کا احترام، عزت اور تابع داری کرتے ہیں۔

میاں بیوی میں لڑائی تو ہوتی رہتی ہو گی کون زیادہ لڑتا ہے؟

شہباز شریف: لڑائی تو ہوتی رہتی ہے لیکن میں ہی زیادہ لڑتا ہوں۔

آپ کی دوسری شادی کے حوالے سے مختلف خبریں آتی رہیں، کیا آپ واقعی اپنی دوسری بیوی کو طلاق دے چکے ہیں؟

شہباز شریف: اب یہ قصہ ختم ہو چکا، ہماری طلاق ہو چکی ہے۔

آپ کا مزاج تیز ہے، شاید غصہ بھی زیادہ آتا ہے؟

شہباز شریف: جی ہاں کچھ تھوڑا سا مزاج تیز ہے، جب میں چیف منسٹر تھا تو مجھے "A man in hurry" (جلدی میں رہنے والا آدمی) کہتے تھے۔ مجھے جب بیماری لاحق ہوئی اور میرا آپریشن تھا اس وقت میرے پاس اسحاق ڈار موجود تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ اگر میری سرجری ٹھیک ہوئی اور اللہ نے مجھے بچا لیا تو میں اللہ کا شکر ادا کروں گا لیکن اگر میں نہ بچ سکا تو مجھے ہر قیمت پر پاکستان واپس لے کر جانا۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے مجھے بچا لیا اور موذی مرض کا مجھے وقت پر پتہ چل گیا، بہر حال اس وقت مجھے اس چیز کا احساس ہوا کہ مجھے کہتے تھے کہ یہ "A man in hurry" ہے۔ بہت کام کرتا ہے لیکن اس وقت زندگی کے بارے مجھے احساس ہوا کہ انسان کا تو پتا ہی نہیں پل میں کیا ہو سکتا ہے بہر حال اللہ کا بڑا احسان ہے۔

پاکستان اور بھارت تعلقات کے حوالے سے آپ کے کیا تاثرات ہیں، کیوں کہ ایک طرف تو میاں نواز شریف نے بھارت کے ساتھ "معاہدہ لاہور" کیا۔ آپ نے اس حوالے سے کبھی کھل کر اظہار نہیں کیا۔ آپ اس حوالے سے کیا سوچتے ہیں؟

شہباز شریف: پاک بھارت تعلقات میں تناؤ کشمیر کی وجہ سے ہے اور بھی ہمارے بہت سے مسائل ہیں لیکن کشمیر کا بہت اہم اور ضروری مسئلہ ہے اور اس مسئلے کو حل کیے بغیر انڈیا پاکستان کے تعلقات کبھی نارمل نہیں ہو سکتے۔ مسئلہ بالکل سیدھا ہے کہ کشمیریوں کو ان کا بنیادی اور پیدائشی حق دیا جائے۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق ان کی آزادی اور حق خودارادیت ہے، وہ انہیں ملنا چاہیے جو اصولوں کے مطابق ان کا حق بنتا ہے، وہ انہیں دیا جانا بہت ضروری ہے، پھر اسی مسئلہ کشمیر کی وجہ سے تین جنگیں ہوئیں اور دونوں طرف سے بے پناہ نقصان ہوا اور آج یہ بات طے ہے جنگ مسئلہ کشمیر کا حل نہیں ہے

اوراس میں کوئی دورائے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میاں نواز شریف کے دور میں پاکستان نیوکلیئر پاور بنا، اسی پاور نے پاکستان کی سالمیت کو بچایا ہوا ہے، لہٰذا ہمیں اصولی موقف پر قائم رہنا چاہیے اور اس پر کسی قسم کی سودے بازی نہیں کرنی چاہیے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جونعرہ ''کشمیر بنے گا پاکستان'' ہے اللہ کرے کہ واقعی سچ ثابت ہو لیکن 56 سال گزر چکے ہیں لیکن یہ نہ بن سکا لیکن آج میں جو بات آپ کو کہہ رہا ہوں اسے یاد رکھیے گا کہ اگر ہمارے یہی اطوار رہے اور ہماری زندگی کا یہی طریقہ کار رہا، ہماری سوچ اور اپروچ یہی رہی تو 56 سال کیا 500 سال بھی گزر جائیں گے کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں بنے گا۔ یہ جونعرہ ہم لگا رہے ہیں کہ وہ ہمارا حصہ بنیں، وہ کیوں ہمارا حصہ بنے گا۔ کیا ہم ان کو کوئی ماڈل دے رہے ہیں کہ وہ واقعی ہمارے ساتھ مل جائیں۔

یعنی پاکستان کی پالیسیاں یہی رہیں جواب ہیں تو 500 سال گزرنے کے باوجود کشمیر ہمارا حصہ نہیں بنے گا؟

شہباز شریف: نہیں بنے گا۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہی خدا کو حاضر ناظر جان کر اور دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ جہاں تھانوں میں ظلم ہو رہا ہو، مظلوم کی کہیں شنوائی نہ ہو، ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کا عنصر ہو، غربت میں اضافہ ہو رہا ہے، امیر امیر تر ہوتا جا رہا ہو، غریب کو کوئی پوچھنے والا نہ ہو، جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا قانون ہو، کیا ایسا معاشرہ ماڈل معاشرہ کہلا سکتا ہے۔ آپ خود ہی بتایئے کشمیری آپ سے متاثر ہو سکتے ہیں، کیا وہ آپ کے ساتھ رہنا پسند کریں گے۔ وہ بھی انسان ہیں اور معاف کیجئے کہ وہ تو بہت تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ کیا خدانخواستہ کشمیری اندھے اور بہرے ہیں وہ دیکھ نہیں سکتے کہ پاکستان میں کیا ہو رہا ہے تو پھر وہ پاکستان کا کیوں حصہ بنیں گے۔ اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے جو جرمنی میں ہوا تھا جس طرح مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی نے کیا یہی اس کا حل ہے۔ جس طرح وہاں انہوں نے اپنی شکست کو مایوسی میں نہیں بدلا انہوں نے محنت دیانت کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے 50 سال سر نیچے کر کے کام میں لگے رہے اور ایسٹ جرمنی پکے ہوئے پھل کی طرح ان کی جھولی میں آ گرا۔ لاکھوں جوانوں نے اپنے جوش و جذبے سے دیوار برلن کو پاؤں کی ٹھوکروں سے گرا دیا اور یہ کس چیز کا کرشمہ تھا صرف معاشی طاقت کی وجہ سے ایسا ہوا اور انہوں نے اسے سہارا دیا، اگر محنت، شجاعت، دیانت اور صداقت کے اصولوں کو ہم نے اپنایا ہوتا تو کشمیر 56 سال کی بجائے 5 سال میں ہماری جھولی میں ہوتا اور اگر اب بھی ہم ایسا نہیں کریں گے تو 500 سال گزرنے کے بعد بھی کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں بنے گا۔

کیا مسئلہ کشمیر کے حل کی اسی سوچ کی وجہ سے آپ لوگوں کی فوج سے ناراضی رہی، کیوں کہ ایسے لگتا ہے کہ فوج آپ کے اس حل سے مطمئن اور خوش نہیں تھی؟

شہباز شریف: دیکھئے بات یہ ہے کہ بعض معاملات میں فوج کے "Fixed ideas" ہیں جس طرح آپ دیکھیں کہ طالبان کی کیا صورت حال تھی، حالاں کہ اس میں کسی سویلین حکومت کا عمل دخل نہیں تھا، پھر آپ ہی بتائیں کہ کہاں گئیں وہ ان کی سوچ۔ وہ تو دھری کی دھری رہ گئیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھی تھوڑی سی لچک اور کھلے ذہن کا مظاہرہ بھی کرنا چاہیے۔ دنیا دیکھ رہی ہوتی ہے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ کے دل میں کتنی صداقت ہے، کس قانون کے تحت آپ بات کر رہے ہیں کیا سوچ رہے ہیں آپ کی، لہٰذا ہمیں پہلے اپنے گھر کو ٹھیک کرنا چاہیے۔ ہمیں ایک مضبوط اور جمہوری ملک بنانے کے لئے سوچنا چاہیے۔ ایک ایسا پاکستان جو معاشی طور پر اور سماجی طور پر مستحکم ہو، جہاں لوگوں کو انصاف ملے، جہاں خوش حالی ہو، پھر آپ دیکھیں گے ہمیں ہماری کوششوں کا کیا پھل ملتا ہے اور جہاں ملک کے اندر بھوک ننگ ہو وہاں آپ کشمیر کو کیسے فتح کریں گے۔ یہ ہم کس کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ دنیا کو پتا ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔

کیا واقعی فوج سے نواز شریف حکومت کا اس حوالے سے اختلاف تھا اور کیا اسی وجہ سے کارگل والا مسئلہ ہوا؟

شہباز شریف: مجھے چوں کہ اس کی تفصیل کا علم نہیں۔ کارگل کے حوالے سے میاں صاحب کا موقف سامنے آچکا ہے اور میں بھی آپ کو اس کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔

آپ لوگوں کو اس بارے میں کیوں نہیں بتاتے۔ پچھلے دنوں چودھری شجاعت کا بھی بیان آیا تھا کہ میاں نواز شریف کو بریفنگ دی جا رہی تھی، کوئی کرنل یا بریگیڈیئر تھا لیکن میاں صاحب سن نہیں رہے تھے، پھر پرویز مشرف نے خود بریفنگ دی، میاں صاحب کہنے لگے کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں تو مشرف نے ڈائری نکالی اور کہاں کہ فلاں فلاں دن میں نے آپ کو یہ بتایا تھا، اس واقعہ میں کتنی سچائی ہے؟

شہباز شریف: دیکھیں جی میاں نواز شریف پاکستان کی معروف شخصیت ہیں۔ انہوں نے جو بات کی ظاہر ہے ذمہ داری سے کر رہے ہوں گے۔ جی ایچ کیو یا وزیر اعظم ہاؤس میں ہونے والی بات چیت میں، میں شامل نہیں تھا نہ ہی مجھے اس بارے میں علم تھا، میاں صاحب نے تو کارگل کی وہی بات کی جو

میں پہلے بتا چکا تھا۔

کیا مسئلہ کشمیر کے حل یا پاک بھارت دوستی کے معاملے پر آپ کا فوج سے اختلاف تھا؟

شہباز شریف: نہیں ایسی بات نہیں، میاں صاحب نے کہا تھا۔ ناکہ اگر میں اختلاف کرتا تو ملکی حالات اور زیادہ خراب ہوتے لیکن انہوں نے حکمت سے کام لیا۔ بہر حال کارگل کے حوالے سے کچھ باتیں براہ راست میرے علم میں ہیں جو کہ میں اس وقت نہیں کرنا چاہتا، کیوں کہ یہ ایسے حساس معاملات ہیں جس سے صورت حال خراب ہوگئی۔

اب تھوڑی سی سیاست کے حوالے سے بات ہو جائے؟

شہباز شریف: (پنجابی میں) ہن کوئی کسر باقی رہندی اے (بھرپور قہقہہ) تسی چنگا گڑ الا رے او۔

چودھری شجاعت اور چودھری پرویز الٰہی کا کہنا ہے کہ آپ دونوں بھائیوں کی حکومت کے دور میں ان کو نظر انداز کیا جاتا رہا۔ ان کے خاندان کے ساتھ بہت زیادتیاں ہوئیں؟

شہباز شریف: کس لحاظ سے زیادتیاں ہوئیں!

آپ کے دور میں ان کے گھروں پر چھاپے مارے گئے؟

شہباز شریف: دیکھیں جی! یہ بات مناسب نہیں ہے، کیوں کہ اس وقت وہ کسی اور پارٹی میں ہیں اور ہم کسی اور پارٹی میں۔ مناسب نہیں کہ ایک دوسرے پر الزام تراشیاں کریں۔ پچھلے تین سال سے تو ہم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آج آپ نے سپریم کورٹ کے حوالے سے براہ راست سوال پوچھا تھا مجبوراً مجھے اس کا جواب دینا پڑا۔ یہ کہنا کہ سیاسی زیادتیاں ہوئیں بالکل غلط ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چودھری شجاعت وزیر اعظم کے سب سے قریبی ساتھی تھے۔ میاں نواز شریف چودھری شجاعت حسین کی دل سے عزت کرتے تھے۔ میں خود بھی چودھری شجاعت کی شرافت کا قائل ہوں لیکن میاں صاحب کو اس بات کا بہت دکھ ہے کہ جب وہ جیل میں تھے، بجائے ان کا ساتھ دیتے انہوں نے ایسے بیانات دیئے کہ میاں صاحب کا دل ٹوٹ گیا۔ میاں صاحب تو ہمیشہ فخریہ انداز میں کہتے تھے۔ شجاعت میرا بڑا قریبی اور با اعتماد ساتھی ہے بلکہ میاں صاحب نے چودھری شجاعت کے حوالے سے قصہ بتایا تھا کہ چودھری شجاعت نے انہیں کہا کہ میں نے آپ کے ساتھ سیاست کی ہے اور آپ کے ساتھ ہی سیاست کریں گے اور آپ سیاست نہیں کریں گے تو میں بھی نہیں کروں گا۔ اس سے آپ اندازہ کرلیں کہ

یہاں تک تعلق اور واسطہ تھا اور بڑے احترام کا رشتہ تھا اور پھر بھی میں ایک بات اور بھی آپ کو بتاتا ہوں کہ اگر ہماری حکومت رہتی تو چند ہی دنوں میں میاں صاحب چودھری شجاعت کو وزیر داخلہ سے وزیر دفاع بنانا چاہتے تھے، یہ کتنی بڑی بات ہے، اس سے اندازہ کرلیں کہ وہ شجاعت کو کتنا احترام اور عزت دیتے تھے اور کتنی قربت تھی دونوں میں۔ ماضی میں بھی ایسے رہا ہے کہ دو دو تین بھائی اگر میرٹ پر ہوں تو وہ اعلیٰ عہدوں پر پہنچتے ہیں لیکن جب میں وزیر اعلیٰ بنا تو بہت طعنے آنے لگے کہ ایک بھائی وزیر اعظم بن گیا اور دوسرا وزیر اعلیٰ۔ حالانکہ اعجاز الحق اور ان کے بھائی انوار الحق بھی منسٹر رہے ہیں۔ چودھری صاحب بھی ایک سے زیادہ مرتبہ وزیر رہے ہیں اور ان کے بھائی بھی وزیر رہے ہیں اور پھر کاروبار کے لحاظ سے مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ ہم نے کیا نقصان پہنچایا اور انہیں کیا شکایت ہے۔ کیا ان کو ہمارے زمانے میں قرضے نہیں ملے۔ قرضے بھی ان کو ملے اوروں نے بھی قرضے لئے۔ اس میں کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر کوئی میرٹ پر قرضہ لیتا ہے تو کوئی بری بات نہیں لیکن پھر بھی ان کو کوئی شکایت ہے تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

پھر ان کو آپ سے شکایات کیسے پیدا ہوگئیں؟

شہباز شریف: یہ تو مجھے نہیں پتا کہ کیا شکایات ہیں۔

وہ سمجھتے ہیں کہ پنجاب میں وزارت اعلیٰ ان کا حق تھا اور آپ کے خاندان نے چودھری پرویز الٰہی سے وزارت اعلیٰ کا وعدہ بھی کیا تھا؟

شہباز شریف: دیکھیں جی بات سنیں، جب غلام اسحاق نے ہماری حکومت ختم کی ہم سپریم کورٹ میں گئے اور سپریم کورٹ نے ہماری حکومت بحال کر دی تو آپ یقین کریں کہ وہی ایم پی اے اور ایم این اے بھاگے بھاگے ماڈل ٹاؤن جمع ہونا شروع ہو گئے، ہماری اکثریت بن گئی، پرویز الٰہی کو میاں صاحب نے ''نامزد'' کیا اور یہ ریکارڈ کی بات کر رہا ہوں اور دن رات میں نے ان کے لئے کام کیا، کبھی ادھر جا رہا ہوں، کبھی ادھر جا رہا ہوں اور اس چیز کی گواہی اسمبلی بھی دے گی کہ میں کس طرح لوگوں کے گھر گھر جا کر ان کو لاتا تھا، پھر اس کے بعد جب پنجاب میں لیڈر آف دی ہاؤس کا مسئلہ آیا تو میں نے میاں صاحب سے کہا کہ میں ایم این اے اور ایم پی اے کی سیٹ بھی جیت چکا ہوں آپ جو بھی فیصلہ کریں گے، وہ مجھے منظور ہوگا۔

پھر میں نے یہ بھی سنا چودھری شجاعت نے میاں صاحب سے خود کہا کہ شہباز شریف کو پنجاب میں

لے آئیں، پارٹی نے بھی فیصلہ دیا۔ میں تو ایم این اے بننے کے لئے تیار تھا اور پھر یہ کہنا کہ میں خود وزیر اعلیٰ بننا چاہتا تھا اور میں نے دباؤ ڈالا یہ ایسی لغو اور بے بنیاد بات ہے کہ میں اب کیا بتاؤں اور اس بارے میں ایک ایسا صحافی لکھتا ہے جس نے خود نواز شریف کو مشورہ دیا کہ اگر آپ نے شہباز شریف کو نامزد نہ کیا تو آپ اپنے آپ سے زیادتی کریں گے اور آج اگر وہ اپنے کالم میں لکھے کہ شہباز شریف نے اپنے بھائی کو ''پریشرائز'' کیا تو اس سے بڑا جھوٹ کیا ہو سکتا ہے۔ میں اس صحافی کا نام نہیں لینا چاہتا۔ بہر حال آپ یقین کریں کہ میں نے میاں صاحب کو کہا تھا کہ میں دونوں سیٹیں جیتا ہوں آپ جو بھی فیصلہ کریں گے وہ قبول ہوگا۔ میاں صاحب اس وقت کہنے لگے کہ ہمیں پنجاب میں بھاری مینڈیٹ ملا ہے، لہٰذا تم پنجاب کی ذمہ داری خود سنبھال لو میں نے کہا ٹھیک ہے۔ میٹنگ میں چودھری صاحبان تھے اور میرے والد تھے۔ وہاں پرویز الٰہی نے سوال اٹھایا کہ شہباز شریف نے تو مجھے کہا تھا کہ وزیر اعلیٰ بننے کا میرا کوئی ارادہ نہیں آپ بن جایئے۔ بالکل میں نے پرویز الٰہی کو کہا تھا، میں اس بات کو مانتا ہوں، یہی صحیح بات ہے لیکن پارٹی نے فیصلہ کیا اور پارٹی کے صدر نے فیصلہ دیا کہ تم نے وزیر اعلیٰ بننا ہے تو بتایئے اس میں کون سی وعدہ خلافی ہوئی اور انہوں نے اسی کو وجہ بنا کر مخالفت کی۔

آپ کے ساتھ چودھری برادران کی ورکنگ کیسی تھی؟

شہباز شریف: چودھری شجاعت کے ساتھ میں نے آپ کو بتایا کہ میرا ان کے ساتھ بڑا احترام اور عزت والا تعلق ہے۔

اور پرویز الٰہی کے ساتھ؟

شہباز شریف: پرویز الٰہی کے ساتھ بھی اچھا ورکنگ ریلیشن شپ تھا۔ میں نے کبھی بھی ان سے بگاڑنے کی کوشش نہیں کی ہمیشہ ان کو عزت دی اور جب چیف منسٹر ہاؤس میں آتے تھے تو میں بڑا احترام دیتا تھا۔ میں خود بھی بطور وزیر اعلیٰ بیسیوں مرتبہ ان کے گھر گیا تھا۔ یہ احترام اور عزت اتنی تھی کہ جب بھی وہ چیف منسٹر ہاؤس آتے تھے میں گاڑی تک انہیں چھوڑنے جاتا تھا۔ مطلب صرف کہنے کا یہ ہے کہ میرے دل میں کوئی بد نیتی نہیں تھی نہ میرے ذہن میں ایسے کوئی عزائم تھے اس طرح کی اور بہت سی ذاتی باتیں ہیں۔ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ ان کو زیر بحث لاؤں اور اس سے زیادہ آپ کو ثبوت دوں اچھا نہیں لگتا بجائے میں ان سے گلہ کروں کہ انہوں نے ساتھ نہیں دیا۔ میں نے تو "Out of the way" ان کے لئے کام کروائے میں تو اپنے خاندان کے کام نہیں کراتا تھا لیکن میں قانون کے دائرے

میں رہ کر جو کام کر سکتا تھا ان کے ساتھ جاتا رہا۔ میں تو ان باتوں کو زیرِ بحث ہی نہیں لانا چاہتا کہ میں نے ان کے لئے کیا کیا، اس بات کے تو اسحاق ڈار بھی گواہ ہیں کہ میں ان کے ایک کام کے لئے خود اسلام آباد ان کے ساتھ گیا اور وہ کام کروایا۔

آپ نے چودھری صاحبان کا جو کام کروایا وہ کیا تھا؟

شہباز شریف: نہیں وہ ایسی بات نہیں وہ کام یا سہولت قانون کے مطابق ہی ملی جو قانون دے سکتا تھا۔

لیکن آپ کیا ان کے ساتھ کام کروانے کے لئے خود جاتے رہے؟

شہباز شریف: جاتا رہا، بالکل جاتا رہا لیکن یہ مناسب نہیں کہ میں یہ بات کروں کہ وہ کیا کام تھا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے ذاتی طور پر اور سیاسی طور پر ہمارا تعلق اور رابطہ ایسا تھا جس میں بدنیتی شامل نہیں تھی۔

ذاتی خیالات

ہمارے معاشرے میں عورتوں کو کتنے حقوق حاصل ہونے چاہئیں؟

شہباز شریف: عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق ملنے چاہیں۔

کیا ان کو پردہ کرنا چاہیے؟

شہباز شریف: دل کا پردہ ہونا چاہیے۔ ایک مہذب لباس پہننا چاہیے۔ اسلامی شعار اور اسلامی دائرے میں رہتے ہوئے تمام حقوق ملنے چاہئیں لیکن مردوں کے مقابلے میں قومی تعمیر و ترقی اور معاشرے کی ترقی میں شانہ بہ شانہ حصہ لینا چاہیے۔ عورت کا بڑا مقام ہے اور انہیں وہ مقام ملنا چاہیے۔

کیا مخلوط تعلیم ہونی چاہیے؟

شہباز شریف: اس میں کوئی حرج نہیں۔

کیا اس سے معاشرے پر برے اثرات نہیں پڑیں گے؟

شہباز شریف: بات سنیں! معاشرے کو کون تعمیر کرتا ہے۔ معاشرے کو افراد ہی تعمیر کرتے ہیں۔ معاشرے کو کون اچھا بناتا ہے، ہم لوگ ہی ہیں نا۔

آپ بتائیں اگر آپ کے سامنے شراب پڑی ہے اور آپ اسے نہیں پینا چاہتے تو کوئی آپ کو

زبردستی تو پلانے پر مجبور نہیں کر سکتا یہ تو آپ کے اپنے اوپر منحصر ہے کہ آپ کس طرف جاتے ہیں۔ سیدھا اور غلط راستہ آپ کے سامنے ہے۔ یہ کوئی زبردستی نہیں ہوتی کہ آپ پر کوئی چیز ٹھونس دی جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے جدید دور میں جب امریکہ کی یونیورسٹی میں مسلم خواتین اور ان کی بیٹیاں بھی پڑھتی ہیں اور باقاعدہ مہذب لباس میں یونیورسٹی جاتی ہیں، سر کو ڈھانپا ہوتا ہے۔ سر کو کوئی زبردستی تو نہیں ڈھانپ سکتا اور جو ڈھانپنا چاہے آپ زبردستی اس کے سر سے نہیں اتروا سکتے۔ میں سمجھتا ہوں معاشرے کے اندر جو آزادی ہے۔ یہ معاشرے کی خوب صورتی اور اس کا حسن ہے۔

دہشت گردی اور گیارہ ستمبر کے حوالے سے آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

شہباز شریف: میں سمجھتا ہوں کہ دہشت گردی کسی قسم کی بھی ہو وہ قابل برداشت نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے خلاف جتنی بھی آواز اٹھائی جائے کم ہے اور اس کے خلاف جتنے بھی اقدامات کیے جائیں وہ کم ہیں۔ اس ناسور کا خاتمہ ہونا چاہیے اور مختلف وجوہات کی بنا پر پاکستان میں بھی اس ناسور نے پھلنا پھولنا شروع کر دیا ہے، پھر ہمارے بعض علماء حضرات اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد کی تعمیر اور اجارہ داری قائم کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں اور اس کو ''پروموٹ'' کر رہے ہیں۔ اس پر جلتی کا تیل ہماری جہالت اور غربت نے چھڑک دیا ہے۔ یہ جو کم سوچ اور کم ذہن رکھنے والے بندے ہوتے ہیں، یہ ان لوگوں کو تربیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں شخص کو مار آؤ تم جنت میں چلے جاؤ گے۔ کیا اسلام ان چیزوں سے آتا ہے، کیا ایسی چیزوں سے ملک طاقت ور ہوگا؟ ٹی وی پر جب خبر آتی ہے کہ فلاں جگہ فرقہ واریت کی وجہ سے پانچ افراد جاں بحق ہو گئے تو دنیا سہم جاتی ہے۔ ایسے واقعات کے بعد پاکستان میں کون سرمایہ کاری کرے گا۔ ہم خود اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اب وقت آ گیا ہے کہ پوری قوم اس ناسور کو ختم کرنے کے لئے متحد ہو جائے، تب ہی ہم ایک مہذب اور باوقار معاشرے اور مستحکم پاکستان کو ترقی کی منازل طے کرا سکیں گے۔

آپ کی نظر میں حسن یا خوبصورتی کی کیا تعریف ہے؟

شہباز شریف: (ہنستے ہوئے) دیکھیں میں کوئی فلاسفر نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان کا اصل حسن اس کا ظرف ہے اور اس کا اخلاق ہے اور اسی کا کریکٹر ہے اور یہی اس کا اصل حسن ہے۔ آپ لاکھ چہرے پر بناؤ سنگھار کر لیں، سرخی پاؤڈر لگا لیں اور آپ کا دل بجھا ہوا ہے تو آپ کو حسن کا خاک احساس ہوگا۔ حسن وہ ہے جو انسان کا اپنا اخلاق، اس کا اپنا لہجہ اور اس کی اپروچ ہو، وہی اس کا حسن ہے۔

آپ نے زندگی میں کون سی غلطیاں کی ہیں۔کیا کسی بات پر پچھتاوا ہے؟

شہباز شریف: دیکھیں جی انسان غلطیوں کا پتلا ہے انسان سے غلطیاں ہوتی رہتی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ انسان کے اندر ان غلطیوں سے سبق سیکھنے کا حوصلہ بھی ہونا چاہیے۔

آپ کو جب اقتدار دوبارہ ملے تو کون سی غلطیاں دوبارہ نہیں دہرائیں گے؟

شہباز شریف: میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہمیں دوبارہ اقتدار ملے تو تین چیزیں ہنگامی بنیادوں پر کریں گے۔ایک تو ہم عدلیہ کو مضبوط اور خود مختار بنائیں گے، تعلیم پر خصوصی توجہ دیں گے اور تیسرا احتساب کے عمل کو شفاف اور موثر بنائیں گے، کیونکہ پاکستان میں آج بھی احتساب کا عمل ٹھیک نہیں ہے۔فوج کا احتساب کا اپنا ایک نظام ہے، لیکن پارلیمنٹ کے پاس بھی احتساب کا اختیار ہونا چاہیے۔

کیا دفاعی بجٹ کو پارلیمنٹ سے منظوری کے لئے پیش کرنا چاہیے؟

شہباز شریف: پارلیمنٹ میں لانا چاہیے۔اس پر بحث ہونی چاہیے۔میں اس کے حق میں ہوں، کیوں کہ فوج جتنا اپنے معاملات کو شفاف بنائے گی، اس کی اتنی ہی عزت بڑھے گی۔

کیا دفاعی بجٹ کم ہونا چاہیے؟

شہباز شریف: جی بالکل! کم ہونا چاہیے۔میں سمجھتا ہوں کہ ہم بچت کر کے سوشل سیکٹر کو زیادہ مضبوط بنا سکتے ہیں اور زیادہ ''پروموٹ'' کر سکتے ہیں، لیکن دفاعی بجٹ بہرحال کم ہونا چاہیے۔

مسلم ممالک کا زوال اور مغربی دنیا عروج پر جارہی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

شہباز شریف: اس کا مختصر سا جواب دیتا ہوں کو مسلم ممالک اور حکمرانوں نے اسلام کے زریں اصولوں کو چھوڑ دیا ہے، جب کہ مغرب نے صداقت، امانت اور دیانت کے اصولوں کو اپنا لیا ہے۔

آخری بار کب روئے؟

شہباز شریف: مسلمانوں کے زوال پذیر ہونے پر اکثر روتا ہوں کہ کتنے دکھ اور افسوس کی بات ہے۔

خوف محسوس کرتے ہیں؟

شہباز شریف: دیکھئے خوف ایک ایسا عنصر ہے جو ہر انسان میں موجود ہے۔کسی میں کم خوف ہوتا ہے اور

کسی میں زیادہ۔ میں بھی خوف کھاتا ہوں کہ جب اپنے رب تعالیٰ کے دربار میں حاضری دوں گا اور اگر وہ ناراض ہوگیا تو ایسی کڑی سزا ملے گی کہ دوبارہ رہائی بھی نہیں ملے گی، بس اس بات پر مجھے خوف آتا ہے۔ بس میں کہتا ہوں کہ موت سے پہلے کوئی ایسا کام ہو جائے جو میری بخشش کا سامان پیدا کرے۔

خواب دیکھتے ہیں؟

شہباز شریف: جی خواب تو آتے ہیں لیکن میں خوابوں پر یقین نہیں رکھتا۔

کبھی کوئی سچ بھی ثابت ہوا؟

شہباز شریف: شاید، مگر مجھے یاد نہیں۔

کبھی کسی کو ہاتھ دکھایا؟

شہباز شریف: جی دکھایا۔

آپ علم نجوم کو مانتے ہیں؟

شہباز شریف: میں یقین نہیں کرتا۔

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

مصلحتاً جھوٹ بولتے ہیں؟

شہباز شریف: دیکھو جی! جو انسان یہ کہتا ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا، میں سمجھتا ہوں کہ وہ خود سب سے بڑا جھوٹا ہے بعض اوقات آدمی کو بعض معاملات میں مصلحت سے کام لینا پڑتا ہے لیکن سنجیدہ معاملات میں یا تو میں خاموش رہوں گا یا پھر ٹھیک بات کروں گا۔

پسندیدہ شاعر کون ہے؟

شہباز شریف: علامہ اقبال، مجھے ان کی ذات اور ان کے کلام سے عشق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنے کلام کے ذریعے اسلام کی تشریح کی ہے۔ دور حاضر میں عزت اور ترقی حاصل کرنے کا حل اقبال کی شاعری میں موجود ہے۔

بچپن میں کون آئیڈیل تھا؟

شہباز شریف: میرے والد میاں محمد شریف۔

سیاسی حوالے سے کس کو آئیڈیل سمجھتے ہیں؟

شہباز شریف: میں سمجھتا ہوں کہ جو اصول پسندی اور پختہ عزم قائد اعظم نے دکھایا وہ ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے۔ اس حوالے سے قائد کی حکمت عملی اور طرز عمل سے بہت متاثر ہوں، پھر میں اپنے والد کی سادگی سے بھی بہت متاثر ہوں۔

کوئی اور بات جو آپ کہنا چاہیں؟

شہباز شریف: جب میں نیویارک کی بڑی بڑی بلڈنگز دیکھتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ یہ انسان کی ہی بنائی ہوئی ہیں۔ انہیں جنوں، بھوتوں نے نہیں بنایا، انسانی دماغوں نے بنایا ہے۔ ٹیکنالوجی، تمدن اور dedication نے بنایا ہے۔ یہ ہماری طرح ہی انسان ہیں۔ یہ لوگ اتنا آگے بڑھ گئے ہیں، جب کہ ہم 56 سالوں میں آگے نہیں بڑھ سکے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ اسلام کے جو زریں اصول ہیں۔ محنت، امانت، دیانت اور قائد کا فرمان کام، کام اور بس کام! میرا ایمان ہے کہ ہم اگر ان اصولوں کو اپنالیں تو یہ چاند کیا ہم چاند سے آگے نکل سکتے ہیں اور دنیا کے سامنے پاکستان کو ایسا نمونہ بنا کر پیش کر سکتے ہیں کہ پوری دنیا اس کو follow کرے۔ میری دلی دعا ہے کہ یہ کم از کم ہماری زندگیوں میں ہو جائے اور ہم پاکستان کو دوبارہ اس راستے پر چلا سکیں جس کا راستہ ہم بھول چکے ہیں۔ ہم شاید اپنی زندگیوں میں امریکہ یا جاپان کو تو مات نہ کر سکیں لیکن اگر ہم نے وہ راستہ اختیار کر لیا تو ہم بہت آگے جا سکتے ہیں اور پاکستان کا پاسپورٹ دنیا کے ایئر پورٹس پر ایک معزز پاسپورٹ کہلوائے گا۔ جب پاکستان کی دنیا بھر میں عزت ہوگی تب ہی ہماری آواز سنی جائے گی اور تبھی ممکن ہوگا کہ

تمنا آبرو کی ہے اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

اکثر یہ افواہیں اڑتی رہتی ہیں کہ آپ کا اپنے خاندان سے بالا بالا فوج سے رابطہ ہے؟

شہباز شریف: میرا فوج سے کوئی رابطہ نہیں، مجھے بالواسطہ طور پر صلح کا پیغام دیا گیا تھا لیکن میں نے جواباً کہا کہ اگر میں خاندان سے وفادار نہیں رہا تو پھر آپ سے کیسے وفاداری کر سکوں گا۔

جیل اور جلاوطنی کے بعد آپ اپنا آئندہ لائحہ عمل کیا دیکھتے ہیں؟

شہباز شریف: ہمیں جنوبی افریقا کی کرشمہ ساز شخصیت نیلسن مینڈیلا سے رہنمائی لینی چاہیے۔ ایک طویل عرصہ جیل میں گزارنے کے بعد جب کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کی خوش گوار ترین یاد کون سی ہے تو منڈیلا نے کہا: جیلر نے ایک بار شدید پیاس میں مجھے پانی دیا تھا۔ یہی میری سب سے حسین یاد ہے۔ ہمیں اسی طرح کی کشادگی سے کام لینا چاہیے۔

جب وزیر اعظم نواز شریف واشنگٹن جانے لگے اور کارگل میں جنگ بندی کروانے کی کوشش کر رہے تھے تو آپ نے انہیں کیا مشورہ دیا تھا؟

شہباز شریف: کارگل کے واقعے کے دوران میاں نواز شریف نے واشنگٹن جا کر جنگ بندی کرنے کے حوالے سے گھر میں صلاح مشورہ کیا تو میں نے تجویز دی تھی کہ واشنگٹن جا کر معاہدہ کرنا ہے تو جنرل مشرف کو بھی ساتھ لے جایا جائے لیکن اباجی کی رائے تھی کہ گھر کا بچہ لڑے تو گھر کے باپ کا فرض ہے کہ وہ سب کی عزت بچائے۔

آپ کی کیا رائے ہے فوج کے ساتھ محاذ آرائی کر کے اسے واپس بیرکوں میں بھیجنا چاہیے یا صلح صفائی کے ذریعے؟

شہباز شریف: فوج کو ایک زمینی حقیقت کے طور پر ماننا پڑے گا۔ اگر فوج نہ رہی تو ملک بھی نہیں رہے گا۔ فوج 28,27 سال حکومت کر چکی ہے۔ یہ حقائق ہیں۔ فوج سے محاذ آرائی نہیں ہونی چاہیے۔ فوج ایک بڑا منظم ادارہ ہے۔ اس سے کیسی محاذ آرائی؟ یہ چند جرنیل ہیں جن کے سیاسی عزائم ہیں ان ہی کی وجہ سے مارشل لا لگتے ہیں۔

آپ کے خیال میں اور پیپلز پارٹی میں اتفاق نہ ہونے کی وجہ کیا تھی اور اگر کبھی دوبارہ موقع ملا تو پہلا کام کیا کریں گے؟

شہباز شریف: ہم یہ طے کر چکے ہیں کہ جمہوری حکومت کو پہلا پوائنٹ یہ طے کرنا چاہیے کہ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کسی صورت میں فوج کو نہیں آنے دیں گے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ یا امن میں سے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟

شہباز شریف: بہترین راستہ امن کا ہے جب تک بھارت اور پاکستان میں کشیدگی ختم نہیں ہوگی غربت ختم نہیں ہوسکتی۔

آپ کے بارے میں عمومی تاثر ایک سخت گیر منیجر کا ہے نہ کہ عوام کے پسندیدہ اور محبوب رہنما کا؟

شہباز شریف: میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں شاید عوام میں اس قدر مقبول نہیں تھا اور میں زیادہ تر منیجر کا کام ہی کرتا تھا لیکن میری رائے یہی تھی کہ مجھے اراکین صوبائی اسمبلیوں سے ملاقات کی بجائے عوام کی فلاح وبہبود کے منصوبوں پر توجہ دینی چاہیے۔

کیا یہ سچ ہے کہ آپ سے رائے لی جاتی تو آپ 12 اکتوبر کو جنرل مشرف کو ہٹانے کی مخالفت کرتے؟

شہباز شریف: مجھ سے مشورہ کیا جاتا تو میں جنرل پرویز مشرف کو فوج سے نکالنے کی مخالفت کرتا۔ مجھے علم تھا کہ فوج نے معاہدہ واشنگٹن کے بعد حکومت کی عزت کرنی چھوڑ دی تھی۔

ڈیل کیا تھی آپ اس میں شامل تھے یا نہیں؟

شہباز شریف: میں نے تو جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا تھا۔ کچھ جرنیل اور میرے جیل کے ساتھی گواہ ہیں۔ مجھے ڈیل کا بالکل علم نہیں تھا مجھے میری مرضی کے خلاف جلاوطن کیا گیا تھا۔

چودھری خاندان آپ کا سیاسی ہم سفر تھا آخر اس خاندان کے ساتھ کیا اختلافات ہوئے؟

شہباز شریف: چودھری شجاعت بنیادی طور پر شریف النفس انسان ہیں۔ لیکن انہیں کارگل اور دوسرے معاملات پر متنازع بیانات نہیں دینے چاہیے تھے۔ نواز شریف بتاتے ہیں کہ چودھری شجاعت نے انہیں کہا تھا کہ مجھے بس آپ ہی کے ساتھ سیاست کرنی ہے اس کے بعد میں نے سیاست نہیں کرنی۔ اب وہ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

عام تاثر یہ ہے کہ اپوزیشن کے زمانے میں آپ والد میاں شریف اور آپ کے خاندان نے پرویز الٰہی کو وزیر اعلیٰ بنانے کا حلف اٹھایا تھا؟

شہباز شریف: یہ بالکل غلط ہے میاں شریف نے کبھی یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ وہ انہیں وزیر اعلیٰ بنائیں گے۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ پرویز الٰہی کے بیانات اور اقدامات سے مجھے بہت صدمہ پہنچا ہے۔

میاں اظہر تو آپ کے فیملی ممبر کی طرح تھے ان سے اختلاف کیوں ہوا؟

شہباز شریف: میں شروع میں سمجھتا تھا کہ میاں اظہر کا ہم سے اصولی اختلاف ہے۔ لیکن اب میری رائے ہے کہ جب میاں اظہر نے ہم سے اختلاف کیا تو ان کا فوج سے رابطہ ہو گیا تھا اسی لئے ہماری مخالفت کرتے تھے۔

آپ کے زمانے میں بھی تو بے حد وحساب غلطیاں ہوئیں کیا احتساب بیورو کا کام منصفانہ تھا یہ تو سراسر انتقامی کارروائیاں کرتا تھا؟

شہباز شریف: بالکل نہیں! اصل میں سیف الرحمٰن کو احتساب بیورو کا سربراہ بنانا غلط تھا، جسٹس شفیع الرحمٰن کے ذریعے سے بے لاگ اور غیر جانبدارانہ احتساب ہونا چاہیے تھا تا کہ کوئی بھی احتساب پر انگلی نہ اٹھا سکتا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

بیگم کلثوم نواز کے خیالات

گھر سے سیاست تک

بیگم کلثوم نواز شریف سے یہ انٹرویوز لاہور (2000ء)، جدہ (ستمبر 2001ء) اور لندن (اپریل 2006ء) میں کئے گئے۔

- سیاست میرا شوق نہیں، مجبوری میں آئی تھی۔
- وزیراعظم کی بھی اپنی فوج ہونی چاہئے تاکہ ٹیک اوور کا مقابلہ کیا جا سکے۔
- شوقیہ جہاد جائز نہیں، مسئلہ کشمیر مذاکرات سے حل ہو سکتا ہے۔
- میں نے مشرف کو ہٹانے کا مشورہ دیا تھا۔
- مجھے تو عدلیہ کہیں نظر نہیں آتی عدلیہ ہے کہاں؟
- شہباز وزیراعلیٰ تھے تو نواز ان کی کھچائی کیا کرتے تھے۔
- سوائے نواز شریف کے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں
- دل چاہتا ہے نواز شریف کو کہوں سیاست کو چھوڑ دیں
- جہاد کا باقاعدہ اعلان ہو تو سب سے پہلے میرے بیٹے نکلیں گے
- عورت کو سربراہ مملکت بنانے کے خلاف ہوں۔

سیاست سے لاتعلقی کیوں؟

پاکستان سے باہر آ کر آپ نے سیاست چھوڑ دی ایسا کیوں؟

بیگم کلثوم: میں پہلے بھی مجبوراً سیاست میں آئی تھی، میاں نواز شریف رہا ہو گئے تو میرا مشن مکمل ہو گیا۔ اب اگر کبھی ضرورت پڑی تو پھر اس میدان میں آؤں گی ورنہ اپنے گھر میں ہی خوش رہتی ہوں۔ سیاست میرا شوق نہیں ہے میں لندن میں ہوں یا جدہ میں میرا دل گھر میں ہی لگتا ہے۔

لاہور میں احتجاجی تحریک کے دوران آپ کی گاڑی اٹھائی گئی، کئی گھنٹے آپ گاڑی میں محبوس رہیں، آپ کے اس وقت کیا تاثرات تھے؟

بیگم کلثوم: میں گھبرائی بالکل نہیں، ہمارے حوصلے بلند تھے، ہمیں علم تھا کہ ظالم کو شکست ہوگی، اس کا حوصلہ جواب دے جائے گا اور بالآخر یہی ہوا۔

آپ کو کتنی دیر پہلے پتا چلا کہ سعودی عرب جانے کے بارے میں بات چیت چل رہی ہے؟

بیگم کلثوم: مجھے شروع سے علم تھا، ابتدا میں نواز شریف ہچکچا رہے تھے لیکن بڑے میاں صاحب کے کہنے پر انہیں ماننا پڑا۔

بیگم صاحبہ! آپ ملک کا سیاسی منظر کیا دیکھتی ہیں، آپ کا تجزیہ کیا ہے؟

بیگم کلثوم: مجھے نظر یہ آرہا ہے کہ نواز شریف صاحب کو اس ملک کو بنانے میں بہت مشکل پیش آئے گی یہ انہی کے ہاتھوں بنے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

آپ اکثر کہتی ہیں کہ حکمران ملک کو تباہ و برباد کر رہے ہیں تو آپ کی پارٹی اس لحاظ سے ردعمل کا اظہار نہیں کر رہی، جو بات آپ کرتی ہیں آپ کی پارٹی کے دوسرے عہدے دار اس طرح بات نہیں کرتے۔ اگر واقعی ملک اتنی مشکل میں ہے تو ان کا ردعمل آپ جیسا کیوں نہیں ہے؟

بیگم کلثوم: یہ ان کا مسئلہ ہے میری پارٹی کا ہر فرد یہ کہتا ہے کہ ملک بہت مشکل میں ہے۔

لیکن مشکل سے نکالنے کی بات نہیں ہوتی اور جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ نظر نہیں آتیں؟

بیگم کلثوم: نہیں میرے سامنے تو سب ٹھیک بات کرتے ہیں، میرے سامنے وہ اسی ردعمل کا اظہار کرتے ہیں جس ردعمل کا میں اظہار کرتی ہوں۔

آپ کی پارٹی کے جو اجلاس ہوتے ہیں ان میں تو مختلف بات سامنے آتی ہے؟

بیگم کلثوم: آپ آ کر ان کی تقریریں سنا کریں وہ اتنی جوشیلی تقریریں ہوتی ہیں کہ میں کہتی ہوں کہ ہر پارٹی میں ایسا جذبہ ہونا چاہیے۔

آپ کی پارٹی میں سے آواز اٹھی ہے کہ قیادت میں تبدیلی ہونی چاہیے۔کوئی حکومت کو برا کہتا ہے اور کون ان کے آنے کو جائز قرار دیتا ہے؟

بیگم کلثوم: اب تو ایسی آوازیں نہیں آتیں۔ جو ان کے آنے کو جائز قرار دیتا ہے وہ ملک کا دشمن ہے۔ میں تو یہ کہوں گی خدا نہ کرے کسی ملک کا وہ حال ہو جو آج ہمارے ملک میں ہو رہا ہے۔

اور جو پارٹی قیادت میں تبدیلی کی بات کرتا ہے؟

بیگم کلثوم: اگر وہ آج کرتا ہے تو کل نہیں کرے گا، اندر سے اس کو بھی یہ معلوم ہے کہ یہ صورت حال صرف نواز شریف سنبھال سکتا ہے اور اللہ کے کرم اور مہربانی سے انشاء اللہ وہی سنبھالے گا۔

کیا مستقبل میں آپ کی پارٹی ٹوٹنے کا کوئی امکان تو نہیں یا مختلف دھڑے تو نہیں ہو جائیں گے؟

بیگم کلثوم: خدا نہ کرے لیکن اگر دو چار لوگ پارٹی سے نکل جائیں یا آجائیں تو اس سے پارٹی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ پارٹی ماشاء اللہ ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہے، اس کی جڑیں ماشاء اللہ بہت گہری ہیں۔ایسی بڑی پارٹیوں میں سے دو چار لوگوں کے چلے جانے سے یا آجانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔سمندر میں سے آپ دو گلاس پانی نکال لیں تو کیا فرق پڑے گا لیکن جو دو گلاس پانی آپ نکالیں گے وہ سمندر نہیں رہے گا۔وہ دو گلاس پانی ہو جائے گا پھر آپ اسے قطروں میں تقسیم کر دیں یا نالی میں بہا دیں یہ آپ کی مرضی ہے۔

آپ کی پارٹی کا ردعمل سیاسی لوگوں کی توقعات سے کم ہے اس کے لئے لوگ پیپلز پارٹی کی مثال دیتے ہیں کہ جب جنرل ضیاء الحق کا مارشل لا آیا تو پیپلز پارٹی نے سخت مزاحمت کی تھی جب کہ مسلم لیگ کا ردعمل ہے ہی نہیں؟

بیگم کلثوم: ایک منٹ رکئے فوجی حکومت کے آنے کے کتنی دیر بعد پیپلز پارٹی باہر نکلی تھی۔

تو آپ اس کے لئے وقت چاہتے ہیں؟

بیگم کلثوم: نہیں، کوئی وقت نہیں چاہتے سب کچھ ہو رہا ہے، اب ہم لوگ اتنی زیادہ تعداد میں ہیں کہ پہلے تو صرف لاہور میں ہوتا تھا اب ہر شہر میں جلوس نکال رہے ہیں لاہور، ملتان، بہاولپور میں مظاہرے ہوئے اور کراچی میں تو اکثر ہی مظاہرے ہوتے رہتے ہیں، مسلم لیگ پہلی جماعت ہے جو اتنے کم عرصے میں فوجی حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی ہے اور ان کے مقابلے میں اتری ہے۔

مطلب یہ کہ آپ کو راجہ ظفر الحق کی قیادت میں قائم رابطہ کمیٹی سے کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے؟

بیگم کلثوم: مجھے کسی سے گلہ شکوہ نہیں ہے، میں کیوں گلے کروں لوگوں سے۔

آپ یہ کبھی سوچتی نہیں ہیں کہ جس طرح آپ جدو جہد کر رہی ہیں آپ کی جدو جہد اور سوچ میں اور ان کی جدو جہد اور سوچ میں فرق ہے؟

بیگم کلثوم: یہ اپنا اپنا ردعمل ہوتا ہے اور کسی چیز کو سوچنے کا اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے میں یہ سمجھتی ہوں کہ بچپن میں جتنا سبق حب الوطنی کا مجھے پڑھایا گیا ہے شاید لوگوں کو اتنا نہیں پڑھایا گیا ہمارے والد نے ہمیں سبق سکھایا تھا کہ جب قومی ترانہ بج رہا ہو تو بیٹھتے نہیں اور وہ آج تک میرے ساتھ ہوتا ہے کہ میں نہیں بیٹھ سکتی۔

آپ اکثر کہتی ہیں کہ موجودہ حکومت انتقام لے رہی ہے آخر یہ حکومت انتقام کیوں لے گی کوئی وجہ نظر نہیں آتی؟

بیگم کلثوم: یہ لے رہے ہیں کیونکہ یہ نواز شریف کا ملک ہے۔

نواز شریف نے تو جنرل مشرف کو چیف آف آرمی اسٹاف بنایا، فوج کو فنڈز دیے پھر آخر انتقام کیسے لیا جا سکتا ہے؟

بیگم کلثوم: نواز شریف نے ملک بنایا، یہ بھی تو کہیے۔

تو پھر وہ کیوں انتقام لیں گے ان سے؟

بیگم کلثوم: تو یہ ملک برباد کیوں کر رہے ہیں پھر؟

نہیں آپ نے پہلے بھی کہا ہے کہ یہ انتقام لے رہے ہیں ایسا لگتا ہے کہ نواز شریف نے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا ہے؟

بیگم کلثوم: جس دن سے یہ آئے ہیں میں تو یہی دیکھ رہی ہوں کہ یہ انتقام کے رویے پر چل رہے ہیں جو کچھ انہوں نے ملک کے ساتھ کر دیا ہے کارگل لے سے کر آج تک مجھے تو کہیں ان کی حب الوطنی نظر نہیں آتی۔

کارگل کہانی

کارگل میں کیا کیا؟

بیگم کلثوم: آپ کو سب پتا ہے کیا کیا۔ یہ ایک اوپن سیکرٹ ہے جو کچھ کیا ہے سب کو پتا ہے ان کو خود بھی پتا ہے کہ ان کا کہاں کہاں قصور تھا۔ ان سے کیا کیا غلطیاں ہوئیں کیا آپ کو یہ نہیں پتا کہ کارگل سے غلطیاں شروع کر کے آئے اس کے بعد آج آپ دیکھ لیجئے کہ آج تک چھپاتے رہے ہیں کہ کارگل کے بارے میں بھی سچ چھپایا۔

بیگم صاحبہ! کیا چھپایا؟ وہ تو کہتے ہیں کہ نواز شریف سے انہوں نے منظوری لی تھی۔ چیف آف آرمی سٹاف نے بی بی سی پر انٹرویو میں کہا کہ نواز شریف نے کم از کم پانچ بریفنگز میں شرکت کی، ان میٹنگز میں کارگل پر حملہ پر بحث ہوئی تھی۔ یہ میاں صاحب کے دور میں ہی بی بی سی کے انٹرویو میں انہوں نے کہہ دیا تھا، جواباً میاں نواز شریف نے اس بات کی تردید نہیں کی تھی؟

بیگم کلثوم: نواز شریف کو اسی لئے سارے لوگ کہتے تھے کہ فوج کے سارے قصور نواز شریف نے اپنے کندھوں پر لے لئے یہ بھی بات آپ نے سنی ہوگی کہ فوج کی جتنی غلطیاں تھیں نواز شریف نے اپنے کندھوں پر لے لیں۔ کیوں کہتے تھے یہ لوگ؟ اسی لئے کہتے تھے، ورنہ سارا منظر آپ دیکھیں اس میں نواز شریف کا کوئی قصور نہیں تھا شاید یہ ایجنڈا ہی یہ لے کر آئے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ کارگل کسی بڑے منصوبے کا حصہ تھا؟

بیگم کلثوم: وہاں سے انہوں نے منصوبہ بندی شروع کی۔

کارگل سے انہوں نے کس چیز کی منصوبہ بندی کی؟

بیگم کلثوم: مجھے نہیں پتا ان کی منصوبہ بندی کیا تھی لیکن ایک بات جو سب سے بڑی ہے جو سب کے سامنے ظاہر ہے وہ یہ کہ یہ سب کچھ وہاں سے شروع ہوا اور پھر اس کو سمیٹا نہیں جا سکا اس میں نواز شریف کی حب الوطنی اور اپنی فوج سے محبت سب ناکام ہو گئی۔

میں آپ سے پوچھنا چاہ رہا تھا یہ جو ہمیں اسمبلیوں کی بحالی کے بارے میں بتایا گیا ہے تو کیا یہ صحیح بات ہے کہ نواز شریف صاحب چاہتے تھے کہ اسمبلیوں کو رخصت کر کے نیا الیکشن کرایا جائے؟

بیگم کلثوم: اس وقت سب سے زیادہ اہم ایشو یہ ہے کہ یہ حکومت چلی جانی چاہیے۔

کچھ عدلیہ کے بارے فرمائیں کہ اس کا کیا کردار ہے اور آپ کیا سمجھتی ہیں کہ عدلیہ اپنا کردار کس حد تک نبھا رہی ہے؟

بیگم کلثوم: عدلیہ ہے کہاں؟ کہاں ہے عدلیہ؟

کیا عدلیہ ختم ہو گئی؟

بیگم کلثوم: مجھے تو نظر نہیں آتی۔

ابھی تو عدلیہ نے میاں نواز شریف کو مشکل سے نکالا ہے طیارہ کیس میں انہیں پھانسی کی سزا نہیں ہوئی؟

بیگم کلثوم: عدلیہ نے چھوڑا کس لئے؟

وہ جو طیارہ کیس تھا؟

بیگم کلثوم: وہ طیارہ کیس کیا تھا؟ آپ سمجھتے ہیں کہ نواز شریف دو سو انسانوں کی زندگی داؤ پر لگا سکتے ہیں؟ جس میں سے چھ لوگ بالکل آرام سے نکل گئے تو نواز شریف نے وہ سازش کس کے ساتھ مل کر کی؟ میں اب بات کر رہی ہوں مجھے بات کرنے کے لئے ضرورت پڑتی ہے کہ ایک بندہ میرے سامنے موجود ہو تو چھ لوگ تو رہا ہو کر چلے گئے تو پھر ساتویں نواز شریف نے کس کے ساتھ مل کر یہ سازش کی کیا وہ خود جہاز کے اندر پستول لے کر چلے گئے تھے۔

سپریم کورٹ پر حملہ

آپ فرما رہی تھیں کہ عدلیہ کہاں ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ میاں نواز شریف کے دور میں سپریم کورٹ پر حملہ ہوا تھا تو کیا اس کے بعد وہ عدلیہ رہ گئی تھی؟

بیگم کلثوم: آپ نے اچھا کیا یہ بات آپ نے کر دی۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ نواز شریف صاحب نے ایک گروہ کو بٹھایا ان کو پٹی پڑھائی کہ جاؤ وہاں جا کر حملہ کر دو تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ نواز شریف صاحب نے یہ کیا ہو گا؟ اور یہ بھی آپ دیکھ لیں کہ نواز شریف صاحب قانون پڑھے ہوئے ہیں، پھر کس طرح آپ یہ بات کہتے ہیں کہ نواز شریف نے یہ حملہ کرایا؟ اور یہ پہلے سے کیسے ممکن تھا؟

حملہ کرنے والے مسلم لیگ کے ہی لوگ تھے؟

بیگم کلثوم: مانتی ہوں آپ مجھے ایک بات بتایئے کہ میں نے آپ سے کہا کہ جایئے وہاں پر ایک پروگرام ہو رہا ہے آپ وہاں جا کر سنیئے، مجھے کیا پتا کہ اس پروگرام کے اندر کتنا رش ہو جائے گا کہ آپ کو اندر بیٹھنے کی جگہ نہیں ملے گی اور آپ دروازے توڑ دیں گے؟ یا توڑنے کی کوشش کریں گے یا وہاں پر ہلڑ بازی کریں گے۔

اتنے بڑے واقعہ پر معذرت بھی تو نہیں کی؟

بیگم کلثوم: نواز شریف صاحب نے کہا تھا کہ مجھے اس پر افسوس ہے اور مجھے بہت اچھی طرح سے یاد ہے کہ عدالت میں کھڑے ہو کر کہا تھا۔

سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد میرا تو خیال ہے کہ اسمبلیوں کی بحالی کا دروازہ ویسے ہی بند ہو چکا ہے؟

بیگم کلثوم: کون سا قانون؟ کون سا آئین؟ قانون اور آئین کی بات کرتے ہیں تو نواز شریف ابھی پرائم منسٹر ہیں آپ اس بات کو یاد رکھیں۔

تارڑ، متوسط طبقے کا نمائندہ تھے۔

بیگم صاحبہ رفیق تارڑ صاحب جن کا کوئی سیاسی پس منظر نہیں تھا ان کو آپ کی فیملی نے

صرف اپنا فیملی فرینڈ ہونے کی وجہ سے صدر بنا دیا؟

بیگم کلثوم: نہیں صرف فیملی فرینڈ ہونے کی بنیاد پر انہیں صدر نہیں بنایا گیا۔ ان کو ایک صحیح دین دار آدمی، ایک متوسط طبقے کا نمائندہ اور عدلیہ میں ان کا مقام اور تجربہ دیکھتے ہوئے صدر بنایا گیا۔ آپ اس بات سے انکار کریں گے کہ میں غلط کہہ رہی ہوں۔

پنجاب سے پرائم منسٹر، پنجاب کا چیف منسٹر، پنجاب ہی سے صدر بھی؟

بیگم کلثوم: اس وقت کے حالات میں یہی فیصلہ درست تھا تاکہ حکومت چلانے میں مشکل نہ آئے۔

تو کیا 12 اکتوبر کے بعد صدر رفیق تارڑ کا رویہ درست رہا؟

بیگم کلثوم: وہ کیا کرتے؟

ساری چیزوں کو آئینی تحفظ ان کی وجہ سے ہی حاصل ہے؟

بیگم کلثوم: کہیں تو آپ ہمارا نمائندہ بیٹھا رہنے دیں اس سارے خرابے میں، اس شہر خرابی میں کہیں تو ہمارا نمائندہ رہنے دیں جو شرافت اور دیانت داری کی نمائندگی کرے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر صدر تارڑ پنجاب کے علاوہ کسی اور صوبے کے ہوتے تو صدارت چھوڑ دیتے؟

بیگم کلثوم: آپ پنجاب کو کیوں قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ کیا آپ پنجابی نہیں ہیں؟ کیوں پنجاب کو بدنام کرتے ہیں، اب چھوڑ دیں یہ بات۔

تارڑ صاحب کو صدر بنانے کے فیصلے کو تو درست قرار دے دیا لیکن ایک اور آپ کی فیملی سے بڑی مشہور شکایت ہے کہ پنجاب میں جب بھی اقتدار کا موقع آتا ہے تو آپ لوگ اپنے لوگوں کو آگے لے آتے ہیں۔ چودھری پرویز الٰہی سے وعدہ کیا گیا کہ انہیں وزیر اعلیٰ بنایا جائے گا۔ جب وزارت اعلیٰ کی باری آئی تو آپ نے شہباز شریف کو بنا دیا؟

بیگم کلثوم: میرے خیال میں شہباز شریف کو وزارت اعلیٰ دینے کا مقصد شاید یہ تھا کہ وہ پنجاب میں کام کریں اور انہوں نے کیا۔

اور جو پرویز الٰہی کو نظر انداز کیا گیا؟

بیگم کلثوم: نظر انداز خدانخواستہ کسی اور وجہ سے نہیں کیا گیا، صرف یہ تھا کہ آپ بھی مانیں گے کہ جس تیزی سے شہباز شریف کام کرتے ہیں پنجاب کو اس کی ضرورت تھی۔ مجھے نہیں پتا اور ضرور وعدہ کیا ہوگا لیکن اس میں بھی نواز شریف صاحب کا یہی مقصد تھا کہ تیزی سے کام ہو اور شہباز شریف کی خاصی کھنچائی بھی ہوتی تھی کہ جب ان کو پتا چلتا تھا کہ فلاں کام مقررہ تاریخ کو ختم نہیں ہو رہا جو رنگ روڈ بنی تھی اس پر بھی باقاعدگی سے پوچھا جاتا تھا۔

بڑا بھائی، چھوٹا بھائی

کیا نواز شریف باقاعدہ ڈانٹتے تھے؟

بیگم کلثوم: بہت زیادہ ڈانٹتے تھے اور آفرین ہے شہباز بھائی پر کہ وہ اپنا سر بھی نہیں اٹھاتے تھے۔ اور یہ جو رنگ روڈ بننا تھا اس کے شروع نہ ہونے پر بھی شہباز بھائی سے کافی ناراض ہوتے تھے ان کا دل چاہتا تھا کہ فوراً سارا ملک شاندار بن جائے اور یہاں ہر سہولت میسر ہو کوئی غریب نظر نہ آئے۔

آپ ماشاءاللہ بڑی باشعور خاتون ہیں اور گھر میں بات بھی ہوتی ہے تو آپ یہ فرمائیں کہ جب یہ تنازع سارا پاکستان محسوس کر رہا تھا کہ فوج اور حکومت کا کوئی تنازع چل رہا ہے تو آپ کو کتنا عرصہ پہلے اندازہ ہو گیا تھا کہ فوج کے ساتھ معاملات خراب ہیں؟

بیگم کلثوم: میری سب سے بڑی پرابلم ہے کہ مجھے سیاست پسند نہیں میں بہت زیادہ سیاسی باتیں نہیں کرتی۔

آپ نے تو فرمایا نا کہ میں نے پرویز مشرف کو ہٹانے کا مشورہ تو پہلے ہی دے دیا تھا تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کو پتا تو تھا؟

بیگم کلثوم: میں بہت زیادہ سیاست میں نہیں پڑنا چاہتی۔ جب میں کالج یونیورسٹی میں تھی تو میں نے کبھی بھی الیکشن میں حصہ نہیں لیا تھا، نہ کبھی کسی کو ووٹ دیا تھا بلکہ الیکشن کے دنوں میں، میں بڑے آرام سے گھر پر چھٹی کیا کرتی تھی۔

میں رو پڑی تھی

صرف اس حوالے سے ہم پوچھ رہے ہیں کہ جب میاں نواز صاحب دفاعی اقدامات کر رہے تھے اس کو سے نمٹنے کے لئے تو اس وقت انسان کو ٹینشن ہوتی ہے، وہ ٹینشن میں آپ سے بات تو کرتے ہوں گے؟ کیونکہ اتنا بڑا اہم معاملہ تھا؟

بیگم کلثوم: یہ ساری باتیں میرے علم میں نہیں ہیں جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا تب میرا اتنا حصہ نہیں تھا۔

جب آپ نواز شریف سے ملنے جاتی ہیں تو وہ آپ کو ہدایات تو دیتے ہوں گے؟

بیگم کلثوم: بلکہ اس مرتبہ تو میں ان سے ملاقات میں رو پڑی تھی۔

اچھا آپ فرما رہی تھیں کہ اس دفعہ جب آپ اٹک گئیں تو آپ رو پڑی تھیں تو میاں صاحب نے آپ کو حوصلہ دیا؟

بیگم کلثوم: مجھے اس بات پر رونا آیا کہ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ اس میں ایسے لوگ موجود ہے جو تن من دھن سے اس کی خدمت کرنا چاہتے ہیں لیکن ایک انسان کے ذاتی غصے کی بنا پر وہ اپنے ملک کی خدمت نہیں کر سکتے اور وہ ملک تباہی کی طرف دھکیل رہے ہیں اور پھر وہ اس پر شرمندہ نہیں ہیں۔ آپ ان کے بیانات دیکھ لیں اس لئے مجھے اس بنا پر رونا آ گیا تھا لیکن نواز شریف صاحب نے مجھے حوصلہ دیا اور کہا کہ نہیں تمہیں بڑی بہادری سے مقابلہ کرنا ہے اور تم بہادر ہو مجھے معلوم ہے۔

آپ بہادر ہیں؟

بیگم کلثوم: میرا خیال ہے کہ میں بہادر ہوں اور کسی سے نہیں ڈرتی۔

گرفتاری کا خوف آتا ہے؟

بیگم کلثوم: نہیں، جس دل میں اللہ کا خوف ہو اس دل میں اور کوئی خوف نہیں ہوتا، آپ اپنے لئے بھی یہ بات پوچھیں اور دوسرے کے لئے بھی، اللہ کا خوف دل میں بٹھا لیں تو باقی سارے ڈر ختم ہو جائیں گے۔

آپ کی پارٹی کے بہت سے لوگ یہی کہتے ہیں نا؟

بیگم کلثوم: مجھے بہت سارے لوگ میرے بیان پڑھ کر یہی کہتے ہیں کہ باہر دل نہیں لگ رہا۔ میری

سہیلیاں بھی کہتی ہیں کہ اب تمہارے لئے ہمیں جیل میں ٹفن لے کر آنا پڑے گا، اب بس کر دو۔ لوگ مذاق سے ایسی باتیں کرتے ہیں لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے کیا مجھے قید کر کے وہ سارا پاکستان قید کرلیں گے۔

بیگم صاحبہ! آپ یہ فرمائیں اب آپ اپوزیشن میں ہیں تو اپوزیشن میں آ کر بندہ سوچتا ہے کہ ہماری حکومت سے یہ غلطیاں ہوئیں مثلاً یہ کہ اپوزیشن کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے اس طرح کی دو چار باتیں بتائیں کہ آپ سمجھتی ہیں کہ غلطیاں ہوئی ہیں اور آئندہ نہیں کریں گے؟

بیگم کلثوم: آج ہم اگر ایک قسم کی غلطیاں کر رہے ہیں اور جو کل گزر گیا تب اور قسم کی غلطیاں کیں، آنے والے کل ہم کسی اور قسم کی غلطیاں کریں گے۔ آپ کہیں کہ میں انسان ہونے کی حیثیت سے غلطیاں نہ کروں تو آپ غلطی پر ہیں۔

لیکن غلطی پر پچھتانا تو چاہیے؟

بیگم کلثوم: جی بہت پچھتاتے ہیں۔

برے لوگ کون تھے؟

مثلاً کون سی غلطیوں پر؟

بیگم کلثوم: جیسے آپ کہتے ہیں کہ نواز شریف کے ارد گرد لوگ اچھے نہیں تھے تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ آئندہ وہ لوگ آئیں جنہیں سب لوگ پسند کریں۔

وہ کون لوگ تھے جو ارد گرد تھے اور برے تھے؟

بیگم کلثوم: آپ کہہ رہے ہیں مجھے تو معلوم نہیں ہے۔ آپ یقین کریں گے کہ میں زندگی میں ان ایم پی ایز اور ایم این ایز کی شکلیں پہلی دفعہ دیکھ رہی ہوں اور ان کے نام سن رہی ہوں۔ جو لوگ بھی غلط تھے انہیں نہیں لینا چاہیے اور اپنی غلطیوں کو درست کرنا چاہیے۔

بیگم صاحبہ! ہمارے سامنے جو حقائق آتے ہیں وہ اور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ میاں صاحب سیف الرحمٰن کی حوصلہ افزائی کرتے تھے کہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ اور سختی کرو؟

بیگم کلثوم: جو میرے ساتھ پیش آیا میں وہ بتاؤں گی مجھے نہیں پتا کہ سیف الرحمٰن کی ایک بات مجھے معلوم ہے کہ ایک دفعہ نواز شریف صاحب نے بڑے غصے سے مجھے کہا کہ جاؤ جا کر اسے سمجھاؤ یہ کیا کر رہا ہے تو میں اتفاق سے وہاں تھی تو میں نے جا کر ان سے کہا کہ کیا بات ہے سیف بھائی! آپ نے تو نواز شریف کو اتنا غصہ چڑھا دیا ہے؟ سیف الرحمٰن نے مجھے بتایا کہ میں چاہتا کہوں کہ جنگ کے اخبارات کے کاغذ کے رول پر جا کر پانی پھینکوں لیکن نواز شریف مجھے منع کر رہے ہیں۔ میں نے کہا اگر آپ یہ کریں گے تو پھر آئندہ سے ہماری آپ کی بات چیت بند پھر آپ ادھر کبھی تشریف نہیں لائیں گے۔

کیا سیف الرحمٰن اتنے طاقت ور ہو گئے تھے کہ اپنے طور پر ہی یہ فیصلے کر رہے تھے؟

بیگم کلثوم: وہ ضد کر رہے تھے کہ میں نے یہ کرنا ہے تو میں نے کہا کہ جائیے آپ کیجئے پھر اس کے بعد آپ دیکھئے کہ ہم کیا کرتے ہیں، میں تو آپ سے کبھی نہیں بولوں گی تو پھر اس وقت انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے پھر اس کے بعد عدالت میں ایک دن ملے تو کہا: آپ نے مجھے اس دن منع کیا تو میں باز رہا ورنہ میں نے وہ بھی کر گزرنا تھا۔

بیگم صاحبہ! آپ کی باتوں سے تو یہ لگا ہے کہ پیپلز پارٹی یا اخبارات کے خلاف جو کچھ بھی کیا گیا اس میں میاں صاحب کا رول نہیں، سیف الرحمٰن کا رول تھا؟

بیگم کلثوم: میں یہ کیسے کہہ دوں کہ صرف سیف الرحمٰن کا رول تھا، کسی اور کا رول نہیں تھا۔ اس میں ایک بات اور ہے کہ کیا اخبارات نے کبھی کچھ نہیں کیا تھا؟

اخبارات کی آزادی اہم بات ہے؟

بیگم کلثوم: دیکھئے اگر اخبارات کی آزادی کی بات کرتے ہیں تو جو آج اخبارات کر رہے ہیں میں اس کے ساتھ نہیں ہوں۔ آئی ایم سوری۔

میں تو ایک اصول کی بات کر رہا ہوں کہ اخبارات کی آزادی کی آپ کس حد تک قائل ہیں؟

بیگم کلثوم: اس حد تک کہ آپ لوگ سچ لکھیں۔ میں یہ بھی سمجھتی ہوں کہ آپ لوگوں کے سپرد اتنا بڑا مشن ہے اور وہ یہ ہے کہ قوم کو تعلیم دینا ہے جو آپ نہیں دے رہے۔

لیکن بیگم صاحبہ! جو ٹیپ ریلیز ہوئی اس میں سیف الرحمٰن یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ یہ کارکن نکال دو تو یہ تو آزادی صحافت کے خلاف ہے؟

بیگم کلثوم: آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ نواز شریف نے انہیں کہا تھا کہ جا کر یہ کہہ دو؟ دیکھیں آپ نے پھر وہی کہہ رہی ہوں کہ غلطیاں ہوئیں، غلط بندے اردگرد تھے۔ اب اپنا اپنا ڈیل کرنے کا طریقہ بھی ہوتا ہے۔

شاید اسی لئے آخر میں سیف الرحمٰن کو سائیڈ لائن کر دیا گیا تھا؟

بیگم کلثوم: ظاہر ہے جب بہت ساری شکایتیں آتی ہیں تو پھر انسان فیصلے تو کرتا ہے۔

قصور سب کا تھا

شکایتیں آتی تھیں ان کے خلاف؟

بیگم کلثوم: آتی تھیں، شکایتیں آتی تھیں ان کے خلاف بہت زیادہ شکایتیں آتی تھیں اور بھی کچھ ایسے لوگ تھے جن کے ساتھ جو کچھ ہوا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بہر حال لمبی باتیں ہیں قصور سب کا ہوتا ہے ایک بندے کے گلے پڑ جاتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ سارا قصور سیف الرحمٰن کا تھا بہر حال سب کا تھوڑا تھوڑا قصور تھا۔ اگر ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر قابو پا لیا جائے تو انسان بہت بڑے بڑے حادثات سے بچ جاتا ہے۔

بیگم صاحبہ! اب تھوڑا سا ہٹ کر بات ہو جائے، آپ پاکستان میں امریکہ کا کیا رول سمجھتی ہیں؟

بیگم کلثوم: امریکہ کا رول پاکستان میں ہونا تو نہیں چاہیے۔

ہمارا اتنا مخلص دوست ہے؟

بیگم کلثوم: ساری دنیا کے سارے ممالک ہمارے دوست ہیں۔

نہیں میاں صاحب تو امریکہ کے بڑے قریب تھے نا اس حوالے سے بات کریں؟

بیگم کلثوم: میاں صاحب ان کے قریب کیسے تھے، وہ عزت کرتے تھے میاں صاحب کی اور میاں صاحب ماشاء اللہ جس ملک میں بھی گئے ہیں وہاں کے سربراہ نے ان کی بہت عزت کی ہے، وہاں جہاں گئے لوگوں نے اپنے دیدہ و دل فرش راہ کیے۔

آپ سمجھتے ہیں کہ امریکہ کچھ چیزیں پاکستان میں نافذ کرانا چاہتا تھا جس پر میاں صاحب راضی ہو گئے تھے اور میاں شہباز شریف نے طالبان کے بارے میں بیان دیا تھا؟

بیگم کلثوم: میاں شہباز شریف اگر کچھ کہہ دیتے ہیں یا اگر میں بھی کوئی بیان دے دیتی ہوں تو آپ اس کو حرف آخر مت سمجھئے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ جب جنرل ضیاء الدین اور شہباز شریف واشنگٹن گئے تھے تو وہاں کچھ چیزیں طے ہوئی تھیں؟

بیگم کلثوم: یہ کہا جاتا ہے اصل بات کیا ہے، نہ آپ کو پتا ہے اور نہ مجھے پتا ہے۔

ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں؟

بیگم کلثوم: نہیں! شہباز بھائی مجھے یہ بات کیسے بتا سکتے ہیں۔ آپ یہ بات شہباز بھائی سے پوچھیں۔

جس دن شہباز شریف امریکہ گئے (ظاہر ہے میاں صاحب نے بھیجا تھا) امریکہ کا بیان آیا کہ فوج مداخلت نہ کرے؟ تو کیا اس کے بعد آپ مطمئن ہو گئی تھیں کہ اب تو کام ٹھیک ہو گیا؟

بیگم کلثوم: ایسی کوئی بات میرے علم میں نہیں ہے۔

بیان تو آیا تھا نا؟

بیگم کلثوم: جی آیا ہوگا ضرور لیکن میں نے آپ کو بتایا کہ تب نہ تو سیاست میری مجبوری تھی اور نہ ہی میں اس میں حصہ لے رہی تھی اب پرانی بات ہے میں بہت کچھ بھول گئی ہوں اس کے بارے میں آپ شہباز صاحب سے پوچھیں وہی صحیح جواب دے سکتے ہیں۔

ویسے آپ محسوس کیا کرتی ہیں ان سارے معاملات کو آئی ایم ایف یا امریکہ اپنا ایجنڈا پورا کرواتا ہے اگر کوئی حکمران پورا نہ کر سکے تو امریکہ یا تو اسے تنگ کرتا ہے یا فارغ کر دیتا ہے؟

بیگم کلثوم: ایک بات آپ ہمیشہ یاد رکھیں کہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ نواز شریف کو امریکہ نے ہٹوایا ہے تو

ہٹانے والا کون ہے پرویز مشرف، مطلب یہ کہ یہ امریکہ کا آدمی ہے۔

ایک بات میاں صاحب کے بارے میں کہی جاتی ہے کہ میاں صاحب ایک بار جس کے خلاف ہو جائیں پھر ہمیشہ کے لئے اس کے خلاف ہو جاتے ہیں، ان کے دل سے بات نہیں نکلتی؟

بیگم کلثوم: نہیں یہ غلط بات ہے۔ ایک دفعہ کسی کے خلاف ہو گئے ہیں اور دوبارہ جب وہ سامنے آتا ہے تو کبھی اس کو یاد نہیں دلاتے کہ تم نے یہ غلط کام کیا تھا۔ میرے سامنے تو ایسا ہی ہوا ہے کہ اگر کسی سے ناراض بھی ہوئے ہیں تو دوبارہ اسے کبھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ اس سے ناراض ہیں۔

دل سے بات نکال دیتے ہیں؟

بیگم کلثوم: وہ ہمیں بھی یہی کہتے ہیں اور خود بھی یہی کرتے ہیں۔ وہ سختی سے بچوں کو منع کرتے ہیں کہ کسی کی غیبت نہیں کرنی بلکہ معاف کرنے کے لئے کہتے ہیں۔

یہ تو ذاتی زندگی کے بارے ہوا نا؟ قومی معاملات میں ان کا کیا رویہ ہوتا ہے؟

بیگم کلثوم: بچے اکثر بات کرتے ہیں کہ ابو کو حکومت نے اتنی تکلیف دی ہے لیکن آج ابو رہا ہو کر گھر آ جائیں اور کل حکمران ان کے سامنے آ جائیں تو وہ کہیں گے، چھوڑو، دفع کرو۔

عمومی رائے تو اس کے خلاف ہے، نواز شریف کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ منتقم مزاج ہیں؟

بیگم کلثوم: عمومی رائے وہ نہیں ہوتی ہے جو آپ دیتے ہیں بلکہ وہ ہوتی ہے جو آپ کے دشمن پیش کرتے ہیں۔

یہ جو خبریں آتی ہیں کہ شہباز شریف سے فوجیوں کی ملاقاتیں ہوتی ہیں اور ان سے مصالحت کی کوئی صورت؟

بیگم کلثوم: یہ آپ شہباز شریف یا فوجیوں سے پوچھیں مجھے تو کسی نے ایسا نہیں بتایا۔

بیگم صاحبہ! ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ دو بھائی اور دو بہنوں کی رائے میں بھی فرق ہو جاتا ہے تو کیا شہباز شریف، نواز شریف کی رائے میں کوئی اختلاف ہوتا تھا؟

بیگم کلثوم: مجھے یاد نہیں اور کوئی اتنی بڑی بات کبھی نہیں ہوئی کوئی ایسی بات ہو جاتی تھی کہ یہ نہیں ہونا چاہیے یا یوں نہیں۔

جنرل پرویز مشرف کو ہٹانے پر بڑا اختلاف تھا، کہا جاتا ہے کہ شہباز شریف نہیں چاہتے تھے کہ انہیں ہٹایا جائے؟

بیگم کلثوم: شہباز شریف سے شاید انہوں نے مشورہ کیا ہوگا مجھے نہیں معلوم۔

انہوں نے بیان دیا ہے کہ میں اس وقت سویا ہوا تھا؟

بیگم کلثوم: تو ٹھیک کہا ہوگا مجھے تو علم نہیں یہ بیان تو میں نے پڑھا ہے لیکن اس بات کا مجھے علم نہیں ہے نواز شریف نے ان سے مشورہ کیا تھا کہ نہیں۔

بیگم صاحبہ! آپ مارشل لا کے خلاف ہیں؟

بیگم کلثوم: آپ اس کی تاریں جوڑیں گے ضیاء الحق اور اعجاز الحق کے ساتھ (قہقہے) تو آپ یہ سوال نہ کریں یہیں چھوڑ دیں۔

ایک اصولی بات ہے؟

بیگم کلثوم: آپ مارشل لا کی طرف جائیں ہی نہ، سول حکومت کی طرف رہیں۔

ایک بڑا اعتراض آپ کی فیملی پر کیا جاتا ہے کہ جب دوبارہ اقتدار میں آئے تو پہلے آپ نے کہا کہ اب بزنس کو بڑھائیں گے نہیں فریز کر دیں گے؟

بیگم کلثوم: یہ میں نے نہیں کہا تھا آپ لوگوں نے کہا تھا۔ میں تو اس حق میں ہوں کہ اگر ہمیں فیکٹریاں لگانی آتی ہیں تو ملک کے ہر شہر میں فیکٹریاں لگانی چاہئیں کیونکہ ٹھیک ہے جس طرح ہم رہ رہے ہیں، جو کھا رہے ہیں وہی کھانا ہے لیکن ایک فیکٹری لگانے سے دس سے پندرہ ہزار لوگوں کو روزگار ملتا ہے اور اگر میرے سسر کے ہاتھ میں یہ ہنر ہے کہ ایک سال کے اندر ایک بڑی فیکٹری لگا کر چلا کر دکھا دیتے ہیں تو ہم ان سے کام لینے کی بجائے کہیں کہ ہم نے آپ کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں آپ نے کام نہیں کرنا۔

وہ ناراض نہیں ہوتے تھے اس بات پر؟

بیگم کلثوم: نہیں وہ کام کرنا چاہتے تھے پھر انہوں نے ٹرسٹ بنایا۔

جب ملیں نہ لگانے کا فیصلہ کیا؟

بیگم کلثوم: تو پھر انہوں نے ٹرسٹ بنایا اور وہ ابھی تک اس کو بناتے ہی چلے جا رہے ہیں تو بات یہ ہے کہ ہم لوگ اتنے بے وقوف ہیں بحیثیت انسان کے ہم یہ نہیں سوچتے کہ ہمارا فائدہ کس میں ہے اور نقصان کس میں؟ آپ پھر کہہ دیں گے کہ یہ کاروباری گھرانہ ہے فائدہ اور نقصان سوچتا ہے، لیکن ایک انسان ہونے کے ناتے میرا یہ دل چاہتا ہے کہ اگر ہمیں کوئی کام آتا ہے تو اس سے ساری دنیا کو فائدہ پہنچے۔ ہر مسلمان اس سے مستفیذ ہو تو اگر میرے سسر کو یہ فیکٹریاں لگانی آتی ہیں تو اس کا فائدہ یہ ملک کیوں نہ اٹھائے، ہمارے ملک کے لوگ کیوں نہ اٹھائیں؟ ہم ان کو کیوں یہ کام نہ کرنے دیں گے، صرف اس لئے کہ وہ پرائم منسٹر کے والد ہیں۔

ویسے آپ یہ نہیں سوچتیں کہ ایک جنرل ضیاء الدین کے لئے ساری حکومت تڑوالی گئی؟

بیگم کلثوم: نہیں اس کے لئے نہیں ہوا، یہ بھی آپ یاد رکھیں یہ کسی کے لئے بھی نہیں ہوا، یہ صرف اس لئے ہوا کہ ایک شخص کو ہٹانا تھا۔

نہیں! لیکن جنرل ضیاء الدین کی بات تو کسی نے مانی ہی نہیں نا؟

بیگم کلثوم: میں نے کہا کہ ایک شخص کو ہٹانا تھا۔

جس کو لگایا گیا، اس کی تو کسی نے مانی نہیں؟

بیگم کلثوم: تو میں اور کیا کہتی ہوں کہ یہ قانون اور آئین کے خلاف اور کیا ہوا یہی تو ہوا اور آج سب لوگ جنہوں نے نہیں مانا ہوگا اگر محب وطن ہیں تو وہ سوچ کر اپنے دل میں شرمندہ تو ضرور ہوں گے کہ اس شخص کا فیصلہ بھی درست تھا اور کام بھی درست تھا اور ملک کو وہ صحیح سمت لے کر جا رہا تھا۔

ایک اور بھی رائے پائی جا رہی ہے کہ جس وقت کارگل کا ایشو ہوا تو مسلم لیگ کے سپورٹرز نے بھی یہ محسوس کیا کہ میاں صاحب نے واشنگٹن جا کر شاید اچھا کام نہیں کیا کیونکہ مسلم لیگ کا بھی فوج کے ساتھ نظریاتی اتحاد تو ہے؟

بیگم کلثوم: یہ تو میرا خیال ہے کہ پیچھے کہیں پرویز مشرف نے کہا بھی ہے کہ میں نے ان سے سیز فائر کرانے کے لئے کہا تھا۔

کارگل کا راستہ کشمیر نہیں جاتا

یہ ان کے کہنے پر کرایا؟ چاہے پارٹی ناراض ہو جائے؟

بیگم کلثوم: بالکل ان کے کہنے پر کرایا لیکن پارٹی کیسے ناراض ہو۔ یہ کام جو پرائم منسٹر کی مرضی سے شروع نہیں ہوا تھا۔ ان کو جب نواز شریف نے کہا تھا کہ کیا آپ کارگل کے راستے سے کشمیر پہنچ جائیں گے تو انہوں نے کہا تھا نہیں۔ آپ سوچئے آپ ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر جاتے ہیں تو کیا آپ وہاں سے کشمیر چلے جائیں گے؟

کشمیر یا سری نگر؟

بیگم کلثوم: کشمیر یا سری نگر! چلئے کسی ایک حصے پر قبضہ کرلیں گے؟ نہیں کر سکتے تو پھر وہاں چڑھنے کا کیا فائدہ تھا؟ چلیں آپ کسی کیپٹن میجر، لیفٹیننٹ سے پوچھیں تو سہی کہ وہاں ہوا کیا؟ آپ نے کیا کیا؟ وہاں کارگل میں تو جوانوں کو کھانا تک نہیں ملا۔

میاں صاحب کو اختلاف تھا تو اگلے مورچوں پر جا کر تقریر کیوں کر دی؟

بیگم کلثوم: ارے پھر کیا کرتے؟ اب میں اتنی سیاست میں آ گئی ہوں تو پھر وہ کیا کریں گے کہیں گے ٹھیک ہے بے چاری آ گئی ہے تو رہنے دو۔

میاں صاحب کے بارے میں بتائیں کہ وہ جیل میں کیسے وقت گزارتے ہیں؟

بیگم کلثوم: مجھے کچھ پتا نہیں۔ مجھے یہ پتا ہے کہ ان کو بہت گرمی لگا کرتی تھی لیکن اب میں گرمی کی بات کرتی ہوں تو وہ کہتے ہیں چھوڑو کوئی گرمی نہیں لگتی اور میں پوچھتی ہوں کہ آپ اپنا فارغ وقت کیسے گزارتے ہیں تو وہ مجھے بھی پتا ہے کہ بوریاں بھر کر ان کے پاس خطوط آتے ہیں اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ ہر خط کا خود اپنے ہاتھ سے جواب دیں۔ اس طرح خط لکھنے اور خط پڑھنے میں ان کا کافی وقت گزر جاتا ہے۔

پہلے تو شاید خط وغیرہ نہیں لکھتے تھے؟

بیگم کلثوم: مجھے ساری زندگی میں شاید چار یا پانچ خط لکھے ہوں گے، جب میں لندن میں تھی۔

میاں صاحب تاجروں کو ٹیکس دینے سے منع کر رہے ہیں؟

بیگم کلثوم: اس حکومت کو دینے سے منع کر رہے ہیں کیونکہ یہ حکومت عوام کی نمائندہ حکومت نہیں ہے اور ظالم اور جابر حکومت ہے۔

یہ بھی میں نے سنا ہے مجلس تحفظ پاکستان کا اجلاس ہوتا ہے تو حمزہ شہباز پاس سے گزر کر چلے جاتے ہیں، جیسے یہاں کچھ ہو ہی نہیں رہا، یہ تو واضح طور پر اختلاف کی نشانی ہے؟

بیگم کلثوم: بات سنیے! حمزہ سیاست دان نہیں ہے نہ وہ سیاست میں آیا ہے نہ اسے سیاست کرنی ہے۔ ہمارا تیس بتیس لوگوں کا روزگار حمزہ نے کما کر دینا ہے اور اس کو اس کے لئے محنت کرنی ہے اگر وہ نہیں کمائے گا تو میں سیاست نہیں کر پاؤں گی۔

اختلاف تو کوئی نہیں؟

بیگم کلثوم: میں جو بات کر رہی ہوں اس میں آپ کو اختلاف نظر آتا ہے۔ وہ میرا بیٹا ہے اور میرا بڑا ادب کرتا ہے یہ غلط بات نہیں۔

بیگم صاحبہ! اب آپ ایک ٹرک پر چڑھ کر بے نظیر کے ساتھ تحریک چلانا پسند کریں گی؟

بیگم کلثوم: تحریکیں ٹرکوں پر چڑھ کر ہوتی ہیں؟

پاکستان میں تو ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے؟

بیگم کلثوم: نہیں میں اس ٹائپ کی ہلا گلا تحریک نہیں چلاؤں گی۔

اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ آپ کی پارٹی اس کے لئے تیار نہیں ورنہ راستہ تو ایسے ہی نظر آ رہا ہے؟

بیگم کلثوم: نہیں میری پارٹی نہ بھی جائے تو میں اکیلی بھی جا سکتی ہوں۔

پارٹی کو چھوڑ کر کیا کریں گی؟

بیگم کلثوم: اگر مجھے کوئی کام کرنا ہے تو پھر کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف ایک شخص ہے جس سے میں اجازت لیتی ہوں اور وہ نواز شریف ہے مجھے دنیا میں کسی اور کی اجازت کی ضرورت ہی نہیں۔

ابھی انہوں نے آپ کو یہ اجازت نہیں دی کہ اس طرح کی ایجی ٹیشن والی سیاست کریں؟

بیگم کلثوم: میں نے ان سے ابھی پوچھا ہی نہیں کیونکہ میں خود بھی شاید یہ نہ کر پاؤں۔

یا لوگ ابھی تیار نہیں؟

بیگم کلثوم: نہیں لوگ میرے ساتھ چانگی تک جا سکتے ہیں تو مال روڈ کیا چیز ہے؟

بیگم صاحبہ! ایک تو آپ نے پاکستان سے اپنی وفاداری اور محبت کی۔ دوسری طرف لوگ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے اپنی چینی بھارت کو بیچ دی؟

بیگم کلثوم: ان فوجیوں سے پوچھیں جو آپ کی فوجی ملیں تھیں انہوں نے اپنی چینی کہاں بھیجی؟

وہ تو کہتے ہیں ان کی جا رہی تھی ہم نے بھی بھیج دی۔

بیگم کلثوم: نہیں بلکہ ان کی جا رہی تھی تو ہم نے بھی بھیج دی۔ (قہقہہ)

پالیسی کا ذمہ دار تو وزیر اعظم ہوتا ہے کوئی اور نہیں؟

بیگم کلثوم: آپ اس چیز کو دیکھیں کہ ہم نے اپنے ملک کو کتنا زرمبادلہ کما کر دیا۔

ایسے دشمن ملک کو جس کے ساتھ مسئلہ کشمیر چل رہا ہے کیا تجارت کرنا درست تھا؟

بیگم کلثوم: وہ آپ کو چینی بیچ تو نہیں رہا خرید رہا ہے۔ اگر آپ اس طرح کرتے رہے تو آپ اپنے ملک کو بھوکا ماردیں گے۔ چلیے مان لیا ہم نے غلط کام کیا اور بھارت کو چینی بیچ دی وہ چینی اب کہاں ہے جو ہم بناتے ہیں وہ ان سے پوچھیں کدھر سے لائیں ملک میں ہی رکھیں باہر سے کیوں منگا رہے ہیں وہ کہاں ہے چینی، اور جو ہر سال ہم پیدا کرتے تھے اور کروڑوں ڈالر اپنے دشمنوں سے کما کر ان کو دیتے تھے۔ ارے وہ لائیں اب ملک کو تو ہم تو بیچ دیتے ہیں اب انہوں نے کہاں رکھی ہے؟

اچھا جی! انڈیا کے ساتھ صلح ہونی چاہیے؟

بیگم کلثوم: مسئلہ کشمیر حل ہونا چاہیے بس۔

لڑائی سے یا مذاکرات سے؟

بیگم کلثوم: آپ ایک بات لکھ لیں، لڑائی سے آپ کوئی مسئلہ حل نہیں کر سکتے جتنی مرضی تباہی کر لیں۔

پھر میاں صاحب نے ایٹم بم کا دھماکہ کیوں کیا؟

بیگم کلثوم: اس لئے کہ یہ ان کے پاس بھی تھا جواب ہم نے پورا دینا ہے انہیں، اگر وہ لڑائی لڑیں گے تو ہم پوری لڑائی کریں گے اور اگر وہ صلح کریں گے تو ہم دس قدم آگے آ کر صلح کریں گے وہ ایک میزائل چلائیں گے تو ہم دس چلائیں گے۔

میں سوال کر رہا تھا کہ پاکستان میں جو غیر آئینی اقدامات ہوئے ہیں کیا ان کے ذمہ دار افراد کو علامتی سزا ملنی چاہیے؟

بیگم کلثوم: آپ نے بھٹو کو سزا دے کر دیکھ لیا آپ کے ہاتھ کیا آیا۔

لیکن کچھ تو حل ہونا چاہیے نا آپ حل بتائیں ورنہ ہمیشہ اس طرح ہوتا رہے گا؟

بیگم کلثوم: میرے حل پر آپ کہیں گے کہ یہ اپنے میاں صاحب کی سائیڈ لیتی ہے۔ میرے پاس اس کا حل ہے کہ آپ نواز شریف کو حکومت دیجئے پھر دیکھئے کہ کل یہ سارے معاملات حل ہوتے ہیں کہ نہیں۔

ان کو تو عوام نے حکومت دی پھر کیا ہوا؟

بیگم کلثوم: پھر حکومت چھین لی گئی؟

اسی لئے تو کہہ رہے ہیں غیر آئینی اقدامات روکنے کا حل کیا ہے؟

بیگم کلثوم: آپ ایسے کہیں نا کہ فوج کو روکنے کے لئے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پرائم منسٹر کی بھی فوج ہونی چاہیے اور جو یہ چار پانچ ٹرک بھیج کر ٹی وی اور ریڈیو اسٹیشن اور پرائم منسٹر ہاؤس پر قبضہ کیا اور ایئر پورٹس پر قبضہ کیا اور حکومت ختم۔

نواز شریف نے فورس بنائی تو تھی، میاں صاحب نے بھی بنائی، بھٹو صاحب نے بھی بنائی تھی دونوں کے کام نہیں آئی۔ بھٹو نے ایف ایس ایف اور نواز شریف نے ایلیٹ فورس۔

بیگم کلثوم: نہیں یہ فورس اس طرح کی نہیں ہونی چاہیے کہ آرمی کے ہی لیول پر ہونی چاہیے جو آگے بڑھ کر پانچ سات ٹرک روک لے۔ لیکن اس کا کیا جواز ہے کہ جو انہوں نے کیا، نہ آپ کا قانون اسے روک

سکا نہ آئین روک سکا یا کوئی چیز تو روک نہیں سکی تو آپ کیا بنانا چاہتے ہیں۔

اچھا! اب آپ سمجھتی ہیں کہ عدلیہ کا پاکستان میں وجود نہیں ہے؟

بیگم کلثوم: کہیں ہے تو مجھے دکھا دیں۔

جج صاحبان تو وہی ہیں جو نواز شریف صاحب کے دور میں تھے نیا جج تو کوئی نہیں آیا؟

بیگم کلثوم: لیکن انہوں نے پی سی او کے تحت حلف اٹھا لیے ہیں۔ اب پی سی او کو آپ پبلک کال آفس تو شاید کہہ سکتے ہیں لیکن آپ اسے عدلیہ نہیں کہہ سکتے۔

تو آپ سمجھتی ہیں کہ عدلیہ نے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں؟

بیگم کلثوم: عدلیہ نے قانون اور آئین کا احترام نہیں کیا۔ میں اس کو عدلیہ کیسے کہہ دوں۔

اچھا جی! یہ جو مسلم لیگ رابطہ کمیٹی ہے اس کو آپ پارٹی اور میاں نواز شریف کا صحیح وارث سمجھتی ہیں؟

بیگم کلثوم: رابطہ کمیٹی کون؟

یہ جو راجہ ظفر الحق صاحب وغیرہ اور وہ رابطہ کمیٹی ہے جو نواز شریف کی جگہ پر کام کر رہی ہے آپ انہیں نواز شریف صاحب کی پارٹی کا صحیح وارث سمجھتی ہیں؟

بیگم کلثوم: یہ آپ نواز شریف صاحب سے پوچھیں جنہوں نے انہیں بنایا۔

ہمارا اور نواز شریف کا رابطہ تو آپ ہیں نا؟

بیگم کلثوم: پھر میں آپ کو پوچھ کر بتا دوں گی، میں اس حد تک نواز شریف نہیں ہوں کہ پارٹی کے فیصلے کروں۔

بس تھوڑے سے کچھ ذاتی سوالات بچپن کی سب سے پہلی یاد آپ کے ذہن میں کیا آتی ہے؟

بیگم کلثوم: اپنی ماں یاد آتی ہے۔

کوئی پسندیدہ کتاب؟

بیگم کلثوم: ہاں! وہ میرزا ادیب کی لکھی ہوئی جو سب سے پہلے میری امی نے مجھے پڑھ کر سنائی تھی ''قصر صحرا''۔

اس زمانے میں کوئی شاعر اچھا لگتا ہوگا۔

بیگم کلثوم: صوفی تبسم کی نظمیں۔

بچپن کے بعد اب کون کون سے شاعر پسند ہیں؟

بیگم کلثوم: مرزا غالب، میر تقی میر۔

غالب تو بڑا مشکل شاعر ہے؟

بیگم کلثوم: بالکل بھی نہیں آپ اس کو سمجھیں تو سہی بلکہ پوری دنیا کی شاعری میں غالب سی شاعری کہیں نہیں ملے گی، وہ معنی نہیں ملیں گے اور نہ ان کا اسٹائل ملے گا۔

بھائی بہنوں میں جھگڑا تو ہوتا ہوگا؟

بیگم کلثوم: بچپن میں ہوتے رہتے تھے، لیکن اب تو میرے ساتھ کبھی کسی کا جھگڑا نہیں ہوا۔

بچپن میں کس بات پر؟

بیگم کلثوم: شرارتوں پر۔

کون سا مضمون آپ کا پسندیدہ ہے؟

بیگم کلثوم: اردو، انگریزی کیونکہ زبانیں مجھے بہت پسند ہیں۔

کس مضمون سے بور ہوتی تھیں؟

بیگم کلثوم: فزکس، کیمسٹری جس میں میں نے بی ایس سی کی۔

آپ نے ایف سی کالج سے بی ایس سی کیا تھا؟

بیگم کلثوم: جی آغا سہیل صاحب اردو پڑھاتے تھے۔ انہوں نے مجھے بی ایس سی میں چلتے چلتے کہا کہ

نہیں تم ادھر جاؤ اردو میں۔

اچھا اتفاق ہے کہ پرویز مشرف صاحب بھی ایف سی کالج کے پڑھے ہوئے ہیں؟

بیگم کلثوم: ان کو کوئی نہیں جانتا تھا مجھے سب جانتے تھے، میں سائنس میں تھی لیکن آرٹس کے لوگ بھی مجھے جانتے تھے اور بہت عزت کرتے تھے۔ مجھے اس ادارے نے بہت پیار دیا۔

مشہور ہے کہ آپ کی اور میاں صاحب کی شادی لو میرج تھی؟

بیگم کلثوم: یہ کس نے مشہور کر دیا؟

سارے شہر میں مشہور ہے؟

بیگم کلثوم: نہیں نہیں کسی نے غلط کہا ہے، یہ بالکل ارینجڈ میرج تھی۔

آپ کا کون سا سیارہ اور برج ہے؟

بیگم کلثوم: میرا سیارہ سرطان ہے۔

آپ ان پیشین گوئی پر یقین رکھتی ہیں؟

بیگم کلثوم: میں ایسی چیزوں پر یقین نہیں رکھتی لیکن اسلام آباد سے جب کبھی کبھی نواز شریف صاحب آتے تھے تو ہم سب اکٹھے بیٹھے ہوتے تھے تو ایک دوسرے کو بتاتے تھے کہ تمہارا یہ حساب ہے اور تمہارا یہ لیکن صرف مذاق کے لئے۔

جب آپ آرام وسکون اور ریلیکس کرنا چاہتی ہیں تو پھر آپ کیا کرتی ہیں؟

بیگم کلثوم: اچھی سی کتاب لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔

اچھی کتاب کسے کہتے ہیں؟

بیگم کلثوم: اس کا انحصار اس پر ہے کہ میں کس طرح ریلیکس کرنا چاہتی ہوں۔ بعض اوقات میں قرآن شریف کھول کر بیٹھ جاتی ہوں جیسے آج کل، لیکن جب میں لائٹ موڈ میں ہوں تو پھر میں قرۃ العین حیدر کو بڑے شوق سے پڑھتی ہوں، وہ میری پسندیدہ ادیبہ ہیں۔

لیکن قرۃ العین کے نظریات تو بالکل آپ کی شخصیت کے متضاد ہیں وہ تو خواتین کی بہت زیادہ آزادی چاہتی ہیں؟

بیگم کلثوم: مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہیں وہ چاہتی کیا ہیں یہ اور بات ہے اور جو وہ لکھتی ہیں تو اپنے ماحول کی چھوٹی سے چھوٹی اور معمولی سے معمولی چیز کو بھی نظر انداز نہیں کرتیں۔

پاکستان کا کون سا ادیب پسند ہے؟

بیگم کلثوم: احمد ندیم قاسمی بہت پسند ہیں ان کے افسانے شاعری اور نعتیہ کلام بھی۔ مجھے پروین شاکر کی شاعری بھی اچھی لگتی ہے۔

آپ نے قراۃ العین حیدر کا ''آگ کا دریا'' پڑھا ہے؟

بیگم کلثوم: آپ قرۃ العین سے ''آگ کا دریا'' کی بات کریں تو وہ بہت چڑ جاتی ہیں۔

آپ کو کن باتوں پر غصہ آجاتا ہے؟

بیگم کلثوم: مختلف اوقات میں مختلف وجہ ہوسکتی ہے۔ کبھی چھوٹی سی بات پر بھی آجاتا ہے اور کبھی کسی بڑی بات پر بھی نہیں آتا۔

ٹی وی آپ کے گھر میں دیکھا جاتا ہے؟

بیگم کلثوم: 12 اکتوبر کے بعد سے میں نے نہیں دیکھا۔

پہلے دیکھتی تھیں؟

بیگم کلثوم: کبھی کبھی، میں بہت کم دیکھتی ہوں۔ نواز شریف رات کو سونے سے پہلے ساری دنیا کی خبریں سن کر سوتے تھے کبھی بی بی سی وغیرہ۔

کسی بات پر پچھتاوا محسوس ہوتا ہے؟

بیگم کلثوم: چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہوتا ہوگا لیکن کوئی بڑی ایسی بات نہیں جس پر مجھے پچھتاوا ہو۔

محرومی کا احساس زندگی میں کبھی ہوا؟

بیگم کلثوم: زندگی احساس محرومی کا نام نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی دین ہے اور یہ اس کی امانت ہے۔

کہتے ہیں میاں شریف صاحب کا سیاست میں بہت رول ہے؟

بیگم کلثوم: خاندان کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی ذمہ داری بڑی خوبی سے پوری کرتے ہیں۔

لیکن براہ راست سیاست میں شریک نہیں ہوتے؟

بیگم کلثوم: یہ ان کی اپنی مرضی ہے۔ وہ کبھی کسی اخبار نویس سے بات بھی نہیں کرتے بہت زیادہ سیاسی لوگوں سے بات بھی نہیں کرتے۔

وہ مشورے دیتے ہیں آپ کو؟

بیگم کلثوم: میں سمجھتی ہوں کہ انہوں نے اس دنیا میں بہت اچھی طرح زندگی گزاری ہے۔ اس لئے مجھے جو وہ مشورہ دیں گے اس میں میری فلاح ہوگی۔

میاں نواز شریف کو بھی وہی سارے مشورے دیتے ہیں؟

بیگم کلثوم: ہمارے ملک میں جو ماڈرن ازم کی ہوا چلی ہے اس نے خراب کیا ہے، ورنہ ماں باپ کسی کو برے مشورہ نہیں دے سکتے۔ اب نواز شریف صاحب ایک میٹنگ میں بیٹھے ہیں کوئی مسئلہ ٹیڑھا ہو رہا ہے تو چلتے چلتے کوئی بات پوچھ لی یا مشورہ کر لیتے ہوں گے تو کیوں نہ کریں۔ میں تو آپ سے بھی یہ کہوں گی کہ اپنے والدین سے مشورہ کیا کریں تو آپ کبھی خسارے میں نہیں رہیں گے۔

آپ نے فرمایا تھا کہ وہ کبھی اسلام آباد بھی نہیں گئے؟

بیگم کلثوم: ہاں کبھی نہیں گئے۔ ایک دفعہ صرف دیکھا ہے جب مریم کو میڈیکل کالج میں داخل کرنا تھا۔

کشمیر کے مسئلے کا کیا حل ہے؟

بیگم کلثوم: نواز شریف (قہقہے)

پانچ سال حکومت رہی نا ان کے پاس، اس وقت تو کچھ نہیں کیا؟

بیگم کلثوم: باون سال آپ لوگوں نے انتظار کیا، لڑائیاں کیں اور جب بالکل مسئلہ کشمیر حل ہونے کے قریب تھا تو آپ نے حکومت چھین لی۔

لوگ تو کہتے ہیں کہ کشمیر کا سودا ہو رہا تھا؟

بیگم کلثوم: نہیں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

بلدیاتی انتخابات کے بارے میں جو اعلان کیا ہے تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ پرویز الٰہی کے ساتھ آپ میٹنگ کر رہے ہیں۔

بیگم کلثوم: میں کسی کو کسی کام سے منع تو نہیں کر سکتی لیکن آپ مجھے خود بتایئے آپ سمجھتے ہیں کہ یہ بلدیاتی انتخابات کرائیں گے، کتنی مرتبہ بلدیاتی انتخابات ہوں گے ابھی تو ہوئے ہیں۔

اب ہونا چاہئیں یا نہیں؟

بیگم کلثوم: مجھے شک ہے کہ یہ کرائیں گے یہ موجود رہیں گے تو کرائیں گے۔

چاہے یہ جنرل ضیاء کا مارشل لا ہی کیوں نہ ہو؟

بیگم کلثوم: جنرل ضیاء کے مارشل لا کے وقت اور بات تھی آپ دیکھئے کہ اس وقت قوم چاہتی تھی کہ کوئی آئے اور بچائے۔

بیگم صاحبہ! قوم کا لفظ بڑا مبہم ہوتا ہے۔ ہر حکومت یہی دلیل دیتی ہے کہ قوم اس کے ساتھ ہے؟

بیگم کلثوم: مارشل لا کبھی ملک کے مفاد میں نہیں ہوتا۔

اس وقت آپ نے کیوں نہیں کہا؟

بیگم کلثوم: جنرل ضیاء نے جو نوے دن کا کہا تھا اس پر عمل کرتے تو بہتر تھا۔

بس یہی بات ہے؟

بیگم کلثوم: لیکن اس کے بعد جو انہوں نے حکومت کی انہوں نے ملک کا اسلام کی طرف صحیح رخ موڑ دیا جو پہلے نہیں تھا۔

لوگ کہتے ہیں کہ بیگم صاحبہ چھپی ہوئی سیاست دان تھیں، نواز شریف کے شانہ بشانہ ہر سیاسی الیکشن میں یہ شامل تھیں، انہوں نے اپنے آپ کو چھپائے رکھا اب نواز شریف کے جیل جانے کے بعد یہ ظاہر ہو گئی ہیں؟

بیگم کلثوم: نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔

جب نواز شریف پرائم منسٹر ہوتے تھے تو آپ انہیں ٹوکتی تو ہوں گی کہ یہ کام غلط کیا ہے یا صحیح؟

بیگم کلثوم: اتنی سی بات اگر کوئی کر دے تو وہ سیاست دان نہیں بن جاتا۔

آپ کے مشوروں پر عمل بھی کرتے رہتے ہوں گے؟

بیگم کلثوم: نہیں مجھے کوئی ایسا مشورہ یاد ہی نہیں کہ جو میں نے دیا ہو اور انہوں نے اس پر عمل کر دیا ہو۔

میں نے آج تک جتنے آپ کے بیانات پڑھے ہیں آپ اپنے کو جتنا بھی چھپا کر رکھیں یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سیاست سے بخوبی واقف ہیں؟

بیگم کلثوم: چھپانے کی بات نہیں، میں آپ کو سچی بات بتا رہی ہوں کہ سیاست میری فیلڈ ہی نہیں۔ میں سیاست کرنے والی دنیا کی آخری شخص ہوں گی۔

بیگم صاحبہ! سیاست کی تعریف یہ ہے کہ ہر جو شخص وہ سانس لیتا ہے اور بول سکتا ہے وہ سیاست کرتا ہے؟

بیگم کلثوم: لیکن آپ کتنے لوگوں کے کہنے پر جائیں گے پھر آپ شیکسپیئر کی بات کریں گے کہ وہ کہتا ہے کہ دنیا ایک اسٹیج ہے ہر شخص آ کر اپنا پارٹ پلے کرتا ہے اور چلا جاتا ہے تو پھر ہر شخص اپنے نقطہ نظر سے اس کو دیکھتا ہے۔

سیاست کیا ہے، لوگوں سے بات چیت کرنا اور لوگوں کو اپنی بات منوانا یہی سیاست ہے؟

بیگم کلثوم: یہ تو اصل ہے نا لیکن ہمارے ہاں سیاست کو کیا بنا دیا گیا ہے۔

یہاں تو گالی بنا دی گئی ہے؟

بیگم کلثوم: یہی میں کہنا چاہ رہی تھی جو آپ نے کہہ دیا ہے۔

کیا آپ کوئی تحریک شروع کرنا چاہتی ہیں؟

بیگم کلثوم: ہم تحریک شروع کرنے والے ہیں لیکن اس میں توڑ پھوڑ نہیں ہو گی۔ مجھے نواز شریف

صاحب کی یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ اس ملک کی ایک اینٹ کو بھی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔آپ یقین کریں یہ میرا گھر ہے اس کی اتنی سی چیز بھی خراب کریں گے تو مجھے تکلیف ہوگی تو پاکستان ہمارا گھر ہے۔

دوسری سیاسی جماعتوں سے کب رابطہ کر رہی ہیں؟

بیگم کلثوم: میں کہتی ہوں کہ ہر پاکستانی کے ساتھ رابطہ ہونا چاہیے،اس نے کبھی کسی پارٹی کو جوائن کیا ہے یا نہیں شرط یہ ہے کہ وہ پاکستانی ہونا چاہیے وہ ملک کے اندر ہو یا باہر وہ پیپلز پارٹی سے تعلق رکھتا ہے یا ایکس وائی زیڈ پارٹی سے تعلق رکھتا ہے اس سے رابطہ بہت ضروری ہے۔

آپ کب رابطے شروع کر رہی ہیں سیاسی جماعتوں سے آپ کو اجازت مل گئی ہے شاید؟

بیگم کلثوم: نہیں اجازت ملنے کی بات نہیں ہے مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں سیاسی جماعتوں سے کیا بات کروں یہ تو پارٹیوں کی پارٹیوں سے بات ہونی چاہیے؟

جمہوریت کی بحالی کے لئے؟

بیگم کلثوم: اگر راجہ ظفر الحق مجھے کہیں گے کہ بی بی آپ کی مدد کی ضرورت ہے یہاں آئیں اور بیٹھ کر پارٹی سے بات کریں تو ضرور کروں گی لیکن اگر وہ مجھے نہیں کہتے تو میں کیوں کروں گی۔

تو کیا جس طرح راجہ ظفر الحق کہیں گے آپ اس پر عمل کریں گی؟

بیگم کلثوم: اس معاملے میں،صرف اس معاملے میں۔

صرف سیاسی پارٹیوں سے رابطے کے لئے؟

بیگم کلثوم: ہاں کیونکہ پارٹیوں کے معاملات پارٹیاں طے کرتی ہیں وہ ویسے مجھ سے ملنے آنا چاہیں تو سو دفعہ۔

جو سمجھدار پارٹیاں ہیں وہ آپ سے رابطہ کرتی ہیں ان سے نہیں کرتیں؟

بیگم کلثوم: وہ سو دفعہ آئیں، میں ہر ایک سے ملنے کو تیار ہوں میرا کوئی پاکستانی بھائی کوئی بھی آئے وہ کسی

پارٹی سے تعلق رکھتا ہو یا نہ، میں ملنے کو تیار ہوں۔

ابھی تک کن پارٹیوں نے آپ سے رابطہ کیا ہے؟

بیگم کلثوم: مجھ سے تقریباً ہر پارٹی کے ارکان ملے ہیں۔ کہیں جاتے آتے ایئرپورٹ پر ادھر ادھر بہت سارے لوگ مجھے ملے ہیں۔

جماعت اسلامی؟ نوابزادہ صاحب کا پیغام آیا کوئی؟

بیگم کلثوم: جی بہت سے لوگ مجھے دعائیں دیتے ہوئے گزرتے ہیں اور نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہیں۔

حسن نواز کچھ خاموش ہو گئے ہیں؟

بیگم کلثوم: جب لوگ اس کے پاس جاتے ہیں تو وہ انٹرویو بھی دیتا ہے اور بات بھی کرتا ہے۔ آج کل کوئی ایسی بات نہیں مقدمے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور جب ہائیکورٹ کوئی فیصلہ دے تو شاید تب لوگ اس کو اپروچ کریں۔

ایک زندگی آپ کی پہلے تھی، ایک زندگی آپ اب گزار رہی ہیں؟ یعنی پہلے سیاست سے الگ اب سیاست کے درمیان، تو دونوں زندگیوں میں کیا فرق محسوس ہوتا ہے؟

بیگم کلثوم: بس ''دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن'' اب نہیں ملتے۔

اب آپ کو پارٹی کا بھی اور ملک کا بھی تجربہ ہو گیا ہے تو کیا اب مستقبل میں نواز شریف کو مشورے دیا کریں گی؟

بیگم کلثوم: اگر وہ پوچھیں گے تو ضرور مشورہ دوں گی، بغیر پوچھے میں کسی کو مشورہ نہیں دیتی۔

کوئی عہدہ قبول نہیں کریں گی؟

بیگم کلثوم: مجھے کیا مصیبت پڑی ہے، آ بیل مجھے مار، آپ کمال کرتے ہیں۔

آپ کن باتوں سے انہیں منع کریں گے جو آپ نے اس دوران خاص طور پر محسوس کیں؟

بیگم کلثوم: اگر وہ مجھ سے مشورہ لیں تو میں مشورہ دوں گی۔

لیکن کن باتوں پر ایک تو یہ کہ اپنے ارد گرد کے ساتھ سوچ سمجھ کر منتخب کیا کریں؟

بیگم کلثوم: آپ ساری بات سمجھتے ہیں، میں ان کو مشورہ دوں گی لیکن اگر وہ مانگیں گے تو۔

مشورے کی عادت

مشہور یہ ہے کہ میاں نواز شریف کو مشورہ کرنے کی عادت نہیں ہے؟

بیگم کلثوم: نہیں، یہ غلط ہے وہ مشورہ ہر ایک سے کرتے ہیں۔

جب وہ ہر ایک سے مشورہ کرتے ہیں تو بیگم صاحبہ سے بھی کرتے ہوں گے؟

بیگم کلثوم: گو مشورہ تو وہ ہر ایک سے کرتے تھے گاڑی میں جا رہے ہوتے تو موٹر سائیکل والا کھڑا ہوتا تھا تو اس سے بھی پوچھتے تھے، ایہدا کیہہ کریئے؟

لیکن مرضی ان کی اپنی ہوتی تھی؟

بیگم کلثوم: نہیں دیکھئے نا جیسے انہوں نے ایٹمی دھماکہ کرنے کی بات سوچی تھی تو میں بحیثیت ساتھی کے مجھے پورا یقین تھا کہ اس بندے نے یہ کام ضرور کرنا ہے لیکن آپ یقین کریں کہ جب میں بھی پوچھتی تھی کہ دھماکہ تو ہوگا نا؟ تو پوچھتے تھے کہ تم بتاؤ دھماکہ ہونا چاہیے کہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر میں کہتی تھی کہ ہونا چاہیے تو کہتے تھے کہ دلیل سے ثابت کرو کہ ہونا چاہیے اور اگر میں نے جان بوجھ کر کہہ دیا کہ نہیں ہونا چاہیے تو کہتے تھے اچھا بھئی دلیل دو کہ کیوں نہیں ہونا چاہیے اور میرے سامنے انہوں نے بہت سارے لوگوں سے تقریباً انٹرویو کیا کہ کیوں ہونا چاہیے اور کیوں نہیں ہونا چاہیے، اگر ہوگا تو اس کے بعد اثرات کیا ہوں گے پاکستان کو کیا فائدہ ہوگیا کیا نقصانات ہوں گے۔

دھماکہ پر تو تقریباً ہر ایک سے مشورہ کیا تھا؟

بیگم کلثوم: وہ ہر بات پر مشورہ کرتے تھے۔

دھماکہ پر تو مشورہ کیا لیکن کارگل پر کسی سے مشورہ نہیں کیا؟

بیگم کلثوم: کارگل کا تو انہیں پتا ہی نہیں تھا کہ کارگل میں کیا ہو رہا ہے۔

مطلب یہ کہ جب واشنگٹن گئے اور معاہدہ کیا تو اس وقت مشورہ نہیں کیا؟

بیگم کلثوم: یہ اتنا حساس ایشو ہے کہ آپ مجھ سے نہ پوچھئے۔

بیگم صاحبہ یہی تو ایشوز ہیں جن کو لوگ سننا چاہتے ہیں؟

بیگم کلثوم: یہ آپ نواز شریف صاحب سے پوچھئے یہ میں آپ کو صحیح مشورہ دے رہی ہوں۔

مشرف کو ہٹا دیں

اگر آپ کے خیال میں کارگل ایشو پر انہیں کسی بات کا علم نہیں تھا اور ان کی حکم عدولی ہو رہی تھی تو چیف آف سٹاف کو ہٹا دیتے؟

بیگم کلثوم: (ٹھنڈی سانس بھر کر) یہی ہونا چاہیے تھا میں کہتی رہی تھی کہ چیف آف سٹاف کو ہٹا دو۔

اچھا آپ کہتی رہی تھیں لیکن نہیں مانے؟

بیگم کلثوم: لیکن میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے میں کیوں کہوں گی اور میرے کہنے یا نہ کہنے سے یہ بات ہوتی نہیں یہ بات ان دونوں کے درمیان تھی پرویز مشرف اور نواز شریف کے درمیان۔ اب یہ بات ان دونوں ہی سے پوچھئے تو بات بنتی ہے، میں اتنی ہی بے خبر ہوں جتنے آپ ہیں۔

میاں صاحب نے جنرل پرویز مشرف کو ان کے عہدے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا تو اس کی وجوہات سامنے نہیں آئیں؟

بیگم کلثوم: مجھے نہیں معلوم تھا اگر انہوں نے تیاری پہلے سے کی ہوئی تھی تو پھر میاں صاحب کا جنرل پرویز مشرف کو ہٹانا اور بھی صحیح تھا۔ اب میاں صاحب نے کیا کیا جس کے لئے انہوں نے یہ سب کیا۔ میاں صاحب نے اس کو نکالا کہ انہوں نے پہلے سے تیاری کی ہوتی تھی انہیں نکالنے میں یہ جواز ہے۔ میاں صاحب کے پاس تو اختیار تھا ان کو نکالنے کا انہوں نے نکال دیا۔ اس کے بعد آئین اور قانون توڑنے کی جو شروعات ہوئی ہے اور ابھی تک ہو رہی ہے سچ چھپانے کی، اس سچ کو چھپایا گیا اور پھر اس پر پردہ ڈالنے کے لئے سو جھوٹ اور بولے گئے تو میں سمجھتی ہوں کہ نواز شریف صاحب ان کو نکالنے میں بالکل حق بجانب تھے۔

طیارہ سازش کیس کے فیصلے کے بارے میں آپ کا کہنا ہے کہ فیصلہ انجینئرڈ ہے جب کہ دوسری جانب عام رائے یہ ہے کہ حکومت اس کیس میں ملزموں کو جتنی سخت سزا دلوانا

چاہتی تھی اس میں اسے ناکامی ہوئی اور یہ سب بین الاقوامی دباؤ کی وجہ سے ہوا، کیا آپ اس موقف سے متفق ہیں؟

بیگم کلثوم: یہ سب اللہ تعالیٰ کے کام ہیں بندہ کسی کام میں کچھ نہیں کر سکتا۔ جب اللہ تعالیٰ کو ایسا منظور نہیں تھا تو اس نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے اس کی ذات بڑی رحمت والی ہے ان کے (حکمرانوں کے) منہ سے نکلا کہ ''جو سزا ہو گی اس کی اپیل صدر صاحب کے پاس کی جا سکے گی'' میں نے یہاں ان کو پکڑ لیا کہ آپ لوگ کس سزا کی بات کر رہے ہیں اور آپ کو کیسے پتا چلا کہ یہ سزا ہو گی؟ میری اس گرفت کا یہ فائدہ ہوا کہ حکمرانوں کو اپنے فیصلے میں تھوڑا پیچھے ہٹنا پڑا۔

برصغیر یا تیسری دنیا کے سیاستدان اکثر جیل جاتے رہتے ہیں اور جیل جانے کے بعد ان کے رویے میں تبدیلی بھی آتی رہتی ہے کیا آپ بھی سمجھتی ہیں کہ میاں صاحب کے رویئے میں بھی کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہے؟

بیگم کلثوم: وہ زیادہ مذہبی ہو گئے، باقی جب وہ باہر آئیں گے تو پتہ چلے گا۔ قرآن شریف تو وہ شروع ہی سے پڑھتے تھے اور یہ اللہ کا شکر ہے میرے سب بچے میرے کہے بغیر صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔

کوئی سیاسی تبدیلی؟

بیگم کلثوم: عوامی خدمت ہماری اولین ترجیح ہے یہ ہمارے اندر سمائی ہوئی ہے چاہے وہ سیاست کے ذریعے کریں چاہے وہ خدمت کے ذریعے کریں نواز شریف صاحب اس وقت جیل میں ہیں ان کا پورا وقت میرے خیال میں عبادت میں گزر رہا ہے۔ شاید سونے سے پہلے یہ سوچتے ہوں گے کہ اب مجھے اللہ تعالیٰ نے حکومت دی تو میں کیا کروں گا، کیا نہیں کروں گا، یہ مجھے نہیں پتہ لیکن زیادہ زور عبادت پر ہے بہت جلد جلد قرآن شریف ختم کر رہے ہیں۔

اگر وہ باہر آئیں تو آپ ان کو کیا مشورہ دیں گے؟

بیگم کلثوم: دل کی بات بتاؤں کہ دماغ کی۔

دونوں بتا دیں؟

بیگم کلثوم: دماغ یہ کہتا ہے کہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے اور ملک کو عظیم تر بنانا ہے۔

کس کا مقابلہ کرنا ہے؟

بیگم کلثوم: جو بھی وہ قوت ہے جو ہر دفعہ ملک کو" ٹیک آف" پوائنٹ سے کھینچ کر" ریورس" گیئر لگا دیتی ہے ہر اس وقت کا مقابلہ کریں گے چاہے وہ فوج کو استعمال کریں یا عدلیہ کو۔ چاہے وہ سجاد علی شاہ کو استعمال کریں یا فاروق لغاری کو۔ بہر حال کوئی ہاتھ ہے ایسا جو ملک کی ترقی نہیں دیکھ سکتا اور یہ بڑی تکلیف کی بات ہے کہ وہ ایک آدمی ہوتا ہے جو پورا ملک الٹا دیتا ہے ترقی کا سارا عمل ختم ہو جاتا ہے یہ کس قدر دکھ کی بات ہے۔

پہلے بھی کبھی ایسا ہوتا رہا ہے؟

بیگم کلثوم: جی ہاں، آپ کے سامنے ہوتا رہا ہے۔

کب؟

بیگم کلثوم: دیکھئے میں وہی تو آپ کو بتا رہی ہوں کہ جب ایک حکومت الٹا دی جاتی ہے تو اس سے ترقی کا سارا عمل رک جاتا ہے پھر نئی حکومت بنانے میں بے دریغ پیسہ خرچ کیا جاتا ہے۔

اور دل کی بات کیا ہے؟

بیگم کلثوم: دل کی بات یہ ہے کہ میں ان کو (نواز شریف) کہوں کہ چھوڑ دیجئے سب کچھ، بہت ہو گیا اگر یہ قوم اپنے رہنما کی قدر نہیں جانتی تو سیاست سے پیچھے ہٹ جایئے۔

آپ کا خیال ہے کہ لوگ میاں نواز شریف کی قدر نہیں کر رہے؟

بیگم کلثوم: یہ قدر ہوئی ہے؟ کس طرح سے ان کو سزا سنائی گئی ہے۔ بہر حال دل کی بات آپ نے پوچھی میں نے بتا دی۔ (ہنستے ہوئے)۔ عدالت دل کو نہیں مانتی دل عدالت کو نہیں مانتا میں کیا کروں (ایک بار پھر ہنستے ہوئے)۔

سی ٹی بی ٹی بہت بڑا ایشو ہے، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

بیگم کلثوم: نواز شریف اس پر کبھی بھی دستخط نہ کرتے یہ بالکل واضح بات ہے ان پر حکومت کے دوران بہت دباؤ تھا لیکن انہوں نے سی ٹی بی ٹی سائن نہیں کیا۔

انڈیا پالیسی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

بیگم کلثوم: بہت اچھا خیال ہے۔ میاں صاحب نے افہام و تفہیم سے بات چیت کر کے جتنی محنت سے اس مسئلے کو سلجھایا اس سب پر پانی پھر گیا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہم جنگ کر کے کوئی مسئلہ حل کر سکتے ہیں اگر جنگوں سے مسئلے حل ہوتے تو بہت سارے ملک اپنے مسئلے حل کر چکے ہوتے۔ صحیح حل وہی ہے کہ آپ خون بہائے بغیر مذاکرات کی میز پر طے کر لیں اور یہی نواز شریف کی پالیسی تھی۔ وہ اپنے تمام ہمسایوں کے ساتھ امن میں رہنا چاہتے تھے، ان کے ساتھ صلح میں رہنا چاہتے تھے، خود جینا چاہتے ہیں دوسروں کو جینے دینا چاہتے ہیں۔

مسلم لیگ کے پرانے نظریے اور میاں نواز شریف کے اس نظریے میں تصادم نہیں ہے؟ مسلم لیگ بھارت مخالف پارٹی سمجھی جاتی ہے۔

بیگم کلثوم: دیکھئے کہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہود و ہنود ہمارے دوست ہے تو آپ غلطی پر ہیں۔ یہ اسلام دشمن قوتیں ہیں لیکن اگر آپ آج دنیا کی سیاست دیکھیں تو آپ کو میرے ساتھ متفق ہونا پڑے گا کہ اگر آپ اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن سے نہیں رہ سکتے تو پھر آپ خود بھی امن میں نہیں رہیں گے۔ ہم خود بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنے شہریوں کو بھی امن میں رکھنا چاہتے ہیں اور ہم کشمیر بھی آزاد کرانا چاہتے ہیں۔

تو پھر جہاد کو آپ درست سمجھتی ہیں؟

بیگم کلثوم: اگر جہاد کا اعلان (ڈکلیئر) ہوتا ہے تو سب سے پہلے میرے دونوں بیٹے جہاد پر جائیں گے۔

آپ سمجھتی ہیں کہ ابھی جہاد ڈکلیئر نہیں ہوا؟

بیگم کلثوم: کہاں ہوا ہے؟

یہ جو کشمیر والا جہاد ہے؟

بیگم کلثوم: دیکھیں یہ وہ پرانا زمانہ نہیں کہ آپ دو تلواریں اٹھا کر چل پڑیں اور ایک ایک آدمی کا مقابلہ ہو گا۔ جو جنگ آج کے دور میں ہو رہی ہے وہ بالکل تباہی ہے۔ آپ ایک مووی ضرور دیکھیں "DAY AFTER" امریکن فلم ہے اسے دیکھنے کے بعد مجھ سے بات کریں کہ جنگ ہونی چاہیے۔

ہم خود نظریہ امن کے حمایتی ہیں۔ آپ ملک کی لیڈر ہیں، ہم لوگوں تک آپ کا نظریہ

پہنچانا چاہتے ہیں؟

بیگم کلثوم: میں آپ کو لیڈر لگتی ہوں، مجھے سیاست میں آئے دو ماہ نہیں ہوئے اور میں تو آئی بھی نہیں یہ تو تقدیر لے آئی۔ یہ امن کا زمانہ ہے۔ پرانا زمانہ تھا جب جنگیں محدود ہوتی تھیں جب فوجیں ایک میدان میں آمنے سامنے کھڑی ہو جاتی تھیں، تلوار نکال کر ان سے لڑا جاتا تھا، آج وہ حالات نہیں ہیں۔ ہیرو شیما پر ایک بم گرایا گیا تھا آج تک اس کے اثرات ختم نہیں ہوئے۔ جیسے حکومت نے بڑھک لگائی کہ ہمارے پاس ایٹم بم ہے ہم استعمال بھی کر سکتے ہیں، کر کے دکھائیں ذرا۔

کیا حکومت ایٹم بم استعمال نہیں کر سکتی؟

بیگم کلثوم: ایٹم بم استعمال کرنا حماقت ہوگا اگر ہم ایٹم بم استعمال کرتے ہیں تو جواباً بھارت بھی استعمال کرے گا اور اگر وہ استعمال نہ بھی کرے تو جو بم ہم نے بھارت پر پھینکا اس کے اثرات یہاں پر بھی آئیں گے۔ اگر اس کے اثرات اس قدر خطرناک ہیں تو ہم خلق خدا کو اتنے بڑے امتحان میں کیوں ڈالیں۔ معاہدہ صلح حدیبیہ جب طے پایا تو سب نے کہا کہ یہ کیسا معاہدہ ہے، اس سے مسلمانوں کو بہت نقصان ہوگا لیکن بعد میں اس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ حضور ﷺ نے جہاد کے متعلق حکم ضرور فرمایا ہے لیکن شوقیہ جہاد نہیں شروع کر دینا چاہیے اگر آپ جنگ سے بچ سکتے ہیں تو بچیے۔

آپ کا خیال ہے کہ مسئلہ کشمیر مذاکرات سے حل ہو سکتا ہے؟

بیگم کلثوم: اب کیا ہو رہا ہے۔ واجپائی آپ کا ایک مخالف مینار پاکستان کے تلے کھڑے ہو کر آپ کو تسلیم کر کے جاتا ہے آپ کے اس مینار کو سلام کرتا ہے، اس پر دستخط کرتا ہے تو اس سے بڑی اور کیا بات ہو گی۔ یہ وہ دشمن تھا جس نے کبھی پاکستان کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا اور وہ مسئلہ کشمیر پر آپ کے ساتھ بیٹھ کر مذاکرات کرنے کو تیار تھا۔ اس سلسلے میں دونوں طرف سے کلنٹن کو دعوت دی گئی کہ آپ آ کر اس مسئلے میں کوئی ایسا راستہ ہمیں بتائیں جو دونوں فریقوں کے لئے قابل قبول ہو اور جو کشمیریوں کے لئے قابل قبول ہو۔ ہمیں پوری امید تھی کہ اس مسئلے کے حل کے لئے ہم کوئی راستہ تلاش کر لیں گے۔ یہ مسئلہ جنگوں سے کبھی بھی حل نہیں ہو سکتا آج تک تو ہوا نہیں۔ اگر یہ مسئلہ مذاکرات سے حل ہو جاتا تو یہ بہت بڑی کامیابی تھی جس کو ختم کر دیا گیا۔

میاں صاحب وزارت عظمٰی کے دوران آپ سے سیاسی مشورے کرتے تھے؟

بیگم کلثوم: مجھے سیاست اچھی نہیں لگتی تھی اس لئے میں بچتی تھی۔ البتہ کبھی کبھی بات ہو جاتی تھی اور میں اپنی سمجھ کے مطابق مشورہ دے دیتی تھی۔

مسلم لیگ کی سیاست کے بارے میں بات ہوتی تھی یا ملکی؟

بیگم کلثوم: نہیں نہیں، اگر کوئی قسم کا مسئلہ ہوتا تو یونہی چلتے چلتے بات ہو جاتی تھی میرا نہیں خیال کہ میں نے ایسے مشورے دیئے ہوں جو راتوں رات انقلاب برپا کر دیں۔

سنا ہے آپ نواز شریف کو تقریر بھی لکھ کر دیتی ہیں؟

بیگم کلثوم: آپ کو پتہ ہے نواز شریف نے انگریزی سکول میں پڑھا تھا، ان کو اردو تقریر لکھنے میں تھوڑی سی محنت کرنا پڑتی تھی۔ وہ شروع میں میں نے کر دیا تھا، اس کے بعد تو ان کو ضرورت ہی نہیں پڑی۔

نواز شریف نے ایک بار کہا کہ بے نظیر غدار ہے تو کیا گھر میں بھی کبھی انہوں نے ایسا کہا؟ ایک دفعہ انہوں نے کہا میں پیپلز پارٹی بحیرہ عرب میں اٹھا کر پھینکنا چاہتا ہوں، یہ ان کی واقعی سوچ تھی یا پھر ویسے سیاسی بیان تھا؟

بیگم کلثوم: باہر شاید کوئی کہلوا لیتا ہوگا اب جیسے آپ مجھ سے وہ کچھ بھی کہلوا رہے ہیں جو میں نہیں کہنا چاہتی۔ بنیادی طور پر وہ ایسی فطرت کے ہی نہیں ہیں۔ ان میں صرف ایک تڑپ تھی کہ میں اس ملک میں راتوں رات انقلاب لے آؤں۔ ہم کیوں پیچھے رہ جاتے ہیں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم تقریب کرنا چاہتے ہیں، دوسرے ملکوں کے لوگ تو روکتے تھے ہمارے اپنے لوگ بھی موٹر وے نہیں بنانا چاہتے تھے۔ ایک بندہ اپنے ملک کی بھلائی کے لئے کام کرتا ہو اور اسے بار بار روکا جائے تو پھر وہ جذباتی بھی ہو جاتا ہے۔

قومی یا بین الاقوامی سطح پر کس سیاستدان کو وہ اچھا سمجھتے تھے؟

بیگم کلثوم: وہ سب کا ذکر بھی کرتے تھے اور عزت بھی۔ کبھی کسی کی تعریف کبھی کسی کی تعریف، جو کوئی اچھا کام کرتا تو اس کی تعریف ضرور کرتے تھے۔

کس ملک سے زیادہ تعلقات تھے؟

بیگم کلثوم: سعودی عرب سے، مہاتیر محمد سے بہت اچھی دوستی تھی۔ مامون عبدالقیوم، شیخ زید بن سلطان اور سب سے اچھے تعلقات تھے۔ یہ ان کی خوبی تھی کہ وہ جن سے بھی ملتے ان پر اپنا نقش چھوڑ آتے تھے۔

اب آپ باقاعدہ سیاست میں آچکی ہیں آپ کو کبھی ایسا محسوس ہوا ہے کہ 12 اکتوبر سے پہلے کچھ غلطیاں ہوئیں ہیں؟

بیگم کلثوم: غلطیاں ہر انسان سے ہو جاتی ہیں۔

بڑی غلطی کون سی ہوئی؟

بیگم کلثوم: مجھے ابھی اتنا موقع نہیں ملا کہ میں پرانی ہسٹری اٹھا کر اس نقطہ نظر سے دیکھوں کہ کہاں کون سی غلطی ہوئی۔

لیکن ایک سوچ تو ہوتی ہے کہ ہم یہ نہ کرتے تو یہ نہ ہوتا؟

بیگم کلثوم: شاید کچھ لوگ جو ہمارے اردگرد تھے ان کو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

آپ کہہ رہی ہیں کہ ان کے کچھ غلط کام آپ کے گلے پڑ گئے ہیں۔

بیگم کلثوم: جی بالکل۔

ہم کو آپ کی یہ بات سمجھ نہیں آئی تو باقی لوگوں کو کیا آئے گی؟

بیگم کلثوم: جی آپ کو پوری طرح سے یہ بات سمجھ آ گئی ہے کچھ ایسے کام ہوتے ہیں آپ کچھ لوگوں کو اہم ذمہ داریاں دے دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ کام کرنے میں سچے ہوں یا ان کی سمجھ بوجھ ہی اتنی ہو لیکن اپنے خلوص کے ساتھ اپنی نادانیوں سے وہ دوسروں کو بھی ڈبو دیتے ہیں۔ شاید کچھ ایسا ہوا ہو۔

12 اکتوبر سے پہلے بھی ایک بات بہت مشہور ہے کہ سیاستدان تو میاں نواز شریف تھے لیکن مشورے سارے ابا جی سے لیتے تھے۔ ایک تو یہ ہے کہ والدین سے مشورہ لینا بہتر ہے دوسرا یہ کہ وہ اکیلے ہی ملک کے خودمختار تھے فیصلے ان کے اپنے ہونے چاہیے تھے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

بیگم کلثوم: دیکھئے آپ ایک بات کو ذہن میں رکھیے کہ نواز شریف اسلام آباد میں ہوتے تھے اور بڑے میاں صاحب آج تک اسلام آباد نہیں گئے۔ وہ نواز شریف کے دور میں صرف ایک دن اسلام آباد گئے تھے جس دن مریم کو میڈیکل کالج میں داخل کروانا تھا۔ میرے بچوں سے ان کو بہت پیار ہے۔ اس کے بعد یا اس سے پہلے وہ کبھی نہیں گئے ایک دفعہ ہم سب کو عمرے کے لئے جانا تھا، اسلام آباد سے ہماری

فلائیٹ تھی، ہم سب ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔ میں بھی PM ہاؤس میں اس دن نہیں رہی کیونکہ وہ PM ہاؤس میں جانا نہیں چاہتے تھے۔

وجہ؟

بیگم کلثوم: وہ کہتے تھے کہ میرا ادھر کام ہی کچھ نہیں ہے۔ اب کسی میٹنگ میں نواز شریف کو فیصلہ کرنا ہے تو بڑے میاں وہاں کدھر آ کر ان کو فیصلے کیلئے مشورہ دیں گے۔ اگر وہ ٹیلی فون کریں گے تو سب کو پتا لگے گا۔

آپ کا کہنا ہے کہ یہ محض جھوٹی خبر ہے؟

بیگم کلثوم: جی بالکل، دوسری طرف یہ بھی نہیں کہتی کہ وہ بالکل والد صاحب کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ ہمارے خاندان میں اپنے بزرگوں کا ادب کرنا بچوں میں بھی ہے اور بڑوں میں بھی۔ اپنے والد صاحب کا وہ بھی احترام کرتے ہیں اور ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ بہت تجربہ کار ہیں اور جتنے خلوص و ہمت کے ساتھ اپنی یہ انڈسٹریل سٹیٹ بنائی تھی اور اکیلے نہیں اپنے چھ بھائیوں کو ساتھ لے کر چلے اور ان میں بڑا سلوک بھی رکھا اور محبت بھی رکھی اور اتفاق بھی رکھا۔ تو اگر کوئی انسان کسی کام میں اپنے بزرگوں کے تجربے سے فائدہ اٹھالیتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے۔ میرے خیال میں ہمیں بزرگوں سے مشورے کرنے چاہئیں۔ ایک دفعہ ایک کالج میں مقابلہ ہو رہا تھا میری مدمقابل لڑکی نے ''شادی مرضی کی'' پر پنجابی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آج کل چیزوں کا بھاؤ بہت زیادہ ہے، والدین اگر شادی کریں تو بہت سے لوگوں کو بلانا پڑتا ہے جس سے بہت خرچہ ہوتا ہے۔ اس نے پنجابی میں ایک جملہ بولا تھا ''اج کل بھا بڑا چڑھیا ہویا اے'' تو میں نے اس سے کہا کہ'' اینہاں نے چیزاں دا بھاچڑھا دیتا اے تے ما پیئو دا بھاؤ ڈھا دیتا اے'' (ہنستے ہوئے) یعنی ماں باپ کو اس قدر نظر انداز تو نہیں کرنا چاہیے اور مسلمان ہونے کے ناطے سے میں آپ کو بتاؤں کہ بزرگوں کی دعائیں سب سے زیادہ کام آتی ہیں۔

وہ کہتے کیا ہیں؟

بیگم کلثوم: وہ کہتے ہیں ڈٹ جاؤ کسی کی پرواہ نہ کرو۔

پریشان بھی ہوتے ہیں؟

بیگم کلثوم: میرے خیال میں وہ اس وقت زیادہ پریشان ہوں گے۔ اس وقت جتنے ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے ہوئے ہیں اس کے باوجود وہ بڑے حوصلہ سے لگے ہوئے ہیں، نا صرف خود بلکہ ہمیں بھی

حوصلے میں رکھا ہوا ہے۔

معاشرے میں ساس بہو کا جھگڑا بہت مشہور ہے؟

بیگم کلثوم: اس 2 اپریل کو میری شادی کو پورے 29 سال ہو چکے ہیں، ساس کو تو چھوڑیں لوگ کہتے ہیں ساس اس کی سہیلی ہے میری تو اس گھر میں کسی سے لڑائی نہیں ہوئی۔

آپ نے کیا گر استعمال کیا تا کہ باقی لوگ بھی استفادہ کریں؟

بیگم کلثوم: میں چاہتی ہوں کہ اپنا حق سارے استعمال کریں جہاں سے ان کی حدود شروع ہو جاتی ہیں وہاں میری حدود ختم ہو جاتی ہیں۔ کسی کے کام میں مداخلت نہ کرو، کسی پر نکتہ چینی نہ کرو اور کسی سے کچھ توقع نہ کرو۔

میاں صاحب کو کبھی خود بھی کھانا پکا کر کھلاتی ہیں؟

بیگم کلثوم: وہ جب کسی چیز کی فرمائش کرتے تھے تو دس دفعہ فون کرتے تھے کہ خود پکانا۔

ایسا کوئی خواب جو آپ کا سچ ثابت ہوا ہو؟

بیگم کلثوم: بہت سے خواب سچ ثابت ہوئے ہیں۔

کوئی ایسا جو آپ بتانا چاہیں؟

بیگم کلثوم: ایک خواب جو میں نے تین بار دیکھا۔ اپنے استاد سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ آپ کا خاندان سیاست میں آئے گا اور عالم اسلام کا کوئی بہت بڑا کام کرے گا۔ میں نے ان کی بات کو ہنسی میں اڑا دیا تھا کہ یہ نہیں ہو سکتا ہم سیاست میں نہیں آسکتے انہوں نے کہا کہ یہ میں نہیں کہہ رہا یہ آپ کا خواب کہہ رہا ہے اور جب نواز شریف بطور وزیر خزانہ بنے تو وہ مٹھائی لے کر آئے اور کہا کہ آپ کے خواب کی پہلی سیڑھی یہ ہے۔ استاد نے یہ بھی کہا کہ شاید میں نہ ہوں لیکن جب یہ خواب پورا ہوگا تو اس وقت مجھے یاد کر لینا، اب وہ فوت ہو چکے ہیں۔

عورتوں کے حقوق کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

بیگم کلثوم: عورتوں کے حقوق کے بارے میں میری رائے شاید عورتوں کو پسند نہ آئے۔ سخت اسلامی قسم کی رائے ہے۔ اسلام نے سب سے زیادہ مقام عورت کو دیا ہے کہ ماں بنایا تو جنت پیروں کے نیچے رکھ دی

اور بہن بنایا تو عزت دی ہے۔

ہمارے ہاں عورتوں کے حقوق کے بارے جو بات کی جاتی ہے، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

بیگم کلثوم: آج سے چند صدیاں قبل آپ یورپ کا حال دیکھ لیں وہاں عورتوں کو جو مقام دیا جاتا تھا وہ برا تھا لیکن جو اسلام نے عورت کو عظیم مقام دیا۔

تو کیا عورت کو سربراہ مملکت نہیں ہونا چاہیے؟

بیگم کلثوم: جی میں اس کے خلاف ہوں۔

آپ عورت کی نوکری کے بھی خلاف ہیں؟

بیگم کلثوم: نہیں، اس لئے کہ اس کو اسلام نے منع نہیں کیا۔

عورت کے پردے کے حق میں ہیں؟

بیگم کلثوم: عورت کو باوقار لباس پہننا چاہیے۔ اسلام نے برقعہ پہننے کو نہیں کہا۔

برقعے کی تاریخی حیثیت ہے؟

بیگم کلثوم: جی ہاں، میری ماں نے مرتے دم تک برقعہ پہنا ہے۔ ایک دفعہ مسز رفسنجانی نے کہا کہ آپ لوگ چادر کیوں نہیں پہنتیں۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ ویسٹرن ڈریسز پہنتی ہیں اس لئے چادروں کی ضرورت پڑتی ہے ہمارا تو لباس ہی چادروں کی طرح کا ہے۔ اگر ہم اسی لباس کو وقار کے ساتھ پہنیں تو اسلام کے سارے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔

میاں صاحب کے لباس آپ خود خریدتی تھیں یا وہ؟

بیگم کلثوم: شروع میں اکٹھے ہی خریدتے تھے لیکن بعد میں ان کے ملازم بھی لے آتے تھے۔

لباس پر انہوں نے کبھی تنقید کی کہ یہ کون سا رنگ پہن لیا؟

بیگم کلثوم: ان کے رنگ ہمیشہ ہی سے اچھے تھے۔

آپ کے مشوروں سے ہوئے یا شروع ہی سے تھے؟

بیگم کلثوم: نیلا رنگ ان کو شروع ہی سے پسند تھا۔

علم نجوم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

بیگم کلثوم: غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جتنا علم کسی کو دے دیتا ہے اتنا ہی ہے۔

حسین نواز تو عملی طور پر سیاست میں آ گئے ہیں؟

بیگم کلثوم: نہیں وہ بنیادی طور پر بہت ہی مذہبی قسم کا انسان ہے آپ ہفت روزہ ''تکبیر'' میں اس کا وہ خط پڑھیں جو اس نے اپنے والد کو لکھا تھا۔ میں حسین کی طرف سے مطمئن ہوں اتنی زیادہ قید اس نے کاٹی ہے لیکن وہ ذرا بھی ڈگمگایا نہیں۔ میرا خیال ہے کہ حسین جو کام کر رہے ہیں وہ کر لے تو اس میں بھی ملک کی خدمت ہے ویسے بھی انسان کا بنیادی مقصد خدمت ہی ہوتا ہے ہم جو کچھ ملک کے لئے کر رہے ہیں اس سلسلے میں ہم نے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ سب کچھ ہم خود کر رہے ہیں ہم کہ جو کرپٹ ٹھہرے ہیں ہم اپنے ملک کو یہ ساری چیزیں اپنے پاس سے دے کر جا رہے ہیں، یہ ہمارے لئے نہیں ہیں۔ دیال سنگھ کالج بنایا گیا آج وہ خود کدھر ہیں، گنگا رام ہسپتال بنایا گیا آج وہ نہیں ہیں ان کی بنائی ہوئی یادگاریں کون استعمال کر رہا ہے لوگ کر رہے ہیں۔ ہم نے جو کچھ بنایا ہے یہاں کی عوام کے لئے بنایا ہے، کل ہم نہیں ہوں گے لیکن یہ چیزیں ہوں گی۔ ہم کہ جو کرپٹ ٹھہرے ہیں ہم ملک کی خدمت اس انداز میں بھی کر رہے ہیں یہ اور بات ہے کہ اس کی تشہیر نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی تو کرپشن کے حوالے سے۔

ابھی آپ نے کرپشن کی بات کی، اس حوالے سے میں سوال کروں گا کہ پاکستان میں ایک سوچ پائی جاتی ہے کہ ایک خاص مقصد کے تحت سیاستدانوں کو کرپٹ قرار دیا جاتا ہے۔ پہلے پیپلز پارٹی والوں کے خلاف یہ تاثر پھیلایا گیا، ان کو سزا ہونے کے بعد کام برابر کرنے کے لئے اب مسلم لیگ والوں کے خلاف یہ تاثر پھیلایا جا رہا ہے۔ کیا آپ اس فلسفے سے متفق ہیں؟

بیگم کلثوم: اتنا لمبا چوڑا فلسفہ میری سمجھ سے باہر ہے میں کسی کے متعلق کیا کہوں میں اپنے متعلق ہی کہتی ہوں کہ دیکھئے خدا سب کا ہے، وہ سب کو روزی دیتا ہے، سب کو پالتا ہے اور خدا کا خوف سب کے لئے ہے۔ جو خدا کے خوف سے عوام اور ملک کی خدمت کرتے ہیں، کیا وہ کرپشن سے کمایا جانے والا لقمہ

اپنے بچوں کو کھلائیں گے یا اپنے اوپر استعمال کریں گے۔ میں تو کبھی ایسا نہیں کروں گی۔

مخلوط نظام تعلیم کی حمایت کرتی ہیں؟

بیگم کلثوم: میں نے ساری عمر مخلوط نظام تعلیم کے زیر ہی پڑھا ہے۔ میرے والد حافظ قرآن تھے، اور بہت سخت مذہبی انسان، لیکن لبرل۔

میاں صاحب سے کبھی اختلاف ہوا، عموماً کن باتوں پر ہوا؟

بیگم کلثوم: اختلاف تو کسی بھی بات پر ہو سکتا ہے۔ ان کی پالیسی یا ان کے نزدیک جو لوگ ہوں ان کی بات پر بھی اختلاف ہو سکتا ہے

ان کی کوئی عادت جو ناپسند ہو؟

بیگم کلثوم: ماشاء اللہ عادات ان کی بہت اچھی ہیں وہ ہر ایک سے اس کی عمر پوچھ لیتے تھے تو میں ان سے کہتی تھی کہ خدا کے لئے کسی سے اس کی عمر نہیں پوچھتے۔

آپ کو کس بات پر غصہ آتا ہے؟

بیگم کلثوم: جھوٹ بولنے پر۔

زندگی کا سب سے مشکل مرحلہ کون سا تھا؟

بیگم کلثوم: جب سزا سننے کے لئے عدالت میں کھڑی تھی۔

کیا یہ درست ہے کہ تاریخ خود کو دہراتی ہے؟

بیگم کلثوم: جی بالکل درست ہے۔

گھر کے معاملات میں آپ کی رائے چلتی ہے یا میاں صاحب کی؟

بیگم کلثوم: وہ گھر کے معاملات میں دخل نہیں دیتے۔

غیر آئینی اقدامات کرنے والوں کے لئے کیا سزا تجویز کریں گی؟

بیگم کلثوم: جو پہلے لکھی گئی تھی اس پر کون سا عمل ہوا ہے؟ اس کا کیا حشر ہوا۔

سب کو سزا ملنی چاہیے یا صرف جنرل پرویز مشرف کو؟

بیگم کلثوم: دیکھیں جو انہوں نے کیا، جس طرح انہوں نے آئین کی دھجیاں اڑائیں اور کسی نے ایسا نہیں کیا۔

کیا آپ نہیں سمجھتیں کہ جنرل ضیاء نے بھی ایسا کیا تھا؟

بیگم کلثوم: آرمی کا آنا ہمیشہ غلط تھا۔

پرویز مشرف اور جنرل ضیاء کے آنے میں فرق کیا ہے؟

بیگم کلثوم: دونوں نے غلط کیا۔ بھٹو پر قتل کا الزام تھا، یہ نہیں پتا یہ بھٹو نے کروایا تھا یا ایجنسیوں نے۔ لیکن یہاں نواز شریف کو تو اس جرم کی سزا سنائی جا رہی ہے جو کبھی سوچا بھی نہیں گیا تھا۔

آپ نے اپنے بچوں کی شادیاں فیملی میں کیوں نہیں کیں؟

بیگم کلثوم: جہاں نصیب ہوتا ہے وہاں ہی شادی ہوتی ہے میں نے اپنے چھوٹے بیٹے کی شادی اپنی بہن کی بیٹی کے ساتھ طے کی۔

سپریم کورٹ پر حملہ کے بارے میں لوگوں کی یہ رائے تھی کہ جس بنیاد پر یہ حکومت قائم ہے اسی کو اٹیک کیا گیا آپ سمجھتی ہیں کہ یہ غلطی ہوئی ہے؟

بیگم کلثوم: آپ یہ سمجھتے ہیں دل سے کہ یہ نواز شریف نے کروایا تھا۔

مسلم لیگ کے لوگ تو تھے؟

بیگم کلثوم: غلطی ہوئی، جس نے بھی کیا غلط کیا۔ مجھے لگتا ہے کہ لوگ شاید سننے کے لئے اندر جانا چاہتے ہوں اس میں حملے کی کوئی بات نہیں تھی اگر ان کو اندر جانے سے منع کیا گیا تھا تو انہیں اندر نہیں جانا چاہیے تھا۔

میاں شہباز شریف کو جب وزیر اعلیٰ بنایا گیا تو اس وقت بھی سوالات اٹھے؟

بیگم کلثوم: اس کو بنانے میں سب سے بڑی سپورٹر میں تھی۔ جب غلام حیدر وائیں کو بنایا اس وقت بھی میں کہتی تھی کہ شہباز شریف کو بننا چاہیے۔ میں یہ جانتی تھی کہ اس بندے میں کام کرنے کی صلاحیت ہے۔

کیا یہ تجربہ کامیاب رہا؟

بیگم کلثوم: دیکھیں اس لحاظ سے تو کامیاب نہیں رہا لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ انہوں نے کام کتنا کیا۔

لوگوں میں یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ حمزہ آپ کے ساتھ جلسے جلوسوں میں نہیں جاتے لہٰذا خاندان میں کوئی رنجش ہے؟

بیگم کلثوم: خدانہ کرے ایسا ہو، ایسی کوئی بات نہیں، پہلے حسین ہسپتال کو دیکھ رہا تھا۔ اب گڑیا سکول دیکھ رہی ہے۔ سائرہ لا کالج کو دیکھ رہی ہے حالانکہ اس کا چھوٹا سا بچہ بھی ہے۔ نصرت سارے گھر کو دیکھتی ہے۔ حمزہ کاروبار سنبھال رہا ہے۔ مجھے جب پیسوں کی ضرورت پڑتی ہے تو میں حمزہ کو ہی فون کرتی ہوں تو رنجش کہاں سے آئی۔

آپ بڑے میاں صاحب یعنی میاں شریف سے مشورہ کرتی ہیں؟

بیگم کلثوم: میں ان کے پاؤں کو ہاتھ لگائے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلتی اور نواز شریف کی غیر موجودگی میں اگر وہ (اباجی) مجھے حوصلہ نہ دیتے تو شاید میں باہر نہ آتی۔

کیا آپ کے بچے سیاست میں آئیں گے؟

کلثوم نواز: میں اپنے بچوں کو پاکستان کی سیاست میں کبھی نہیں آنے دوں گی۔ مجھے اگر تقدیر سیاست میں لے آئی ہے تو یہ ایک دور ہے، ایسا وقت ہے جس کے بارے میں مجھے خود پتا نہیں کب ختم ہوگا۔

کون سی فلمیں شوق سے دیکھتی ہیں؟

کلثوم نواز: ہم بڑے مذہبی لوگ ہیں، فلمیں نہیں دیکھتے۔ معذرت چاہتی ہوں پرانی فلمیں یا گانے کبھی کبھار دیکھ لیتی ہیں مگر آج کی فلمیں اور گانے نہیں۔

مشہور ہے کہ نواز شریف سری پائے شوق سے کھاتے ہیں؟

کلثوم نواز: ہم سری پائے نہیں کھاتے۔ 29 سال میں کبھی اس گھر میں سری پائے نہیں آنے دیئے۔ اگر کوئی بھیج بھی دے تو میں نے کسی کو دلوا دیئے۔ نواز شریف کا پسندیدہ کھانا آلو گوشت یا دال ہے۔ دال بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ ہر روز دال پکتی ہے۔

حسین نواز شریف کی کہانی

☆ رائے ونڈ سے اسلام آباد تک
☆ وزیراعظم ہاؤس کی کہانی
☆ قید کے ابتدائی دن
☆ گورنر ہاؤس میں قید
☆ سیف ہاؤس سے سعودی عرب تک
☆ بے وفائی کے سوداگر

رائے ونڈ سے اسلام آباد تک

(حسین نواز شریف سے جدہ اور لندن میں کئی ملاقاتیں ہوئیں وہ 12 اکتوبر کے واقعات کے عینی شاہد ہیں انہوں نے ٹیک اوور کے ایک ایک لمحے کو قریب سے دیکھا اور بہت سے کرداروں کے بدلتے رنگ دیکھے ان کے زاویہ نظر سے کئی راز کھلتے ہیں)

- تقریر لکھنے کا معاملہ راز دارانہ تھا اس لئے والد صاحب نے یہ کام میرے سپرد کیا۔
- والد کے وزیر اعظم ہوتے ہوئے صرف تین چار بار اسلام آباد گیا۔
- مجھے 10/ اکتوبر کو پرویز مشرف کو ہٹانے کا بتادیا گیا تھا۔
- تقریر کا مرکزی خیال کارگل تھا اور اس میں وزیر اعظم کو لاعلم رکھنے کی بات تھی
- ڈرافٹ میں نذیر ناجی اور پرویز رشید نے بہتری کروائی تقریر متنازعہ تھی۔
- فوج نے کہا جہاز سے کی گئی کال میں ہمیں جنرل مشرف کو ہٹانے کی اطلاع دی گئی تھی

معاملہ تقریر کا

12 اکتوبر سے پہلے آپ مکمل طور پر غیر سیاسی تھے آپ کا سیاست سے کبھی کوئی تعلق دیکھنے میں نہیں آیا تھا پھر 12 اکتوبر کے معاملات میں یکایک آپ کا نام سامنے آیا اس حوالے سے تفصیل کیا ہے؟

حسین نواز: میں ہمیشہ سے ہی ایک غیر سیاسی شخص تھا اور آج بھی غیر سیاسی شخص ہوں (رکتے ہوئے) اب تک مجھے تو پاکستانی سیاست میں اپنا کوئی کردار نظر نہیں آتا۔ (توقف کرتے ہوئے) عرض یہ ہے کہ جنرل مشرف کو ہٹانے کے معاملے کی نوعیت راز دارانہ تھی۔ اور میرے والد صاحب نے اس راز

داری کی وجہ سے مجھ جیسے غیر سیاسی شخص کا انتخاب کیا تا کہ ان کے خیالات کو میں صحیح طریقے سے قلم بند کرسکوں یہ تقریر لکھوانے کے لئے ہی مجھے اس معاملے میں شامل کیا گیا۔

کیا آپ کے والد صاحب نواز شریف آپ سے اس سے پہلے بھی راز دارانہ مشورے کرتے تھے؟

حسین نواز: میری ذات سے کوئی ایسا زیادہ راز داری والا مشورہ نہیں کرتے تھے۔ اکثر فیملی کے اندر جب کسی موضوع کے اوپر بات ہوتی تو مجھ سے پوچھ لیا کہ ہاں بھئی تمہارا کیا خیال ہے تو یہ تو علیحدہ بات ہے۔لیکن کبھی علیحدہ بٹھا کر کسی بات پر مشورہ مجھ سے انہوں نے پہلے کبھی نہیں کیا۔

کیا یہ پہلا موقع تھا کہ آپ سے مشورہ طلب کیا گیا؟

حسین نواز: نہیں، مشورہ تو انہوں نے مجھ سے نہیں کیا تھا، مجھے انہوں نے صرف ایک ذمہ داری سونپی تھی، اس میں میرا کوئی مشورہ شامل نہیں تھا انہوں نے مجھے صرف یہ کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ جو بات کر رہا ہوں، اس کو تم قلم بند کرلو۔ اور اس کو ایک تقریر کے ڈرافٹ کی شکل دے دو۔

میاں نواز شریف کے وزیر اعظم بننے کے بعد آپ اسلام آباد کتنی دفعہ گئے؟

حسین نواز: ایک سال میں صرف ایک مرتبہ اسلام آباد گیا ہوں اور دیکھا جائے تو جب سے میرے والد وزیر اعظم بنے تو میرا خیال ہے کہ چار یا پانچ مرتبہ اسلام آباد گیا ہوں گا۔

تو وہ بھی ایسا ہوتا تھا کہ صبح گئے اور شام کو واپس آ گئے؟

حسین نواز: ہاں، ایک دو یا دن سے زیادہ کبھی نہیں ٹھہرا۔

کیا وجہ تھی آخر آپ اسلام آباد کیوں نہیں جاتے تھے کیا آپ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وزارت عظمیٰ کو انجوائے کیا جائے؟

حسین نواز: نہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ پرائم منسٹر شپ کوئی انجوائے کرنے کی چیز نہیں ہے۔ جو لوگ اس کو انجوائے کرنا چاہتے ہیں، میں معذرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ کم ظرف لوگ ہیں، یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر تمہیں پتہ چل جائے کہ ایک حاکم کی کتنی پوچھ ہوگی تو تم میں سے کوئی حاکم بننا پسند نہ کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہلے ہی بہت عطا فرمایا ہے۔ ہمیں پرائم منسٹر ہاؤس جا کر اللہ کے فضل سے کوئی اتنا فرق محسوس نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ

وہاں سے قریب ہی مری میں ہمارا اپنا گھر ہے میں وہاں جا کر خوش زیادہ ہوتا ہوں۔ مصروفیت سب سے بڑی وجہ ہے۔ اپنے والد صاحب کو ملنے کی وجہ سے وہاں ضرور جاتا لیکن ہفتے میں ان سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ اور میں ویسے بھی بہت مصروف تھا۔ یقین جانیے کہ نہ مجھے اور نہ ہی میرے خاندان کے کسی فرد کو اس میں کوئی انجوائے منٹ نظر آتی ہے۔ جو سمجھتا ہے کہ یہ اس کی انجوائے منٹ ہے تو یہ اس کی بدقسمتی ہے۔

10 اکتوبر سے بات شروع ہوئی

لیکن پھر آپ کو کیسے اور کس موقع پر وزیراعظم ہاؤس بلایا گیا؟

حسین نواز: جی! میں عرض کرتا ہوں کہ 12 اکتوبر سے 2 دن پہلے جمعہ کا دن تھا۔ مجھے والد صاحب نے 10 اکتوبر کی رات کو بیٹھ کر تقریر کے سارے پوائنٹ نوٹ کروائے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے مجھے ایسا کام سونپا تھا۔ یہ میرے گھر رائے ونڈ کی بات ہے انہوں نے مجھے یہ موقع دیا کہ آپ یہ ڈرافٹ کر لیں۔ میں نے اسے ایک ڈرافٹ کی شکل دے دی۔ میں نے یہ کام 10 اکتوبر کی رات کو ہی کر لیا اگرچہ مجھے یہ کام رات کو تین بجے تک بیٹھ کر کرنا پڑا۔ پھر انہوں نے مجھے فرمایا کہ اگلے دن وہ ابوظہبی جا رہے تھے۔ تو آپ میرے ساتھ ابوظہبی چلیں اور ہم اس پر بیٹھ کر مزید بات کر سکیں۔ اس تقریر میں کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ وہ ایک عام سی تقریر تھی۔ اس کے بعد جب میں نے اس کو ایک ڈرافٹ کی شکل میں لکھ لیا۔ تو میں نے والد صاحب کو ابوظہبی جاتے ہوئے جہاز میں وہ ڈرافٹ پڑھوایا۔ اس میں انہوں نے کافی تصحیح کی۔ پھر وہ نئے نکات شامل کرواتے رہے اور آہستہ آہستہ وہ ڈرافٹ جامع ہو گیا ہماری واپسی 11 اکتوبر کو ہوئی۔ اس وقت اگرچہ بہت اہم باتیں تھیں لیکن کوئی اتنی رازدارانہ باتیں نہیں تھیں۔

تقریر کے اس ڈرافٹ میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف کے ہٹانے کا ذکر تو تھا نا؟

حسین نواز: جی، اس میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف کے ہٹانے کا ذکر تھا لیکن سب کو معلوم تھا کہ کیا وجوہات ہیں کہ جن کی بناء پر چیف آف آرمی سٹاف کو ہٹایا جا رہا ہے، وہی وجوہات بیان کی گئیں تھیں، لیکن میرا خیال ہے کہ اتنی صیغہ راز میں رکھی جانے والی بات نہیں تھی۔ آخر کار چیف آف آرمی سٹاف ایک حکومتی عہدیدار ہیں، ان کو ہٹانے میں کیا راز والی بات ہوتی۔

ابوظہبی کا دورہ

ابوظہبی آپ کس کس سے ملے؟

حسین نواز: ابوظہبی میری ملاقات تو کسی سے نہیں ہوئی۔ وہاں پر میری کس سے ملاقات ہونی تھی۔ میاں صاحب کی شیخ زید بن سلطان سے ملاقات تھی۔ انہوں نے اس وقت اہم ملکی امور پر تبادلہ خیال کرنا تھا۔ وہاں پر ہمارے سامنے تو صرف رسمی باتیں ہوئیں جس میں میرے ساتھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ پھر اس کے بعد انہوں نے ہمیں جانے کے لئے کہہ دیا۔ پھر اس کے بعد ون ٹو ون ملاقات ہوئی اور وہ بھی اتنی لمبی بات چیت نہیں ہوئی اس وقت محترم شیخ زید بن سلطان النہیان کی طبیعت بھی کچھ اتنی ٹھیک نہیں تھی۔ اس لئے ایک مختصر ملاقات ہوئی۔ ان کی مہربانی تھی کہ وہ اس وقت ان کو ملے پھر اس کے بعد وہاں سے ہوٹل چلے گئے اور ہوٹل سے پھر ایئرپورٹ کے لئے روانہ ہو گئے۔

تقریر میں کیا تھا

پھر آپ پاکستان واپس کتنے بجے پہنچے، اسلام آباد آئے یا لاہور آئے؟

حسین نواز: جی، ہم مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت اسلام آباد پہنچے تھے۔ اس دوران اس تقریر کے اوپر مشق ہوتی رہی لیکن کسی کو اس بات کا پتہ نہیں لگا۔ دیکھیے میں تقریر کی بات کر رہا ہوں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو اس کے بعد رات کو بھی میاں صاحب نے کئی نکات شامل کروائے۔ تقریر کا مرکزی خیال یہ تھا کہ کارگل میں جو کچھ ہوا، اس کے بارے میں وزیر اعظم کو صحیح اطلاعات نہیں دی گئیں، جس طرح وزیر اعظم امانت دار ہوتا ہے، اس طرح ہر ملازم امانت دار ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ امانت لوگوں کی ہے اور چیف آف آرمی سٹاف بھی اس امانت کا امین ہے کہ وہ اصل بات لوگوں کے نمائندوں تک پہنچائے اور ان کی ہدایات پر چلے۔ یہی افسوس ناک بات تھی کہ میاں صاحب کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ معاملات کس طرح سے چل رہے تھے۔ تقریر کا مرکزی خیال یہی تھا کہ انہوں نے امانت میں خیانت کی ہے اور اب ان کے ساتھ چلنا دشوار ہے۔ ہم نے اس کے باوجود ملکی مفاد اور فوجی مفاد میں ان کو چلانے کی کوشش کی ہے لیکن یہ باز نہیں آ رہے ہے۔

کیا تقریر میں جنرل مشرف کے خلاف کوئی کارروائی بھی تجویز کی گئی تھی؟

حسین نواز: نہیں، اس میں اس وقت کوئی کارروائی نہیں تجویز کی گئی تھی، یہ کہا گیا تھا کہ ان کو فارغ کیا جاتا

ہے اوران کی جگہ جنرل ضیاء الدین کو نیا چیف لیا جاتا ہے۔ جنرل ضیاء الدین کا نام نہیں تھا اور نہ ہی نئے چیف کا ذکر تھا۔ اس میں بس یہ کہا تھا کہ جنرل مشرف نے معاملات کو مزید مشکل بنانا شروع کر دیا تھا۔

وزیراعظم کو برطرفی کا اختیار تھا

کیا اس وقت تک تقریر میں یہ ذکر نہیں تھا کہ اگلا آرمی چیف کون ہو گا، کیا صرف عمومی بات کی گئی تھی؟

حسین نواز: جی ہاں، ایک عمومی بات تھی اس میں حقائق یہ تھے کہ صرف یہ کہا گیا تھا کہ جنرل مشرف نے خیانت کی ہے تو اس وجہ سے ان کے ساتھ چلنا مشکل ہو گیا ہے، پھر اس کے علاوہ دیگر سیاسی امور میں ان کا عمل دخل بڑھ گیا ہے لہٰذا ان کے ساتھ چلنا اور ہمارے لئے حکومت چلانا مشکل ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان حالات میں میں بطور وزیراعظم اپنا حق استعمال کرتے ہوئے ان کو برطرف کرتا ہوں۔ تو یہ بات تھی۔

پھر آپ 11 اکتوبر کی رات کو تمام راز اپنے دل میں رکھ کر سو گئے اور 12 اکتوبر کی صبح ہو گئی؟

حسین نواز: 12 کی صبح انہیں ملتان جانا تھا اور مجھے بھی انہوں نے کہا کہ تمہیں ہمارے ساتھ ملتان جانا ہے اس رات بھی 3 بجے تک میں وہ ڈرافٹ صحیح کرتا رہا اور اس کے بعد صبح ہم ملتان کے لئے روانہ ہو گئے۔

سفر کے ساتھی

اچھا ملتان گئے، پھر راستے میں کیا ہوا؟

حسین نواز: وہاں جہاز میں تھوڑی حیرانگی ہوئی، وہاں میں نے پرویز رشید صاحب اور محترم نذیر ناجی صاحب کو جہاز میں دیکھا۔ اگرچہ نذیر ناجی صاحب ہمارے ساتھ ابوظہبی بھی گئے تھے لیکن مجھے ہدایت تھی کہ ان کو تقریر کے سلسلے میں کچھ نہ بتایا جائے اس کے بعد یہ ہوا کہ نذیر ناجی صاحب مجھے اور کچھ اور لوگوں کو جن کا تعلق افواج پاکستان سے ہی تھا، ہمیں جہاز میں چھوڑ دیا گیا۔ مجھ سے زیادہ پرویز رشید صاحب کو ہدایت تھی کہ آپ اس تقریر کو لکھوایئے۔ وہ جو بنیادی ڈرافٹ تھا، وہ آج بھی افواج پاکستان کے پاس موجود ہے، اس وجہ سے کہ جس وقت انہوں نے وزیراعظم ہاؤس سیل کیا تو میرے بریف کیس میں میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ڈرافٹ موجود تھا۔ وہ انہوں نے قبضے میں لے لیا، کسی وقت وہ سامنے

آئے گا مجھ سے انہوں نے پوچھا تو میں نے صاف کہا کہ میں نے یہ لکھا ہے۔ جب نذیر ناجی صاحب وہاں بیٹھے تو انہوں نے پرویز رشید صاحب کو وہ ڈرافٹ ڈکٹیٹ کروایا۔ کچھ آدھا صفحہ انہوں نے لکھا لیکن چونکہ ان کی لکھائی کی رفتار تیز نہیں تھی، لہٰذا باقی کی تقریر نذیر ناجی صاحب ڈکٹیٹ کرواتے رہے اور میں لکھتا گیا، بنیادی خلاصہ یا مرکزی خیال پہلے سے لکھے گئے ڈرافٹ سے تھا لیکن اس کے بعد نذیر ناجی صاحب نے وہ بہت شاندار تقریر لکھوائی تھی۔ لیکن یہ ایک بڑی متنازعہ تقریر لکھی ہوئی تھی اس میں 1971ء کے المیہ مشرقی پاکستان کے واقعات کا بھی حوالہ دیا گیا تھا جو کہ اس سے پہلے میری تقریر میں نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس میں بے شمار چیزیں انہوں نے شامل کیں۔ مرکزی خیال وہی رہا، ان کی تشریح کی گئی۔ میں ان سارے خیالات سے اتفاق کرتا ہوں، وہ بات ٹھیک تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت پالیسی کچھ اور تھی۔ اس پالیسی کا مقصد صرف یہ تھا کہ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد وزیراعظم اور جنرل مشرف کا ایک ساتھ کام کرنا دشوار ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان کو عزت کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس میں کچھ نہیں تھا لیکن وہ تقریر بہت عمدہ تھی، اس میں بے شمار کمزوریوں کی طرف اشارہ کیا گیا جو ہمارے ملک اور سیاسی نظام کو درپیش تھیں۔ اس کے علاوہ فوج کا جو کردار رہا ہے، اس پر بھی واضح اشارے کیے گئے کہ ان کی مداخلت کی وجہ سے سیاسی نظام میں کمزوریاں واقع ہیں اور تب تک یہ کمزوریاں ختم نہیں ہوں گی جب تک یہ مداخلت ختم نہیں ہوگی۔ لہٰذا میں مجبوراً آج ایسا قدم اٹھا رہا ہوں جس کی وجہ سے میں چیف آف آرمی سٹاف کو ہٹا رہا ہوں، یہ ملکی سیاسی نظام کے استحکام کی طرف ایک نیا قدم ہے۔

مکمل راز داری

کسی مرحلے پر آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ اتنی حساس خبر باہر نکل سکتی ہے؟

حسین نواز: دیکھئے جی، وہ خیال بالکل آیا جس کی وجہ سے وہاں پر میں نے آپ سے کہا ناں کہ جو مسلح افواج کے لوگ تھے، اس میں میرے والد صاحب کے کچھ سٹاف کے لوگ تھے جن کو علم نہیں تھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن ان کو سختی سے کہا گیا تھا کہ ان کو کوئی ڈسٹرب نہ کرے، کوئی نہ آئے، کیونکہ جہاز میں بیٹھے یہ کام ہو رہا تھا۔ لہٰذا انہوں نے جہاز کے سارے دروازے بند کروا دیئے تھے اور وہاں پر کوئی اور موجود نہیں تھا جس وقت ہم لکھ رہے تھے۔ گزارش یہ ہے کہ جی کہ جیسا علامہ صاحب نے نظم شکوہ میں فرمایا کہ بوئے گل لے گئی بیرون چمن راز چمن، اب بو کو باہر نکلنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ لہٰذا آپ کے جو احوال ہیں، آپ کو انہیں میں رہنا ہوتا ہے۔

مسودے میں تبدیلیاں

تقریر کے مسودے میں کیا تبدیلیاں ہوئیں کیا کسی نے کہا یہ تقریر نہ کی جائے اس سے مشکلات پیدا ہو جائیں گی؟

حسین نواز: نہیں، قطعاً نہیں بلکہ نذیر ناجی صاحب نے جب میرا لکھا ہوا ڈرافٹ پڑھا تو ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ کیا میاں صاحب نے ایگزیکٹو آرڈر پاس کر دیا ہے، بلکہ انہوں نے زیر لب مسکراتے ہوئے سوال کیا، میں نے ان کے وہ مضامین پڑھے نہیں کیونکہ جس وقت انہوں نے مضامین لکھے، اس وقت میں قید تنہائی میں تھا جب بیرونی دنیا سے میرے تمام رابطے منقطع ہو چکے ہوئے تھے۔ نذیر ناجی صاحب نے وقت ضائع کیے بغیر مجھے تقریر ڈکٹیٹ کروانا شروع کی۔ وہ بڑی جامع تقریر تھی اور جو باتیں اس میں انہوں نے لکھوائی تھیں، وہ بھی سچ تھیں۔ ہمارے ملکی سیاسی نظام میں جو کمزوریاں ہیں، وہ آپ جانتے ہیں کہ انہی جرنیلوں کی مداخلت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ اگرچہ افواج پاکستان آج کل اس پر بدنام ہو رہی ہے، ہر شخص فوج کو تنقید کر رہا ہے لیکن درحقیقت فوج ان جرنیلوں کا نام تو نہیں ہے ناں جی، ہمارے نزدیک تو اصل فوجی وہ ہیں جو جا کر میدان جنگ میں لڑتے ہیں اور اپنا خون بہاتے ہیں اور اپنی جان کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اب یہ کہا جائے کہ ان لوگوں کا اس میں ہاتھ تھا تو یہ زیادتی کی بات ہو گی لیکن چونکہ افواج کی مرکزی کمانڈ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو کہ اس طرح کے کام سپانسر کرتے ہیں اور منصوبے بناتے ہیں۔ لہٰذا اس چیز کی وجہ سے پوری فوج بدنام ہوتی ہے۔

میاں صاحب وہاڑی میں جلسے سے خطاب کر کے واپس آ گئے مشہور ہے کہ ان کو جلسہ گاہ میں ایک فون آیا اور وہ فوراً واپس آ گئے؟

حسین نواز: کم از کم مجھے اس چیز کا علم نہیں ہے، اتنا میں ضرور عرض کروں گا کہ الحمد للہ جس وقت وہ تشریف لائے، ایسی کوئی بات میں نے کسی کے منہ سے نہیں سنی کیونکہ ایک اکیلا آدمی تو وہاں پر نہیں تھا، وہاں بے شمار لوگ تھے۔ وہاں جاوید ہاشمی صاحب جہاز میں میری برابر والی نشست پر بیٹھے تھے۔

کیا ان کے سامنے ڈرافٹ فائنل ہوا تھا؟

حسین نواز: نہیں، نہیں۔ ان کو تو علم بھی نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے اور بھی وہاں پر کافی لوگ تھے جو اس وقت وہاں پر موجود تھے۔ اس دوران اس معاملے پر کسی قسم کی بات نہیں کی گئی۔

پھر آپ دوبارہ اسلام آباد روانہ ہوئے آپ نے بتایا کہ تقریر کا ڈرافٹ فائنل ہو گیا تھا؟

حسین نواز: اس وقت مکمل نہیں ہوا تھا، ان کے حکم کے مطابق ہم نے وزیر اعظم ہاؤس میں بیٹھ کر بھی اس کا کچھ حصہ فائنل کیا۔

راستے میں اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی؟

حسین نواز: نہیں، راستے میں کوئی بات نہیں ہوئی، شاید میں نے انہیں پڑھا دیا ہو جتنا کہ لکھا جا چکا تھا۔ شاید ایسا نہ بھی ہوا ہو۔ کیونکہ اس وقت وہاں بہت لوگ تھے۔ اس وقت ان کے سامنے بات کرنا محال تھا۔

پھر آپ اسلام آباد پہنچ گئے؟

حسین نواز: جی اسلام آباد پہنچ گئے۔ بلکہ اسلام آباد پہنچنے سے پہلے میں آپ کو کچھ اور بھی بتاؤں کہ محترم نذیر ناجی صاحب نے ایک ٹیلی فون کال اسلام آباد لینڈ کرنے سے پہلے کی جو کہ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اپنے بیٹے سے بات کر رہے ہیں۔ بعد میں آئی ایس آئی نے بتایا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت نذیر ناجی نے ایک کال کی تھی میں نے کہا کہ ہاں مجھے معلوم تو ہے۔ اور یہ کال میرے سامنے انہوں نے کی۔ کیونکہ جس وقت ہم یہ کام کر رہے تھے۔ اس وقت تمام موبائل ٹیلی فون آف کر دیئے گئے تھے۔ بعد میں جب انہوں نے کال کی تو اس میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ ایسا ہی معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے بات کی ہے۔ لیکن کسی وجہ کی بناء پر آئی ایس آئی والوں نے میرے سے یہ بات کی۔ کرنل جمشید نام کا ایک شخص تھا جس نے مجھے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت ایک کال کی گئی تھی اور تمہیں معلوم ہے کہ اس کال کی اصلیت کیا ہے؟ تو میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں کہ اس کی اصلیت کیا ہے۔ پھر اسی پر انہوں نے اکتفا کیا مزید کوئی بات نہیں کی۔

کیا ان کا یہ مطلب تھا کہ اس ٹیلی فون کے ذریعے جنرل مشرف کو ہٹانے کی کوئی اطلاع دی گئی تھی؟

حسین نواز: یہی چیز انہوں نے مجھے باور کرانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن خدا جانتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں یہ سچ بھی تھا یا نہیں۔

ایئرپورٹ پر کیا ہوا

اس کے بعد کی سٹوری یہ ہے کہ جب آپ ایئرپورٹ پر اترے تو وزیر اعظم نے اترتے ہی سیکرٹری ڈیفنس کو کہا کہ نوٹیفکیشن جاری کرو۔ سیکرٹری ڈیفنس جنرل افتخار وہاں موجود تھے؟

حسین نواز: جی میں نے یہ چیز بریگیڈیئر جاوید صاحب کی زبانی سنی ہے۔ اس بات کا میں گواہ نہیں ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اور میرے ساتھ جو اصحاب تھے، وہ ایک علیحدہ گاڑی میں آئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں تو آج بھی جنرل افتخار کو پہچانتا بھی نہیں ہوں۔ میں اگرچہ چوہدری نثار صاحب کو بڑی اچھی طرح جانتا ہوں لیکن جنرل افتخار سے نہ کبھی ملا ہوں اور نہ ہی انہیں پہچانتا ہوں۔ لہٰذا میں نے یہ سنا ہے کہ ان کو یہ بات بتائی گئی تھی لیکن مجھے معلوم نہیں ہے کہ کیا ہوا تھا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

وزیراعظم ہاؤس کی کہانی

- والد نے صدر تارڑ سے جنرل مشرف کی برطرفی کی توثیق کروائی تھی۔
- سعید مہدی نے جنرل مشرف کو ہٹانے کی خبر کو غیر اہم بنانے پر زور دیا۔
- فوج بعد میں پہنچی وزیراعظم ہاؤس کے گارڈز نے خود ہی قبضہ کر لیا
- جنرل ضیاء الدین کے گارڈز کو ایک میجر نے غیر مسلح کر دیا
- ایک میجر نے جنرل ضیاء الدین سے بدتمیزی کی۔
- ٹیک اوور کے بعد ہمارے کئی ساتھی خاموشی سے بھاگ گئے
- فوج آنے پر والد صاحب نے چودھری شجاعت کے گھر جانے کو کہا، میں نہ مانا

اقتدار کے آخری گھنٹے

پھر آپ وزیراعظم ہاؤس پہنچ گئے؟

حسین نواز: جی، جب ہم وزیراعظم ہاؤس پہنچے تو ہمیں یہ کہا گیا کہ آپ یہ تقریر مکمل کریں۔ ایک سائیڈ پر بیٹھ کر ہمیں اسے مکمل کرنے میں کچھ وقت لگا۔ اس کے بعد محترم نذیر ناجی صاحب نے اپنے ہی ایک ٹائپسٹ لڑکے کو جو اردو ٹائپ کرتا تھا، بلایا اس کا کمپیوٹر وہ لے کر آئے اور اس کو لگایا، آن کیا اور تقریر کو ٹائپ کرنا شروع کر دیا۔ تقریر جلدی ٹائپ ہوگئی، مجھے وقت کا تو صحیح طرح سے اندازہ نہیں لیکن یہ سب کچھ پانچ بجے سے پہلے ہوا۔ اس سے پہلے تقریر مکمل ہو چکی تھی۔ غالباً چار بجے کا وقت ہوگا۔ اس کے بعد معاملات بالکل ٹھیک چل رہے تھے۔ اب چونکہ وہ کام ہو چکا تھا۔ تو جو سخت رازدانہ اقدامات تھے، ان میں اتنی سختی نہیں رہی۔ کیونکہ پانچ بجے سے پہلے تقریر مکمل ہوئی۔ محترم جنرل ضیاء الدین صاحب

کو بلا لیا گیا تھا اور اعلان کر دیا گیا تھا کہ مشرف صاحب کو ہٹایا جاتا ہے اور جنرل ضیاء الدین صاحب کو چیف آف آرمی سٹاف بنایا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد یہ اعلان پی ٹی وی پر بھی چل چکا تھا۔ اس سے پہلے مجھے یاد ہے کہ میرے والد شیروانی پہن کر کچھ دیر کے لئے ایوان صدر بھی گئے تھے۔ اور وہاں جا کر انہوں نے اپنا دستخط شدہ مشورہ بھی صدر تارڑ صاحب سے دستخط کروا لیا۔ اور لے کر آ گئے۔ وہ کاغذ میں نے بھی دیکھا تھا۔ اس پر صدر صاحب کے دستخط تھے۔ مجھے یاد آیا کہ جب یہ کاغذ آ چکا ہوا تھا تو اس وقت سیکرٹری ڈیفنس کو نوٹیفکیشن کے اجرا کا کہا گیا تھا۔ اگر چہ میرے سامنے نہیں کہا گیا تھا لیکن مجھے غالباً سعید مہدی صاحب یا بریگیڈیئر جاوید کی زبانی معلوم ہوا کہ ان کو نوٹیفکیشن جاری کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اس کے بعد پانچ بجے کی خبروں میں ہم نے یہ خبر سن لی کہ چیف آف آرمی سٹاف کو تبدیل کر دیا گیا ہے بلکہ میں نے اس وقت یہ بھی نوٹ کیا کہ محترم سعید مہدی صاحب، پرویز رشید صاحب کو ہدایت دے رہے ہیں کہ اس خبر کو ڈاؤن پلے کریں، اس کو لیڈ خبر کے طور پر نہ چلائیں۔ چونکہ وہ میرے سامنے کہہ رہے تھے تو میں نے ان سے پوچھ لیا کہ کیوں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ تو ایک روٹین کی تبدیلی ہے۔ تو آپ اس کو کیوں نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔ آخر کار چیف آف سٹاف بھی حکومت کا ایک عہدیدار ہے جس کو فارغ کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس خبر کو ڈاؤن پلے کریں۔ پھر وہاں میں نے دیکھا کہ جنرل اکرم صاحب جنہیں چیف آف جنرل سٹاف بنایا گیا تھا، وہ بھی تشریف لے آئے تھے اس موقع پر میں نے میاں شہباز شریف کو وہاں پر دیکھا میں نے میاں شہباز شریف کو صرف اس موقع پر دیکھا ہے، اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے چوہدری نثار صاحب کو بھی اس موقع پر وہاں پر دیکھا وہ موجود تھے اور ان کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ یہ کام ہو چکا ہوا ہے۔ بلکہ چودھری نثار صاحب اس سے تھوڑا پہلے تشریف لائے تھے۔ وہاں جو ملٹری سیکرٹری کا آفس ہے وہاں پر وہ تشریف لائے تھے۔ ان کے علم میں یہ بات آ چکی تھی اور وہ اس وقت وزیر اعظم ہاؤس میں موجود تھے۔ جس وقت یہ کام ہوا۔ پھر جس وقت شام کو انگریزی کی خبریں ہوتی ہیں۔ اس وقت محترم یوسف بیگ مرزا جن سے میری صرف جان پہچان تھی جو ایم ڈی پی ٹی وی تھے ان کا میرے لئے ٹیلی فون آیا جو میرے لئے باعث حیرت تھا۔ انہوں نے کہا اس وقت یہاں پر کچھ فوج آ چکی ہوئی ہے۔ اور وہ ہم لوگوں کو کہہ رہی ہے کہ آپ لوگوں نے خبریں نہیں چلانی ہیں۔

فوج آ گئی

اس سے پہلے فوج کی نقل و حرکت کا کوئی پتا نہیں تھا۔ یہ پہلا ٹیلی فون تھا؟

حسین نواز: جی ہاں، یہ پہلا ٹیلی فون تھا کہ فوج کے کچھ لوگ آ گئے ہیں اور انہوں نے آ کر ہمیں منع کیا ہے کہ پی ٹی وی پر یہ خبر نہ چلنے دیں۔ یہ بات انہوں نے کی تو میں نے یہ بات فوراً اپنے والد صاحب تک پہنچا دی۔ انہوں نے کہا اسے کہیں کہ جرات کا مظاہرہ کرے۔ اور جو غلط کام ہو رہا ہے، اس کو روکیں۔ آخر کار وہ پاکستانی ہیں۔ میں نے بہر حال ان تک یہ بات پہنچا دی۔ میں نے کہا کہ آپ خبر چلائیں آخر کار یوسف بیگ مرزا نے کسی نہ کسی طرح وہ خبر چلوا دی، یہ اب بھی مجھے یاد ہے، اس وقت تک میاں شہباز صاحب، چوہدری نثار صاحب سب وہاں پر موجود تھے۔

پھر اس کے بعد وزیر اعظم ہاؤس فوج کیسے پہنچی؟

حسین نواز: میں آپ کو عرض کرتا ہوں کہ فوج پرائم منسٹر ہاؤس بہت دیر بعد پہنچی۔ شاید یہ آپ کے علم میں ہے یا نہیں۔ اصل میں وزیر اعظم ہاؤس کے جو فوجی گارڈ تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے خود ہی ٹیک اوور کر لیا۔

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں وزیر اعظم ہاؤس کے گارڈز نے ٹیک اوور کر لیا وہ کون تھے، کیا فوجی تھے؟

حسین نواز: ظاہر ہے کہ فوجی ہوتے ہیں، ان میں کرنل شاہد نمایاں تھے جو بعد میں گورنر سندھ کے ADC بھی رہے۔ ان کو شاید اس بات کا انعام دیا گیا تھا۔ اب معلوم نہیں کہ وہ کرنل ہیں یا کچھ اور ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کی ترقی ہو چکی ہو۔ اس کے علاوہ میجر زاہد اور کیپٹن آفاق بھی وہاں ڈیوٹی پر تھے۔

وزیر اعظم ہاؤس پر قبضہ

انہوں نے کیا کیا؟

حسین نواز: انہوں نے یہ کیا کہ یہ 6 بجے کے بعد کی بات ہے جو کہ دو چشم دید گواہوں نے مجھے یہ بات بتائی تھی ایک سیف الرحمٰن صاحب اور دوسرا ایک اور صاحب تھے جن کا میں نام نہیں لوں گا جو خواہ مخواہ یہاں پر پھنس جائیں گے، کہ جنرل ضیاء الدین صاحب کی گارڈ جو کہ سفید کپڑوں میں تھی، اس کو وزیر اعظم کے گارڈز نے گھیرے میں لے لیا، وہ اسلحہ سے لیس تھے ان لوگوں نے اپنی بندوقیں تان لیں، تو جنرل ضیاء الدین صاحب نے میجر زاہد سے کہا کہ بیٹے تمہیں شاید احساس نہیں کہ تم کیا کر رہے ہو؟ آپ جانتے ہیں کہ میں اس وقت چیف آف آرمی سٹاف بن چکا ہوں اور مجھے وزیر اعظم نے منتخب کیا

ہے۔اس کے بعد میں ٹیک اوور کر چکا ہوں۔اور ٹی وی پر بات چل چکی ہے۔میجر زاہد نے جواباً بدتمیزی سے کام لیا اور کہا اگر آپ انہیں اپنے ہتھیار گرانے کا حکم نہیں دیں گے تو مجھے یہ کام کروانے میں دو منٹ لگیں گے۔ظاہر ہے کہ پرائم منسٹر ہاؤس میں گارڈ کی نفری بہت زیادہ تھی۔انہوں نے کہا کہ دو منٹ لگیں گے اور یہ سب یہاں گرے ہوں گے۔یہ الفاظ اس میجر کے تھے۔جنرل ضیاء الدین نے کہا بیٹے تم سوچ لو۔

جنرل ضیاء الدین کے پاس کتنے گارڈز تھے؟

حسین نواز: مجھے یاد نہیں، تھوڑے ہی ہوں گے، انہوں نے کہا کہ تم ٹھیک نہیں کر رہے۔ بیٹے کہہ کر انہوں نے بلایا لیکن اس نے انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔اور ان کی ایک نہیں سنی۔اور انہوں نے جب دیکھ لیا کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، ورنہ خون خرابہ ہو جائے گا۔تو انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے گارڈز اپنے ہتھیار ڈال دیں۔پھر اس کے بعد وزیراعظم ہاؤس کو جو ٹیک اوور کیا گیا، وہ وزیراعظم ہاؤس کی اپنی گارڈ نے ٹیک اوور کیا۔

پھر انہوں نے مزید کیا کیا؟

حسین نواز: انہوں نے یہ کیا کہ قبضہ کر لیا۔

قبضہ تو وہ پہلے ہی لے چکے تھے؟

حسین نواز: نہیں، میرا مطلب ہے کہ اس وقت تک تو قبضہ نہیں لیا گیا تھا ناں۔

کیا آپ کو محدود کیا گیا کہ آپ یہاں سے باہر نہیں جائیں گے؟

حسین نواز: جی، اس سے پیشتر تو ہم وہاں پر وزیراعظم کے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے۔پھر جب یہ پتا لگا کہ یہ ہو چکا ہے تو اس کے بعد ہم وزیراعظم ہاؤس کے رہائشی کمپاؤنڈ میں چلے گئے حتیٰ کہ راہداریوں میں بھی فوج کے جوان کھڑے ہو گئے تھے۔وزیر اعظم کا آفس اور گیٹ تو بعد کی بات ہے آرمی کے اصلی دستے تو رات 9 بجے کے بعد آئے اس سے پہلے ہی پرائم منسٹر ہاؤس کے گارڈ، وزیراعظم ہاؤس پر قبضہ کر چکے تھے۔

پی ٹی وی کا واقعہ

کچھ لوگ پی ٹی وی پر بھی تو بھیجے گئے جن کی فوج سے تکرار ہوئی۔ وہ کیا واقعہ ہے؟

حسین نواز: اس میں یہ تھا کہ میرے والد صاحب نے اپنے ملٹری سیکرٹری بریگیڈیئر جاوید سے کہا تھا کہ آپ جا کر ان کو دیکھیں۔ میرے علم میں بھی اتنا ہی ہے کہ فوج کے لوگوں نے جنگلے پھلانگنے شروع کر دیئے تھے۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ آپ جنگلے کیوں پھلانگ رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہمیں آرڈر یہی ہے کہ ہمیں جنگلے پھلانگ کر جانا ہے۔ وہاں پر بریگیڈیئر جاوید صاحب جب گئے تو انہوں نے جا کر میجر سے بات کی لیکن میجر نے کوئی بدتمیزی وغیرہ کی۔ بریگیڈیئر جاوید ملک نے کہا کہ تم اس وقت بغاوت کے مرتکب ہو رہے ہو۔ اور انہوں نے کہا کہ تم اس وقت یہاں سے چلے جاؤ تو اس نے آگے سے کچھ تکرار کی تو یہ اس کے ساتھ کچھ سختی سے پیش آئے اور اس کو پکڑ کر انہوں نے ایک کمرے میں بند کیا۔ انہوں نے کہا یہ خبر آپ چلائیں۔ خبر چلی پھر اس کے بعد بریگیڈیئر صاحب واپس وزیراعظم ہاؤس تشریف لے آئے۔ بعدازاں سنا کہ ٹی وی سٹیشن پر مزید نفری بھیج دی گئی ہے جنہوں نے جا کر پورا قبضہ لے لیا۔

اندر کیا کیا ہوا؟

اس دوران پرائم منسٹر ہاؤس میں کیا ہوتا رہا؟ کیا آپ کو پتا چل گیا کہ ٹیک اوور ہو رہا ہے؟

حسین نواز: دیکھیے جی، عقل مند کے لئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے ہمیں اس وقت پتا چل گیا تھا کہ ٹیک اوور ہو رہا ہے جس وقت انہوں نے کچھ لوگ ٹی وی سٹیشن پر خبر نہ چلانے کے لئے بھیجے تھے۔ ظاہر ہے یہ بات اس وقت پتا لگ گئی تھی۔

اس وقت افسوس نہیں ہوا کہ یہ غلط فیصلہ ہو گیا یا کچھ معاملہ خراب ہو گیا ہے؟

حسین نواز: دیکھیے جی، اس وقت افسوس کا تو مقام ہی نہیں تھا۔ بات یہ ہے کہ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا کہ جو کچھ نذیر ناجی صاحب نے لکھا تھا، وہ باتیں بنیادی طور پر درست تھیں۔ اگرچہ فوج کا نام خود انہوں نے بھی نہیں لیا تھا لیکن وہ تمام اشارے فوج کی طرف سے تھے اور میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یہ چند جرنیل ہیں جن کی وجہ سے خمیازہ اس ادارے کو اور ان لوگوں کو بھگتنا پڑتا ہے جو

اپنی جان کے نذرانے پیش کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ ہونا ہی تھا۔

اس دوران کیا ہوتا رہا فوج کے آنے سے پہلے تک آپ سب لوگ بیٹھے ہوئے کیا کرتے رہے؟

حسین نواز: مختلف خبریں آتی رہیں، اس اثناء میں سارا وقت اکھٹے تو نہیں بیٹھے رہے تھے۔ میں تو وہیں پر مختلف کمروں کے اندر گھومتا رہا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہاں پر محترم جنرل محمد اکرم صاحب ہیں یا جنرل ضیاء الدین صاحب ہیں۔ یہ مختلف ٹیلی فون کرتے رہے۔ انہوں نے ایک اور جنرل صاحب کو بھی فون کیا کہ آپ تشریف لے آئیں۔ جب وہ تشریف لائے تو اس وقت پرائم منسٹر ہاؤس کی گارڈ نے ٹیک اوور کرلیا ہوا تھا۔

کون سے جنرل صاحب تھے؟

حسین نواز: جنرل سلیم حیدر صاحب تھے وہ بھی تشریف لے آئے تھے ان کو بھی فوج نے گیٹ سے اندر نہ آنے دیا تو وہ وہاں سے واپس چلے گئے۔ میں تو مختلف جگہوں پر گھومتا رہا جس وقت انہوں نے ہم لوگوں کو وزیر اعظم کے رہائشی کمپاؤنڈ میں بھیج دیا، پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا، اس کا میں چشم دید گواہ ہوں۔

کچھ بھاگ بھی گئے

کیا ہوا تھا؟

حسین نواز: یہی ہوا تھا کہ جب سب کو وہاں پر بھیج دیا گیا، وہاں پر کچھ ایسے لوگ بھی آئے جنہوں نے کہا کہ ہم آپ کو اس وقت اکیلا نہیں چھوڑیں گے میں نے یہ بھی دیکھا کہ اس میں سے کئی لوگ فوراً وہاں سے بھاگ گئے میں ان کا نام نہیں بتاؤں گا۔

اچھا تو رہائشی حصہ میں سارے لوگ چلے گئے یا کچھ لوگ گئے تھے؟

حسین نواز: رہائشی حصے میں سب لوگ چلے گئے حتیٰ کہ سیف الرحمٰن صاحب کو بھی وہاں پر بھیج دیا گیا محترم چوہدری نثار صاحب اس اثناء میں غائب ہو چکے تھے۔ وہ 6 بجے تک وہاں پر موجود تھے لیکن اس کے بعد چوہدری نثار صاحب کا کوئی پتا نہیں تھا۔

کیا چودھری نثار علی پرائم منسٹر ہاؤس سے گرفتار ہوئے؟

حسین نواز: میرے علم میں یہ بات نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد وہ ہمارے سامنے نہیں آئے۔

شہباز شریف کی جرأت

کیا میاں شہباز شریف بھی آپ کے ساتھ رہائشی حصے میں تھے؟

حسین نواز: جی، میاں شہباز شریف بھی رہائشی حصے کی جانب چلے گئے۔ میں یہ کہوں گا کہ انہوں نے وہاں بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا خاص طور پر جب جرنیل وہاں پر آئے تھے تو میں نے دیکھا کہ وہ بہت حوصلے میں تھے۔ اس کے بعد میں آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ اس قید کے دوران جس کو آپ وحشیانہ دور کی یادگار کہیں گے، میرے والد صاحب کی مجھ تک کوئی خبر ہی نہیں پہنچنے دی، لیکن میاں شہباز شریف کے بارے میں سنا کہ انہوں نے کافی جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔

وزیراعظم ہاؤس میں قید

کیا جرنیلوں کے آنے پر میاں شہباز شریف مشتعل ہو گئے تھے؟

حسین نواز: جی میں آپ کو بتاؤں گا جب وقت آئے گا لیکن فی الحال میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ رہائشی حصے میں سیف الرحمٰن صاحب، ان کے بھائی مجیب الرحمٰن صاحب اور اس کے علاوہ وہاں میں خود تھا۔ شہباز صاحب کے کچھ سٹاف آفیسرز تھے جو اس وقت وہاں پر ہمارے ساتھ موجود تھے۔ بریگیڈیئر جاوید بھی وہاں پر موجود تھے۔ اس کے علاوہ سارے تھے۔ میاں صاحب بھی وہاں پر تھے۔ وہاں پر مختلف معاملات چلتے رہے۔ ایسے اس وقت جو ہمارے سیکرٹری فارن افیئرز تھے، ان کا فون آیا اور انہوں نے میاں صاحب سے کہا کہ میرے لائق کوئی حکم ہو تو بتائیں۔ ان کو پتا تو لگ گیا تھا لیکن یہ کافی جرأت کا کام ہے کہ اس وقت فون کر کے کہنا کہ میاں صاحب میرے لائق کوئی حکم ہو تو بتائیں۔ پھر اس کے بعد اس دوران سی این این بھی چل رہا تھا ہم وہ بھی دیکھ رہے تھے۔ اس وقت انہوں نے رپورٹنگ شروع کر دی تھی کہ جی پاکستان میں ملٹری ٹیک اوور ہو گیا ہے۔ پھر میرا خیال ہے کہ انہوں نے ہمیں تقریباً دو گھنٹے وزیراعظم ہاؤس کے لاؤنج میں محبوس رکھا۔ یہاں تک کہ جو باہر ڈرائنگ روم تھا، وہاں پر بھی ہمیں نہیں آنے دیا، وہاں تک فوج تھی۔ اس وقت تو بریگیڈیئر جاوید صاحب وقتاً فوقتاً آ کر صورتحال سے آگاہ کر رہے تھے۔ کہ یہ صورتحال ہے کہ وہ اس وقت ٹیک اوور کر چکے ہوئے ہیں۔ اس اثناء میں کسی نے یہ بھی کہا کہ یہاں پر تھوڑی دیر پہلے ہیلی کاپٹر آ گئے ہیں اگر کسی نے نکلنا ہو تو میرے

والد صاحب نے مسکرا کر کہا کہ بھاگ کر جانا ہے تو کہاں جائیں گے۔

آپ کے والد صاحب نے آپ کو کہا کہ آپ چلے جائیں؟

حسین نواز: جی، مجھے انہوں نے کہا تھا کہ آپ یہاں سے چلے جاؤ۔

کس وقت کہا تھا؟

حسین نواز: مجھے انہوں نے اس وقت کہا جس وقت انہوں نے اپنے ملٹری سیکرٹری سے کہا کہ آپ جا کر ٹی وی سٹیشن میں انہیں روکیں، اس وقت انہوں نے مجھے کہا کہ تم نکل جاؤ۔ میں نے کہا جی کہ گستاخی معاف آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن اب مناسب نہیں ہے۔

پھر کیا کہا تھا انہوں نے؟

حسین نواز: انہوں نے مجھے پہلے کہا کہ تم مری چلے جاؤ پھر فرمایا کہ تم چوہدری شجاعت کے گھر چلے جاؤ پھر کہا تم نکل جاؤ۔ میں نے کہا کہ اس وقت آپ کو چھوڑ کر جانا غیر مناسب ہے۔

کیا یہ ڈر بھی تھا کہ فوج والے ہلاک بھی کر سکتے ہیں کچھ بھی کر سکتے ہیں؟

حسین نواز: ڈر تو نہیں تھا جی۔ بات یہ ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ کسی کو کوئی پتا نہیں کہ آج اگر آپ جہاز میں بیٹھ کر کسی دوسری جگہ پر جائیں، وہ جہاز وہاں پہنچے یا نہ پہنچے۔ تو جو شخص یہ سوچ لیتا ہے کہ یہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے تو کوئی ڈر نہیں ہوتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ ایک حصہ یعنی انسان کا دل آپ کو گواہی دیتا ہے کہ انشاء اللہ یہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تو یہی تھا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

قید کے ابتدائی دن

- جنرل محمود اور علی جان اورکزئی مسلح کمانڈوز کے ساتھ وزیر اعظم ہاؤس آئے۔
- جنرل محمود نے بریگیڈئر جاوید ملک کے پیٹ میں چھڑی ماری
- جنرل محمود نے کہا فون بند کر دیں والد صاحب نے فون جاری رکھا
- جنرل محمود جارحانہ موڈ میں اندر آئے اور کہا آپ نے یہ کام کیوں کیا
- جنرل محمود کی جہانگیر کرامت سے چپقلش تھی ان کو ہٹانے پر وہ نواز شریف کے احسان مند تھے۔
- جنرل محمود نے کہا کہ میں جائے نماز پر کھڑا ہو کر دعا کرتا رہا کہ خدا یہ وقت نہ لائے
- جنرل محمود نے والد صاحب سے مشرف کی برطرفی کا نوٹیفکیشن واپس لینے کی بات کی
- ایک صاحب نے کہا کہ نوٹیفکیشن پر بات ہو سکتی ہے والد نے کہا ایسا ممکن نہیں

جنرلوں کی آمد

پھر آخر کار فوج کے جرنیل وزیر اعظم ہاؤس میں آ گئے؟

حسین نواز: جی، فوج کے جنرل وہاں پر کافی لیٹ آئے تھے وزیر اعظم ہاؤس میں صرف جنرل محمود اور میجر جنرل علی جان اورکزئی آئے تھے۔ ان کے ساتھ کرنل شاہد جو کہ پرائم منسٹر ہاؤس کی سکیورٹی کے انچارج تھے وہ اندر آئے۔ اس وقت جنرل محمود جب پرائم منسٹر ہاؤس کے رہائشی کمپاؤنڈ میں آئے۔ تو تقریباً ان کے ساتھ 30,25 کمانڈو تھے جنہوں نے اپنی بندوقیں اور سٹین گنیں تانی ہوئیں تھیں اور ان کے رخ ہماری طرف تھے۔ ہم سب بیٹھے ہوئے تھے۔ سیف الرحمٰن صاحب، مجیب الرحمٰن صاحب، میں، میرے والد صاحب، چچا سب تھے۔ آنے سے پہلے جنرل محمود نے بریگیڈیئر جاوید ملک کے پیٹ میں اپنی

چھڑی ماری۔

ملٹری سیکرٹری پر تشدد

کیوں؟

حسین نواز: اس وجہ سے کہ تم نے جرنیلوں کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔ تم نے ایک سویلین وزیر اعظم کا ساتھ دیا ہے تو اس وجہ سے وہاں پر بریگیڈیئر جاوید نے کہا کہ جنرل! یہ انڈیا نہیں بلکہ آپ کا اپنا پرائم منسٹر ہاؤس ہے اور یہ آپ کا اپنا منتخب کردہ وزیر اعظم ہے۔ لہٰذا تمیز سے پیش آئیں۔ ان کے پیچھے جو کمانڈو تھے، انہوں نے ان کو بندوق کے بٹوں سے مارا، بریگیڈیئر جاوید ملک وردی میں ملبوس تھے۔ ان کو انہوں نے باقاعدہ مارا۔ اس کے بعد ان کو لے گئے پھر اس کے بعد جب وہاں پر آئے تو میرے والد صاحب کسی سے گفتگو کر رہے تھے۔ کارڈلیس فون سے گفتگو کر رہے تھے، اب مجھے یہ معلوم نہیں کہ کس سے گفتگو کر رہے تھے۔

مشہور ہے کہ میاں نواز شریف نے اس وقت سعودی پرنس عبداللہ سے ٹیلی فون پر بات کی تھی؟

حسین نواز: نہیں، بالکل غلط بات ہے کوئی بیرون ملک کال اس وقت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس وجہ سے کہ پرائم منسٹر ہاؤس کا ٹیلی فون ایکسچینج بھی ٹیک اوور کر لیا گیا تھا آپ کو پتا ہے کہ ہماری افواج ان معاملات میں بڑی فعال ہے۔ تو کور آف انجینئرز پہلے ہی ٹیک اوور کر چکی ہوئی تھی۔ بہر حال پرنس عبداللہ کیا، کسی سے بھی انہوں نے بات نہیں کی۔ اور کیا بات کرتے، چادر اٹھاؤ تو پیٹ اپنا ہی ننگا ہوتا ہے۔ یہ کیا کہتے کہ ہماری اپنی آرمی نے ہمیں ٹیک اوور کر لیا ہے میں آپ سے یہ عرض کروں کہ اس وقت کمرے کے اندر آتے ہی جنرل محمود نے کہا کہ میری آپ سے گزارش ہے کہ اس فون کو استعمال نہ کریں۔ یہی الفاظ تھے تو میرے والد صاحب نے اس کی بات نہیں سنی انہوں نے اپنی بات مکمل کی اور اس کے بعد انہوں نے فون رکھا۔ جنرل محمود انتہائی جارحانہ موڈ میں آئے تھے۔ اس کے بعد وہ سامنے آ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں اور ان کے پیچھے کمانڈوز ہماری طرف بندوقیں تانے کھڑے رہے۔ جنرل محمود صاحب نے پوچھا کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا؟ یہ وزیر اعظم سے انہوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا (جنرل پرویز مشرف کو ہٹانے کا کام) اور انتہائی بدتمیزی کے لہجے میں پوچھا۔ بدتمیزی تو خیر میں نہیں کہوں گا لیکن جارحانہ انداز میں پوچھا۔ وزیر اعظم نے کہا کہ یہ میرا آئینی حق تھا۔

اور آپ کو یہ پوچھنے کا کوئی حق نہیں کہ میں نے یہ کیوں کیا جنرل محمود نے وہاں پر اس وقت کہا کہ میں نے جائے نماز پر کھڑے ہو کر آپ (یعنی میاں صاحب) کے لئے دعائیں کیں تھیں کہ یہ وقت ہمیں نہ دیکھنا پڑے۔ یہ جنرل محمود نے کہا تھا۔ کہ میں نے جائے نماز پر بیٹھ کر دعا کی تھی کہ ہم لوگوں کو یہ وقت نہ دیکھنا پڑے۔ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔ لیکن مجھے بعد میں میرے چچا شہباز شریف صاحب نے بتایا کہ جنرل جہانگیر کرامت کی جنرل محمود سے کچھ چپقلش تھی۔ جس وقت جنرل جہانگیر کرامت نے استعفیٰ دیا۔ اس وقت جنرل محمود کے معاملات کافی خراب چل رہے تھے جب جنرل پرویز مشرف کو چیف آف آرمی سٹاف بنایا گیا تو اس وقت جنرل محمود کی جان میں جان آئی تھی۔

جنرل محمود پر نواز شریف کا احسان

کیا جنرل محمود، میاں نواز شریف کے احسان مند تھے؟

حسین نواز: ہاں بالواسطہ طور پر آپ کہہ سکتے ہیں، انہوں نے کہا کہ جائے نماز پر کھڑے ہو کر آپ کے لئے دعا کی کہ آپ پر یہ وقت نہ آئے یہی بحث میرے سامنے ہوئی کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا۔ تو میرے والد نے کہا کہ آپ نے میرے کام میں مداخلت کم تو نہیں کی۔ آپ لوگوں نے ہم لوگوں کو بڑا خوار کیا۔ جنرل محمود تو خود بھی اس وقت کور کمانڈر تھے جس وقت کارگل کی جنگ ہوئی، یعنی کہ سارے معاملے کے ذمہ داروں میں سے ایک ذمہ دار وہ تھے۔ ان سے یہی بحث چلتی رہی۔ اس میں آخر کار میرے والد صاحب نے کہا کہ آپ لوگوں نے ٹیک اوور کر لیا ہے تو اب جو کرنا ہے، آپ کریں۔ (جنرل محمود) نے اس وقت کہا کہ سر نہیں ہم اب بھی آپ کی عزت کرتے ہیں۔ یہ اس کے آخری الفاظ تھے۔ اس دوران جنرل محمود نے ایک اور بات کہی کہ میں یہاں پر اس لئے آیا ہوں کہ میں آپ سے کہوں کہ یہ نوٹیفکیشن واپس لے لیں جو کہ آپ نے جنرل مشرف کو فارغ کرنے کے بارے میں کیا ہے۔ تو میرے والد صاحب نے کہا یہ تو نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہ اگر آپ یہ نہیں کریں گے تو میں پھر ملٹری فورس استعمال کروں گا۔ تو انہوں نے کہ ٹھیک ہے آپ نے جو کرنا ہے، آپ کریں۔ اشارہ اس طرف تھا کہ اگر آپکا مارنے کا ارادہ ہے تو پھر بندوق چلائیں۔ تو اس وقت جنرل محمود نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ہم آپ کی آج بھی عزت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو چلنا ہوگا۔ پھر وہ ان سب کو لے گئے میں نے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کی تو جنرل علی جان اور کزئی نے مجھے کہا کہ بیٹے آپ ادھر ہی رکیں۔

اور کیا ہوا؟

کیا وہیں پر بات ہوئی نا کہ آپ اسمبلی کو تحلیل کرنے کے آرڈر پر دستخط کر دیں؟

حسین نواز: نہیں، وہاں پر یہ بات نہیں ہوئی، یہ بات بعد میں ہوئی ہے جو میں نے اپنے والد صاحب کی زبانی سنا ہے، ان کو وہاں سے کور ہیڈ کوارٹر میس لے جایا گیا تھا جہاں پر ان کو تنہائی میں قید کر دیا گیا تھا اور وہاں پر رات کو جنرل محمود، جنرل اورکزئی اور جنرل احسان وہی تین لوگ آئے تھے، اور اس وقت انہوں نے ان سے کہا تھا کہ آپ اسمبلی کی تحلیل پر دستخط کر دیں اس وقت تو وہ کہتے تھے کہ آپ نوٹیفکیشن واپس کریں۔ میں نام نہیں لوں گا ان صاحب کا لیکن وہاں پر ایک ایسے صاحب بھی تھے کہ اس اثناء میں ایک سیکنڈ کے لئے جنرل محمود اٹھ کر گئے تو وہ صاحب وہاں پر کہنے لگے کہ اس بات پر بات ہو سکتی ہے لیکن وزیر اعظم صاحب نے سختی سے منع کر دیا کہ آپ اس معاملے پر بات ہی نہ کریں کہ یہ کام اب ہم نے نہیں کرنا ہے، اب جو یہ کرنے آئے ہیں، آپ انہیں کرنے دیں، ہاں اس میں ساتھ ہی جنرل محمود نے شہباز صاحب کو مخاطب کر کے کہا آپ نے تو کہا تھا کہ ہم جنرل مشرف کو فارغ نہیں کریں گے تو شہباز صاحب نے آگے سے جواب دیا کہ جن حالات میں میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ کو فارغ نہیں کریں گے، وہ حالات اب نہیں رہے۔ آپ نے سیاسی طور پر بہت زیادہ مداخلت شروع کر دی ہے، اب وہ پرانی بات نہیں رہی۔ آپ اس وقت وزیر اعظم کی اتھارٹی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں آپ نے وزیر اعظم کو یہ کام کرنے کے لئے مجبور کیا ہے جب میں نے آپ سے یہ کہا تھا کہ جنرل مشرف کو فارغ نہیں کریں گے تو اس میں شرط تھی کہ آپ بھی ساتھ ساتھ تعاون کریں گے۔ یہاں تک کہ اسی وجہ سے ہم نے چیئر مین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی جنرل مشرف کو بنایا لیکن اس کے باوجود بھی ان کا خدشہ تھا کہ یہ نہ ہو کہ کسی وقت بھی ان کو اوپر بھیج دیا جائے اور نیچے کسی اور کو لے آیا جائے۔ تو یہ صورتحال تھی۔

ہمارے ساتھ کیا گزری؟

پھر آپ کے ساتھ کیا ہوا؟

حسین نواز: جی، مجھے وہیں وزیر اعظم ہاؤس میں رہنے دیا گیا میرے ساتھ اور لوگ بھی وزیر اعظم ہاؤس میں تھے۔ وہاں پر کچھ بیورو کریٹ تھے، کچھ سیکورٹی کے لوگ تھے جو وہاں سٹاف تھا، وہ تھے، نذیر ناجی صاحب تھے۔ کچھ میاں شہباز شریف کا سٹاف بھی وہاں پر تھا، انہوں نے بڑے عجیب حالات میں ہمیں

وہاں پر رکھا مجھے تو خیر انہوں نے وزیر اعظم ہاؤس کے رہائشی کمپاؤنڈ میں جانے کی اجازت دے دی لیکن باقی جو لوگ تھے، ان کے ساتھ انہوں نے بڑی زیادتی کی ان کے لئے نہ تو کوئی رہنے کی جگہ تھی، وہ زمین پر وہاں سوتے تھے۔ انہیں ایک ہی کمرہ مختص کیا گیا تھا جو کہ قمر الزماں کا آفس تھا جو کہ پرائیویٹ سیکرٹری تھے اس میں رہتے تھے، نہ کوئی نہانے کی جگہ تھی، نہ بدلنے کے لئے کوئی کپڑے مہیا کیے گئے تھے، خاص طور پر وہ لوگ بھی جو لاہور سے آئے تھے اور شہباز شریف کے ساتھ انہی کو واپس چلے جانا تھا، ان کو دس بارہ دن تک کپڑے بھی نہیں دیئے گئے وہ زمین پر اس کمرے میں سوتے تھے کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں کیا، الحمدللہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میرے پاس کچھ پیسے تھے جو میں نے پرائم منسٹر ہاؤس کے خانساموں کو دے دیئے تا کہ وہ کھانا تو پکاتے رہیں اس طرح سب لوگوں کو کھانا مہیا ہوتا رہا۔ ورنہ تو ان کے لئے کھانے کا بندوبست بھی نہیں تھا۔ وہاں راہداریوں میں ہر جگہ پر فوج تھی۔ اور آپ یقین جانیے کہ میرا وزیر اعظم ہاؤس میں کچھ زیادہ آنا جانا نہیں تھا۔ میں جب ان راہداریوں کو دیکھتا تھا تو میں بہت متفکر ہو گیا تھا اس وجہ سے کہ ایک فضول سی جگہ کے لئے، میں معافی چاہتا ہوں یہ لفظ استعمال کرنے کے لئے، یہ لوگ ایسے ہیں کہ نہ ان کو اپنی آخرت کا خیال آتا ہے کہ ایک دن جا کر ہمیں خدا کا سامنا کرنا ہے، نہ انہیں 16 کروڑ عوام کا خیال آتا ہے جو کہ اتنے زیادہ ملکی وسائل ہوتے ہوئے بھی آج بھی کسمپرسی کا شکار رہے، نہ ان لوگوں کو سرزمین پاکستان کا خیال آتا ہے، نہ ان کو بانیان پاکستان کے نظریے کا خیال آتا ہے اور نہ ان کو پاکستان کی سٹریٹجک (Strategic) اہمیت اور امت مسلمہ کا خیال آتا ہے۔

صنم بھٹو نے اپنے ایک انٹرویو میں وزیر اعظم ہاؤس کو قید خانہ قرار دیا تھا کیا آپ کو بھی وزیر اعظم ہاؤس قید خانہ لگا؟

حسین نواز: میرے لئے تو وزیر اعظم ہاؤس ہمیشہ ہی سے قید خانہ تھا مجھے تو کبھی شوق نہیں تھا وہاں جانے کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے ان سب چیزوں کی اصل حقیقت دیکھی ہوتی ہے اور انہیں اصلیت کا پتا ہو تو آپ یقین جانئے کہ پھر ان باتوں میں گلیمر نہیں رہتا۔

وزیر اعظم ہاؤس سے فوجی میس تک

پھر آپ کو PM ہاؤس کتنے دن رکھا گیا؟

حسین نواز: میرا خیال ہے کہ مجھے 23 سے 24 اکتوبر کی درمیانی رات وہاں سے نکالا گیا۔ بلکہ میں آپ

کو بتا تا ہوں کہ اس رات کو جب (Coup) ہوئی، وہاں پر ایک فوجی میجر تھا جو کہ صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والا پٹھان تھا۔ اس نے آ کر میرے ساتھ اظہار ہمدردی کیا، تو میں نے کہا کہ آپ کی ہمدردی کا بہت شکریہ لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ انشاء اللہ بہت جلد بہتری آ جائے گی۔ ملکوں کی تاریخ میں 16 ماہ تو کوئی معنی نہیں رکھتے ہیں۔ اگر چہ ہمارے لئے تو کافی زیادہ معنی رکھتے ہیں لیکن ملکوں کی تاریخ میں معنی نہیں رکھتے۔ میں نے اس کو کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے کیونکہ ہم نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ تو آپ دیکھیں گے خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مجھے جس طرح سے بند کیا گیا تھا، اسی طرح سے رہا کیا گیا تھا۔ اس میں عدلیہ کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ جو فوجی مجھے لینے کے لئے آیا وہ وہی میجر تھا (مسکراتے ہوئے) تو میں نے اسے مسکرا پوچھا کہ پھر کیا کہتے ہیں؟ تو وہ بھی مسکرا دیا کہ جی صحیح کہا تھا آپ نے اس کے بعد وہی مجھے والد صاحب کے پاس لے کر گیا، انہوں نے ہی جا کر ہمیں ایئر پورٹ چھوڑا جہاں پر ہمیں ایک خاص طیارے کے ذریعے یہاں پر لایا گیا۔ میں آپ سے اس ضمن میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ الحمدللہ یہ سب میرے رب کی ہی دین ہوتی ہے تو انہوں نے 23 اور 24 اکتوبر کی درمیانی رات کو چھوڑا۔ اس اثناء میں نہ ہمیں کسی چیز سے باخبر رکھا گیا اور نہ ہی کچھ وہاں بتایا گیا۔ انہوں نے رات کو اڑھائی بجے مجھے کہا کہ جی آپ تیار ہو جائیں۔ میرے پاس کوئی سامان بھی نہیں تھا۔ کپڑے بھی نہیں تھے۔ صرف دو تین جوڑے تھے۔ کیونکہ میں اسلام آباد آیا ہی دو تین روز کے لئے تھا۔ رات کو مجھے وزیر اعظم ہاؤس سے اس طریقے سے لے جایا گیا جس طرح کوئی بہت بڑا دہشت گرد ہوتا ہے ایک گاڑی آگے اور ایک گاڑی پیچھے، درمیانی گاڑی میں میں تھا۔ میرے آگے دو مسلح لوگ تھے۔ میرے دائیں جانب ایک کرنل اور بائیں جانب ایک کرنل صاحب بیٹھے تھے۔ تھوڑا سا آگے جا کر انہوں نے میری آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھی۔ میں نے پوچھا کہ کہاں لے جا رہے ہیں تو کہنے لگے کہ بتا تا ہوں آپ کو ابھی۔ لیکن احساس تو مجھے ہو رہا تھا کہ کہاں لے جا رہے ہیں۔ وہاں سے مجھے کور ہیڈ کوارٹر میس لے کر گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے اس وقت آنکھوں سے پٹی کھولی جس وقت وہ مجھے ایک کمرے میں لے جا کر بٹھا چکے تھے۔ میرے پاس میرا بریف کیس تھا۔ حالانکہ اس وقت تلاشی لی جا چکی تھی۔ انہوں نے دوبارہ اس کی تلاشی لی۔ میری پٹی کھولی تو انہوں نے پھر کہا کہ آپ اس کمرے سے باہر نہیں نکل سکتے ہیں۔ پھر جیسے آپ کہتے ہیں کہ قید تنہائی یا وحشیانہ دور کا سلسلہ شروع ہوا جس وقت ہمارے پاس کیپٹن رینک کے فوجی آفسر آتے تھے، ایک نہیں بلکہ ہمیشہ دو یا تین آتے تھے تا کہ کوئی ایک ہم سے خفیہ بات نہ کرے، اس کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ انہوں نے کہا اگر آپ نے واک کرنی ہے، تو اس کمرے میں آپ واک کریں، کوئی ٹی وی نہیں، کوئی اخبار نہیں، کوئی

ٹیلی فون نہیں، کچھ نہیں۔ صرف میں تھا یا اللہ تعالیٰ کی ذات وہاں تھی، کمروں کے باہر انہوں نے Grills لگا دی تھیں۔ کبھی کھڑکی کے باہر میں دیکھتا تو اس کے باہر دیوار تھی اور اس دیوار کے درمیان ایک مسلح فوجی ہوتا تھا، اور میں جیسے ہی کھڑکی کے باہر دیکھتا تو وہ اپنی بندوق کا رخ میری طرف کر لیتا تھا۔ گویا مجھے ڈرا رہا ہے۔ پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ جب ان کی ڈیوٹی تبدیل ہو رہی ہوتی تو کچھ دل میں ہمدردی رکھنے والے فوجی بھی تھے۔ میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک فوجی تھا جو مجھے دیکھ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا لیتا تھا یا دور سے مجھے دیکھ کر اشارے کر کے پوچھتا تھا کہ تم یہاں پر ٹھیک ہو؟ اس کے علاوہ اور بھی دو تین فوجی تھے جنہوں نے مجھے اس طرح تسلی دینے کی کوشش کی یا اظہار ہمدردی کیا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

گورنر ہاؤس میں قید

- والد کی کھانسی سے علم ہوا وہ بھی میرے ساتھ ہی قید ہیں
- والد کو کراچی لے جانے لگے تو ان کو باقاعدہ خدا حافظ کہا
- مجھے اعصابی طور پر کمزور کرنے کے لئے تشدد آمیز ٹیپ چلائے گئے
- سخت سردی میں رات گئے مجھ سے بیرون ملک اثاثے پوچھے جاتے رہے۔
- ایک فوجی افسر نے دھمکی دی تمہارا قرآن پاک چھین لیا جائے گا۔

فوجی میس سے گورنر ہاؤس مری منتقلی

فوجی میس میں کتنا عرصہ رکھا گیا؟

حسین نواز: مجھے انہوں نے 11 نومبر تک وہاں رکھا جس کے بعد مجھے گورنر ہاؤس مری لے جایا گیا۔

اس دوران آپ سے کیا پوچھا جاتا تھا؟

حسین نواز: وہاں پر انہوں نے کافی پوچھ گچھ کی، بلکہ ایک روز تو مجھے یاد ہے کہ ایک شام 7 بجے انہوں نے پوچھ گچھ کی تو پندرہ منٹ کی بریک لی، پھر اس کے بعد مسلسل رات ایک ڈیڑھ بجے تک میرے ساتھ پوچھ گچھ کرتے رہے، شروع شروع میں انہوں نے جنرل مشرف کی برطرفی کے سلسلے میں سوالات کیے، مختلف طرح کے کہ کیا احوال تھے، کیا حالات تھے، مجھ سے مختلف سوالات پوچھے گئے، طیارے کے اوپر انہوں نے ایک سٹوری پھیلائی تھی کہ طیارے کو میاں صاحب نے تباہ کرنے کی کوشش کی استغفراللہ۔ حالانکہ میں جب جیل میں تھا تو میرے ساتھ ایئر مارشل سید وقار عظیم صاحب موجود تھے تو انہوں نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ اگر ایسی بات تھی تو کراچی میں فیصل ایئر بیس اور مسرور ایئر بیس

بھی موجود ہیں وہاں پر ان کا جہاز کیوں نہیں اترا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد ہے اور میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک دفعہ ایئر انڈیا کا طیارہ تھا جس نے مسرور ایئر بیس پر ایمر جنسی لینڈنگ کی تو وہ کہتے ہیں کہ یہ مسرور ایئر بیس پر اتر جائے، ایمر جنسی کا اعلان کرتے وہاں اتر سکتے تھے ان کو کون روک سکتا تھا۔ چلیں کراچی ایئر پورٹ پر تو رکاوٹیں کھڑی کر دی تھیں اور وہاں پر ان کی لینڈنگ بند کر دی تھی تو مسرور ایئر بیس پر کس نے ان کو روکا تھا۔ اس سلسلے میں فوجی افسر مجھ سے سوالات پوچھتے رہے اور میں سچائی سے کام لیتا رہا میں نے ان کو سب کچھ سچ بتایا۔

میاں نواز شریف صاحب بھی اس وقت اسی میس میں تھے؟

حسین نواز: جی ہاں، وہ اسی میس میں تھے۔

آپ کے ساتھ ان کا رابطہ رہتا تھا؟

حسین نواز: جی نہیں، لیکن پتا مجھے لگ گیا تھا میں آپ کو بتاؤں کہ کس طرح پتا لگا تھا، وہاں پر سائیڈ پر کچھ کمرے تھے اور میں نے وہاں کھڑکی میں سے ایک دن دیکھا جس کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں تھی، نظر آتا تھا کہ جس طریقے سے مجھے کھانا دینے کے لئے وہ آتے تھے تو ایک بیرا ہوتا تھا جس نے کھانے کی ٹرے اٹھائی ہوتی تھی اور اس کے ساتھ دو تین افسر ہوتے تھے، اس طرح اس طرف بھی میں نے ان کو کچھ کھانا وغیرہ لے جاتے ہوئے دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہاں پر کچھ لوگ موجود ہیں۔ بعد ازاں مجھے پتہ چلا کہ میرے والد صاحب وہاں پر تھے۔ لیکن ایک چھٹی حس کہتی ہے نا کہ تمہیں بھی وہاں رکھا گیا ہے جہاں تمہارے والد کو رکھا گیا تھا اس طرح مجھے معلوم ہوا۔

پھر وہاں سے آپ کو گورنر ہاؤس مری لے گئے؟

حسین نواز: جی مری لے گئے۔

مری میں ہی آپ کو پتا چل گیا کہ میاں نواز شریف صاحب یہیں ہیں؟

حسین نواز: مری میں ہی مجھے پتا چل گیا تھا۔ جس روز مجھے وہ لے کر گئے تھے، اسی روز مجھے پتا چل گیا کہ میاں صاحب یہاں پر ہیں، وہ اس طرح کہ وہاں جس کمرے میں مجھے رکھا گیا، اس کمرے کے غسل خانے میں جو کھڑکی کھلتی تھی، انہوں نے اس کھڑکی کے آگے کاغذ لگائے ہوئے تھے تاکہ لوگ باہر نہ دیکھیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے تو میں نے اس روز ذرا جھانک کر دیکھا کہ کئی گاڑیاں وہاں آ کر رکی ہیں

اس میں میں نے دیکھا کہ میرے والد صاحب کو فوجیوں کے گھیرے میں لایا جا رہا ہے پھر اس کے بعد مجھے کئی دفعہ ان کے کھانسنے کی آواز آتی تھی۔ کیونکہ انہیں میرے قریب کمرہ دیا گیا تھا۔ پھر اس کے بعد میں کئی دفعہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا تو میرے والد صاحب کو آواز چلی جاتی تھی وہ وہاں سے جان بوجھ کر کھنکارتے تھے۔ بعد ازاں لوگوں کو بھی پتا لگ گیا کہ ایسی بات ہے۔اس کے بعد جس وقت میرے والد صاحب کو وہاں سے کراچی لے جایا جا رہا تھا۔تو اس وقت میں کھڑکی میں کھڑا تھا اور مجھے دور سے نظر آیا تو میرے والد صاحب نے مجھے کہا کہ اللہ حافظ۔ یہ اس وقت آخری الفاظ تھے۔

پہلی بار والد کی جھلک نظر آئی

انہوں نے آپ کو دیکھ لیا تھا؟

حسین نواز: مجھے انہوں نے دیکھ لیا تھا اور مجھے اللہ حافظ کہا تھا تو میں نے بھی اللہ حافظ کہا۔ پھر میرا خیال ہے کہ شاید ان لوگوں میں انسانیت کی رگ پھڑکی جو وہاں پر ہمارے صیاد تھے۔ کیونکہ انہوں نے پھر اس کے بعد زبردستی کھڑکی بند نہیں کروائی۔ میں نے دیکھا کہ نیچے گاڑیاں کھڑی ہوئیں تھیں۔ ٹویوٹا کرولا نیلے رنگ کی تھی جس کے شیشے کالے کیے ہوئے تھے، تو اس میں جا کر انہوں نے میرے والد صاحب کو بٹھالیا میں نے دیکھا کہ انہوں نے جانے سے پہلے سب سے ہاتھ ملایا اور پھر وہ ان کو گاڑی میں بٹھا کر لے گئے۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو رہا کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہر موقع پر حفاظت فرمائے۔ یہ وہ آخری منظر تھا جو دیکھا اس کے بعد میں آپ کو مزے کی بات بتاتا ہوں کہ اس کے چند دن بعد جب میاں شہباز شریف صاب کو وہاں لے کر جا رہے تھے، شہباز صاحب آپ کو پتا ہے کہ جرأت مند انسان ہیں، مجھے کسی نے بتا دیا تھا کہ وہاں سے شہباز شریف صاحب کو لے جا رہے ہیں۔ تو اس دن میں نے دھڑلے سے دروازہ کھولا۔ میں نے شہباز صاحب کو آواز دی اور کہا کہ میں یہاں ہوں۔ میں نے کہا کہ السلام علیکم، میں یہاں پر ہوں تو انہوں نے کہا وعلیکم السلام، تم یہاں پر اطمینان سے رہنا، تم حوصلہ سے رہنا، سب ٹھیک ہو جائے گا میری وہاں گھر پر بات ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ گھر پر الحمدللہ خیریت ہے۔ اور تمہارے والد صاحب بھی خیریت سے ہیں مجھے ان کے پاس لے کر جا رہے ہیں جو اس وقت کراچی میں ہیں اور تم ہمت اور حوصلہ سے رہنا تم یہاں پر ڈرنا مت۔ پھر اس کے بعد ہمارے درمیان دعائیہ کلمات کا بھی تبالہ ہوا۔ یہ کام اس وقت دھڑلے سے ہوا۔

میرے پاس کپڑے تک نہیں تھے

بات ہو رہی تھی کہ جب آپ گورنر ہاؤس مری میں تھے۔ تو آپ کو والد صاحب کی وہاں موجودگی کا پتا چل گیا تھا، آپ نے ان سے کپڑے کیسے منگوائے؟

حسین نواز: جی، اس طرح کہ جیسے میں نے آپ کو پہلے عرض کیا کہ میرے پاس صرف کل تین شلوار قمیض کے جوڑے تھے اور ایک سوٹ تھا وہ سوٹ کہاں گیا، مجھے آج نہیں پتا لگا وہ قمیض اور ٹائی میری کہاں گئی، مجھے آج تک نہیں پتا لگا (ہنستے ہوئے) وہ تین شلوار قمیض کے جوڑے اور ایک بکس اور ایک جوتوں کا جوڑا میرے پاس تھا۔ جب مجھے کور ہیڈ کوارٹر میس میں لینے کے لئے آئے، میں رات کو عموماً پاجامہ کرتا پہن کر سوتا ہوں، تو میں رات کے سونے کے لباس میں تھا۔ مجھے انہوں نے آکر کہا چلیں تو میں نے کہا میرے پاس تو کپڑے بھی نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا جی کہ کوئی پرواہ نہیں ہے۔ مجھے انہوں نے اسی طرح پکڑ کر گاڑی میں ڈالا گاڑی کے شیشے کالے تھے اور وہ گاڑی اندھیرے میں جا رہی تھی ایک بندہ میرے دائیں طرف اور ایک بائیں طرف تھا اور آگے دو مسلح بندے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے راستے میں ایک تشدد آمیز میوزک کی ٹیپ چلائی تو اس میں چیخوں کی آواز تھی، شاید وہ مجھے اعصابی طور پر کمزور کرنے کے لئے یہ قدم تھا، تو میں نے ان کو کہا کہ حیاء کرو۔ میں اس وقت درود پاک پڑھ رہا ہوں اور تم لوگ یہ لگا کر بیٹھے ہوئے ہو۔ تو اس پر کسی کو شرم آئی اور اس نے وہ تشدد آمیز میوزک بند کر دیا۔ میں درود پاک پڑھتا رہا۔ جس وقت ہم مری آئے تو میں جیسا کہ آپ کو عرض کیا ہے کہ ظاہر ہے نومبر کا مہینہ تھا اور مری میں بہت سخت سردی تھی اسلام آباد میں تو گزارا ہو سکتا ہے، لیکن مری میں گزارا نہیں ہو سکتا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہاں پر کمرے میں ایک ہیٹر تھا جو کہ صحیح کام نہیں کرتا تھا۔ وہاں کمرے میں بھی بہت سردی تھی تو وہاں نیچے جو گورنر ہاؤس میں سٹاف کی رہائش تھی، انہوں نے شیشوں پر کاغذ لگایا تھا تاکہ باہر نہ دیکھا جا سکے، ہمیں جمعہ کی نماز بھی کسی مسجد میں پڑھنے کی اجازت نہیں تھی وہاں مجھے سردی لگی تو وہاں ایک کرنل صاحب تھے جنہیں میں نے کہا جی کہ مجھے تو سردی محسوس ہو رہی ہے تو انہوں نے کہیں سے جا کر کوئی پرانا سا کسی کا سویٹر جو کہ دیکھنے میں یہ لگتا تھا کہ کسی فوجی جوان کا سویٹر ہے، وہ لا کر دے دیا۔ وہ خیر میں نے پہن لیا۔

کیا کمبل وغیرہ نہیں تھا؟

حسین نواز: وہاں پر کمبل تھا لیکن وہ اتنا بھاری تھا کہ انسان اوڑھ نہیں سکتا تھا رات کو اوڑھنے کے لئے کوئی

چادر یا ایسی کوئی چیز انہوں نے نہیں دی تھی۔ وہاں پر انہوں نے مجھے سویٹر لا کر دے دیا لیکن اس سویٹر میں بھی سردی محسوس ہوتی تھی کیونکہ نومبر کا مہینہ تھا اور ہیٹر ٹھیک کام نہیں کر رہا تھا۔ لیکن بہر حال وہاں تین دن میں نے پاجامہ کرتا ہی پہنے رکھا جو رات کو سونے کے لئے میں نے پہنا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے کپڑے تو بدلنے کے لئے دو۔ ایک دن ایک فوجی آیا تو اسے میں نے کہا کہ میرے والد صاحب کا کوئی شلوار قمیص لا دو تو مجھے اپنے مخصوص فوجی انگریزی سٹائل میں پوچھنے لگا کہ جی کہاں سے ہم آپ کے والد کے کپڑے لے کر آئیں تو میں نے طنزیہ انداز میں کہا مجھے نہیں پتا کہ تم کہاں سے لے کر آؤ گے۔ پھر اس کے بعد یہی ہوا کہ ایک آدھ دن کے بعد انہوں نے ایک جوڑا لا کر دیا جو میں پہچانتا تھا کہ وہ میرے والد کا جوڑا ہے۔ انہوں نے کہا یہ دیکھیں یہ آپ کو فٹ آتا ہے؟ مجھے معلوم تھا کہ مجھے فٹ آئے گا تو میں نے لے کر وہ پہن لیا۔ بعدازاں انہوں نے گھر سے کافی عرصہ کے بعد کپڑے منگوائے۔

سخت ترین حالات

تفتیش کی کچھ تفصیل بتائیں؟

حسین نواز: میں نے جس طرح عرض کیا کہ پہلے انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ وہ طیارہ کیس کیا تھا۔ مری میں بھی مختلف افراد طیارہ کیس کے اوپر مجھ سے سوال کرتے رہے۔ میں نے اس پر ان لوگوں کے ساتھ پورا تعاون کیا۔ پھر اس کے بعد جب وہ لوگ میرے والد صاحب کو وہاں سے لے گئے تو اس روز میرے پاس ایک کرنل آیا اور کہنے لگا اب تو تمہارے پاس نکلنے کا کوئی چانس نہیں ہے۔ فی الحال کوئی پتا نہیں کہ تم کب نکلو گے۔ اور کہنے لگا کہ لہٰذا ہمارے ساتھ تعاون کرو، ہوسکتا ہے کہ کوئی بات بن جائے۔ تو اس روز مجھے رات کو 11 بجے جب میں سونے کے لئے لیٹ چکا تھا انہوں نے مجھے اٹھایا اس وقت سخت سردی کا موسم تھا۔ شکر ہے کہ میں موزے اور بوٹ پہن کر گیا۔ اس نے کچھ وقت میرے ساتھ ضائع کیا۔ 1,12 بجے تک مجھ سے سوال یہ پوچھتے تھے کہ آپ کے بیرون ملک اثاثے کیا ہیں، ان کی لسٹ یہاں پر بنائیں میں نے ان سے یہ پوچھا جی کہ بیرون ملک اثاثے تو بعد کی بات ہے، مجھ سے کہنے لگے کہ آپ لسٹ بنائیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ پہلے مجھے اس بات کا جواب دیں کہ آپ نے مجھے کس حیثیت سے یہاں پر بند کیا ہوا ہے؟ آپ بتائیں کہ میرا جرم کیا ہے جو آپ نے مجھے بند کیا ہے اور آپ نے مجھے مہینے سے اوپر یہاں پر رکھا ہوا ہے، آپ نے کس حیثیت میں مجھے یہاں پر بند کیا ہوا ہے اور آپ کون ہیں مجھ سے سوال پوچھنے والے؟ یہ کرنل جمشید نام کے شخص تھے، آج بھی ان سے

پوچھا جا سکتا ہے۔ تو وہ کافی دیر مجھ سے سر کھپاتے رہے۔ اور میں آپ کو ایک اور بات بتاؤں کہ جو یہ سوال پوچھ رہے تھے، ان کو خود ان سوالوں کا علم بھی نہیں تھا؟ بنیادی طور پر وہ کاروباری سوال تھے ان کو الف ب بھی پتا نہیں تھا کہ وہ کیا پوچھ رہے ہیں؟ بعد میں نیب (NAB) کے لوگ آئے تھے جو اپنے کام کو جانتے تھے، انہوں نے بینکرز اور اکاؤنٹنٹ ملازم رکھے تھے۔ خیر میرے پاس تو ان میں سے کوئی بھی نہیں آیا لیکن سننے میں یہی آیا میں نے ان سے یہی کہا کہ آپ کا بزنس نہیں ہے مجھ سے یہ سوال پوچھنے کا، پہلے آپ مجھے بتائیں کہ آپ نے مجھے کس قانون کے تحت یہاں پر رکھا ہے، اور کیوں مجھے یہاں رکھا گیا ہے؟ اس میں انہوں نے مجھے ایک ٹھٹھرتی ہوئی کھلی جگہ، راہداری سی تھی جہاں کھڑکیاں تو لگی تھیں لیکن شیشے نہیں لگے ہوئے تھے، وہاں نومبر کے مہینے میں بڑی ہوا آتی تھی مجھے وہاں رات کے تین ساڑھے تین بجے تک اکیلے بند رکھا گیا سردی لگتی رہی میں نے وہاں پر چلنا شروع کر دیا جس سے الحمد للہ سب ٹھیک ہوتا گیا مجھے انہوں نے دھمکی دی کہ میں ایسے لوگ بلوالوں گا جو تم سے سب کچھ اگلوا لیں گے اللہ تعالیٰ اس وقت انسان کو اس چیز کی طاقت دیتا ہے، میں نے ان سے کہا کہ تم مجھے الٹا بھی لٹکا دو تو بھی میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تم مجھے یہاں لے کر کیوں آئے ہو تو مجھ سے کہنے لگے کہ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ میں تمہارا وضو کرنا بھی بند کروا دوں گا اور تم سے قرآن پاک بھی چھین لوں گا میرا یہاں پر قید تنہائی میں دن ایسا ہی گزرتا تھا کہ یا نماز پڑھ لیتے تھے یا قرآن پاک پڑھ لیتے تھے۔ تو مجھے اس نے یہ دھمکی دی اور انگریزی میں کہا کہ There would be nothing Known as wazoo and I will take that book away from you تو میں نے آگے سے کہا کہ اللہ مالک ہے، جو تمہارا دل چاہتا ہے، وہ تم کرو لیکن اس میں میں نے اتنا ضرور کیا کہ میرے پاس قرآن کی جو چھوٹی کاپی تھی، وہ میں نے چھپالی۔ کیونکہ مجھے ان سے کوئی بات بعید محسوس نہیں ہوتی تھی کہ یہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے دھمکی ضرور دی لیکن عمل نہیں کیا وہ مجھے دن میں 20 منٹ کے لئے واک کے لئے باہر نکالتے تھے۔ اس فوجی افسر نے مجھے دھمکی دی کہ میں وہ بھی بند کروا دوں گا۔ دو دن انہوں نے واک نہیں کروائی پھر دوسرے کرنل صاحب تشریف لائے اور انہوں نے کہا آئیں آپ واک کریں۔ میں نے کہا بھی نہیں اور نہ ہی احتجاج کیا کہ آپ مجھے واک کروائیں۔ پھر جب میرے والد صاحب وہاں سے جا رہے تھے تو ایک صاحب میرے پاس تشریف لے کر آئے۔ ان کے پاس ایک گرم جیکٹ تھی جو میں پہچانتا تھا کہ میرے والد صاحب کی ہے۔ وہ انہوں نے جاتے ہوئے میرے لئے چھوڑ دی تھی۔ انہوں نے کہ یہ آپ لے لیں۔ اور میں نے ان سے کچھ نہ کہا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ بھی گھبراتے ہیں، اگر وہاں آس پاس کسی نے سن لیا کہ ایک والد کی جیکٹ بیٹے کو پہنچا دی ہے تو اس کی

چھٹی نہ ہو جائے۔ بلکہ ایک صاحب تھے جن سے میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ میرے گھر میں سب خیریت ہے تو انہوں نے ایک طرف مجھے کہا ہمیں تو خود نہیں پتا، ہم آپ کی طرح بے خبر ہیں، اور دوسری طرف انہوں نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ ہاں سب ٹھیک ہیں، یعنی وہاں پر افسران کی بھی جان نکلتی تھی۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

سیف ہاؤس سے سعودی عرب تک

- سیف ہاؤس میں جا کر احساس تنہائی میں کمی ہوگئی
- بیٹا زکریا 3 ماہ بعد ملا، بچہ رویا تو ایک فوجی کی سسکیاں بھی سنائی دیں
- سول لائن تھانے میں گندی چٹائی پر سوتا رہا رات کو اونچی آواز میں میوزک لگا دیا جاتا
- تھانے میں موجود سیاسی مخالفوں نے اولاد جیسا سلوک کیا
- پولیس کا سلوک بہت اچھا تھا ان کو یاد تھا کہ چچا شہباز شریف نے ان کی تنخواہ بڑھائی تھی
- جیل میں تلاشی کے دوران میرے جوتے تک چیک کیے جاتے رہے
- اٹک جیل میں کئی دفعہ کمرے سے بچھو نکلتے تھے۔

سیف ہاؤس میں

پھر اس کے بعد گورنر ہاؤس مری سے آپ کو کہاں لے جایا گیا؟

حسین نواز: گورنر ہاؤس میں ایک دن اچانک ایک صاحب وارد ہوئے۔ جن کا تعلق آئی ایس آئی سے تھا جنہیں میں جانتا تھا۔ ان کا نام کرنل حمید اللہ تھا۔ وہ آئے۔ بلکہ میں ایک مزیدار واقعہ آپ کو کرنل حمید اللہ صاحب کا بھی سناتا چلوں۔ کہ انہوں نے مجھے یہ خود واقعہ بتایا اور تھوڑا پچھتاوے کے انداز میں بتایا کہ شہباز صاحب ان سے وہاں پر ناراض ہو گئے تھے۔ یہ صاحب میاں شہباز شریف صاحب سے وہاں پر پوچھ گچھ کر رہے تھے تو انہوں نے ان سے یہ سوال پوچھا جو شہباز شریف کو ناگوار گزرا، انہوں نے کہا جی آپ نے مجھ سے غیر مہذب سوال کیا ہے؟ ذاتی سوال کیا ہے جس پر کرنل حمید اللہ خان نے آگے سے سخت کلمات کہے جس میں کچھ چبھن تھی جس میں شہباز شریف نے بھی سخت کلمات کہے۔ انہوں نے گالی دی، شہباز شریف کھڑے ہو گئے انہوں نے کہ میں تمہارے منہ پر تھپڑ ماروں گا۔ میں

کہتا ہوں ان حالات میں جب ہمیں اپنے آس پاس سے سسکیوں کی آواز بھی آتی تھی۔ شہباز صاحب کا رویہ کافی جرأت مندانہ تھا۔ بعد میں مجھے پتا لگا کہ ان کے باس نے پھر آ کر معافی مانگی شہباز صاحب سے کہ ہم معذرت چاہتے ہیں۔

تھانہ اور مقدمہ

کیا سوال کیا تھا؟

حسین نواز: مجھے نہیں پتا، دیانت داری سے مجھے نہیں پتا کہ کیا سوال کیا تھا، تو میاں شہباز شریف اس معاملے میں خاصے جرات مند تھے۔

بہر حال کرنل حمید صاحب آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ چلیں جی تیار ہو جائیں۔ میں نے کہا کہاں لے کر جا رہے ہیں تو کہنے لگا کہ بتاؤں گا۔ وہاں جا کر راستے میں انہوں نے مجھے ایک چادر دی۔ وہ کہنے لگے کہ اپنے منہ اور سر کو اس چادر سے لپیٹ لیں تاکہ آپ کو نظر نہ آئے کہ آپ کہاں جا رہے ہیں، بہر حال میں نے اپنا منہ سر لپیٹ لیا تو انہوں نے لے جا کر مجھے ایک سیف ہاؤس میں بند کر دیا۔ تقریباً 21 دن انہوں نے مجھے اس سیف ہاؤس میں رکھا اس اثناء میں رمضان شریف شروع ہو گیا اس وقت وہ ہم لوگوں کو سحری اور افطاری دے دیتے تھے۔ پھر اس کے ساتھ میں آپ کو بتاتا چلوں کہ مری میں جب وہ لوگ باہر واک کے لئے نکلتے تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان افسر وہاں پر ورزش کر رہے تھے۔ مجھے دیکھا تو مجھ سے سلام دعا کی۔ مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا کہ آپ کے سامنے ہی ہے وہ کہنے لگے کہ آپ فکر نہ کریں اب ہم آپ کو مزید پوچھ گچھ کے لئے نہیں رکھیں گے۔ تو میں نے کہا اچھا، پھر خود ہی مسکرا کر کہنے لگے ہم نے آپ کو کسی مقصد کے لئے نہیں رکھا۔ یہ میں آپ کو ایک افسر کی بات بتا رہا ہوں۔

پھر اتفاق ایسا ہوا کہ جب ہم وہاں پر گئے تو یہ افسر بھی وہاں پر آیا کرتے تھے تو مجھے ایک دن کہنے لگے۔ انگریزی تو آپ کو پتا ہے کہ سارے فوجی ہی بڑے شوق سے بولتے ہیں۔ You are not a dacoit , You are not a spy, You are not a murderer, You are not a bandit, so we have just kept you for nothing تو آپ یہاں پر ریلیکس رہیں بہر حال اس سیف ہاؤس سے اتنا ضرور ہو گیا کہ اس سیف ہاؤس میں ایک کمرے کے ساتھ ایک لاؤنج تھا، لاؤنج کے ساتھ ایک کچن تھا جس میں ایک بزرگ باورچی تھا۔ وہ بڑی شفقت سے پیش آتا تھا تو اس سے قید تنہائی کا احساس دل میں کچھ کم ہو جاتا تھا۔ بلکہ وہ بزرگ آدمی ہمارے لئے کھانا پکاتا تھا۔

21 دن ان لوگوں نے ہمیں وہاں پر رکھا۔ اس اثناء میں سوال کرنے کے لئے متواتر آتے رہے، کبھی کچھ پوچھنا تو کبھی کوئی بات پوچھنی، میں تو بلکہ یہ دیکھتا تھا کہ وہ سوالات بڑے عجیب وغریب ہوتے تھے۔ کہ شاید خانہ پری کے لئے لوگ وہاں پر آتے ہیں۔ اس اثناء میں ایک جرنیل صاحب بھی وہاں پر چکر لگانے کے لئے آئے۔ لیکن انہوں نے اندر آ کر صورت حال دیکھنے کی زحمت نہیں کی اور باہر سے ہی چلے گئے۔ بہر حال قصہ مختصر وہاں ایک دن وہی کرنل صاحب جنہوں نے مجھے دھمکی دی تھی کہ میں تمہارا سب کچھ بند کروں گا، تشریف لائے، ان کے ساتھ اسی پروٹوکول کے تحت ایک گاڑی میں بند کر کے مجھے ایک جگہ لے کر گئے، مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون سی جگہ تھی۔ لیکن وہ بھی ایک سیف ہاؤس تھا جہاں مجھے ایک اگر چہ وہ سارا bug ضرور ہو گا لیکن وہاں پر فوجی بیٹھا رہا اور ان کے سامنے کہتے ہیں کہ جی پوچھیں ان سے ہم نے انکے ساتھ کیا برا سلوک کیا ہے تو ایسے میں کیا معاملات کورٹ تک پہنچتے۔ اور ان حالات میں کیا اصل بات کورٹ تک پہنچتی بہر حال جب میں اس وکیل سے ملا تو اس کے بعد مجھے ہیڈ کوارٹر میس میں لے جایا گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک صاحب ہیں جو زیادہ عمر کے نہیں تھے، انہوں نے آ کر ایک کاغذ میرے ہاتھ میں دے دیا میں نے وہ کاغذ دیکھا تو اس کے اوپر ایک ادارہ جس کا نام NAB ہے، وہ لکھا گیا تھا اور اس کے چیئرمین کے دستخط یہ کہتے ہوئے تھے کہ آپ کو NAB کے تحت Formally گرفتار کیا جاتا ہے۔ مجھے کہنے لگے کہ آپ کی والدہ نے حسب بے جا کی درخواست دائر کی ہے کہ آج 70 ,80 دن ہو چکے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرا بیٹا کہاں پر ہے اور اس کا کوئی خاطر خواہ جواب بھی نہیں دیا اور اب تک انہوں نے کوئی جرم بھی آپ کے اوپر لاگو نہیں کیا۔ تو اس پر ہائی کورٹ کے بینچ نے ان کو کہا کہ آپ جا کر دیکھ کر آئیں تو زاہد عباسی نام کے وکیل تھے جن سے میں پہلی مرتبہ مل رہا تھا۔ میں اس وقت یہ دیکھ رہا تھا۔ اگر چہ انہوں نے اس وقت کوئی ایسی بات نہیں کی لیکن ان کے اوپر آئی ایس آئی کا خوف طاری تھا۔ میں نے کہا کوئی جرم تو بتائیں جس کی بناء پر آپ مجھے گرفتار کر رہے ہیں۔ تو DC صاحب آگے سے کھسیانے ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ مجھے نہیں پتا۔ یہ تو نیب والوں کو پتا ہو گا ہمیں تو آرڈر ہیں اس لئے ہم آپ کو گرفتار کرنے کے لئے آئے ہیں۔ میں نے کہا کہ جی اچھی بات ہے۔ ٹھیک ہے آپ اپنا کام کریں جو کرنے آئے ہیں۔ میں نے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اس کے بعد جو میرے ساتھ کرنل صاحب بیٹھے تھے، ان کو میں ایک دفعہ پہلے یہ چیز جتا چکا تھا کہ کرنل صاحب آپ کی اپنی اولاد کے ساتھ کوئی ایسا کرے کیونکہ وہ بھی میری والد کی عمر کے ہی تھے، تو آپ کو کیسا محسوس ہو گا؟ تو اس کے چلے جانے کے بعد مجھے کہنے لگے کہ جو کچھ ہوا، مجھے اس پر بڑا افسوس ہے یہ کرنل جمشید نے فرمایا کہ I am very sorry about what happend لیکن میں تمہیں یہ بتا

دوں کہ یہ جو کچھ ہوا ہے، یہ تمہاری والدہ نے عدالت میں جو کیس کیا ہے، یہ اس کا نتیجہ ہے۔تو بہر حال قصہ مختصر وہاں سے یہ دوبارہ مجھے سیف ہاؤس میں لے آئے۔دو یا تین دن کے بعد صبح ہدایات آئیں۔ اس اثناء میں میں آپ کو ایک اور واقعہ بتا تا چلوں کہ میری والدہ جب کورٹ میں پیش ہوئیں تو کورٹ نے انہیں دو ہفتے بعد دو گھنٹے کی میٹنگ کی اجازت دے دی۔وہ پہلی مرتبہ جب آئیں تو انہوں نے مجھے 3 ماہ کے بعد دیکھا تھا یہ دسمبر، جنوری کی بات ہے۔وہ میرے بیٹے زکریا کو بھی ساتھ لے کر آئیں۔اس وقت اس کی عمر دو سال تھی۔تو جس وقت وہ جانے لگے تو میرے بیٹے نے رونا اور چلانا شروع کر دیا، تو میں نے وہاں دیکھا کہ ایک فوجی گارڈ کھڑا ہوا تھا۔اس نے سسکیاں لے لے کر رونا شروع کر دیا۔ بہر حال جو باقی آئی ایس آئی کے لوگ تھے، انہیں بھی بڑی تکلیف پہنچی۔بہر حال وہ ہم لوگوں کو واپس سیف ہاؤس لے آئے۔ایک دن اچانک صبح ہدایت آئیں کہ ان کو سول لائنز تھانے میں پہنچا دیا جائے۔اور وہاں سول لائنز تھانہ سارا فوجیوں کے زیر کنٹرول تھا وہاں پر آئی ایس آئی اور ایم آئی کے لوگ موجود تھے جو کہ کسی کی کچھ نہیں سنتے تھے۔وہاں پر تھانے کے سینئر لوگ اور ڈی ایس پی موجود تھے لیکن وہ کسی کی کچھ نہیں سنتے تھے وہاں وہ حوالدار اور نائب صوبیدار رینک کے لوگ تھے۔ان کو ہدایت تھی کہ پولیس کی مت سنو۔لہٰذا ہر کام ان سے پوچھ کر کیا جاتا تھا۔پہلے تو ان کو یہ ہدایت دی گئی کہ جتنی اس کو سول لائنز تھانے میں تکلیف دے سکتے ہو، اس کو تکلیف دو، اس میں یہ تھا کہ رمضان شریف کا وقت تھا، رات کو جس وقت سوتے تھے تو ایک کھڑکی جو بالکل چھت کے ساتھ تھی جس سے باہر تو نہیں دیکھا جا سکتا تھا، وہاں پر اونچی اونچی آواز میں گانوں کی کیسٹ لگا دیتا تھا۔جس سے رات کو نیند بھی نہیں آتی تھی۔میں نے بلا کر نائب صوبیدار کو کہا کہ یار تم نے کیا مذاق شروع کیا ہوا ہے، میں یہاں پر تہجد کی نماز پڑھ رہا ہوں اور تمہارے یہاں سے گانوں کی آواز آرہی ہے، وہ کہتا ہے کہ میں بند کرواتا ہوں، وہ گیا اور پندرہ منٹ کے بعد پھر وہ آواز شروع کر دی گئی پھر اس کے بعد وہ چیز بند ہونے میں ہی نہیں آتی تھی۔یعنی میں سمجھ گیا کہ وہ لوگ مجھے ذہنی طور پر تکلیف پہنچانے کے لیے یہ سب کرتے ہیں اس کے علاوہ وہاں کمرے کی جو ہیئت تھی انتہائی بری تھی۔انتہائی گندا کمرہ تھا جہاں مجھے رکھا گیا۔عام طور پر وہاں کسی مجرم کو چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں رکھا جا سکتا جس کے بعد اسے جیل بھیج دیا جاتا ہے لیکن اس میں مجھے کئی دن رکھا گیا وہاں پر کمرے کے اندر ہی غسل خانہ تھا جس میں پانی کھڑا ہوا تھا ناپاک پانی تھا۔کوئی نہانے یا طہارت کا بندوبست نہیں تھا اس کے بعد جو سامنے تھانے کی طرف کھڑکی کھلتی تھی، کھلتی نہیں تھی بلکہ سلاخیں تھیں۔ان کو یہ ہدایت تھی کہ اس کے آگے ترپال ڈال دی جائے تو وہ ترپال ڈال دی گئی تا کہ میں باہر نہ دیکھ سکوں۔وہاں پر بھی مجھے تنہائی میں رکھا گیا، زمین پر ایک چٹائی تھی جو مجھے

سونے کے لئے دی گئی تھی، اس کے اوپر پرانی اور بدبودار سی رضائی مجھے لینے کے لئے دی۔ فرش وہاں پر بڑا گندا تھا۔ وہاں پر فلش انتہائی گندے تھے۔ اتنے گندے کہ میں بتا نہیں سکتا وہاں مجھے انہوں نے 15 دن رکھا۔ وہاں پر شیو کا سامان نہیں ہوتا تھا۔ وہاں نہانے کے لئے کوئی شیمپو یا صابن نہیں رکھا گیا تھا۔ وہاں پر میرے ساتھیوں میں انور سیف اللہ صاحب، نواز کھوکھر صاحب، سید نوید قمر، سرور خان کاکڑ صاحب تھے۔

تھانے کے ساتھی

تھانے میں آپ کے کیا حالات رہے آپ کے ساتھ لوگوں کا سلوک کیسا تھا؟

حسین نواز: میں آپ کو سچی بات بتاؤں کہ یہ سارے اچھے انسان تھے۔ انہوں نے میرے ساتھ اچھے انسانوں والا سلوک کیا۔ 15 دن تک تھانے میں موجود قیدیوں نے دیکھا کہ ساتھ والے کمرے میں کسی کو قید تنہائی میں رکھا گیا ہے تو تھانے میں اکثر کے ساتھ ایسی دوستی ہوئی کہ وہ دوستی آج تک قائم ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ مجیب الرحمٰن صاحب جو سیف الرحمٰن صاحب کے بھائی ہیں، اور چودھری تنویر صاحب کو ہمارے ساتھ والی کوٹھری میں لایا گیا اور ان کو یہ ہدایت تھی کہ کسی بھی وقت ان لوگوں کو آپس میں ملنے نہ دیا جائے اس طریقے سے تین ماہ انہوں نے مجھے وہاں رکھا انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ میرا جرم کیا تھا۔ اس کے بعد مجھے انہوں نے اڈیالہ جیل منتقل کر دیا۔

اس دوران آپ کو باہر کے حالات پتا چلتے رہے؟

حسین نواز: ہاں، اس میں یہ تھا کہ جب تھانے میں تھے تو اس وقت اخبار وغیرہ بند تھے میری والدہ کے ساتھ ہفتے میں ایک مرتبہ ملاقات ہوتی تھی۔ بلکہ ایک دفعہ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میری والدہ صاحبہ وہاں پر تشریف لے کر آئیں تو ان کو انہوں نے دو گھنٹے تھانے میں بٹھا کر انتظار کروایا۔ بہر حال ان سے اس وقت کیا اچھائی کی توقع تھی؟ جو ہوا اللہ نے سارا وقت الحمدللہ عزت کے ساتھ گزار دیا۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا اس میں یہ ہے کہ اخبارات ہمارے پاس سمگل ہو کر آیا کرتے تھے تو ہم چھپ کر پڑھ لیا کرتے تھے، میں آپ کو سچی بات بتاؤں کہ پولیس والوں کا سلوک ہمارے ساتھ بہت اچھا تھا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ میں آپ کو بتاؤں کہ وہاں پر موجود پولیس کے سپاہی تھی۔ ان کی تنخواہیں میاں شہباز شریف صاحب نے بڑھائی تھیں، ان کو وہ باتیں اور بھلائی بھولی نہیں تھی، ان کا کسی قسم کا کوئی مقصد نہیں تھا انہوں نے میرے سے تو کیا باہر کے لوگوں سے جو ہمارے لوگ تھے، کسی قسم کی کوئی رشوت نہیں طلب کی، وہ چھوٹی

موٹی پیغام رسانی کر دیتے تھے۔ جیسے میں نے کوئی پیغام دیا تو وہ باہر دے دیا اور باہر سے کوئی پیغام لے آئے۔ اخبار وغیرہ لا دیتے تھے حالانکہ اگر وہ کسی کو پتا چل جاتا تو ان کی نوکری جا سکتی تھی لیکن وہ بے چارے یہ رسک لیتے تھے۔ اور بغیر لالچ کے لیتے تھے۔

اڈیالہ جیل میں

پھر آپ کو کہاں لے گئے؟

حسین نواز: اس کے بعد مجھے اڈیالہ جیل لے گئے عدالت میں لے کر جانا شروع ہو گئے عدالت میں انہوں نے تاخیری حربے استعمال کئے پہلے وکیل نہیں آیا اور پھر کہا ہمارا تفتیشی افسر نہیں آیا بس یہ ہوا کہ مقدمہ التوا ہوتا رہا اور پتا ہی نہیں لگا کہ ہمارا کیا جرم ہے۔ پھر آخر کار تھانے سے ہمیں اڈیالہ جیل بھیج دیا گیا وہاں جو جج صاحبان ہوتے تھے جو کورٹ میں ہوتے تھے، وہ اتنے ڈرے ہوئے ہوتے تھے کہ وہ حکومتی لوگوں سے کبھی اختلاف کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ پھر اس کے بعد یہ ہوا کہ ہمیں اڈیالہ جیل شفٹ کیا گیا جہاں ہمیں تقریباً ایک ماہ رکھا گیا۔ بعد میں انہوں نے کہا کہ ان کے اوپر حدیبیہ پیپر مل کا کیس ہے وہ کیس آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے پہلے بھی چلانے کی کوشش کی تھی، بس یہی کہا گیا کہ حدیبیہ پیپر مل کا کیس ہے جس کے بعد کورٹ نے مجھے آرڈر کر دیا کہ آپ یہاں سے اٹک چلے جائیں کیونکہ کیس اٹک میں چلے گا صرف یہ ٹرانسفر کا پروسیجر ہوا۔ کون سی دفعہ ہے، کیا جرم ہے، کچھ نہیں پتا چل سکا، صرف کیس کا نام لیا گیا، کچھ عرصے بعد انہوں نے اٹک میں ایک بڑا عجیب اور فضول قسم کا ریفرنس بنا کر دیا۔

اٹک جیل کا قیدی

اٹک میں تو میاں نواز شریف بھی موجود تھے؟

حسین نواز: نہیں، وہ اٹک قلعے میں تھے جب کہ میں اٹک جیل میں تھا۔ میرے کیس کے سلسلے میں تو ایک بڑا ہی فضول قسم کا ریفرنس بنا کر دیا جس میں میرا نام تک نہیں تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس ریفرنس میں میری کیا حیثیت ہے؟ جو ریفرنس ہے وہ ایک واحد دستاویز تھی جو مجھے دی گئی۔ مجھے کبھی بھی معلوم نہیں تھا کہ اس میں میرا کیا جرم ہے اور وہ وہی پرانے والا پیپلز پارٹی کے دور کا ریفرنس تھا۔ اس میں میرا نام بھی نہیں تھا۔ پیپلز پارٹی کے دور میں کبھی گرفتار بھی نہیں ہوا تھا اور نہ مجھ پر کبھی کوئی مقدمہ بنایا گیا تھا بہر حال کوئی 7,6 ماہ ہم اٹک جیل میں رہے بلکہ دسمبر تک رہے۔ میرے ساتھ وہاں پر اعظم ہوتی

صاحب، سردار مہتاب عباسی، ڈاکٹر فاروق ستار تھے۔ ان کے ساتھ ان کے دو شریک ملزم تھے جو ہمارے ساتھ وہاں پر شامل تھے۔ ہمارے ساتھ ہارون پاشا بھی تھے ان سب کا رویہ میرے ساتھ مشفقانہ تھا۔ بالخصوص سردار مہتاب خان عباسی اور اعظم ہوتی تو بالکل اس طرح پیش آتے تھے جس طرح کوئی بزرگ اپنے بچوں کے ساتھ پیش آتا ہے۔ وہ ویسے بھی ہمیشہ مجھے اپنا بھتیجا کہہ کر بلاتے تھے۔ بہت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے پھر اس کے بعد اچانک یہ ایک رات کو حوالدار نے کہا تیار ہو جائیں آپ جا رہے ہیں۔

ڈیل کی اطلاع

حوالدار نے نہیں بتایا کہ کچھ ڈیل ہو رہی ہے یا آپ رہا ہونے والے ہیں؟

حسین نواز: میرے علم میں تھا کہ سعودی عرب سے کچھ بات چیت چل رہی ہے کہ وہ بات کر رہے ہیں لیکن وہ اس وقت بڑی مبہم قسم کی اطلاع تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادہ اچھی بات تھی کہ ہمیں نہیں بتایا گیا۔ اگر بتایا جاتا تو انسان کو پھر امید ہو جاتی ہے۔ اچھا ہے کہ نہ بتایا جائے لیکن میں آپ کو یہ بات بتاؤں کہ اکثر اوقات ہم پر چھاپے مارتے تھے اور ایک دفعہ اٹک کے ڈپٹی کمشنر خود جیل آئے۔ انہوں نے آ کر میرے جوتوں تک کی تلاشی خود لی۔

آخر کس چیز کی تلاش ہو گی؟

حسین نواز: موبائل ٹیلی فون تلاش کر رہے تھے انہیں اطلاع ملی تھی شاید وہاں جیل میں میرے پاس موبائل ٹیلی فون ہے تو انہوں نے آ کر میرے جوتوں تک کی تلاش خود لی۔

پھر نکلا نہیں؟

حسین نواز: ہوتا تو نکلتا ناجی (قہقہہ) ویسے بھی موبائل ٹیلی فون وہاں اٹک میں تو چلتا ہی نہیں تھا، جہاں میں اٹک جیل میں تھا۔ یہاں تک کہ وہاں پر ٹشو پیپر کا ڈبہ تھا، وہ بھی انہوں نے کھول کر دیکھا کئی دفعہ میرے کمرے سے بچھو نکلے ہیں۔ اکثر وہ بہت سختی بھی کرتے تھے، جیل میں تنگ کرتے تھے پھر اس کے بعد جب حکومت کا پریشر کم ہوتا تھا تو وہ ریلیکس ہوتے تھے، ہم بھی ریلیکس ہو جاتے تھے۔ بالآخر اٹک جیل سے ہی رہائی ہوئی۔

بے وفائی کے سوداگر

- جب وزیراعظم ہاؤس میں قید تھے تو کئی لوگ سلام تک سے اجتناب کرتے تھے
- والد کے ساتھی خیام قیصر، فوجیوں کے ساتھ بیٹھ کر ہمیں برا بھلا کہتے رہے۔
- والد کی ذاتی اشیاء تک غائب کر دی گئیں ماؤتھ واش فوجی استعمال کرتے رہے۔
- والد کے 60 ہزار ڈالرز کے ٹریولرز چیک ایک لاکھ ڈالر نقد اور ان کی ذاتی گھڑیاں غائب کر لی گئیں
- ہم پاکستان میں مزید بزنس کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے
- پاکستان میں سیاست اور کاروبار اکٹھے نہیں چل سکتے
- اب ہم یہ نہیں بتائیں گے کہ ہمارے ذرائع آمدن کیا ہیں
- 88ء میں ہمارا موٹر کار بنانے کا معاہدہ ہو چکا تھا سیاست کی وجہ سے عمل نہ ہو سکا

ولن کون؟

اس کے بعد پھر یہ واقعہ ہو گیا کہ آپ جدہ آ گئے اور بزنس شروع کر دیا، یہ کہانی مکمل ہو گئی تھی، کیا سمجھتے ہیں کہ اس کہانی میں ولن کون تھے؟ آپ کے اپنے کون سے ساتھی بے وفا نکلے؟

حسین نواز: اس کہانی کا ڈراپ سین نہیں ہوا ہے ابھی آپ دیکھیں گے کہ اس کہانی کا ڈراپ سین ہو گا اور اس وقت آپ دیکھیں گے کہ سازش طشت از بام ہو جائے گی کہ کون ولن تھا؟ ابھی ولن اپنا کردار تو ادا کر رہے ہیں لیکن اس وقت کہانی کا کلائمیکس قریب ہے اور آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ولن کون ہیں

اور قدرت ان کو سامنے لے آئی گی۔

اپنوں کی بے وفائی

آخر آپ کے اپنے کچھ ساتھی بھی ادھر ملے ہوئے ہوں گے؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اس کے بغیر بغاوت ہو جائے؟

حسین نواز: یہ بات تو درست ہے۔جس وقت میں پرائم منسٹر ہاؤس میں قید تھا تو اس وقت جہاں فوجی موجود ہوتے تھے۔ میں وہاں نہیں جاتا تھا ایک تو مجھے سمجھ نہیں آتی کہ سچی بات تو ان میں سے کوئی کرتا نہیں تھا۔ اتنا جھوٹ یہ سارے بولتے تھے کہ کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس وقت انہوں نے پرائم منسٹر ہاؤس کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے کی اجازت دی ہوئی تھی اس وقت میں دیکھتا تھا کہ جو لوگ بہت زیادہ قریب تھے ہمیں دیکھ کر جمعہ کی نماز کے لئے اجتناب کر جاتے تھے۔ سلام بھی نہیں کرتے تھے۔ مزے کی بات آپ کو بتاؤں کہ ہمارے پرانے ساتھی اور ابوظہبی میں پاکستان کے سفیر محترم خیام قیصر صاحب ہمارے ساتھ ابوظہبی سے پاکستان تشریف لائے تھے۔ خیام قیصر صاحب جب میرے والد صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری ہوا کرتے تھے تو ان کے بہت قریبی ساتھی تھے۔ تو ایک دن مجھے کسی نے کہا یہ پرائم منسٹر ہاؤس میں فوجیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں میں وہاں نہیں جاتا تھا جہاں فوجی ہوتے تھے خیر میں وہاں پر چلا گیا صرف دیکھنے کے لئے اور یہ وہ وقت تھا جب پرائم منسٹر ہاؤس میں کھانا بھی نہیں پکتا تھا۔ تو میں دیکھ رہا تھا کہ وہاں بریگیڈئیر ساجد، میجر زاہد اور کیپٹن آفاق نے باہر سے خاص طور پر خیام صاحب کے لئے آئس کریم منگوائی ہوئی تھی اور کھانا خیام صاحب کے لئے آیا ہے اور یہ بیٹھے وہاں پر کھا پی رہے ہیں مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ کہ خیام صاحب کھانے کھا رہے ہیں دیگر قریبی ساتھی سب وہاں پر بند تھے۔ قمر الزمان صاحب بزرگی کے باوجود وہاں پر قید تھے تو خیام قیصر صاحب اتفاق سے بغاوت کے وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ ان کو پتا چلا تو یہ اس وقت کہیں اور جا کر چھپ گئے تھے۔ تو میں بڑا حیران ہوا جب میں نے ان کو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ کہ ایک طرف ہمارے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے اور خیام صاحب ان کے ساتھ بیٹھے موج کر رہے ہیں۔ بریگیڈئیر صاحب بیٹھے ان کو کھانا کھلا رہے تھے اور باقی دو افسران ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو میں وہاں گیا اور خیام صاحب سے سلام دعا کی تو مجھے دیکھ کر وہ سٹپٹا گئے کہ یہ کہاں سے آ گئے بہر حال میں نے خیام صاحب سے سلام دعا کی اور ان سے پوچھا کہ آپ یہاں پر کیسے؟ تو انہوں نے مجھے بتایا کہ اپنا کچھ سامان لینے آیا ہوں، انہوں نے پرائم منسٹر ہاؤس میں اپنا گھر ابھی خالی نہیں کیا تھا تو میں نے کہا کہ

سامان لے کر آپ کہاں جائیں گے تو انہوں نے فرمایا کہ میں واپس ابوظہبی جا رہا ہوں۔

کیا انہیں چیف آف آرمی سٹاف کی تبدیلی کا پہلے سے علم تھا؟

حسین نواز: میرے علم میں نہیں ہے۔ خیر خیام قیصر صاحب وہاں پر آکر بیٹھے رہے اور انہوں نے وہاں پر انتہائی توہین آمیز کلمات میرے والد صاحب کے لئے کہے۔ جب کہ ایک وقت تھا جب خیام صاحب ان کی تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نواز شریف کا سرفروش ہوں، میں ان کا سپاہی ہوں، میں تو اپنے گھر سے سر بکف نکلتا ہوں۔ ان کے ساتھ سپہ سالار کی قیادت میں، اس طرح کے الفاظ خیام صاحب کہا کرتے تھے۔ وہاں انہوں نے عجیب قسم کے کلمات کہے، مجھے بھی انہوں نے الٹی سیدھی باتیں کہیں، پھر اس کے بعد انہوں نے یہ الفاظ فوجیوں کے سامنے کہے کہ پرویز مشرف جو ہے، وہ اوپر سے بھی وہی ہے جو اندر سے ہے تو اگر تم لوگ ان کے ساتھ نہیں بنا کر رکھ سکتے تھے تو چلو گے کن کے ساتھ۔ انہوں نے یہ مجھے ان کے سامنے کہا میرے سامنے پرویز مشرف کی تعریفیں کرتے رہے اور میرے والد کو برا بھلا کہتے رہے۔ یہ بھی کہا کہ آپ لوگوں نے اب تک عوام کے لئے کیا کیا ہے؟ حالانکہ وہ بھول گئے کہ وہ خود بھی حکومت کا حصہ تھے ۔سفیر تو وہ بعد میں بنے تھے، پہلے تو وزیراعظم کے پرائیویٹ سیکریڑی ہی تھے۔ پرائیویٹ سیکریڑی سے پہلے بھی وہ وزیراعظم سیکرٹریٹ میں ہی کچھ کرتے تھے، وہ والد صاحب کے دست راست سمجھے جاتے تھے اور سیاسی طور پر بھی خاصے اِن تھے۔ ان کے بعد مجھے ایک دو دن بعد پھر پتا چلا کہ خیام صاحب وہاں آئے ہیں۔ پھر میں نے جا کر دیکھا تو پھر وہاں پر بیٹھے ہوئے تھے اور دوبارہ انہوں نے وہاں بلا کر انہیں کھانا کھلایا، خیام صاحب کے ساتھ بھرپور تعاون کیا کہ وہ اپنا سامان وہاں سے لے جائیں۔ یہ بڑی افسوسناک بات تھی کیونکہ انہوں نے فوج کے سامنے میرے ساتھ انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا، ان احوال میں جب ذرا سی انسانیت رکھنے والا بندہ کبھی اس طرح سے پیش نہیں آتا۔ ایک اور آپ کو مزے دار واقعہ سناتا ہوں کہ کرنل اوصاف جو کور آف انجینئرز سے تھے جن کے ذمہ میرے والد صاحب کے سامان کی چھانٹی لگی۔ وہ وہاں پر آئے ایک ایک چیز کی انہوں نے چھانٹی کی۔ بریف کیس وہ ساتھ لے گئے، ان کے کاغذات میرے والد صاحب کی الماریاں توڑ کر نکال لیے، حالانکہ کسی مہذب معاشرے میں یہ رواج نہیں ہوتا انسان کو اگر یہ کرنا ہے تو نہایت عزت واحترام سے کرے یہاں تک کہ بیچ میں میرے والد صاحب کی ذاتی استعمال کی اشیاء تھیں، کچھ ڈیکوریشن پیس تھے جو وہاں پر موجود تھے، تو مجھ سے کہنے لگے کہ یہ آپ کے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ پرائم منسٹر ہاؤس کس کا ہے، جس میں رہائش پذیر جو کوئی بھی

ہے، ظاہر ہے یہ اس کے ہوں گے۔ تو مجھے کہنے لگے کہ آپ مجھے ان کی رسیدیں دکھائیں۔ تو میں نے کہا کہ میں نے تمہیں دکھانے کے لئے رسیدیں سنبھال کر تو نہیں رکھی ہوئیں تھیں۔ ویسے میرے والد کا یہ سامان ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ نہیں، یہ تمہارے والد کا سامان نہیں ہے، یہ سٹیٹ پراپرٹی ہے۔ اس کے بعد مجھے پتا لگا کہ اسی روز انہوں نے وہ کمرہ خالی کرلیا۔ اس میں کافی اچھا اور قیمتی سامان بھی تھا۔ آج تک پتا نہیں لگا کہ وہ سامان کہاں گیا اور سٹیٹ پراپرٹی تو وہ ویسے ہی رہنے نہیں دیتے، جس طرح دیگر سٹیٹ پراپرٹی پر قابض ہوکر ان کے گھر بنتے ہیں یہ بھی کہیں زینت بن چکا ہوگا، جیسا کہ سٹیٹ پراپرٹی ان کی زینت بنتی ہے۔ میں آپ کو ایک اور واقعہ بتاؤں کہ یہ جو کیپٹن آفاق صاحب ہیں یہ بغاوت سے اگلے دن، میں نے دیکھا کہ پرائم منسٹر ہاؤس کا رہائشی کمپاؤنڈ جو سیل تھا، اس کی کہیں سے چابی لے کر اندر گئے، تو میں نے ان کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ میرے والد صاحب کی چونکہ صفائی پسند طبیعت تھی تو میں نے دیکھا کہ ان کے ماؤتھ واش کی بوتل ان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ نئی بوتل انہوں نے رکھی ہوئی تھی تو وہ انہوں نے کھولی۔ میں نے دیکھا کہ وہ بوتل منہ کو لگا کر اس ماؤتھ واش کے ساتھ غرارے کرتے ہوئے جارہے ہیں۔ اور پرائم منسٹر ہاؤس کی راہداری میں سے گزر رہے ہیں۔ میں دیکھ کر خاموش ہو گیا اور میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تو مجھے دیکھ کر بڑے کھسیانے ہو گئے مجھے کہنے لگے کہ آپ کو پتا ہے کہ ہمیں ابھی تک پوری سپلائی موصول نہیں ہوئی۔ میں چپ رہا میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو یہ واپس چلے گئے۔ انہوں نے ظاہر ہے کہ سینئرز سے بات کی ہوگی۔ واپس آئے تو وہی جس بوتل کو انہوں نے منہ لگا کر استعمال کیا تھا۔ مجھے دے دی کہتے ہیں کہ آپ واپس لے لیں تو میں نے کہا کہ آپ نے مجھ سے پوچھ کرلی تھی جو اب مجھے واپس کر رہے ہیں۔ تو ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور وہ خاموشی سے رکھ کر وہاں سے بھاگ گئے بقول میرے والد صاحب کے کہ وہ تھوڑی بہت نقدی بھی وہاں سے لے گئے۔ ان کے کوئی 60 ,50 ہزار ڈالرز کے ٹریولرز چیک اور ایک لاکھ ڈالر نقد بھی غائب ہو گئے ان کی کچھ گھڑیاں بھی وہاں سے غائب ہوئیں۔

کیا آپ سیاست میں آنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

حسین نواز: دیکھیں جی، میں اس قابل نہیں ہوں کہ سیاست میں آؤں، دیانت داری سے میں یہ سمجھتا ہوں اور میں نے ہمیشہ یہی سوچا ہے۔

قابل سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

حسین نواز: قابل اس طرح کہ میں سیاست میں اپنا کوئی کردار نہیں دیکھتا۔

اس کی کیا وجہ ہے؟

حسین نواز: یہاں کونے میں ایک عزت کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں بس یہی کافی ہے۔

تو کیا پھر آپ کی فیملی میں سے کوئی سیاست میں نہیں آئے گا؟

حسین نواز: میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ فیملی میں سے آئے گا یا نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ گلیمر کے طور پر سیاست کرنے کو میں بہت برا سمجھتا ہوں۔

کیا مستقبل میں بھی آپ کو اپنا کردار نظر نہیں آتا؟

حسین نواز: یہ تو خدا بہتر جانتا ہے کہ مستقبل کیا ہوگا لیکن ابھی ان حالات میں کچھ نظر نہیں آتا۔ پرویز مشرف کہہ سکتے ہیں کہ ان کا مستقبل کیا ہوگا تو میں کیا کہوں کہ مستقبل کیا ہوگا فی الحال میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا سیاست میں کردار کیا ہوگا۔

پاکستان میں بزنس

کیا آپ پاکستان میں مزید بزنس کریں گے؟

حسین نواز: بڑا مشکل ہے کہ پاکستان میں مزید بزنس کریں۔ بات یہ ہے کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے یہاں جدہ میں ایک مل عنایت کر دی ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت عنایت فرمائے یہ سیاسی ملک نہیں ہے، یہاں اطمینان سے بیٹھ کر کاروبار کرتے رہیں گے۔ پاکستان میں جو ہے سو اسی پر اکتفا کریں گے۔ اگر کسی غیر سیاسی صورت میں ملک کی کچھ خدمت کر سکے تو میرا خیال ہے کہ مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں ہوگا۔

گھر میں سیاست

کیا آپ سب گھر میں بیٹھ کر سیاست کو ڈسکس کرتے ہیں؟

حسین نواز: بات یہ ہے کہ جی جب میرے والد صاحب وزیر اعظم تھے تو ہفتے میں ایک دفعہ ہماری ملاقات ہوتی تھی لہٰذا میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ سیاست پر گھر میں بحث نہیں ہوتی تھی۔ ظاہر ہے پھر وہ

زندگی کا حصہ بن جاتی ہے لیکن اتنا زیادہ چانس نہیں ملا اس کی وجہ وقت کی قلت تھی لیکن اکثر باتیں ضرور ڈسکس ہوتی تھیں بات یہ ہے کہ آج کل ناشتے پر زیادہ ڈسکس ہوتی ہے۔ ہر چیز کا تجزیہ اور پھر آپس میں مشورہ تو یہ سب کچھ آج کل زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس طرح وقت کی قلت نہیں ہے۔

میاں صاحب اختلافات کرنے کی کتنی اجازت دیتے ہیں؟

حسین نواز: نہیں، انہوں نے کبھی منع نہیں کیا کہ تم اپنی رائے کیوں رکھتے ہو، بلکہ آزادی کے ساتھ عزت واحترام کے دائرے میں جو چاہیں، انہیں کہہ سکتے ہیں۔

جدہ میں سٹیل مل لگی؟

جدہ میں لگائی جانے والی سٹیل مل کا نام کس نے تجویز کیا؟

حسین نواز: میں آپ کو بتاتا ہوں کہ تین چار نام تھے پہلے ہم نے شریف سٹیل رکھنے کی کوشش کی لیکن ادھر سعودی حکومت کی نئی پالیسی یہ تھی کہ خاندان کے نام کے اوپر آپ اپنی انڈسٹری کا نام نہیں رکھ سکتے۔ پھر انہوں نے اس لئے اس کی اجازت نہیں دی۔ پھر ہم نے جدہ سٹیل رکھنے کی کوشش کی۔ اس کی بھی اجازت نہیں ملی پھر ہم نے چار پانچ نام اکٹھے دے دیئے۔ اس میں ایک الحجاز سٹیل تھا، ایک العزیز سٹیل تھا پھر میں نے کہا کہ العزیز اللہ تعالیٰ کا نام ہے جو کہ بابرکت نام ہے تو اس لئے اللہ تعالیٰ کے نام پر رکھو اور انشاء اللہ اس میں برکت ہوگی۔ ادھر ہمیں ہدایت ہے کہ ہمارا جو لیٹر پیڈ ہے اس کی جان سے زیادہ حفاظت کرو اور زمین پر گندے نہ ہوں۔

حسین نواز: آپ نے سعودی عرب میں بزنس شروع کرنے کا کیوں سوچا؟ کیا آپ پاکستان میں اپنا بزنس بند کرنے کا سوچ رہے ہیں؟

جو وجوہات ہیں، ایک تو آپ کو پتا ہے کہ میرے والد صاحب نے یہ کمٹمنٹ کی تھی کہ ہم گورنمنٹ میں رہتے ہوئے مزید انڈسٹری نہیں لگائیں گے لیکن درحقیقت حالات یہ ہیں کہ پاکستان میں سیاست اور کاروبار اکٹھے نہیں چل سکتے یہ وجہ ہے کہ ہم نے پاکستان میں اس کام سے احتراز کیا اس کے بعد جب ہم یہاں آئے تو یا تو ہم کوئی کاروبار کر سکتے تھے یا پھر ایسا کرتے کہ سو گئے، اٹھ کر نماز پڑھ لی اور پھر سو گئے۔ لیکن یہ مناسب نہیں تھا اور نہ میرا خاندان اس پر یقین رکھتا ہے اور نہ ہی میں خود۔ پھر ہم نے فیصلہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یہاں ایک انڈسٹری لگائی جائے حالانکہ آپ دیکھیں کہ سعودی عرب بھی ایک برادر ملک ہے، یہاں ہمارے دوست ہیں لیکن آخر نقصان کس کا ہوتا ہے؟ پاکستان کا نقصان

ہوتا ہے کیونکہ پاکستان میں جیسے برین ڈرین کا لفظ ہوتا ہے یعنی کہ سارے پروفیشنلز جو پاکستان چھوڑ کر امریکہ یا کینیڈا چلے جاتے ہیں، کوئی یو کے یا جرمنی چلا گیا تو اسی طرح اگر آپ اپنے صنعت کاروں کو نکال دیں گے تو آخر کار کس کا نقصان ہوگا۔

لیکن آپ کے مخالفین آپ پر یہ الزامات لگاتے ہیں کہ سعودی عرب میں سٹیل مل لگانے کے لئے آپ کے پاس سرمایہ کہاں سے آیا؟

حسین نواز: میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جہاں تک سرمائے کا تعلق ہے میں جواب دینا چاہوں تو میں بہت اچھا جواب دے سکتا ہوں۔ الحمدللہ ہماری فیملی ایک جانی پہچانی انڈسٹریل فیملی ہے اب بھی پاکستان کی سب سے بڑی دو شوگر ملیں ہمارے پاس ہیں، ادھر ایک ٹیکسٹائل مل ہمارے پاس ہے۔ وہاں دیگر یونٹ ہمارے پاس ہیں۔ ایک بڑا زرعی فارم وہاں پر ہمارے پاس ہے لیکن درحقیقت ان کو سوائے اس بات کے کہ اتنا سرمایہ کہاں سے آیا، اور کوئی سوال نہیں سوجھتا۔ بات یہ ہے کہ پاکستان کے اندر انہوں نے میرے والد صاحب میرے چچا اور حتی کہ مجھے بھی جیل میں بند رکھا۔ اس کے بعد انہوں نے ہمارے کارپوریٹ دفاتر پر قبضہ کیا۔ یہ 14 مہینے جاری رہا۔ غالباً اب بھی وہاں پر قبضہ ہے۔ انہوں نے ہمارے چارٹرا اکاؤنٹنٹ اور مینجر وغیرہ سب کو گرفتار کیا۔ اس کی بھرپور کوشش رہی کہ کوئی ایسی چیز سامنے آئے جس کے بل بوتے پر وہ کہہ سکیں کہ ہم نے بزنس میں کوئی ہیرا پھیری کی ہے۔ لیکن ایک بات بھی سامنے نہ آئی۔ حالانکہ بدترین انتظامی احتساب تھا۔ جو کہ انہوں نے کیا۔ انہیں کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ بات یہ ہے کہ میں یہاں بطور اکاؤنٹنٹ آپ کے سامنے نہیں بیٹھا کہ آپ کو سارے کھاتے کھول کر دکھاؤں کہ فلاں پیسہ کہاں سے آیا فلاں پیسہ یہاں سے آیا۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ اب وقت کا تقاضا ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ دیا جائے کہ یہ انڈسٹری کس طرح لگی اگر تو ہم نے سعودی بینکوں سے قرضہ لیا ہے، وہ ہم نے کوئی حکومتی دباؤ کے تحت نہیں لیا، ہم نے کسی پاکستان بینک سے قرضہ لے کر یہاں انڈسٹری نہیں لگائی۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے، اپنی محنت کے بل بوتے پر کیا ہے اور اپنا پیسہ بہا کر کیا ہے اور سب سے بڑھ کر میں یہ کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں اگر کسی کو کسی قسم کا شبہ ہے تو وہ بیان کرے اور مزید براں میں یہ بھی کہوں گا کہ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمیں حکومتی حلقوں کی وجہ سے پاکستان سے باہر نکالا گیا ہے انہیں شریف فیملی کا مضبوط ہونا کھٹکتا ہے جس کی وجہ سے وہ طرح طرح کی افواہیں پھیلاتے ہیں کہ ان سے وہ پوچھا جائے اگر انہوں نے ہم نے کوئی بات کرنی ہے تو حکومتی سطح پر ہم سے بات کریں۔ نئی حکومت نے یہ قانون بنایا ہے کہ ہم یہ

بتائیں کہ ہم کیا چیز کہاں سے لائے ہیں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اب ہم یہ نہیں بتائیں گے کہ ہم نے یہ سب کچھ کیسے اور کہاں سے کیا ہے؟

یہ بات کس حد تک سچ ہے کہ آپ کے صنعتی گروپ نے سیاست کی وجہ سے بزنس میں ترقی کی؟

حسین نواز: اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر ایسی بات ہوتی تو کوریا اور تائیوان میں جو گروپ ہیں جیسے ڈائیوو اور ہنڈائی ہیں، تو وہ گروپ بھی پچاس سال پہلے شروع ہوئے تھے اور آج ان گروپس کی حیثیت دیکھیں اور ہمارے گروپ کی حیثیت دیکھیں جس کو ایک وقت میں پاکستان کا سب سے بڑا گروپ کہا جاتا تھا۔ اگرچہ آج نہیں، آج تو چند گنتی کی انڈسٹریز رہ چکی ہیں۔ اتفاق فاؤنڈریز تو تمام انڈسٹریز کی ماں سمجھی جاتی تھی آج آپ جا کر دیکھیں تو وہ یونٹ بند پڑا ہوا ہے جس میں ایک وقت میں 20 ہزار ورکر کام کرتا تھا۔ جس نے ملک کے اندر اتنی بڑی انڈسٹریز اور شوگر ملیں بنا کر لگائیں۔ اتنا بڑا وہ ادارہ تھا جس نے 20 ,21 شوگر ملیں بنا کر لگائیں اگر ہمارا بزنس سیاست کی وجہ سے ترقی کر رہا ہوتا تو آج ہم کسی ملٹی نیشنل لیول پر نہ ہوتے۔ آپ یقین جانیں کہ ہنڈا بنانے والوں کے ساتھ کار بنانے کی فیکٹری کے لئے ہمارا 1988ء میں معاہدہ ہو چکا تھا۔ وہ آج تک کیوں نہ لگ سکی اس کی وجہ صرف اور صرف ہمارا خاندان کا سیاست میں ہونا تھا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

حسن نواز شریف سے گفتگو

☆ ٹیک اوور کا اندازہ نہیں تھا

☆ پہلا رابطہ

☆ لبنانی وزیراعظم کی دل چسپی

☆ کراؤن پرنس عبداللہ کی ناراضی

☆ صدر تارڑ نے کیا کیا

☆ میری بیماری

☆ کیا سیاست کریں گے؟

☆ غلطیاں

حسن نواز شریف نے کہا

(حسن نواز شریف نے میاں نواز شریف اوران کے خاندان کی رہائی کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا جب ملٹری ٹیک اوور ہوا تو وہ شریف خاندان کے واحد فرد تھے جو ملک سے باہر تھے۔ انہوں نے بیرون ملک میڈیا میں بھی بھرپور کردار ادا کیا اور بعد ازاں امریکہ، سعودی عرب، برطانیہ، قطر اور لبنان میں رابطے کر کے شریف خاندان کو ملک سے باہر بھجوادیا۔ اس کے بعد سے وہ سیاست میں بالکل سرگرم نہیں، (اپریل 2006ء میں ان سے لندن میں کئی ملاقاتیں ہوئیں رہائی کے سلسلے میں کیا کیا ہوتا رہا اس کی تفصیلات وہ خود اپنی زبانی سناتے ہیں)۔

- سعودی عرب نے قطر اور لبنان کے سعد حریری کے ذریعے معاملات طے کرائے۔
- لندن میں سعودی سفیر کے ذریعے شاہ عبداللہ سے پہلا رابطہ کیا۔
- سعودی عرب میں مجھے شاہی پروٹول دیا گیا۔
- نواز شریف کی پھانسی کے خلاف اپیل ہوئی تو پرنس عبداللہ ناراض ہوگئے۔
- پاکستان کو اشارہ دیا گیا کہ اس کا فری تیل بند ہوسکتا ہے۔
- سعودی عرب کی طرف سے شریف خاندان کے آنے جانے پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔
- والد صاحب پاکستانی تاریخ کے کامیاب ترین سیاستدان ہیں۔
- 30 سال کی عمر میں میری اعصابی بیماری والدین کے لئے پریشان کن ہے۔

ٹیک اوور کا اندازہ نہیں تھا

کیا آپ کو پہلے سے اندازہ تھا کہ پاکستان میں آپ کے والد کی حکومت کا خاتمہ ہوسکتا ہے؟

حسن نواز شریف: جب 12 اکتوبر کا واقعہ ہوا تو اس وقت میں لندن میں تھا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، میری اس وقت ڈگری ختم ہوئی تھی اور میاں صاحب اور بیگم صاحبہ کا لندن آنے کے لئے پروگرام بن رہا تھا وہ میرے کانووکیشن میں شرکت کرنے کے لئے آ رہے تھے میں اس کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ مجھے کسی حد تک کشیدگی کا علم تھا۔ کارگل جنگ چل رہی تھی اور پھر میاں صاحب کا واشنگٹن کا دورہ اور اس کے علاوہ جو کشیدگی تھی، ایک طالب علم کے طور پر سمجھ لیں کہ مجھے سیاسی صورتحال کا علم تھا لیکن معاملہ اس حد تک چلا جائے گا کہ ایک دن بیٹھے بیٹھے پاکستان میں فوجی ٹیک اوور ہو جائے گا اور گورنمنٹ کا خاتمہ ہو جائے گا اس حد تک مجھے اندازہ نہیں تھا۔

جب 12 اکتوبر کے واقعہ کی آپ کو اطلاع ملی تو آپ کے کیا احساسات تھے؟

حسن نواز شریف: سب سے پہلے تو بہت حیران تھا۔ جب مجھے خبر ملی کچھ لوگوں نے مجھے فون کیا کہ جی سنا ہے کہ فوج آ گئی ہے۔ لیکن وہ اتنی کچی پکی خبر تھی کہ واقعی پتا نہیں چل رہا تھا کہ ہوا کیا ہے۔ Naturally میں نے سب سے پہلے وزیراعظم ہاؤس فون کرنے کی کوشش کی تو تمام لائنیں بند تھیں۔ لاہور میں ماڈل ٹاؤن والے گھر میں فون کیا جہاں میری والدہ تھیں تو وہ لائنیں بھی بند تھیں۔ اسی طرح رائے ونڈ میں بھی جہاں میرے دادا رہائش پذیر تھے، لائنیں بند تھیں۔ پھر مجھے اتنا اندازہ ہو گیا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اس کے ساتھ ہی انٹرنیشنل میڈیا اور ٹی وی پر فوجی ٹیک اوور کی خبر چلنا شروع ہو گئی۔

اس کے بعد جب یہ جیل چلے گئے، پھر آپ کا کیسے رابطہ ہوا؟

حسن نواز شریف: پہلا رابطہ تو میرا میری والدہ کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے مجھے کسی طریقے سے فون کیا اور بتایا کہ اس طرح سے ہم لوگوں کو گھروں میں انہوں نے بند کر دیا ہے اور میاں صاحب کو شاید کسی ریسٹ ہاؤس میں لے گئے ہیں اور حسین بھی ان کے ساتھ ہے۔ شہباز شریف کو الگ لے گئے ہیں اس طرح پہلا رابطہ شروع ہوا اور پہلی میری بات میاں صاحب سے تب ہوئی جب ان کو کورٹ میں لے کر گئے۔ انٹرنیشنل میڈیا پر بھی ہم نے ان کو دیکھ لیا تھا وہ گاڑی سے اتر رہے تھے۔ وہاں پر بیگم صاحبہ نے موبائل فون پر میری ان سے بات کروادی تو پتا چلا کہ وہ حوصلے میں ہیں اور ماشاء اللہ ٹھیک ہیں الٹا وہ ہمیں حوصلہ دے رہے تھے کہ جی آپ فکر نہ کریں ان کو اخباروں اور لوگوں سے میل ملاقات سے پتا چل گیا تھا کہ میں نے لندن میں کچھ سلسلہ شروع کیا ہے ان کے لئے مہم چلانے کا۔

مہم چلانے کا یا شروع کرنے کا آپ کا اپنا Initiative تھا یا پھر خاندان کے کسی فرد نے

ہدایت کی تھی؟

حسن نواز شریف: میں نے تو کبھی اس طریقے سے سیاست میں قدم بھی نہیں رکھا تھا۔ لیکن میں نے انٹرنیشنل میڈیا پر جو مزاحمت ملٹری ٹیک اوور کی دیکھی تھی، برطانوی اخبارات اور ٹی وی چینل کے علاوہ امریکی اخبارات میں جو میں نے Reaction دیکھا، اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ کتنا گھمبیر مسئلہ ہے جس سے پاکستان کے خلاف کتنی منفی تشہیر ہوگی۔ اور پاکستان کی پبلسٹی کیسے ہوگی۔ بڑا فقدان یہ تھا کہ وزیراعظم کی فیملی کے بارے میں کوئی انفارمیشن نہیں آ رہی تھی۔ کہ وہ کس حالت میں ہیں؟ کس طرح سے فوجی حکومت نے ان کو رکھا ہوا ہے، تو اس صورتحال میں ایک Immediate فیملی ممبر کے طور پر جب میں نے پریس کو فون کیا اور بتایا کہ میں یہاں لندن میں ہوں اور میں وزیراعظم کا بیٹا ہوں۔ تو وہ تو ایک فلڈ گیٹ کھلنے والی بات تھی۔ جس طرح سے میڈیا نے مجھ سے رابطہ کیا پہلے تو سلسلہ یہاں سے ہی شروع ہوا کہ ان کو پتا چلے کہ میں کون ہوں۔ اور ہماری طرف کی حقیقت کیا ہے؟ تو جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو اتنا رسپانس ملا کہ ہر طرف سے لوگ ملنا شروع ہو گئے، بات کرنا شروع ہو گئے، جو سرکاری عہدیدار تھے، انہوں نے رابطے کرنا شروع کر دیئے۔ پھر ایک مہم چل پڑی اس کو منظم تو نہیں کیا تھا۔ اس لئے کہ کسی کو پتا نہیں تھا کہ ایسا کوئی وقت آسکتا ہے۔

آپ کے اس وقت کے انٹرویوز نے بڑا کردار ادا کیا، دوسرے کسی کی بات کو وہ اہمیت نہیں تھی جو خاندان کے فرد کی تھی؟

حسن نواز شریف: اس میں دو Factors نے بڑا کام کیا۔ ایک تو مجھے میری فیملی کی طرف سے پورا تعاون ملا۔ میرے دادا اس وقت زندہ تھے میری ان سے بات ہوئی، اپنی والدہ سے بات ہوئی ظاہر ہے انہوں نے میاں صاحب سے بھی بات کی ہوگی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ جی ہم بالکل اس وقت تک سیاست تو نہیں کر رہے، ہمیں تو پکڑا ہوا ہے ہم جیلوں میں بند ہیں، جو حقیقت ہے، وہ تو دنیا کو پتا چلے نا۔ پتا تو چلے کہ کیا ہو رہا ہے؟ اور ایک منتخب وزیراعظم کو کس حال میں رکھا ہوا ہے اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ تو Initiative یہیں سے شروع ہو گیا تھا۔ پھر دنیا کو پتا چلا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے، ہمارے خاندان کے ساتھ، گھروں میں، خواتین اور بچوں کے ساتھ۔ ایک بات یہ ہے کہ میاں صاحب نے اپنے دور حکومت میں ملکوں کے ساتھ بہت اچھے تعلقات بنائے تھے خاص طور پر مسلم ممالک سے، اس وقت امریکہ میں بل کلنٹن کی حکومت تھی ان سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ اس کے علاوہ عرب ممالک، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، کویت، خاص طور پر ان کے

سفیروں سے میری بھی بہت اچھی طرح جان پہچان تھی۔ ان سب کو جب پتا چلا کہ لندن میں ان کا بیٹا ہے جو بات کر رہا ہے تو انہوں نے بھی غیر مشروط تعاون کی پیشکش کی۔

پہلا رابطہ

سفیروں میں سے سب سے پہلا رابطہ کس نے کیا؟

حسن نواز شریف: دراصل پہلے رابطہ میں نے کیا تھا۔ میں نے فون کیا تھا۔ اس وقت لندن میں جو سعودی سفیر تھے، ان سے میں نے بات کی، انہوں نے مجھے بلایا، مجھ سے ملاقات کی۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح سے آپ نے بات کی ہے (میں ایک غیر سیاسی انداز میں کام کر رہا تھا) اس کو آپ جاری رکھیں اور کوشش کریں کہ آپ ہمیں تازہ ترین صورتحال سے مطلع کرتے رہیں اور جو کچھ بھی آپ کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ پرنس عبداللہ آپ کے والد کا بہت احترام کرتے ہیں میں نے کہا کہ میں جانتا ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ میں جا کر ان سے ملوں اور ان کو Brief کروں جو کچھ مجھے پتا ہے۔ تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہاں آپ ضرور رابطہ کرلیں۔ میں نے پھر ریاض میں ان کے دفتر سے رابطہ کیا۔ تو انہوں نے مجھ سے ساری تفصیلات لینے کے بعد کہا کہ ہم آپ سے رابطہ کریں گے۔ میرے خیال میں وہ بھی Check بھی کرنا چاہتے تھے کہ آیا واقعی اصل میں بھی کال ہے یا نہیں؟ میرا خیال ہے کہ انہوں نے پھر اپنے سعودی سفارت خانے سے رابطہ کیا اور پتا کروایا۔ ایک گھنٹے کے بعد مجھے واپس فون آگیا کہ جی شہزادہ عبداللہ کہہ رہے ہیں کہ آپ سعودی عرب تشریف لائیں اور آکر ملیں۔ میں نے کہا کہ جی میں تو اس طرح کبھی آیا نہیں ہوں۔ آپ مجھے بتا دیں کہ مجھے ویزے کے لئے بھی اپلائی کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے سفارت خانے میں ہدایات دے دی ہیں۔ شہزادہ عبداللہ کہہ رہے ہیں کہ آپ بتائیں کہ آپ کب ملنا چاہ رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ جی میری تو عمران کے پوتوں کے برابر بھی نہیں ہے اور وہ کراؤن پرنس ہیں۔ وہ بتائیں مجھے حکم دیں۔ میں اس دن اس جگہ پہنچ جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں آپ بتائیں، لندن سے آپ نے آنا ہے۔ آپ کب آسکتے ہیں؟ میں نے کہا کہ جی میں اگلے ہفتے آجاتا ہوں۔ انہوں نے کہا ہم آپ کو دوبارہ کنفرم کرتے ہیں؟ انہوں نے پھر فون کیا اور کہا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ ٹھیک ہے، آپ آجائیں۔ مجھے تو اب یاد بھی نہیں کہ کس طرح سے ہر چیز ارینج ہوئی، ویزہ وغیرہ بھی لگ گیا، سفر کے انتظامات بھی ہو گئے انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ اپنے ساتھ کسی کو لانا چاہتے ہیں؟ میرے ساتھ ایک دو Associates تھے۔ انہوں نے کہا آپ جس کو بھی لانا چاہتے ہیں، لے آئیں، لندن سے ہم لوگ پھر سیدھا ریاض چلے گئے، ریاض میں ویسا ہی شاہی

انتظام تھا جیسا میاں صاحب کے لئے کیا جاتا تھا۔ شاہ فہد کا پروٹوکول آفیسر ایئر پورٹ پر آیا ہوا تھا۔ انہوں نے میرا استقبال کیا، اسی طرح مجھے ریاض کے محل میں لے گئے اور انہی جگہ پر رکھا جہاں پر وزیر اعظم کو ٹھہراتے تھے۔ تو مجھے کچھ حوصلہ ہوا کہ کس طرح یہ لوگ نبھاتے ہیں ورنہ جو اقتدار میں نہ رہے تو کون اس کو پوچھتا ہے۔ دل میں عزت اور بھی بڑھ گئی کہ دیکھیں یہ لوگ کتنی پرواہ کرتے ہیں۔ وہاں پر انہوں نے مجھے ایک دن رکھا پھر اگلے دن وہ مجھے میٹنگ کے لئے گئے۔ اضطراب بھی تھا کہ میں کبھی اس طرح سے اتنے بڑے لوگوں کو ملا بھی نہیں تھا۔ تھوڑا سا نروس بھی تھا۔ جب ہم ان کے پیلس میں پہنچ گئے تو انہوں نے مجھے ان کے مہمان خانے میں بٹھایا اور کہا کہ شہزادہ عبداللہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے کچھ نزلہ اور فلو ہے۔ تو صرف 10 سے 15 منٹ کی آپ کی ملاقات ہوگی ہم آپ کو یہی بتانا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جی ٹھیک ہے میں نے اور کیا بات کرنی ہے۔ اس کے بعد مجھے ان کے دفتر میں لے گئے جو ان کا پرائیویٹ آفس تھا۔ وہاں پر شہزادہ عبداللہ نے خود میرا خیر مقدم کیا انہوں نے مجھے بٹھا دیا۔ میں نے کہا کہ جی مجھے معلوم ہے کہ آپ کا وقت کم ہے۔ آپ کا بڑا شکریہ کہ آپ نے مجھے بلایا۔ میری بات سننے کے لئے۔ ساتھ ہی انہوں نے فون اٹھایا اور کہا کہ جی مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔ میں میٹنگ میں ہوں، کوئی کال بھی آتی ہے تو جب تک میں نہ کہوں، مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ میں نے سب سے پہلے صرف اپنا تعارف کروایا تو انہوں نے میری بات کاٹ کر اپنی بات شروع کر دی۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس مشرف صاحب آئے تھے (بلکہ وہ مشرف کا نام بھول گئے تھے انہوں نے اپنے مترجم (interpretor) سے پوچھا کہ: ''جس نے کتے اٹھائے ہوئے تھے۔ جن کی تصویر اخبار میں چھپی تھی۔ ان کا نام آپ کو یاد ہے''۔ انہوں نے پوچھا کہ اس کا کیا نام ہے۔ تو اس نے بتایا کہ اس کا نام مشرف ہے۔ تو انہوں نے کہا ہاں مشرف میرے پاس آیا تھا) پرنس عبداللہ نے بتایا کہ انہوں نے صاف دو ٹوک الفاظ میں بات کی اور ملتے ہی کہا کہ آپ بتائیں کہ آپ نواز شریف کو کب چھوڑیں گے؟ تو مشرف نے آگے سے ذکر کیا کہ ان پر بڑے کیس ہیں۔ ہائی جیکنگ کا کیس ہے۔ فلاں کیس ہے، بہر حال وہ تو کورٹ کے اوپر ہے تو شاہ عبداللہ نے کہا کہ جی ہمیں پتا ہے کہ کورٹ کے اندر جو بھی معاملہ ہے، اگر آپ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کوئی قرضے اتارنے ہیں، وہ سب سعودی حکومت کے ذمے ہے، آپ ان کو چھوڑیں کہتے ہیں کہ مشرف نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جو مجھ سے ہو سکا میں کروں گا۔ پرنس عبداللہ نے بتایا کہ میں نے آدھے گھنٹے کی میٹنگ بھی جلدی میں ختم کر دی۔ جیسے ہی مشرف کا وفد نکلا، میں نے ابوظہبی میں شیخ زید جو اس وقت پریذیڈنٹ تھے، ان کو فون کیا، قطر کو فون کیا، اس کے علاوہ سب کو فون کیا اور کہا کہ مشرف صاحب آئیں گے اور میں نے ان سے یہ بات اس طرح سے کی ہے اور

دوسری کوئی بات نہیں کی۔ کہ پہلے میاں نواز شریف کو آپ چھوڑیں، پھر سعودی عرب آپ سے بات کر لے گا۔ تو آپ لوگ بھی اس چیز پر زور دیں۔ کہنے لگے کہ اس کے بعد مجھے پتا ہے کہ شیخ زید نے بھی حقیقتاً شاہ عبداللہ والی باتیں دہرائیں اور وہی بات انہوں نے بھی کی کہتے ہیں کہ ہم نے اس کے اوپر بڑا دباؤ ڈالا۔ ہمیں یقین ہے کہ بہت جلد ہم میاں صاحب اور ان کی فیملی کو باہر لے آئیں گے۔ Exile کی بات اس وقت نہیں ہوئی تھی۔ کہ وہ سعودی عرب میں آئیں گے یا کہیں اور جائیں گے؟ لیکن مجھے فوری طور پر جو حوصلہ ملا وہ یہ تھا کہ یہ میاں صاحب کے بہت اچھے دوست ہیں۔ اتنا ہم نے اپنے والد صاحب سے سنا تھا کہ شہزادہ عبداللہ جب پاکستان آئے تھے۔ تو بہت پیار انہوں نے میاں صاحب سے دکھایا تھا وہ بہت دل سے میاں صاحب کی عزت کرتے تھے۔ اور انہوں نے کہا تھا کہ میاں صاحب میرے سگے بھائیوں کی طرح ہیں تو میں نے میٹنگ میں ان کو یہ بات یاد دلائی کہ مجھے پتا تھا کہ آپ نے میاں صاحب سے یہ بات کی ہے۔ کہ وہ ان کے بھائیوں کی طرح ہیں۔ اور یہی چیز سامنے رکھتے ہوئے میں آج آپ کے پاس آیا ہوں۔ تو انہوں نے مجھے کہا کہ وہ میرا بھائی نہیں، وہ میرا خون کے رشتے سے بھائی ہے۔ اس حد تک وہ قریب تھے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے اپنے والد سے ملے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا ہے آج میں آپ کے پاس بیٹھا ہوں تو مجھے لگ رہا ہے کہ میں اپنے والد کے پاس بیٹھا ہوں۔ یہ بات میں نے ان سے کی اور اس بات کی انہوں نے بڑی تعریف کی انہوں نے مجھے پیار دیا دلاسہ دیا سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جو ہم کر سکتے ہیں وہ ہم پہلے ہی کر رہے ہیں انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ اکیلے رہ رہے ہیں۔ اگر آپ کی کوئی مالی ضروریات ہیں، تو بتائیں ہم آپ کا انتظام کریں۔ سعودی سفارت خانے کے تحت لندن میں آپ کا بندوبست کریں۔ میں نے کہا کہ نہیں جی میرا گھر لندن میں ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم ٹھیک ٹھاک لندن میں رہائش پذیر ہیں ہمیں کوئی پرابلم نہیں انہوں نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا جو کہ آپ یہاں پر آئے ہیں، اب آپ یہاں سے قطر جائیں تو میں نے کہا کہ میں ضرور چلا جاؤں گا اور میں کل ریاض پہنچا ہوں تو میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ کب کرنا چاہتے ہو، میں نے کہا کہ بس میں آپ سے ملنے کے لئے انتظار میں تھا۔ تو اب میں مکہ مدینہ جاؤں گا اور عمرہ ادا کروں گا۔ انہوں نے اسی وقت فون کر کے اپنے بندوں کو بلا کر سارا انتظام کروایا کہ جب آپ ان کو شاہی مہمان کے طور پر مکہ میں لے کر جائیں وہاں مدینے میں محل میں انتظام کروایا انہوں نے میرا سارا عمرہ Arrange کروایا۔ انہوں نے پھر اسپیشل فلائٹ کے ذریعے مجھے قطر بھیجا۔ انہوں نے کہا وہاں پر آپ حکمرانوں سے جا کر ملیں۔ اور میں ان کی ذمہ داری لگا لوں گا کہ وہ یہ سارا معاملہ Handle کریں۔ میں نے پھر عمرہ کیا جدہ سے پھر

قطر میں گیا پھر دوہا میں شاہی فیملی سے ملا۔ وہاں کا جو کراؤن پرنس تھا اس سے انہوں نے میری ملاقات کروائی۔ میں نے ان کو سارا بتایا کہ اس طرح میری شاہ عبداللہ سے ملاقات ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں بالکل Briefing مل گئی ہے۔ ہم لوگ بھی پوری طرح اس کیس کے پیچھے ہیں۔ اور جو ان کا فارن منسٹر ہے۔ وہ پہلا آفیشل تھا جو پاکستان جا کر اسلام آباد میں میاں صاحب سے جیل میں مل کر آیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت دو لوگ تھے ایک قطر کا فارن منسٹر تھا شیخ حامد اور دوسرا محمد سرور جو برٹش پارلیمنٹ میں ہیں۔ یہ دو لوگ میاں صاحب کو اس زمانے میں ابتدائی دنوں میں جیل میں مل کر آئے تھے، اس طرح جب مجھے پتا چلا کہ شیخ حامد مل کر آیا ہے اور یہ معاملہ پہلے ہی شاہ عبداللہ کے زیر نگرانی چل پڑا ہے تو کافی تسلی ملی۔ اس کے بعد ہم چاہتے تھے کہ دباؤ برقرار رہے۔ کیونکہ جیسا کہ آپ کو پتا ہے کہ سعودی کام تو کرتے ہیں لیکن بہت Low Profile میں رہ کر کام کرتے ہیں وہ لوگ کبھی پریس کانفرنس وغیرہ نہیں کرتے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ کے والد صاحب کے کلنٹن کی انتظامیہ سے تعلقات رہے ہیں۔ تو آپ ان کو مطلع کرتے رہیں یہ بات قطر نے بھی کی اور عبداللہ نے بھی اس کے بعد میں واشنگٹن گیا اس سے پہلے دراصل میں نے ویزا کے لئے اپلائی کیا اور انہوں نے کچھ گھنٹوں میں ہی مجھے سارا انتظام کر کے دیا۔ وہاں پر مجھے معلوم تھا کہ کچھ حکام کے ساتھ میرے والد صاحب کے تعلقات رہے تھے۔ وہاں پر کلنٹن انتظامیہ کے جو لوگ تھے۔ ان میں سیکرٹری بل رچرڈسن (Bill Richardson) تھے جن سے میرے والد صاحب کی اچھی جان پہچان تھی میں ان سے خود جا کر ملا۔ Senators کو ملا۔ جو کلنٹن انتظامیہ کے لوگ تھے۔ ایک بروس رائیڈل تھا، میں اس کو جا کر ملا، جو پاکستان ڈیسک کے لوگ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں تھے، ان کو ملا، یہ سب لوگ کلنٹن کے بہت قریب تھے اور ظاہر ہے کہ یہ اس کو باخبر بھی رکھتے تھے۔ ان کو جب میں نے اشارہ دیا کہ اس طرح میری سعودی عرب میں بھی بات چلی ہے اور وہ لوگ اس معاملے میں بڑے سیریس ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے اوپر سعودی عرب کا سیاسی اثر و رسوخ بڑا اچھا ہے۔ تو اگر وہ چینل آپ استعمال کر سکتے ہیں تو ہم آپ کو Encourage کریں گے۔ اور ہم اپنے طور پر بھی کوشش کریں گے۔ ہمارا انڈیا اور پاکستان کا کلنٹن کا دورہ آ رہا ہے لیکن ابھی تک ہم نے فیصلہ نہیں کیا کہ کلنٹن پاکستان جائے گا یا نہیں تو وہ بھی سوچ رہے ہیں اس کو ایک پریشر tactic کے طور پر استعمال کریں اور کوشش کریں کہ وہ وزیراعظم نواز شریف کو بریف دے سکیں اور اس معاملہ پر ہم آپ سے In Touch رہیں گے تو وہ میری بڑی اچھی میٹنگز رہیں۔ بل رچرڈسن نے بھی مجھے بعد میں بتایا کہ میں نے بل کلنٹن کو ساری صورتحال سے مطلع کیا اور وہ بہت سیریس ہے اور اس نے اپنی انتظامیہ سے بھی کہا ہے کہ سرکاری اور غیر سرکاری طور پر جو بھی ہو سکتا

ہے آپ وزیر اعظم کے لئے کریں۔ اس طرح سے یہ سارا معاملہ طے ہوا۔ اس کے بعد ظاہری بات ہے کہ میری ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ میں واشنگٹن بھی گیا، ریاض بھی گیا، دوحہ بھی گیا تو یہ سب کا سب اخبارات میں چھپتا گیا۔ میرے پاس اس کی پوری فائل بنی ہوئی ہے جو ساری Clippings چلتی رہیں۔ بلکہ مجھے یاد ہے قطر میں ایک انگریزی اخبار نے فرنٹ پیج کے اوپر پورا لکھا ہوا تھا ''On a mission to save father'' انہوں نے پوری تفصیل لکھی ہوئی تھی کہ ان کا بیٹا جو ساری دنیا میں مہم چلا رہا ہے۔

لبنانی وزیر اعظم کی دلچسپی

بیگم صاحبہ بھی اس سارے معاملے میں آپ سے رابطے میں تھیں؟

حسن نواز شریف: کسی حد تک تھیں۔ اس وقت تو وہ سفر ہی نہیں کر سکتی تھیں اور رابطہ بھی بہت محدود تھا۔ لیکن جب قطر والا معاملہ چلا اور آگے باقی کے معاملات چلے اس وقت پھر مریم کو بھی شامل کیا۔ ایک دن مجھے شہزادہ عبداللہ کے آفس سے فون آیا کہ کیا آپ لبنانی وزیر اعظم کی فیملی کو جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جی نہیں میں نہیں جانتا۔ نہ میں ملا ہوں اور نہ مجھے پتہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ رفیق حریری کے جو صاحبزادے ہیں سعد حریری ان کی ہم نے ڈیوٹی لگائی ہے وہ پاکستان میں مشرف حکومت سے بات چیت کر رہے ہیں (آپ کے والد کی رہائی کے لئے) تو یہ معاملہ میرے لئے کافی حیران کن تھا کہ رہائی تک کی بات آ گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کچھ لوگ ہیں جو جا کر میاں صاحب اور آپ کی فیملی سے ملنا چاہتے ہیں اس دوران میں نے مریم کو فون کیا کہ وہ لوگ فون کریں گے۔ ان سے بات کریں۔ میرا ان سے رابطہ ہو چکا ہے۔ شاہ عبداللہ سے میری میٹنگ کا ان کو پتہ تھا۔ تو یہ اسی کا Follow up ہے۔ اس طرح انہوں نے مریم سے رابطہ کیا اور کہا کہ ہم لوگ آ رہے ہیں۔ پھر سارا پروگرام مریم کے ذریعے سیٹ ہوا۔ پھر کچھ لبنانی اور سعودی حکام پاکستان آ گئے جو جا کر میرے دادا سے ملے ان کو اعتماد میں لیا اور کہا اس طرح ہم لوگ اپروچ کر رہے ہیں۔ ہم ان سے بات کرنا چاہتے ہیں آپ کی کوئی Reservation یا Suggestion ہے تو بتائیں اسی وقت میری فیملی نے میرے دادا کے ذریعے Confirm کر دیا کہ ٹھیک ہے کہ اگر ہمارے محسن سعودی شاہ عبداللہ چاہتے ہیں تو ہم اس سارے معاملے کو Entertain کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن یہ بات پہلے دن سے طے ہے کہ نہ ہم کوئی معافی مانگیں گے کیوں کہ ہم نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے اور نہ ہم مشرف سے کوئی معاہدہ دستخط کریں گے۔ کیوں کہ ہم اس کو مانتے ہی نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے اور شاہ عبداللہ یہ سمجھتے ہیں

کہ نواز شریف بہت ینگ سیاستدان ہیں ان کا سیاسی کیریئر بھی بہت عروج تک جا سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہیں تو پھر ہم میاں صاحب سے آگے جا کر بات کرتے ہیں اس کے بعد میاں صاحب سے ان کی جیل میں دو تین ملاقاتیں ہوئیں اور میاں صاحب نے بھی صاف طور پر ان کو کنفرم کر دیا کہ ہم کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں کریں گے اور نہ ہم نے کوئی معافی مانگی ہے وہ تو پہلے دن والی بات ہے کہ آپ معافی مانگ لیں استعفیٰ دیں اور جہاں جانا چاہیں، جائیں تو اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور ہم ڈیڑھ سال سے بیٹھے ہیں، جب تک اللہ چاہے گا ٹھیک ہے ہم بیٹھے رہیں گے، انہوں نے کہا کہ شہزادہ عبداللہ کہتے ہیں کہ فی الحال جیل سے ہم آپ کو نکلوا لیتے ہیں آپ سعودی عرب آ جائیں گے تو ایک دو سال آپ Low profile رہیں۔ سیاست میں حصہ نہ لیں۔ پھر اس کے بعد دیکھیں گے کہ ٹریول کرنا ہے یا نہیں۔ اس انڈرسٹینڈنگ سے پھر مریم سے ان کا واسطہ ہوا۔ اس وقت مریم نے بھی پاکستان میں رہتے ہوئے رول ادا کیا۔ یہ سارا لب لباب اس بیک گراؤنڈ کا تھا۔

شاہ عبداللہ کی ناراضی

فائنل مذاکرات پھر کیسے ہوئے؟

حسن نواز شریف: اصل میں مشرف شاہ عبداللہ کو زبان دے چکے تھے کہ جی ٹھیک ہے۔ ہم چھوڑ دیں گے اور کچھ نہیں کریں گے۔ اس کے بعد معاملہ جب کورٹ میں آگے بڑھا اور کورٹ نے سب کو صاف کر کے میاں صاحب کو جب عمر قید کی سزا سنا دی، پھانسی کی سزا نہیں ہوئی تھی۔ تو مشرف حکومت نے ہائی کورٹ میں اپیل کر دی کہ پھانسی کی سزا ملنی چاہیے اور باقی کے جو پانچ ملزم چھوڑے ہیں ان کو بھی دوبارہ سے چارج کرنا چاہیے۔ جب یہ خبر شاہ عبداللہ تک پہنچی تو وہ بہت سیریس ہو گئے۔ بہت غصے میں آ گئے اُن کو مشرف نے زبان دی تھی کہ میں چھوڑ دوں گا۔ دوسری طرف مشرف کی حکومت پھانسی کے لئے اپیل کر رہی تھی۔ وہاں پر He lost his temperament، مجھے یہ بات قطر کے فارن منسٹر نے بھی بتائی کہ اس نے کہا کہ جی میں نے پاکستان کے ساتھ کوئی بات نہیں کرنی۔ مشرف کے ساتھ میں نے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں رکھنا اور پاکستان حکومت اور مشرف کو انہوں نے بہت صاف اور واضح سگنل بھیج دیا کہ اگر آپ نے اس معاملے پر ابھی عمل نہ کیا۔ تو سعودی عرب جو پاکستان کو ایٹمی دھماکوں کے بعد فری تیل سپلائی کر رہا تھا، اس کو آپ آج کے بعد ختم سمجھیں۔ اتنا صاف اور واضح اشارہ پاکستان کو ملا اور میرا خیال ہے کہ پاکستان جیسا ملک افورڈ ہی نہیں کر سکتا تھا کہ سعودی عرب کے ساتھ تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو۔

تو پھر یہ کیسے طے ہوا کہ قرضوں کا معاملہ یوں طے ہوگا، یہ کس نے طے کیا؟

حسن نواز شریف: اس کے بعد جب معاملہ میں بگاڑ پیدا ہوا تو پھر Take it اور Leave it والا معاملہ پیدا ہوا۔ کہ آپ نواز شریف کو چھوڑیں گے تو پھر بات ہوگی۔ اس وقت واضح ہوگیا کہ پاکستان کو چھوڑنا پڑے گا میرا خیال ہے کہ اس کے بعد مشرف کی جو ٹی وی پر تقریر چلی تھی، اس میں بھی انہوں نے کہا تھا کہ کچھ ایسے تعلقات ہیں، کچھ ایسی باتیں ہیں جو منظر عام پر نہیں آسکتیں۔ تو بنیادی طور پر وہ یہی باتیں تھیں کہ سعودی عرب نے بہت سخت الفاظ میں پاکستان کو اشارہ دیا تھا۔ لیکن جو ڈیل والی بات ہے، جو ہماری اتفاق مل ہے، جو ساری جائیداد اور اثاثے ہیں، وہ ہندوستان پاکستان کے زمانے سے ہیں اور یہ سارا کاروبار میرے دادا نے 1937ء سے شروع کیا تھا۔ تو وہ اتنا بڑا کاروبار تھا۔ میں بھی لندن میں کاروبار کرتا ہوں۔ میرے بھی بینک کی Liabilities ہیں۔ Long ٹرم Liabilities ہوتی ہیں۔ جو کہ 25,20,20 سال کی ہوتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جی ڈیل ہوگئی ہے اور یہ فی الحال چھوڑ کر جا رہے ہیں لیکن جو قرصے بینکوں کے ہیں۔ وہ آپ Over night واپس کریں۔ کس طرح کر دیں کسی بھی چلتے ہوئے کاروبار کے لئے یہ مشکل ہوتا ہے۔ آج اگر آپ کہیں کہ امریکہ میں جو جنرل موٹرز ہیں، راتوں رات اپنے قرضے امریکہ کو واپس کر دے تو کل کو وہ بھی بینک رپٹ ہو جائے گی۔ تو اس طرح سے انہوں نے بزنس کو Exploit کیا۔ انہوں نے کہا کہ قرضے واپس کریں اور اگر نہیں کیے تو پیچھے سے کورٹ کیس چلا کر ہم زبردستی آپ سے واپس حاصل کرلیں گے۔ ان میں سے کچھ شریف فیملی کے اثاثے بھی تھے جن کے متعلق میاں صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے ان کو ہم بینکوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ انڈسٹریل اثاثوں کو بیچیں اور جو قرضے ہیں، ان کو اتارلیں۔ لیکن کبھی بھی موقع پر گھروں کا معاملہ، رائے ونڈ میں جو گھر ہے، ماڈل ٹاؤن میں جو گھر تھے، ان کی کسی قسم کی کوئی ڈیل نہیں ہوئی۔ یہ تو بہت سادہ چیز ہے اور صاف بات ہے کہ ہم آج بھی سمجھتے ہیں کہ ہمارے ماڈل ٹاؤن کا گھر ہے، وہ ہماری ملکیت ہے، وہ ہمارے نام ہے۔ ہم نے کسی بھی مرحلے پر ان کو بینکوں کے حوالے کرنے کے لئے بات ہی نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ یہ معاملہ ہماری فیملی میں بڑا واضح ہے۔ وہ ہمارے آبائی گھر ہیں اور ہم اس میں پلے بڑھے ہیں۔

رہائی کے معاملے کے حتمی مذاکرات کس نے طے کئے اور کس نے کہا؟

حسن نواز شریف: جو تعداد تھی وہ تو پہلے دن سے ہی کلیئر تھی۔ کہ اس میں نواز شریف خاندان کے جو Immediate افراد ہیں، وہ سب جائیں گے اس میں دو تین مختلف باتیں تھیں۔ ایک تو میاں صاحب

کی والدہ، بیگم صاحبہ اور بچے جو وہاں پر تھے وہ سب جائیں گے، کوئی اس میں Sense بھی نہیں بنتی تھی کہ باپ نہیں جائے گا، بیوی جائے گی، ماں نہیں جائے گی، بیٹا جائے گا، لیکن اس میں میرا خیال ہے کہ مشرف صاحب کا بھی بہت حد تک کردار تھا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میاں صاحب چلے جائیں اور بیگم کلثوم رہ جائیں۔ تو انہوں نے کہا کہ ایک ایک عورت اور ایک ایک بچہ ان کے ساتھ جائے گا تو پھر ہم میاں صاحب کو جانے دیں گے۔ لیکن ظاہری بات ہے کہ میاں صاحب اگر جاتے ہیں تو سب نے ہی جانا تھا۔ یہ تو بہت دن سے واضح تھا کہ پوری فیملی اکٹھی جائے گی۔ ظاہری بات یہ ہے کہ اس میں عباس صاحب اور حسین جیسے غیر سیاسی افراد بھی شامل تھے۔ ان کو بھی جیلوں میں بغیر کسی وجہ اور کیس کے سلسلہ میں رکھا ہوا تھا۔ تو مناسب اس وقت یہی تھا کہ سارا خاندان اکٹھا باہر جاتا۔

فائنل تفصیلات پھر کس نے طے کیں؟

حسن نواز شریف: اس وقت تک میری involvement محدود تھی۔ میں لندن میں تھا۔ اس وقت پاکستان میں مریم اور میرے دادا صاحب ہی بات چیت کر رہے تھے والدہ بھی ایکٹو تھیں۔ تو آخری تفصیلات وہیں طے ہو رہی تھیں۔

آپ کو فائنل تفصیلات کا نہیں پتا کہ سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان کیا ہوا؟

حسن نواز شریف: جہاں تک مجھے پتا ہے اور کافی حد تک بات صحیح بھی ہے کہ جو بیانات اخبارات میں آ رہے تھے کہ وہ دس سال تک پاکستان نہیں آ سکتے، تو ایسی کوئی دستاویز موجود ہی نہیں تھی جس میں شریف فیملی کی مشرف کے ساتھ کوئی ڈیل ہوئی ہو، یا ذکر ہوا ہو کہ دس سال سے پہلے واپس نہیں آ سکتے اور انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتے۔ جہاں تک میرے علم میں ہے، شریف فیملی نے اس وقت کے صدر تارڑ سے اجازت لی تھی کہ ہمیں میڈیکل وجہ کی بنیاد پر اجازت دی جائے کہ ہم جیلوں سے باہر جا سکیں یہ کسی حد تک بات ہوئی تھی۔ لیکن کوئی معاہدہ یا کوئی ڈرافٹ نہیں تھا جس پر میاں نواز یا میاں شہباز کے کوئی دستخط ہوں۔

صدر تارڑ نے کیا کیا؟

صدر تارڑ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب وہ کلنٹن سے ملاقات کے لئے گئے تو انہوں نے کوئی Chit یا کوئی پیغام دیا تھا؟

حسن نواز شریف: صرف سننے یا پڑھنے کی حد تک مجھے پتا ہے لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ کوئی Chit یا پیغام ان کو دیا تھا۔ لیکن میں نے سنا ضرور ہے۔

لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر کوئی ڈیل نہیں تھی۔ تو پھر سعودی عرب میں اتنا لمبا stay کیوں تھا۔ ایسی کیا مشکلات تھیں جب ان کے ساتھ طے بھی نہیں تھا تو وہاں سے لندن آنے میں کیا رکاوٹ تھی؟

حسن نواز شریف: میرا تو خیال ہے کہ جو انڈرسٹینڈنگ تھی وہ یہی تھی کہ ایک دو سال میاں صاحب اور ان کی فیملی سعودی عرب میں رہیں گے اور پھر جب حالات سنبھلتے ہیں تو ان کو اجازت ہے کہ جہاں مرضی چاہے وہ جا سکتے ہیں۔ لیکن آپ کو بھی پتا ہے کہ جس طرح پچھلے تین سالوں سے ان کے پاسپورٹ Delay ہوئے ہیں وہ سب کے سامنے ہیں، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ جیسے ہی پاسپورٹ ملے ہیں لوگ باہر آ گئے ہیں، کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ سعودی عرب نے کوئی روکنے کی کوشش نہیں کی ہے آپ کو پتا ہے کہ اگر آپ سعودی عرب میں رہتے ہوئے تو وہاں سے باہر جانے کے لئے آپ کو ویزا Rentry ایگزٹ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ سعودی اتھارٹی لگاتی ہے، اس کے بغیر آپ باہر نہیں جا سکتے انہوں نے ایک دن میں وہ بھی لگا دی کہ آپ لوگ جب مرضی چاہیں، آپ جائیں اور اگر آپ واپس آنا چاہتے ہیں تو آپ جب مرضی چاہے آ سکتے ہیں۔ اس طرف سے ہمیں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ رکاوٹ تو صرف یہ تھی کہ ہمارے خاندان کو پاسپورٹ ہی نہیں مل رہے تھے۔

تو اس کا مطلب ہے کہ میاں صاحب اب پاکستان جا سکتے ہیں یا کوئی رکاوٹ ہے؟

حسن نواز شریف: میرا نہیں خیال کہ کسی قسم کی کوئی رکاوٹ ہے، رکاوٹ کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آپ کا اپنا کوئی ارادہ سیاست میں حصہ لینے کا ہے؟

حسن نواز شریف: میرا تو ابھی کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یا آپ سمجھ لیں کہ میں نے سوچا ہی نہیں ہے۔ ارادہ تو انسان بناتا کچھ ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی قسمت میں کچھ اور ہی لکھا ہوتا ہے۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ 7,6 سال پہلے کہ میں اپنے خاندان کے لئے بین الاقوامی سطح پر مہم چلاؤں گا اور جا کر سعودی بادشاہوں سے ملوں گا اور اس لیول پر یہ سب کچھ کروں گا۔

آپ اس وقت جدہ میں تھے، جب یہ لوگ سعودی عرب پہنچے تھے؟

حسن نواز شریف: میں اس وقت لندن میں تھا، میں دو تین دن بعد وہاں پر پہنچا ہوں، جب یہ لوگ وہاں پر settle ہو گئے تھے، اس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ میرے والد صاحب، میرے چچا ابھی بھی سیاست میں جوان ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے، انہوں نے ہی پارٹی کو مستحکم کیا ہے، وزیر اعظم ہیں، وزیر اعلیٰ رہے ہیں، ابھی ان کا سیاسی کیریئر ہے ابھی وہ لوگ آگے آئیں گے۔ وہ ملک کی باگ ڈور سنبھالیں گے تو میرا اپنا کوئی ذاتی ارادہ نہیں ہے یا ابھی سوچا ہی نہیں ہے کہ سیاست میں آیا جائے۔

بزنس میں آپ بہت کامیاب رہے ہیں، کبھی سوچتے ہیں کہ پاکستان میں جا کر بزنس انڈسٹری لگائیں؟

حسن نواز شریف: اللہ کا بہت شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی سمجھ اور عقل دی ہے۔ میں پچھلے 12,11 سال سے لندن میں رہ رہا ہوں خاص طور پر ٹیک اوور کے بعد یہاں پر رہنا پڑا۔ یہاں پر میں نے رئیل اسٹیٹ کا بزنس شروع کیا، اس کے علاوہ یہاں پر ہمارا چھوٹا سا ایک Financial فنڈ ہے جس کو میں چلاتا ہوں۔ جس میں ہم UK اور امریکہ میں ٹریڈنگ کرتے ہیں۔ اللہ نے ہمیں اپنے مالی وسائل بھی عطا کیے ہیں۔ فیملی بیک گراؤنڈ بھی اچھا ہے تو اللہ کا کرم ہے کہ اس سائیڈ سے ہمیں کسی کا محتاج ہی نہیں ہونا پڑا۔ اور نہ اللہ کبھی ایسا کرے۔ لیکن جب کبھی انسان سوچتا ہے کہ بے شک پیسہ ہے، طاقت ہے، گھر ہے لیکن پاکستان سے باہر کسی بھی ملک میں رہتے ہوئے انسان سوچتا ہے کہ میں یہاں سیکنڈ کلاس Citizen کے طور پر رہ رہا ہوں۔ حالانکہ برطانیہ میں ایسی کوئی تفریق نہیں ہے لیکن انسان یہ سوچتا ہے کہ اپنا ملک اپنا ہی ہوتا ہے۔ اس میں چاہے آپ کے پاس زیادہ پیسہ نہ ہو، تھوڑا پیسہ ہو، لیکن آپ فرسٹ کلاس شہری کے طور پر اپنے ملک میں رہتے ہیں۔ تو یہ بنیادی چیز ہمیشہ ذہن میں رہتی ہے۔ جب بھی آپ سوچیں تو یہ احساس جاگتا ہے۔ اگر اللہ نے موقع دیا کہ میں یہاں سے پاکستان چلا جاؤں اور سب کچھ یہاں سے Wind up کرلوں تو جو کام ہم یہاں پر کرتے ہیں۔ وہ پاکستان میں رہ کر بھی کر سکتے ہیں، بے شمار غریب خاندان اس سے فائدہ حاصل کریں گے کہ سرمایہ کاری پاکستان میں آئے، یہاں پر کارخانے لگائیں، یہاں پر کاروبار کریں، لوگوں کو ملازمتیں دیں تو کیوں نہیں جو اپنی Capacity میں انسان کرتا ہے تو میں کیوں نہیں کرنا چاہوں گا، ضرور کرنا چاہوں گا۔

میری بیماری

آپ کی بیماری کے بارے میں کافی باتیں ہوئی ہیں اور میاں صاحب بھی اس سلسلے میں

پریشان رہتے ہیں، تو کیا واقعی اس کی نوعیت کافی سریس ہے؟

حسن نواز شریف: بیماری تو خیر کوئی بھی ہو، انسان اس کو سنجیدگی سے لیتا ہے، جب تک انسان کا جسم ٹھیک چلتا رہتا ہے، انسان کو پرواہ نہیں ہوتی۔ لیکن ذرا سی خرابی ہوتی ہے تو انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اچھی صحت کتنی بڑی نعمت ہے آپ سمجھ لیں کہ میری جوان عمر ہے۔ میں صرف تقریباً 30 سال کا ہوں۔ تو اس میں ایک ایسی اعصابی بیماری جس میں آپ کا نروس سسٹم ہوتا ہے جس کی کچھ پانچ، چھ مہینے پہلے تشخیص ہوئی ہے پہلے تو بہت بڑا Set Back تھا۔ مایوسی تھی۔ ظاہر ہے کہ سب کو فکر تھی مجھے بھی تھی اور خاص طور پر میرے والدین خاصے پریشان تھے کہ بیٹا ہے اور اتنی جوانی میں بیمار ہو گیا ہے تو ظاہر ہے کہ فیملی کے لئے ایک بہت بڑا Set Back تھا۔ لیکن میں نے آہستہ آہستہ بیماری کو بھی سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی سمجھ اور عقل دی کہ انسان بیماری کو ایک مریض بن کر زندگی نہ گزارے بلکہ ایک عام انسان بن کر زندگی گزارے۔ ٹھیک ہے، مشکل اللہ کی طرف سے آتی ہے، ختم بھی ہو جائے گی یہ بیماری ایسی ہے جو اوپر نیچے ہوتی رہتی ہے۔ اس کو آپ Manage کر سکتے ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ بیماری ایسی ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ میڈیکل سائنس میں بھی لیکن آپ اس کو دوائیوں کے ذریعے کنٹرول کر سکتے ہیں، وہ علاج میں نے شروع کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ کچھ سائیڈ Effects بھی ہیں۔

اس بیماری کو کیا کہا جاتا ہے؟

حسن نواز شریف: اس بیماری کا Technical نام Multiple Sclerosis ہے جس کو عام زبان میں MS کہتے ہیں۔ تو اسی کی شکل ہے۔ اس کی کچھ اقسام ہیں۔ کچھ آسانی سے Manage ہو جاتی ہیں، کچھ مشکل سے ہوتی ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے ابتدائی مرحلے میں ہی تشخیص ہو گئی ہے۔

تشخیص کیسے ہوئی، کیا پرابلم ہوئی تھی؟

حسن نواز شریف: میں تو رمضان شریف میں سعودی عرب گیا ہوا تھا، اپنی فیملی کے ساتھ رمضان کا مبارک مہینہ گزارنے کے لئے وہاں پر مجھے اس کی کچھ علامات محسوس ہوئیں جس میں جسم اور ٹانگوں میں کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ظاہری بات ہے کہ اس وقت پتا نہیں تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ لیکن کافی Disabling قسم کی مجھے علامات ظاہر ہوئیں تھیں اسی وقت ہم ہاسپٹل گئے انہوں نے سارے ٹیسٹ لئے دماغ اور Spine کے ایکسرے لئے، اس میں پتا چلا کہ یہ MS ہے اور انہوں نے مزید ٹیسٹ کروانے کے لئے کہا لیکن انہیں کافی حد تک یقین تھا کہ یہ MS ہے۔

کیا سیاست کریں گے؟

آپ کہتے ہیں کہ سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں۔ حسین صاحب کا بھی یہی خیال ہے، کیا آپ نہیں سمجھتے کہ یہ ایک اعلیٰ مقصد ہے اور اس کو آگے لے کر چلنا چاہیے۔

حسن نواز شریف: آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں میں آپ کو بہتر طور پر واضح نہیں کر سکا میں یہ نہیں کہتا کہ میں آؤں گا یا نہیں یا ارادہ نہیں ہے بلکہ ابھی تک میں نے سوچا ہی نہیں ہے سوچا اس لئے نہیں ہے کیونکہ میں نے پہلے بھی کہا کہ میاں نواز شریف ہیں۔ شہباز شریف صاحب ہیں، ان کا سیاسی کیریئر چل رہا ہے، ان کی جمہوریت کے لئے ایک جنگ چل رہی ہے تو ابھی تک ماشاء اللہ وہ جوان ہیں، کر سکتے ہیں یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہم ان کو بائی پاس کر کے آگے آ جائیں، میں اس نظریہ سے بات کر رہا تھا لیکن اگر کبھی اللہ نے موقع دیا اور ملک کو ہماری ضرورت پڑی تو میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ جس طرح پاکستان جانے کے لئے میں دوسری دفعہ سوچوں گا بھی نہیں اگر میرے کچھ عمل یا فکر سے پاکستان قوم کا کچھ بھلا ہوتا ہے۔

کون سا ایسا کام ہے جو کیا جائے تو پاکستان کی تقدیر بہتر ہو سکتی ہے؟

حسن نواز شریف: میں سمجھتا ہوں کہ اگر پاکستان میں جمہوریت کے نظام کے تحت انتخابات ہونے دیئے جائیں تو جو فوج کی مداخلت ہے، مارشل لا لگتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ آہستہ آہستہ یہ فوجی ٹیک اوور Process ختم ہو جائے گا۔ اگر پاکستان میں اگلے کچھ سالوں میں 10 یا 20 الیکشن ہو جاتے ہیں جس میں فوج کی مداخلت نہ ہو۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک واضح فرق دیکھنے میں آئے گا۔

غلطیاں

ایسی کون سی ایک دو بڑی غلطیاں آپ سمجھتے ہیں جو نواز شریف سے ہوئیں جو نہیں ہونا چاہئیں تھیں؟

حسن نواز شریف: آئندہ تو پتا نہیں کیا حالات بنتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ نواز شریف کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ وہ اپنے مذہب کے ساتھ اور ملک کے ساتھ بے تحاشا مخلص تھے اس محبت اور خلوص میں اس نے ایسے کام کیے جو سیاسی لوگوں یا سیاسی قوتوں کو پسند نہیں آئے اگر اس نے سیاست کرنی ہوتی یا اقتدار میں آنا ہوتا تو شاید وہ یہ کام نہ کرتے۔ لیکن ان کا ضمیر یہ گوارا نہ کرتا انہوں نے کئی ایسے کام کیے جو

سیاسی قوتوں کو پسند نہ آئے۔ اگر آپ اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ سیاسی غلطی ہے، تو ٹھیک ہے یہ سیاسی غلطی ہے۔

کوئی اصلاح جو آپ سمجھتے ہوں کہ پاکستان میں فوری طور پر اس سے معاملات درست ہو جائیں؟

حسن نواز شریف: اصلاح کی گنجائش تو ہر وقت رہتی ہے۔ اس میں Good Governance کی بات کر لیں یا پالیسی سازی کی بات کر لیں۔ ظاہر ہے کہ پاکستان میں بھی لوگ کہتے ہیں کہ والد صاحب کے ساتھ لوگ اچھے نہیں تھے۔ میرا خیال ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں، بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ کہ وہ وفادار نہیں تھے وہ لوٹے بن کر آج دوسری پارٹیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں آپ کو ایک ایسی ٹیم چاہیے جو میرٹ پر آئے۔ جتنا میرٹ پر Sacrifice کریں، کسی کے کہنے پر کسی کو لے لینا، میرا خیال ہے کہ اس کی اب تصحیح ہونی چاہیے۔ ان لوگوں کو کابینہ میں لانا چاہیے، وزارتیں دینی چاہیں جو کہ نہ صرف میرٹ پر آئیں بلکہ اپنی ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل بھی ہوں کیونکہ وہی لوگ آپ کی حکومت کا اچھا امیج بناتے ہیں۔

آپ اپنے والد کو بطور سیاستدان کیسے دیکھتے ہیں؟

حسن نواز شریف: میرا خیال ہے کہ وہ انتہائی کامیاب سیاستدان ہیں۔ مجھے بتائیں کہ بے نظیر Young تھیں یا میرے والد صاحب Young تھے جب وہ سیاستدان بنے۔ اتنی کم عمری میں دو مرتبہ ملک کا وزیر اعظم بننا، اتنے چھوٹے سے عرصے میں تو میرا خیال ہے کہ یہ ایک منہ بولتا ثبوت ہے اس کے علاوہ پانچ، چھ سال سے وہ ملک سے باہر بیٹھے ہیں۔ پاکستان میں ابھی بھی لوگ ان کو یاد کرتے ہیں، جو کام وہ پاکستان کے لئے کر گئے ہیں، موٹر وے ہے، گوادر پورٹ ہے، کوسٹل ہائی وے ہے، کراچی لاہور کے ڈرائی پورٹ ہیں بے شمار چیزیں ہیں جو کہ دنیا کی بنیادی ضروریات تھیں۔ وہ ان کو مہیا کر گئے تو ظاہری بات ہے کہ ایک کامیاب سیاستدان جو کہ اپنا Hold بھی رکھ سکے۔ اس لحاظ سے آپ دیکھیں تو پاکستان کی تاریخ میں وہ انتہائی کامیاب سیاستدان ہیں۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

ملٹری سیکرٹری کے انکشافات

جاوید ملک پر کیا گزری

☆ فوج سے معاملات

☆ فوج سے اختلافات

☆ آخری دن

☆ ذاتی تاثرات

ملٹری سیکریٹری پردہ اٹھاتے ہیں......

بریگیڈیئر جاوید ملک وزیراعظم نواز شریف کے ملٹری سیکریٹری تھے فوج کے ٹیک اوور میں وزیراعظم کا ساتھ دینے کے جرم میں انہیں فوج سے معزول کر دیا گیا طویل جیل بھی کاٹی بعد ازاں وہ جدہ میں نواز شریف کے پاس چلے گئے۔ میاں شریف کی وفات ہوئی تو ان کی میت کے ساتھ وطن واپس آئے انہیں ای سی ایل میں ڈال کر بیرون ملک جانے سے روک دیا گیا۔ لیکن ماہ اپریل 2006ء میں وہ افغانستان کے راستے سمگل ہو کر لندن پہنچ چکے ہیں ان سے جدہ اور لندن میں 12 / اکتوبر کے واقعات کے عینی شاہد ہونے کے حوالے سے بات چیت کی گئی۔

فوج سے معاملات

- عدلیہ اور صدر کے ساتھ تنازعے میں جہانگیر کرامت نے جمہوری حکومت کا ساتھ دیا۔
- جہانگیر کرامت نے استعفیٰ دیا تو میں نے تجویز دی کہ ان کا استعفیٰ منظور نہ کیا جائے۔
- جہانگیر کرامت نے اپنے استعفیٰ میں لکھا کہ آئندہ نسلوں کے لئے مثال چھوڑ رہا ہوں۔
- علی قلی خان، وحید کاکڑ کے دوست تھے اور پہلی نواز حکومت ہٹانے میں ان کا کردار تھا۔
- جنرل خالد نواز فیصلہ کرنے میں کمزور تھے مشرف کو اردو بولنے والے اقلیتی طبقے سے تعلق کی وجہ سے چنا گیا۔
- خیال تھا کہ جنرل مشرف غیر جانبدار رہتے ہوئے جمہوری نظام کو مضبوط کریں گے۔
- فون کر کے خبر دی تو جنرل مشرف کسی کو اطلاع دیئے بغیر وزیراعظم ہاؤس پہنچ گئے۔
- وزیراعظم ہاؤس میں ہی جنرل مشرف کو نئے چیف آف آرمی سٹاف کے رینک لگائے گئے۔

جہانگیر کرامت کا استعفیٰ کیسے ہوا؟

آپ میاں نواز شریف کے ساتھ کب سے ڈیوٹی کر رہے تھے؟ کیا جنرل جہانگیر کرامت کے استعفیٰ کے وقت بھی آپ ملٹری سیکرٹری ٹو پرائم منسٹر تھے؟

بریگیڈئر جاوید ملک: میں جولائی 1998ء میں میاں صاحب کے ساتھ بطور ملٹری سیکرٹری پوسٹ ہوا، میاں صاحب کے ساتھ میں نے کبھی کام نہیں کیا تھا یہ میرے لئے کافی اچھا اور دلچسپ تجربہ تھا۔ اس وقت جنرل جہانگیر کرامت صاحب چیف آرمی سٹاف تھے وہ بہت ڈسپلنڈ، بالغ النظر اور خوبصورت شخصیت کے مالک تھے جن کی میں ذاتی طور پر بہت عزت کرتا ہوں۔ عزت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فوجی اور سٹریٹیجک معاملات کی آگہی کے ساتھ ساتھ جہانگیر کرامت نے بطور چیف آف آرمی سٹاف میاں نواز شریف کی جمہوری حکومت کو طاقت بخشی۔ چاہے وہ عدلیہ کا کیس تھا یا وہ صدر کے ساتھ تنازعہ تھا۔ انہوں نے اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے جمہوری حکومت کا ساتھ دیا جہاں تک جہانگیر کرامت کے ہٹائے جانے کا تعلق ہے تو اس کے پیچھے کی کہانی جیسا کہ آپ کو پتا ہے کہ انہوں نے نیول وار کالج لاہور میں نیشنل سیکورٹی کونسل کے قیام کی بات کی جس کا صاف مطلب تھا کہ مینڈیٹ کے بغیر آئین پاکستان میں فوج کی مداخلت۔ ان کی اس تقریر کے نتائج بڑے خطرناک بھی ہو سکتے تھے یہ بات جب میاں صاحب کو پتا چلی تو انہوں نے جنرل صاحب سے ون ٹو ون بات کی۔ بیچ میں کیا بات ہوئی یہ تو مجھے پتا نہیں۔ یہ آپ خود نواز شریف صاحب سے پوچھ سکتے ہیں۔ بہر حال اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شام کو جنرل جہانگیر کرامت نے اپنا استعفا ''صرف وزیر اعظم کے لئے'' لفافے میں ڈال کر میاں صاحب کے لئے بھجوایا۔ میں نے ان کے ڈپٹی ملٹری سیکرٹری سے ان کا استعفا وصول کیا وہ لے کر آیا وہ میاں صاحب کو دکھایا، میاں صاحب نے پڑھا اور مجھے پڑھنے کے لئے دیا میں نے پڑھا تو میاں صاحب نے پوچھا کہ کیا کریں، میری رائے تو یہی تھی کہ جنرل صاحب نے اس میں معذرت بھی کی ہے انہوں نے بہت خوبصورت لیٹر لکھا تھا کہ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ آئندہ نسلوں کے لئے ایک مثال بنانے کی خاطر میں وقت سے پہلے ریٹائرمنٹ طلب کر رہا ہوں ان کے ریٹائر ہونے میں ویسے بھی دو تین مہینے رہتے تھے میں نے تجویز دی کہ اس مسئلہ کو نمٹا کر جنرل جہانگیر کرامت کو کہا جائے کہ وہ کام جاری رکھیں بہر حال اس وقت ادھر وزیر اعظم کے پرنسپل سیکرٹری سعید مہدی بھی موجود تھے۔ اور شاید میاں صاحب کا بھی پہلے سے ذہن بنا ہوا تھا۔ کوئی اور وجوہات بھی ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، انہوں

نے خود استعفیٰ دے دیا ہے تو ہمیں چیف آف آرمی سٹاف کو بدلنا ہو گا میری عادت یہ ہے کہ میں ایک بار اپنی رائے دیتا ہوں تو اس پر اصرار نہیں کرتا کیونکہ یہ میرا فیصلہ تو نہیں تھا، بہر حال جو میاں صاحب کا فیصلہ تھا، وہ ہوا۔

کیا یہ سچ ہے کہ جنرل جہانگیر کرامت کو کئی جرنیلوں نے کہا تھا کہ آپ استعفانہ دیں بلکہ ٹیک اوور کر لیں؟

بریگیڈئر جاوید ملک: میں بتاتا ہوں۔

مشہور ہے کہ جنرل علی قلی خان نے ایسی تجویز پیش کی تھی۔

بریگیڈئر جاوید ملک: میں نے بھی کسی سے سنا ہے کہ جنرل علی قلی خان اس سے پہلے کہتے تھے کہ اس حکومت کو جانا چاہیے اور فوج کو ٹیک اوور کرنا چاہیے اس طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ لیکن میں اس بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا جس کا میرے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ بہر حال جب جہانگیر کرامت نے خود اپنی جلد ریٹائرمنٹ کے لئے درخواست کی تو میاں صاحب مان گئے اور مجھے کہا پہلے پانچ سینئر موسٹ جرنیلوں میں کسی ایک کا انتخاب ہونا چاہیے۔ بہر حال میں نے یہ تو نہیں کہا کہ کون ہونا چاہیے کیونکہ یہ میرے دائرہ کار سے باہر تھا بہر حال جو 5 سینئر موسٹ جنرل تھے، ان کے بارے میں میاں صاحب نے باقی ذرائع سے بھی اطلاع لے لی تھی اور میری بھی رائے اس میں شامل تھی پھر میاں صاحب نے فیصلہ کر لیا کہ مشرف کو ہی چیف آف آرمی سٹاف بنایا جائے۔

جنرل علی قلی یا جنرل مشرف؟

جنرل مشرف کو چیف آف آرمی سٹاف بنانے کا فیصلہ کس بنیاد پر کیا گیا وہ سب سے سینئر تو نہیں تھے؟

بریگیڈئر جاوید ملک: سینیارٹی میں پہلے نمبر پر جنرل علی قلی خان تھے جن کے خلاف کافی چارجز پائے جاتے تھے ایک تو جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ غالباً یہ وہ شخص تھے جو چاہتے تھے کہ ملٹری ٹیک اوور کر کے سیاسی حکومت کو ہٹا دینا چاہیے۔ لیکن میرے خیال میں زیادہ اہم یہ چیز ہے کہ وہ ایسا اس لئے کہہ رہے تھے کیونکہ وہ اگلے چیف آف آرمی سٹاف تھے۔ جب جنرل علی قلی خان ڈائریکٹر جنرل ملٹری انٹیلی جینس تھے تو میرے دل میں جنرل علی قلی خان کے لئے واقعتاً بڑی عزت و احترام تھا، ایک عظیم آدمی

تھے جن کا تعلق ایک بڑے شریف خاندان سے تھا جب وہ DGMI تھے تو جنرل کاکڑ کے زمانے میں میاں صاحب کی پہلی گورنمنٹ کو طاقت کے ذریعے ہٹانے میں انہوں نے بطور DGMI اہم کردار ادا کیا۔ اس زمانے میں MI نے آئی ایس آئی کا رول ٹیک اوور کیا ہوا تھا، یعنی کہ سیاسی جوڑ توڑ کا جو کردار ہے، اس کو ٹیک اوور کیا ہوا تھا، اس تناظر میں جنرل علی قلی خان کے خلاف یہ سب سے بڑا الزام تھا۔ کیونکہ جنرل وحید کاکڑ ان کے دوست تھے جو کہ یقیناً اس زمانے میں نواز شریف کی سیاسی حکومت کے خلاف تھے، وجوہات کا تو بہتر طور پر انہیں ہی پتا ہوگا۔ میرا نہیں خیال کہ ایسی صورت میں جنرل علی قلی کو چیف آف آرمی سٹاف بننے کا موقع مل سکتا تھا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ میاں صاحب کی حکومت کے خلاف تھے۔

سنیارٹی لسٹ پر پھر جنرل خالد نواز کا نام آیا جو کہ ایک اوسط صلاحیت کے آدمی اور سپاہی تھے جنہوں نے کوئی ایسا خاطر خواہ کام نہیں کیا، وہ چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے کے لئے موزوں نہیں سمجھے جاتے تھے کیونکہ ان کے کیریئر میں کوئی ایسی خاطر خواہ چیز نہیں تھی جس کی بناء پر انہیں چیف آف آرمی سٹاف بنایا جاتا۔ یہ بھی سنا گیا تھا کہ وہ فیصلے کرنے میں بڑے کمزور تھے۔ جب وہ جی ایچ کیو (GHQ) میں ملٹری سیکرٹری تھے تو فائلیں اور چیزیں بہت لمبے عرصے تک ان کے فیصلے کی منتظر پڑی رہتی تھیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ سٹاف کالج میں بطور ایک انسٹرکٹر کے وہ ایک نمایاں آفیسر نہیں تھے۔ اس لئے وہ ڈراپ کر دیئے گئے۔ سنیارٹی میں اگلے جنرل ترمذی اور جنرل پرویز مشرف تھے۔ دونوں ہی پیشے کے لحاظ سے بڑے اچھے آفیسر تھے اور اہم معاملات اور ایشوز کی انہیں مطلوبہ سمجھ بوجھ تھی۔ لہٰذا چوائس ان دونوں کے درمیان تھی اور غالباً جنرل مشرف دوسرے سے بہتر سمجھے گئے کیونکہ ان کی کوئی سیاسی وابستگی نہیں رہی تھی، ان کا تعلق پاکستان کی اردو اسپیکنگ اقلیتی کلاس سے تھا۔ جنرل مشرف کو فوج کا سربراہ بنا کر ان کے احساس محرومی کو ختم کرنا بھی ایک مقصد تھا جس کے وہ بہر حال حقدار تھے۔ ان کا خاندان کوئی ایسا مضبوط بھی نہیں تھا جس کو کوئی سیاسی پشت پناہی حاصل ہو۔ اس لئے یہ سوچا گیا کہ وہ غیر جانبدار رہتے ہوئے پاکستان کے اندر جمہوری نظام کے نفاذ کے لئے مدد گار ثابت ہو سکتے تھے۔

آخر میں جنرل ضیاء الدین تھے لیکن گیند چونکہ جنرل مشرف پر آ کر ہی رک گئی تھی، لہٰذا دوسروں کے بارے میں غور کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بعد جنرل جہانگیر کرامت کی جلد ریٹائرمنٹ کی درخواست پر میاں صاحب اور جنرل جہانگیر نے فیصلہ لے لیا اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب نئے چیف آف آرمی سٹاف کے لئے کسی کو چن لیا جاتا۔ لہٰذا جنرل مشرف کو بطور چیف آف آرمی سٹاف چن

لیا گیا، میں نے انہیں رات کو تقریباً آٹھ نو بجے کے درمیان فون کیا لیکن کچھ کالز کے کرنے کے بعد میری ان سے بات ہو سکی، میں نے ان کو بتایا کہ نواز شریف نے بطور وزیر اعظم ان کو وزیر اعظم ہاؤس ہی میں بلایا ہے۔ انہوں نے کہا کیا مجھے چیف آف آرمی سٹاف کو بتانا چاہیے؟ میں نے کہا کہ آپ کی مرضی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ میں نے آپ کو ایک پیغام دیا ہے، اب یہ آپ کی اپنی مرضی ہے کہ آپ انہیں بتائیں یا نہ بتائیں پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا مجھے یونیفارم میں آنا چاہیے؟ میں نے انہیں کہا کہ بھئی، جب ایک وزیر اعظم آپ کو بلاتا ہے تو وہ آپ کو کسی پرائیویٹ میٹنگ کے لئے نہیں بلا رہا ہوتا، آپ اپنی سرکاری حیثیت میں آئیں۔ لہٰذا وہ فوراً ہی تیار ہو گئے اور پرائم منسٹر ہاؤس کے لئے نکل پڑے۔ میرا نہیں خیال کہ انہوں نے کسی کو بتایا ہو گا اسی دوران میاں نواز شریف نے ایک کچن کیبنٹ میٹنگ میں اس فیصلے کا اعلان کیا کہ جنرل جہانگیر کرامت کو باعزت طور پر ریٹائرمنٹ کیا جا رہا ہے، یہ اعلان ٹی وی پر کیا گیا، اسی دوران جب مشرف آئے اور ان کو یہ بتایا گیا کہ آپ کو چیف آف آرمی سٹاف کے طور پر چن لیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ بہت خوش ہوئے۔ اور انہوں نے بغیر کسی حیرانی کے اس فیصلے کو خوش دلی سے قبول کیا، ان کے شولڈرز پر رینک (Rank) لگا دیئے گئے، اس طرح یہ سب کچھ ہوا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

فوج سے اختلافات

- وزیراعظم کے 200 قریبی ساتھیوں کے ٹیلی فون ٹیپ ہوتے تھے۔
- حدتو یہ ہے کہ آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل ضیاء الدین کا ٹیلی فون بھی ٹیپ ہوتا تھا
- پاک بھارت مذاکرات کا سلسلہ آئی ایس آئی اور فوج کو اعتماد میں لے کر شروع کیا گیا
- کارگل پر حملہ مس ایڈونچر تھا، سیاچن کو جانے والی رسد کی لائن کو توڑنا احمقانہ بات تھی
- نواز شریف کو صرف اتنا بتایا گیا کہ مجاہدین جو کر رہے ہیں کرتے رہیں گے
- کارگل کی مخصوص مہم کے حوالے سے وزیراعظم سے منظوری نہیں لی گئی
- نواز شریف نے کہا کہ اگر کارگل پر مستقل قبضہ ممکن نہیں تو ابھی سے فوج کو پسپا کر لیں
- فوجی جرنیل بضد تھے کہ اس وقت فوج کی پسپائی سے مورال متاثر ہوگا
- سپاہیوں کو کھانے تک کی رسد نہیں ملتی تھی پوسٹ مارٹم میں ان کے پیٹ سے گھاس نکلی
- نواز شریف فوج کی عزت بچانے کے لئے واشنگٹن گئے تھے
- جنرل طارق پرویز نے میٹنگ میں کہا کہ ہمیں کارگل کے مسئلے پر اعتماد میں نہیں لیا گیا
- جرنیلوں کو ڈر تھا کہ کارگل پر تحقیقاتی کمشن بنا کر انہیں پکڑ نہ لیا جائے
- اپنے احتساب کے ڈر سے کارگل کی شکست کا ذمہ دار وزیراعظم کو ٹھہرایا گیا۔

وزیراعظم کی جاسوسی

کیا یہ سچ ہے کہ فوج وزیراعظم کی جاسوسی کرتی ہے؟

بریگیڈئر جاوید ملک: میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں جس سے آپ کو جواب مل جائے گا انٹیلی جینس

بیورو کے سربراہ جنرل نیازی نے ایک بار وزیر اعظم نواز شریف کو جنرل مشرف کے چیف آف آرمی سٹاف بننے کے بعد 200 ایسے افراد کے ٹیلی فون نمبرز کی فہرست دی جن کے فون فوج ٹیپ کر رہی تھی یہ تمام لوگ نواز شریف کے دوست اور سیاسی ساتھی تھے دلچسپ بات یہ ہے کہ آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل ضیاء الدین کا ٹیلی فون بھی ٹیپ ہو رہا تھا آئی ایس آئی نے اس کی تحقیقات کیں یہ بات درست نکلی کہ یہاں تو آئی ایس آئی کے سربراہ کے بھی اس کے علم کے بغیر ٹیلی فون ٹیپ ہوتے ہیں۔

پاک بھارت تعلقات اور فوج

کیا پاک بھارت مذاکرات اور واجپائی کی پاکستان آمد کے بارے میں آرمی کو اعتماد میں لیا گیا تھا؟

بریگیڈیئر جاوید ملک: بالکل، آرمی کو اعتماد میں لیا گیا تھا، آئی ایس آئی بھی وہاں پر تھی اور اعتماد میں اس بات پر لیا گیا کہ کشمیر پر اب کوئی فیصلہ ہونا ہے جو کہ اصل مقصد تھا، اب اس مسئلے کو ٹیبل پر بات چیت کے ذریعے حل کرنا تھا یا ملٹری ایکشن سے، یہ بعد کی چیز تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ ہمیں اسے حل کرنا ہے اور کشمیر کا مسئلہ پاکستان اور انڈیا، دونوں ممالک کے لوگوں کی بھلائی کے لئے اب حل ہو جانا چاہیے۔

اسی سلسلے میں واجپائی صاحب اپنی ٹیم کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ لاہور ڈیکلریشن پر دستخط کیے گئے۔ جس میں کشمیر سب سے اہم ایشو تھا۔ بہر حال ایک سلسلہ شروع ہوا اور دونوں وزرائے اعظم کے مابین دوستی کے تعلق نے جو کہ ان کے اپنے لوگوں کی بہتری کے لئے تھی، جڑ پکڑنا شروع کر دی۔ جہاں تک واجپائی صاحب کے دورے کا تعلق ہے، عام افواہیں یہ تھیں کہ تینوں سروسز کے چیف وہاں پر نہیں تھے، انہوں نے مصافحہ نہیں کیا اور انڈین وزیر اعظم کو سیلوٹ نہیں کیا، یہ سب غلط ہے۔ وہ تینوں، آرمی، نیوی اور ایئر فورس کے چیف گورنر ہاؤس میں تھے اور جب وزیر اعظم اور واجپائی صاحب ہیلی کاپٹر سے گورنر ہاؤس کے لان میں اترے تو ان تینوں کا تعارف نواز شریف صاحب نے واجپائی صاحب سے کروایا میں ان کے ساتھ ہی تھا اور ان تینوں کو واجپائی صاحب اور ان کے لوگوں کو مکمل احترام دینے میں یقیناً کسی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔

کیا فوج کے تینوں سربراہوں نے بھارتی وزیر اعظم کو سیلوٹ کیا تھا؟

بریگیڈیئر جاوید ملک: بالکل انہوں نے وزیر اعظم واجپائی کو سیلوٹ کیا تھا اس کے بعد ظاہر ہے ایک پولیٹیکل میٹنگ تھی اور اس سلسلے میں انہیں کچھ نہیں کرنا تھا، لہٰذا وہ اپنے متعلقہ ہیڈ کوارٹرز میں واپس

چلے گئے۔

کارگل کا منصوبہ

کارگل کا معاملہ کیسے شروع ہوا؟

بریگیڈئر جاوید ملک: جب میاں نواز شریف نے واجپائی صاحب کے ساتھ لاہور ڈیکلیریشن پر دستخط کیے تو اسی دوران کسی وقت میرا خیال ہے کہ ہمارے دستے کارگل کی چوٹیوں کے درمیان انڈیا کے مقبوضہ شہروں دراز اور کارگل پر قبضہ کر چکے تھے یا کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ میں یہاں اس چیز کا بھی اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سیاچن میں ہندوستان کی فوجوں کی رسد کے لئے اہم ترین راستہ ہے اور یہ علاقہ پہلے ہی FCNA کے جنرل علی جان اور کرزئی کی تحویل میں آچکا تھا۔ اس جنرل نے اس مقام پر دور مار 130 ملی میٹر دہانے کی توپوں کو وہاں دشوار گزار راستوں کے ذریعے پہنچانے میں بڑی تگ ودو اور محنت کی تھی۔ اس میں توپ خانے میں استعمال ہونے والا اسلحہ اور گولہ بارود بھی شامل تھا کیونکہ سڑک تو پہلے ہی توپ خانے کی موثر زد میں تھی اور یہ دراز اور کارگل کے درمیان نقل وحرکت میں آسانی سے مداخلت کر سکتے تھے۔ ایسا کشمیر کے دوسرے علاقوں میں خصوصاً وادی مظفر آباد اور ان علاقوں میں جوابی کارروائی کے طور پر کیا گیا جہاں انڈین ہماری رسد کی لائنوں میں آسانی سے مداخلت کر سکتے تھے۔ لہٰذا حکمت عملی یہ تھی کہ اگر وہ ہم پر یہاں دباؤ ڈالیں گے تو ہم انہیں وہاں پر دباؤ ڈالیں گے، میرا نہیں خیال کہ کارگل آپریشن میں ان کا مقصد اس سے زیادہ کچھ اور کرنا تھا۔ میرا نہیں خیال کہ کوئی بھی شخص جس کی ایک ملٹری سوچ ہو، اور معاملے کی سوجھ بوجھ رکھتا ہو، وہ کبھی یہ کہے کہ اگر ہم دراز کارگل سڑک کو توڑ دیتے تو ہم انڈیا کو مذاکرات کی میز پر آنے کے لئے مجبور کر دیں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ نہایت احمقانہ دلیل ہے لیکن مجھے بعد میں پتا چلا کہ کارگل، جو کہ مشرف، محمود اور عزیز کا مس ایڈونچر تھا، کے پیچھے اصل مقصد دراز کارگل کے لنک کو علیحدہ کرنا اور سیاچن کی طرف رسد کو توڑنا تھا۔ میں بھی ایک فوجی بندہ ہوں جیسا کہ یہ لوگ ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ انہیں کوئی غلط فہمی ہوئی تھی کہ کمیونی کیشن اور لاجسٹک لائن کو علیحدہ کر کے وہ کشمیر پر فیصلہ کروا سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان نکات پر سوچنا بھی بالکل بے وقوفی تھی اور کوئی بھی فوجی ذہن اور سمجھ بوجھ رکھنے والا بندہ اس طرح کی کمزور دلیلیں کبھی نہیں دے سکتا۔ فرض کر لیں کہ اگر پاکستان کارگل اور دراز میں یہ سب کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو کیا انڈین جن کی اتنی بڑی مسلح افواج اور اتنی مضبوط اکانومی ہے اور ایک ایسا ملک جس کی آبادی ہمارے سے دس گنا زیادہ ہے کیا انڈین وہاں پر رک جاتے؟ کیا وہ 1965ء کی جنگ کو دوبارہ نہ دہراتے جب وہاں یہ

دلیل دی گئی تھی کہ چونکہ ہم سب کچھ صرف کشمیر میں کر رہے ہیں، اس لئے انڈیا بین الاقوامی سرحد پر حملہ نہیں کرے گا، لیکن ہوا کیا؟ 65ء کی جنگ ایسی جنگ تھی جو کہ نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن ہم بے وقوفوں کی طرح بار بار وہی عمل دھراتے ہیں۔

وزیراعظم کو کب بتایا گیا؟

وزیراعظم کو فوج نے باضابطہ طور پر کارگل کے متعلق کب پہلی بار مطلع کیا تھا؟

بریگیڈئر جاوید ملک: یہ کہنے سے پہلے، میں صرف ایک اہم مسئلہ سامنے لانا چاہتا ہوں کہ جہاں تک کارگل کے معاملے کا تعلق ہے، اگر ہم کامیاب بھی ہو جاتے تو ظاہر ہے کہ انڈینز اس کو برداشت نہ کرتے بلکہ وہ کشمیر پر ایک اور نیا محاذ کھول لیتے یہ کہہ لیں کہ اگر ہم انہیں وہاں پر بھی روکنے میں کامیاب ہو جاتے تو انڈینز کو بین الاقوامی سرحد پر جنگ کرنے سے کون روکتا اور فرض کریں کہ اگر ہم وہاں پر مثبت نتائج پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو انڈیا کو پھر وہاں پر کون روکتا، کیا یہ واقعات ایک اور ایٹمی جنگ کی طرف نہ لے جاتے؟ کیونکہ دونوں ہی ایٹمی ملک تھے۔ اب آپ کے پوچھے گئے مخصوص سوال کی طرف واپس آتے ہیں کہ نواز شریف صاحب کو کب بتایا گیا؟ ایسا ہوا تھا کہ آئی ایس آئی ہیڈ کوارٹر میں نواز شریف صاحب، ڈی جی آئی ایس آئی اور چیف آف آرمی سٹاف کے درمیان دو تین میٹنگز ہوئیں تھیں۔ میں نے وہ میٹنگز تو نہیں اٹینڈ کیں لیکن مجھے ان سے معلوم ہوا کہ نواز شریف صاحب سے منظوری لی گئی ہے کہ ہم نے اب کشمیر پر کوئی فیصلہ کر کے رہنا ہے اور اس سمت میں کام کرنا چاہیے۔

جہاں تک فوجی دستوں کی کارگل پر کسی مخصوص مہم کا تعلق ہے تو یہ معاملات میٹنگ میں کبھی ڈسکس ہی نہیں کیے گئے۔ جہاں تک مجھے علم ہے یہ بات وہیں تک ہی محدود تھی کہ جو کچھ مجاہدین کر رہے تھے ان کا خیال تھا کہ وہ یہ جاری رکھیں گے اور ہم اس کا مذاکرات کی میز پر فائدہ اٹھائیں گے۔ اور کشمیر پر بھارت سے مذاکرات کریں گے بہر حال اسی دوران نواز شریف کو وزیراعظم واجپائی کی جانب سے ایک کال موصول ہوئی، یہ اپریل یا مئی کی بات ہے، جب واجپائی کی کال آئی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کارگل میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہمارے فوجی وہاں پر ہیں؟ کیا ہم نے چوٹیوں پر قبضہ کر لیا ہے؟ مجھے اس سلسلے میں کچھ پتا نہیں تھا، لہٰذا میں نے کہا کہ سر میں آپ کو ابھی بتاتا ہوں۔ لہٰذا میں نے جب چیک کیا تو ملٹری آپریشن ڈائریکٹوریٹ سے جو اطلاع ملی وہ یہ تھی کہ ہاں، ہم وہاں کارگل پر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ اب ہمارا اپنا علاقہ ہے۔ میں نے یہ اطلاع وزیراعظم صاحب کو دے دی جس کے بعد انہوں

نے DCC (ڈیفنس کونسل آف کیبنٹ) کی میٹنگ بلائی۔ جس میں آپ کو پتا ہے کہ کابینہ کی دفاعی کمیٹی کے تمام ارکان وہاں بیٹھے تھے۔ اور یہاں پہلی مرتبہ نواز شریف صاحب کو بتایا گیا کہ ہم کارگل پر موجود ہیں اور ہمارا مقصد دراز کارگل لائن کو علیحدہ کرنا ہے میں بھی وہاں پر اس میٹنگ میں تھا نواز شریف صاحب نے صاف کہا کہ ہمارے فوجی دستے وہاں کیا کر رہے ہیں پھر میاں صاحب نے مشرف سے پوچھا کیا فوج اس قابل ہے کہ ہم بھارت کا عسکری طریقے سے مقابلہ کر سکیں گے؟ تو مشرف نے نہیں بلکہ درحقیقت جنرل محمود نے جواب دیا انہوں نے اپنا ہاتھ باہر نکالا اور اپنے ہاتھ کو گھما کر اس طرح سے کہا کہ ہم اس وقت بھارت کی گردن پر بیٹھے ہوئے ہیں ایک طرح سے ہم ان کی چوٹیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں، یہ وہ چوٹیاں ہیں جو کہ نیچے دراز کارگل کو جاتی ہیں، اور اگر ہم صرف پتھر ہی پھینکیں۔ تو انڈین اوپر چوٹیوں پر نہیں آسکتے۔ نواز شریف صاحب نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا کہ ٹھیک ہے۔ لیکن اگر ہمارا دفاعی حصار بھی سویز کینال اور میجنو لائن کی طرح توڑنے کی کوشش کی گئی کیونکہ کوئی بھی دفاعی نظام چاہے جتنا بھی مضبوط ہو توڑا جا سکتا ہے اگر حملہ آور پختہ ارادے والا ہو۔

نواز شریف نے کہا کہ اگر بھارتی دفاعی حصار توڑنے کی بھاری قیمت ادا کرنے پر تیار ہو گئے تو پھر آپ کیا کریں گے؟ دوبارہ پھر وہی جواب آیا کہ بھارتی ایسا کر ہی نہیں سکتے۔ پھر نواز شریف صاحب نے پوری قوت سے کہا کہ سنو اب جیسا کہ تم وہاں پر ہو، آپ وہاں اس جگہ پر پہلے ہی جا چکے ہو، اگر تو تم دشمن کو وہاں روک لیتے ہو جیسا کہ تم نے کہا کہ یہ تمہارا اپنا علاقہ ہے اور اگر تم اس علاقے کا پوری جوانمردی سے دفاع کر لیتے ہو تو تم نواز شریف کو پوری طرح اپنے ساتھ پاؤ گے۔ لیکن اگر تم سوچتے ہو کہ اس علاقہ پر قبضہ قائم رکھنے کا اب کوئی فائدہ نہیں تو یہی وقت ہے کہ وہاں سے پیچھے آجائیں۔ انڈین ابھی ان کو مجاہدین کہہ رہے ہیں، آپ بھی انہیں مجاہدین ہی سمجھیں، یہ ایک مس ایڈونچر تھا وہاں سے واپس آجائیں، لیکن فوج اسی پر بضد رہی کہ اس وقت واپسی سے ہماری فوج کا مورال متاثر ہوگا۔ ہم وہاں پر موجود ہیں اور یہ ہمارا اپنا علاقہ ہے۔ لہٰذا اب ہمیں وہاں پر بیٹھے رہنا چاہیے اس کے بعد جنرل مشرف، نواز شریف صاحب اور ڈی جی آئی ایس آئی کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں جن کا مجھے علم نہیں ہے۔ وہ خفیہ باتیں تھیں۔ بہرحال، آپریشن شروع ہو گیا شروع میں نواز شریف صاحب نے مجھے اپنی نمائندگی کرنے کے لئے مقرر کیا تاکہ میں ملٹری آپریشن ڈائریکٹوریٹ کی بریفنگ میں ان کی نمائندگی کرسکوں۔ یہ بریفنگز کہیں اور ہوتی تھیں کبھی ٹین کور ہیڈ کوارٹر میں ہو جاتیں۔ میں نواز شریف صاحب کے کہنے پر ان میٹنگز میں شامل ہوتا اور پھر ان کو بریف کرتا۔ ان میٹنگز کے دوران آہستہ آہستہ یہ تاثر ابھرنا شروع ہو گیا کہ غالباً بھارتی اس طرح سے ہر چیز کو خراب یا ناکام کر رہے ہیں جس کی ہماری فوج کو

توقع نہیں تھی۔ مثال کے طور پر بھارتی بافورس کے 33 فائرنگ یونٹ وہاں لے آئے جن کی بھاری فائرنگ کی صلاحیت ہوتی ہے۔انہوں نے وہاں کافی تعداد میں انفنٹری فوج بھی جمع کر لی تھی۔

اس کے علاوہ بڑے دلیرانہ اور بے رحم حملے انڈین آرمی کی طرف سے کیے گئے۔اس کے لئے مجھے ان کی تعریف کرنی چاہیے۔اسی طرح مجھے اپنے لوگوں، اپنے سپاہیوں کی بھی تعریف کرنی چاہیے جنہوں نے ادھر بڑی جوانمردی کا ثبوت دیا اور بغیر کسی فوجی امداد اور بغیر اسلحے کے وہ وہاں پر لڑے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ان کے پاس خوراک بھی نہیں تھی۔ وہ لوگ زیادہ تر گھاس اور برف کھاتے تھے جس کا ہمیں بعد میں پتا چلا۔ بلکہ آرمی ڈاکٹروں کی طرف سے کیے گئے پوسٹ مارٹم رپورٹس میں یہ بھی پتا چلا کہ ان کے معدوں سے گھاس وغیرہ نکلی ہے۔لہٰذا یہ ایک بڑی ہی بری صورتحال تھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کوئی بھی فوج ہتھیاروں کے بغیر لڑ سکتی ہے ایمان اکیلا لڑائی کے لئے کافی نہیں ہوتا۔

کارگل کی جھوٹی تصویر

پھر اس کے بعد کیا ہوا؟

بریگیڈئر جاوید ملک: یہ آپریشن اور بھارتی فوج کے حملے جاری رہے اور ایک سٹیج جلد ہی ایسی بھی آ گئی، یہ غالباً جون کے آخر کی بات ہے جب ہماری فوج نے توقع کے برخلاف گراؤنڈز کھونا شروع کر دیں اور نواز شریف صاحب کو بطور وزیراعظم ایک جھوٹی تصویر پیش کی گئی کہ ہم بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔لہٰذا اس وقت وہاں لاہور میں جنرل مشرف نے نواز شریف کو بتایا، گو میں وہاں نہیں تھا لیکن مجھے یہ ان سے اور دوسرے لوگوں سے پتا چلا ہے کہ جنرل مشرف نے میاں صاحب کو کہا کہ سر! بات ختم ہو چکی ہے اور چوٹیوں پر قبضہ ہو چکا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری طرف سے آخر کار ایک روٹ بنے اگرچہ ہمارے لوگوں نے اپنی بھرپور کوشش کی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ بغیر اسلحہ کے کوئی بھی ان خطرناک بلندیوں پر جہاں کچھ نہیں اگتا وہاں زیادہ دیر تک نہیں لڑ سکتا، لہٰذا نواز شریف صاحب پاکستانی فوج کی عزت و آبرو اور بقاء بچانے کے لئے راضی ہو گئے اور اس کی وجہ غالباً پاکستانی فوج سے ان کی وابستگی اور نرم دلی تھی کہ انہوں نے ایسا کیا۔اصل وجہ تو انہی کو معلوم ہو گی فوج کے احترام اور عزت کے لئے انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔اور مشرف کے کہنے پر ہی وہ امریکہ کے یوم آزادی کے موقع پر 4 جولائی بروز اتوار صدر کلنٹن سے ملنے وہاں (امریکہ) گئے ان کے کلنٹن سے ذاتی مراسم کی بناء پر کلنٹن ملنے کے لئے رضا مند ہو گئے حالانکہ اس دن کوئی امریکی بھی یہ دن منانے کے علاوہ کسی سے نہیں ملتا۔

ذکر مشہور ٹیپوں کا

آپ کہتے ہیں کہ وزیر اعظم کو کارگل کے بارے میں اصلی تصویر نہیں دکھائی گئی تھی کیا فوج کو پوری طرح اعتماد میں لیا گیا تھا؟

بریگیڈئر جاوید ملک: میرے علم کے مطابق اور مجھے پورا یقین ہے کہ میری معلومات درست ہیں کہ نہ نیول چیف، نہ ایئر چیف، نہ ہی کسی کور کمانڈر کو اس آپریشن کا پتا تھا۔ آپ دیکھیں جی کہ جنگ خالی فوج تو نہیں لڑتی یہ تو پوری قوم لڑتی ہے۔ اس میں اس قسم کی جنگ پہلے دنیا میں ہمارے جو سفارت خانے ہیں، ان کو ایک ہوم ورک کرنا چاہیے تھا۔ ہمارے میڈیا کو کام کرنا چاہیے تھا، ہمارے دفتر خارجہ کو کام کرنا چاہیے تھا۔ ہماری اکانومک منسٹری کو کام کرنا چاہیے تھا۔ ہماری ڈیفنس منسٹری کو کام کرنا چاہیے تھا ہمیں علاقائی مسئلوں پر اتفاق رائے پیدا کرنا چاہیے تھا۔ یہ کچھ بھی نہیں ہوا خدانخواستہ اگر انڈین اس وقت بحری حملہ کر دیتے تو ہمارے نیول چیف کو تو پتا نہیں تھا، اگر وہ فضائی حملہ کر دیتے، تو ہماری فضائیہ خبر دار نہیں تھی۔ کابینہ کی دفاعی کمیٹی میں میرے سامنے ان دونوں یعنی نیول چیف اور ایئر چیف نے اس بات کا اعتراف کیا ہے حتیٰ کہ جب کور کمانڈر کے دفتر میں میٹنگ ہوئی جس میں میاں نواز شریف صاحب بھی تھے تو انہوں نے کہا جی ہمیں تو مطلع ہی نہیں کیا گیا جنرل طارق پرویز کی بات کا آپ کو پتا ہے کہ کوئٹہ میں انہوں نے یہی بات کی تھی جنرل طارق پرویز نے اپنی کور کے تمام آفیسرز، سینئر آفیسرز غالباً لیفٹیننٹ کرنل سے اوپر کے آفیسرز کو بتایا تھا کہ ہمیں کارگل کے اوپر اعتماد میں نہیں لیا گیا اور میں ان کا نام نہیں لوں گا جو فوجی افسر مجھے پی او ایف کلب، اسلام آباد اور اسلام آباد کلب میں اکثر پوچھا کرتے تھے کہ نواز شریف صاحب کیوں انتظار کر رہے ہیں، کارگل کے اوپر مشرف کے خلاف فیصلہ لینے میں وہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ اس طرح جی ایچ کیو میں تمام سینئر اعلیٰ فوجی افسران کے اندر یہ کشمکش پائی جاتی تھی کہ مشرف نے انہیں اعتماد میں کیوں نہیں لیا تھا۔

آپ نے ایک مشہور ٹیپ کا ذکر سنا ہوگا، جب مشرف چین میں گئے تھے اور جنرل عزیز ادھر پاکستان میں تھے۔ ان کی آپس میں بات چیت ہوئی تھی۔ جس میں انہوں نے اعتراف کیا تھا کہ کسی کو اس معاملے کا نہیں پتا، اور جنرل سعید الظفر جو قائم مقام چیف تھے نے صورتحال کو بڑے اچھے طریقے سے ہینڈل کیا ہوا ہے اس ٹیپ کی کاپی ذاتی طور پر میں نے جا کر مشرف کو دی تھی۔ ان کو بتایا کہ یہ آپ کے راز ہیں لیکن یہ اب راز نہیں رہے۔ اب یہ راز افشا ہو چکے ہیں۔

مجھے نواز شریف صاحب کی طرف سے آرڈر ملا تھا کہ تم نے مزید ان کو کچھ نہیں کہنا یہ ان کی مہربانی

تھی کہ جو انہوں نے مشرف کو ٹیپ بھجوا کر مطلع کر دیا کہ ساری دنیا کو ان کے راز معلوم ہو چکے ہیں۔

الزام تو یہ ہے کہ وزیر اعظم پاکستان کو گفتگو کی ٹیپ کی یہ کاپی بھارتی وزیر اعظم واجپائی نے بھیجی تھی؟

بریگیڈیئر جاوید ملک: جس نے بھی بھیجی مجھے نہیں پتا، لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ یہ کسی اور جگہ سے آئی تھی، ہماری ایجنسیوں کے ذریعے بالکل نہیں، یہ کہیں باہر سے آئی تھی یہ ایک طرح کی مشرف کو وارننگ تھی کہ اب بات کنٹرول سے باہر ہے۔ کیونکہ انفارمیشن افشاء ہو چکی تھی میرا خیال ہے کہ یہ ایک مہربانی تھی جو میں نے مشرف کے ساتھ کی۔

کیا اس ٹیپ کے ملنے سے جنرل مشرف ناراض ہوئے تھے؟

بریگیڈیئر جاوید ملک: نہیں، اس وقت تو وہ بڑے شکر گزار تھے، بلکہ بڑے حیران تھے، انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ ان کو ایک دم سے دھچکا لگا جب میں نے وہ ٹیپ ان کو دی۔

کیا انہوں نے کہا کہ یہ ایک جعلی (Tampered) ٹیپ ہے؟

بریگیڈیئر جاوید ملک: نہیں، انہوں نے ایسا نہیں کہا، کسی نے بھی ایسا نہیں کہا کہ یہ ایک Tampered ٹیپ تھی۔ یہ ان کی اپنی آواز تھی، جنرل عزیز کی آواز تھی، میں نے وہ ٹیپ خود سنی تھی، یہ اس طرح تھی جس طرح کہ یہ لوگ بولتے ہیں۔

واشنگٹن کا دورہ اور بڑھتا تناؤ

جنرل مشرف کو ہٹانے کا فیصلہ کیسے لیا گیا؟

بریگیڈیئر جاوید ملک: ہاں، یہ ایک بڑا مختصر پس منظر ہے کہ کیا کچھ وہاں پر ہوا جب وزیر اعظم نواز شریف کلنٹن سے مذاکرات کرنے امریکہ گئے، میں بھی ان کے ساتھ تھا میں جانتا تھا کہ انہیں کتنی تگ و دو کرنی پڑی کیونکہ دوسری طرف کلنٹن واجپائی سے بھی ٹیلی فون پر بات کر رہے تھے۔ انہیں دو وجوہات کی بناء پر بڑی کوششیں کرنی پڑیں۔

(۱) امریکہ کو مداخلت کر کے پاکستان اور انڈیا دونوں کو کہہ کر جنگ بندی کروانی چاہیے۔

(۲) واشنگٹن ڈی سی کی 4 جولائی 1999ء کی ڈیکلریشن میں یہ چیز شامل کرانا کہ کشمیر ایک اہم مسئلہ ہے

اور امریکہ اس مسئلے کو حل کرانے میں ذاتی طور پر کوشش کرے گا لہٰذا جب یہ ہو گیا تو میں جانتا ہوں کہ وزیر اعظم نواز شریف اور بل کلنٹن کے مابین مذاکرات کو تین سے چار گھنٹے لگے۔ بہر حال جب ہم واپس آ گئے، تو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ نواز شریف صاحب نے کہا کہ جو کچھ بھی ہوا، اگر چہ برا ہی ہوا ہے لیکن چلیں، اس کو پس پشت ڈال دیں اور یہ ایک ایسی کہانی تھی جس کو وہ بھولنا چاہتے تھے اور وہ بھول بھی گئے دوسری طرف مشرف، محمود اور عزیز جو کہ کارگل کے معاملے میں مجرم پارٹی تھی۔ کیونکہ سرکاری حساب سے اس وقت تقریباً 2700 کے قریب لوگوں کی جانیں گئیں اور بہت سے لوگ شدید زخمی ہوئے، لہٰذا ان کا خون بھی مشرف، محمود اور عزیز کے ہاتھوں پر تھا۔ اور بعد میں یا فوراً انہیں اس چیز کا خطرہ تھا کہ حکومت فیکٹ فائنڈنگ مشن بنائے گی اور یہ مشن جو کہ حقائق جاننے کے لئے ہو گا معاملے کی تہہ تک پہنچے گا نیول چیف، ایئر چیف کور کمانڈر اور حکومت پاکستان سے جب پوچھا جائے گا کہ کیا ان کو اس چیز کا پتا نہیں تھا تو حقائق باہر آ جائیں گے۔ پھر مشرف اور ان کی پارٹی کو چارج شیٹ کیا جائے گا میرا خیال ہے کہ ان کے اندر یہ خوف تھا جس نے ان کو اپنے حق میں ایک دفاعی ماحول پیدا کرنے پر مجبور کر دیا کہ ایک تو نواز شریف صاحب کو کارگل پر قصوروار ٹھہرایا گیا کہ آرمی تو اچھا کام کر رہی تھی لیکن نواز حکومت نے کام خراب کر دیا۔ اب آپ خود سوچیں یہ کامن سینس کی بات ہے۔ کہ اگر ایک مشن ایک حکمران کی طرف سے کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔ اور فوج کامیاب ہو رہی ہے تو وہ اتنا بے وقوف ہو گا کہ ان کو روک دے، کیا وہ نہیں چاہے گا کہ اس کے کارناموں میں ایک اور کا اضافہ ہو؟ اس لئے اس دلیل کے ساتھ میرا خیال ہے کہ آپ اس کا جواب حاصل کر سکتے ہیں کہ یہ ایک غیر منطقی سی بات لگتی ہے کہ ایک وزیر اعظم جس کی فوج اس کے لئے جنگ جیت رہی ہے، ان کو کہتا ہے کہ آپ رک جائیں۔ میرا خیال ہے یہ بے وقوفی ہے۔ لہٰذا آپ حقائق اور ان کے بعد پیدا ہونے اثرات کے ساتھ اس سارے واقعہ کو دیکھ سکتے ہیں۔ اسی وقت غالباً مشرف اور اس کی پارٹی نے سارا الزام نواز شریف صاحب پر ڈالنے کا منصوبہ بنایا ہو گا اسی وقت انہوں نے فوج اور عوام میں وزیر اعظم کا مضحکہ اڑانا اور مذاق کرنا شروع کر دیا۔

آپ کو کتنا عرصہ پہلے پتا چلنا شروع ہو گیا تھا کہ جنرل مشرف نے وزیر اعظم کا مذاق اڑانے کی کوشش شروع کر دی ہے؟

بریگیڈئر جاوید ملک: میرا خیال ہے کہ ایسا پورے پاکستان میں ہی ہو رہا تھا جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اخباروں میں بھی آ رہا تھا اور لوگ بھی اس کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ مشرف کارگل کے ہیرو ہونے کا دعویدار بننے کی کوشش کر رہے تھے، اس حقیقت کے برعکس کہ یہ وہ شخص تھے جو کہ اس زوال و شکست کے اصل ذمہ دار تھے۔

آخری دن

- 12/اکتوبر سے دو ہفتے پہلے فوجی گارڈز نے مائیک والے ایئرفون پہن رکھے تھے
- 111 بریگیڈ کے کمانڈر کو بدلنے سے محسوس ہورہا تھا کہ اردگرد کچھ ہورہا ہے۔
- جنرل مشرف کو ہٹانے کا بہترین وقت میاں نواز شریف کی کلنٹن سے ملاقات کے فوراً بعد تھا
- نواز شریف نے سعید مہدی سے کہا" آپ کے مشورے کے مطابق جنرل مشرف کو ہٹادیا ہے۔
- جنرل ضیاء الدین بھی جنرل مشرف کی طرح کسی کو بتائے بغیر وزیراعظم ہاؤس آئے۔
- جنرل ضیاء الدین کیلئے بیجز بازار سے نہیں خریدے گئے بلکہ میرے بیجز انہیں لگادیئے گئے۔
- جنرل ضیاء الدین وزیراعظم ہاؤس ہی سے گرفتار ہوئے وہ جی ایچ کیو نہیں گئے۔
- جنرل ضیاء الدین کی سب کور کمانڈروں سے بات ہوگئی تو میں سمجھا کہ تبدیلی کو قبول کرلیا گیا ہے
- ٹی وی سٹیشن جانے والی ٹیم کو مارنے کا حکم تھا میں نے ان کے ہتھیار چھین لئے۔
- میں نے جنرل محمود کو کہا" یہ نئی دہلی نہیں آپ کا اپنا وزیراعظم ہاؤس ہے"۔
- جنرل محمود کے سامنے مجھ پر رائفلوں کے بٹوں کے ذریعے تشدد کیا گیا۔
- مجھے ڈیڑھ سال تک قید تنہائی میں رکھا گیا 18 ماہ بعد روشنی دیکھی۔

جب گھیرا تنگ ہوا

آپ لوگوں کو کب شک ہوا کہ نواز شریف حکومت کو ہٹایا جاسکتا ہے؟

بریگیڈیئر جاوید ملک: اب یہ ایک کھلا راز ہے اور ہر کوئی اس کے بارے میں جانتا ہے جہاں تک میرا تعلق ہے میں فوج اور ملک دونوں کا وفادار تھا۔ میں نے اپنا منہ 12 اکتوبر سے دو ہفتے قبل تک بند رکھا جب بعد میں میں نے نواز شریف صاحب کی توجہ اس طرف دلائی کہ پرائم منسٹر ہاؤس کے گارڈ اب مائیک

ایئر فون پہن رہے ہیں اور انہیں ایک ایسا انٹیلی جنس سسٹم مل گیا ہے جس کے ذریعے سے وہ انفارمیشن دے سکتے ہیں، اس کا بھی ہمیں پتا چلا کہ وہ یہ بھی مانیٹر کر رہے ہیں کہ وزیر اعظم ہاؤس میں کون آ رہا ہے اور کون جا رہا ہے ان کو یہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ پروٹوکول کے لئے آرمی وہاں موجود تھی اسی وقت، آپ کو پتا ہے، کہ کمانڈر 111 بریگیڈ کو بھی تبدیل کر دیا گیا۔ غالباً کچھ کمانڈرز کو بھی تبدیل کر دیا گیا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہمارے اردگرد کچھ ہو رہا ہے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ 12 اکتوبر سے کچھ پہلے دھمیال بیس پر کچھ ایس ایس جی کے لوگ بھی تھے۔ لہٰذا ایک ایسا ماحول بن گیا تھا جو کہ نارمل نہیں تھا۔ اسی دوران جنرل طارق پرویز کی ریٹائرمنٹ کے کاغذات بھی مشرف کے ذریعے نواز شریف صاحب کو بھیجے گئے تھے اور عذر یہ بیان کیا گیا کہ یہ چیف آف آرمی سٹاف کی نافرمانی اور حکم عدولی کے مرتکب ہوئے ہیں اور میاں نواز شریف صاحب چونکہ مصالحت کے خواہاں تھے۔ اس لئے انہوں نے جنرل مشرف کو چیئر مین جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی بھی بنا دیا تا کہ اس سے معاملہ سلجھ جائے کیونکہ مشرف کو ڈر تھا کہ اگر انہیں صرف چیئرمین جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی بنایا گیا تو غالباً انہیں چارج شیٹ کر دیا جائے گا اسی وجہ سے انہیں دوسری ٹوپی بھی دے دی گئی، اب وہ دونوں ہیٹ چیف آف آرمی سٹاف اور چیئرمین جوائنٹ آف سٹاف کے پہن رہے تھے اس کے علاوہ جنرل طارق پرویز کو قبل از وقت ریٹائر کرنے کی درخواست بھی میاں نواز شریف نے منظور کر لی۔

آپ چونکہ نواز شریف صاحب کے ملٹری سیکرٹری تھے تو کیا آپ کو انہیں چیف آف آرمی سٹاف کو ہٹانے سے پیدا ہونے والے رسک (RISK) کے بارے میں بتانا نہیں چاہیے تھا؟

بریگیڈیئر جاوید ملک: اصل میں میاں صاحب کے لئے چیف آف آرمی سٹاف کو ہٹانے کے لئے بہترین وقت امریکہ سے کلنٹن سے ملاقات کرنے کے فوراً بعد کا تھا۔ یا اس سے بھی پہلے کا تھا۔ لیکن نواز شریف اس وقت انہیں ہٹانا ہی نہیں چاہتے تھے وہ چاہتے تھے کہ یہ چیزیں پس پشت ڈال دی جائیں کیونکہ اس سے ایک نئی بحث شروع ہو جائے گی کہ انہیں کیوں ہٹایا گیا ہے وہ چاہتے تھے کہ ہر چیز اپنے وقت پر ہو اور مشرف بھی ریٹائر ہو کر اپنے گھر کو جائیں۔ وہ پاکستان کی بقاء کے لئے آرمی سے کوئی اختلاف پیدا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہاں جمہوریت چلے۔

کیا نواز شریف، جنرل مشرف کو آرمی چیف کے عہدے سے ہٹانے کے رسک سے باخبر تھے؟

بریگیڈئر جاوید ملک: ہم نے اس سلسلے میں کبھی کوئی بحث نہیں کی، نہ میں نے اور نہ نواز شریف صاحب نے ہی اس موضوع پر کبھی کوئی بات کی۔

فیصلہ کن لمحات

یہ فیصلہ کب لیا گیا کہ اب ان کو ہٹا دینا چاہیے؟

بریگیڈئر جاوید ملک: یہ فیصلہ بھی ایسا تھا جس کے اوپر اظہار خیال کرنے کے میں قابل نہیں ہوں۔ تاہم میں آپ کو بتاتا ہوں جو کہ میں جانتا ہوں، جب ہم ملتان سے 12 اکتوبر کو واپس آئے تو ہم اسلام آباد ایئرپورٹ پر تقریباً 2 بجے کے قریب اترے۔ میاں صاحب نے سیکرٹری ڈیفنس جنرل افتخار سے کہا تھا کہ وہ ایئرپورٹ پر ان سے آکر ملیں۔ اب میں نے اس وقت یہ سوچا کہ چونکہ اس صبح جنرل طارق پرویز کے کزن نادر پرویز پرائم منسٹر ہاؤس میں تھے اور وہ طارق پرویز کیس ڈسکس کرنا چاہتے تھے جس کے متعلق نواز شریف صاحب نے مجھے صبح پوچھا بھی تھا۔ میں نے کہا کہ ''سر! اس کو وزارت دفاع کے پاس کمنٹس کے لئے واپس بھیج دیں آپ ایک وزیر اعظم ہیں، سیکرٹری ڈیفنس کو یہ معاملہ دیکھنے دیں۔ اسے کہیں کہ چیف آف آرمی سٹاف سے کہے کو اس کو دوبارہ بحال کرنا ہے یا کیا کرنا ہے'' آپ اس پر کوئی فیصلہ نہ کریں، لہٰذا وہ مان گئے اور انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، اس کیس کو متعلقہ چین آف کمانڈ کے ذریعے ہی حل ہونے دیں۔ میرا خیال ہے کہ غالباً اس وجہ سے انہوں (نواز شریف) نے سعید مہدی کو بھی بلایا ہوا تھا۔ بہرحال جب ہم ایئرپورٹ پر اترے تو وہاں سیکرٹری ڈیفنس جنرل افتخار موجود تھے۔ سعید مہدی وہاں پر نہیں تھے کیونکہ انہیں فضا سے پیغام موصول نہیں ہوا تھا۔ جنرل افتخار کو صبح روانہ ہونے سے پہلے بتایا گیا تھا لیکن سعید مہدی کو وہ پیغام نہ مل سکا۔ لہٰذا نواز شریف صاحب نے کچھ دیر انتظار کیا کچھ منٹوں کے بعد انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے اب چلتے ہیں۔ انہوں نے مجھے کار کی فرنٹ سیٹ پر بٹھایا۔ مجھے ہدایت دی گئی کہ جس لمحہ میں سعید مہدی کی کار دیکھوں، اسی وقت اس کو اس وائرلیس کے ذریعے روک لوں اور یہ کہ پھر میں دوسری کار میں بیٹھ جاؤں اور سعید مہدی میری جگہ پر بیٹھ جائیں، ہم نے سعید مہدی کی کار کو ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن ہم نہیں ڈھونڈ سکے اسی دوران ہم وزیر اعظم ہاؤس پہنچ گئے، ایئرپورٹ سے پرائم منسٹر ہاؤس کے درمیان سفر کے دوران جنرل افتخار کو وزیر اعظم نے کہا کہ جو کچھ ہو چکا ہے اس کی وجہ سے آرمی ایک تبدیلی لانا چاہ رہی ہے جس کے بڑے تباہ کن اثرات ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ جمہوریت کی بقاء کے لئے جنرل مشرف کو تبدیل کرنا ضروری ہو گیا ہے ان کی جگہ پر کسی اور جنرل کو لایا جائے تا کہ ملٹری اپنی حدود کے اندر رہ کر

کام کرے اور جمہوری نظام چلتا رہے۔ اس لئے اس پس منظر میں انہوں نے چیف آف آرمی سٹاف کو تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وزیراعظم ہاؤس کا ماحول

جب آپ وزیراعظم ہاؤس پہنچے تو پھر کیا ہوا؟

بریگیڈئر جاوید ملک: جب ہم وزیراعظم ہاؤس پہنچے تو سعید مہدی جنہوں نے سوچا ہوگا کہ وزیراعظم پرائم منسٹر ہاؤس پہنچنے والے ہوں گے، تو وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں پر آ گئے، اور انہوں نے وزیر اعظم صاحب کا ہاؤس کے فیملی پورچ میں استقبال کیا، وہاں جنرل افتخار، نواز شریف صاحب، سعید مہدی اور میں ہم چار لوگ تھے جو کہ پرائم منسٹر ہاؤس کے پرائیویٹ چیمبرز کی لابی کے اندر چلے گئے۔ میاں نواز شریف صاحب نے پہلے ہی جنرل افتخار کو بتا دیا تھا اور میں نے بھی جنرل مشرف کو ہٹانے کا فیصلہ سن لیا تھا۔ وہ سعید مہدی کو بطور پرنسپل سیکرٹری اس فیصلے سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ کہنے لگے کہ مہدی صاحب! آپ کے مشورے پر ہم نے عمل کر لیا ہے اور ہم نے مشرف صاحب کو ریٹائر کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور ہم جنرل ضیاء الدین کو نیا چیف آف آرمی سٹاف بنا رہے ہیں'' پھر انہوں نے سعید مہدی کو کہا ایک نوٹیفکیشن جنرل مشرف کی ریٹائرمنٹ اور جنرل ضیاء الدین کی نئے چیف آف آرمی سٹاف بننے کا تیار کریں انہوں نے مجھے کہا آپ جنرل ضیاء الدین سے کہیں کہ وہ وزیراعظم سے پرائم منسٹر ہاؤس میں آ کر 4 بجے تک ملیں اس وقت غالباً 3 بجے کا ٹائم تھا۔ لہٰذا میں نے جنرل ضیاء الدین کو فون کیا میں نے ان کے گھر فون کیا تو وہ گھر پر نہیں تھے، پھر میں نے دفتر میں فون کیا اور انہیں بتایا کہ وزیراعظم صاحب ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں مزید کوئی بات نہیں بتائی اسی دوران سعید مہدی اور جنرل افتخار نے جنرل مشرف کی ریٹائرمنٹ اور جنرل ضیاء الدین کی بطور نئے چیف آف آرمی سٹاف کے تقرر کا ایک نوٹیفکیشن تیار کر لیا۔ اتفاقاً یہ اس نوٹیفکیشن کی ہو بہو کاپی تھی جو کہ جنرل جہانگیر کرامت کی ریٹائرمنٹ اور جنرل مشرف کی بطور چیف آف آرمی سٹاف تقرری کے وقت تیار کیا گیا تھا۔ یہ ایک ویسی ہی دستاویز تھی۔ درحقیقت یہ وہی دستاویز تھی صرف نام تبدیل کیے گئے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جس طرح جنرل مشرف اپنے آرمی چیف جہانگیر کرامت کو بتائے بغیر وزیراعظم ہاؤس آئے تھے اسی طرح کے حالات میں جنرل ضیاء الدین بھی آئے لہٰذا اگر ایک کو قصوروار ٹھہرایا جاتا ہے تو وہ دوسرے کو بھی قصوروار ٹھہرایا جانا چاہیے۔ بلکہ میرے خیال میں ان میں سے کسی کو بھی قصوروار نہیں ٹھہرانا چاہیے۔

افواہ اور حقیقت

اس وقت پاکستان میں یہ افواہ بڑی تیزی سے پھیلی تھی کہ وزیراعظم ہاؤس میں ملٹری بیج تک دستیاب نہیں تھے اور وہ جلدی میں بازار سے یا کہیں اور سے لائے گئے تھے؟

بریگیڈیئر جاوید ملک: نہیں، نہیں۔ جب جنرل ضیاء الدین آئے تو ہمیں پتا نہیں تھا۔ بلکہ ہمیں پروٹوکول کا پتا نہیں تھا کہ یہ چیز ہو رہی ہے جب کہ مشرف کے کیس میں جب وہ چیف بنائے گئے، تو ہم رینک کے بیجز (Badges) لائے تھے۔ لیکن اس دفعہ رینک کے کوئی بیجز نہیں تھے یہ بات غلط ہے کہ ہم بازار سے بیج خرید کر لائے تھے اس صورتحال میں جی ایچ کیو سے سٹار منگوانے بھی مشکل تھے تو میں نے اپنے شولڈرز سے بیجز جنرل ضیاء الدین کو لگانے کے لئے اتارے۔ اس دوران سعید مہدی نے نوٹیفکیشن تیار کر لیا اور 4 بجے تک جنرل ضیاء الدین میاں نواز شریف سے ملنے کے لئے آئے۔ نواز شریف صاحب کی ان سے ون ٹو ون ملاقات ہوئی۔ پھر مجھے، سعید مہدی اور جنرل افتخار کو بلایا گیا۔ سعید مہدی نوٹیفکیشن لے کر آئے۔ نواز شریف صاحب نے پڑھا، اس پر دستخط کیے اور جنرل ضیاء الدین کو چیف آف آرمی سٹاف بننے پر مبارکباد دی، ان کو جنرل افتخار اور سعید مہدی کی طرف سے بھی مبارکباد ملی اور ظاہر ہے کہ میری طرف سے بھی۔ اس کے بعد میاں نواز شریف صاحب بطور وزیراعظم، ایوان صدر چلے گئے۔ وہاں انہوں نے صدر رفیق تارڑ کو نوٹیفکیشن دکھایا جنہوں نے اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے دستخط کیے اور نوٹیفکیشن منظوری کے بعد واپس کر دیا، ایوان صدر جانے کے لئے عموماً ملٹری سیکرٹری وزیراعظم کے ساتھ ہوتا ہے، میں بھی ان کے ساتھ جانا چاہتا تھا۔ لیکن انہوں نے مجھ سے کہا کہ نہیں تم ضیاء الدین نئے چیف آف آرمی سٹاف کا خیال رکھو اور جو کچھ وہ چاہتے ہیں، ان کی مدد کرو۔ لہٰذا میں جنرل ضیاء الدین کو اپنے آفس لے گیا جہاں سے انہوں نے کچھ ٹیلی فون کالز کور کمانڈرز کو کیں مثال کے طور پر انہوں نے ٹین کور کے کور کمانڈر جنرل محمود کو کال کی چیف آف جنرل سٹاف کو کال کی۔ بریگیڈیئر امتیاز کو کال کی جو کہ اب میجر جنرل ہیں انہیں بتایا کہ یہ فیصلہ ہوا ہے کہ اب وہ نئے چیف ہیں، پھر انہوں نے جنرل توقیر ضیاء کا نمبر ملایا پھر انہوں نے جنرل اکرم کو فون کیا اور انہیں کہا کہ آپ اب نئے چیف آف جنرل سٹاف ہیں۔ اور آپ کو فوراً جنرل عزیز کی جگہ سنبھالنی ہے۔ لہٰذا آپ فوراً پرائم منسٹر ہاؤس آ جائیں۔ پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ میرا رابطہ جنرل سلیم حیدر سے کروائیں۔ جو کہ سابقہ کمانڈر ٹین کور تھے اور اب جی ایچ کیو میں سٹاف آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ ان سے گولف کورس میں رابطہ کیا گیا اور انہیں اطلاع دی گئی کہ آپ اب نئے کمانڈر ٹین کور

ہیں لہٰذا فوراً پرائم منسٹر ہاؤس پہنچیں ان دونوں کو جنرل ضیاء الدین نے مطلع کیا تھا، انہوں نے ذاتی طور پر انہیں مطلع کیا کہ اب وہ نئے چیف ہیں اور مشرف ریٹائر ہو گئے ہیں۔ پھر انہوں نے منگلا فون کیا تا کہ جنرل توقیر ضیاء سے بات ہو سکے لیکن وہ گولف کھیلنے گئے ہوئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ان کی بیوی سے کچھ نہیں کہا۔ پھر انہوں نے ملتان فون کیا اور جنرل یوسف سے بات کی۔ پھر انہوں نے آخر میں جنرل عثمانی سے کراچی میں بات کی۔ جنرل عثمانی کو انہوں نے وہ پیغام دیا جو کہ نواز شریف صاحب نے مجھے دینے کے لئے کہا تھا لیکن پھر انہوں نے پیغام دے دیا کہ جنرل مشرف ریٹائر ہو چکے ہیں اور جنرل ضیاء الدین اب نئے چیف آف آرمی سٹاف ہیں اور یہ بھی کہ جب مشرف کراچی اتریں، تو ان کا استقبال کیا جائے اور انہیں ریٹائر چیف آف آرمی سٹاف کا پروٹوکول دیا جائے اور ریسٹ ہاؤس میں رکھا جائے بس اتنا ہی پیغام کافی تھا۔ ایسی کوئی ہدایت نہیں دی گئی تھی کہ ایئر کرافٹ کو Delay کرانا ہے یا اس میں تاخیر پیدا کرنی ہے۔ لہٰذا جہاں تک 12 اکتوبر کا تعلق ہے تو یہ اس کی چھوٹی اور بڑی ساری تفصیل اور حقیقت ہے۔

سب کچھ ختم ہو گیا

لیکن آپ کو کب اور کتنے بجے پتا چلا کہ فوج نے ٹیک اوور کے لئے پیش قدمی شروع کر دی ہے؟

بریگیڈئر جاوید ملک: اچھا، جب وزیر اعظم نواز شریف ایوان صدر سے واپس آئے تو انہوں نے کچھ دیر کے بعد مجھے اپنے آفس میں بلایا۔ اس وقت ان کے آفس میں سعید مہدی اور جنرل ضیاء الدین بیٹھے ہوئے تھے جب کہ میرے آفس میں نئے چیف آف جنرل سٹاف جنرل اکرم بیٹھے تھے اور جنرل سلیم حیدر پرائم منسٹر ہاؤس پہنچنے والے تھے شروع میں مجھے کچھ خدشات تھے کیونکہ میں جانتا تھا کہ جنرل مشرف اس فیصلے کو اتنا آرام سے نہیں لیں گے کیونکہ جنرل مشرف، عزیز اور محمود تینوں لوگ کارگل کے معاملے میں شامل تھے۔ اور انہیں پتا تھا کہ جس لمحے ہی انہیں باہر نکالا جائے گا، ان سے انکوائری اور پوچھ گچھ کی جائے گی اور ایسی صورتحال میں مجھے کچھ خدشات اور تحفظات تھے لیکن جب جنرل ضیاء الدین نے تمام لوگوں، کور کمانڈروں اور نئے سی جی ایس کو اعتماد میں لے لیا سی جی ایس میرے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے اور نئے کمانڈر پہنچ رہے تھے اور کوئی فوجی نقل و حرکت ابھی شروع نہیں ہوئی تھی، تو میں نے سوچا کہ جو تبدیلی بھی ہونی تھی، وہ ہو چکی ہے اور یہ تبدیلی بہتری کے لئے ہوئی ہے۔

(The King is dead. long live the king) لہٰذا جہاں تک میرا تعلق تھا، میرے نزدیک مشرف اب ایک ماضی کی بات تھے، وہ ایک ریٹائرڈ آدمی تھے اور جنرل ضیاء الدین نئے چیف آف آرمی سٹاف تھے اس لئے میری نمک حلالی بھی خود بخود ہی حکومت پاکستان اور پاکستان کے آئین کے علاوہ نئے چیف آف آرمی سٹاف کے ساتھ ہی ہونی تھی جو کہ نئی آرمی تھی۔ میں درحقیقت اس وقت وہی کر رہا تھا جیسا کہ میرے فرائض مجھے کرنے کو کہہ رہے تھے۔ جنرل ضیاء الدین پرائم منسٹر ہاؤس ہی میں رہے۔ پھر وزیر اعظم نواز شریف نے مجھے بلا کر کہا کہ ایک رسمی فوٹو سیشن کا ارینج کریں جس میں جنرل ضیاء الدین کی نئے چیف آف آرمی سٹاف کا تقرر کیا جائے۔ اب تک نوٹیفکیشن کی تصدیق صدر سے ہو چکی تھی اور اب ہمیں ان پر رینک کے بیجز لگانے تھے۔ لیکن چونکہ ہمارے پاس فل جنرل رینک کے بیجز نہیں تھے۔ لہٰذا میں نے اپنے دونوں کندھوں سے بیجز اتارے اور قینچی کے ساتھ یونیفارم میں سوراخ کیے، ایک طرف نواز شریف صاحب نے بیج ان کے کندھے پر لگایا اور دوسری طرف میں نے ان کے کندھے پر بیج لگایا۔ اس دوران آپ کو پتا ہے کہ میں بیج اترنے کے باعث ایک فل کرنل تک رینک کے اعتبار سے آ گیا (ہنستے ہوئے) پھر میں نے اپنے گھر سے رینک منگوائے اور پہنے۔ یہ سب کچھ ٹی وی کیمرہ ٹیم کے سامنے ہوا جو کہ ہر وقت پرائم منسٹر ہاؤس میں ہوتی تھی۔ لہٰذا ایک چھوٹا سا سیشن ہوا پھر کیمرہ ٹیم اور میں چلے گئے۔ میں اپنے آفس میں آ گیا وہاں جنرل اکرم تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا انتظار ہو رہا ہے، ابھی تک کمانڈر ٹین کور کیوں نہیں آئے؟ میں نے کہا کہ وہ آ رہے ہیں میں نے فون کیا تو وہ راستے میں تھے۔ یہ کوئی ساڑھے چار بجے کی بات ہے کچھ لمحوں کے بعد، غالباً پانچ بجے لیکن مجھے وقت کا صحیح اندازہ نہیں کہ وزیر اعظم صاحب نے مجھے بلایا اور کہا کہ ٹی وی اسٹیشن پر قبضہ ہو چکا ہے اور یہ آرمی اور وہاں پر موجود کچھ لوگوں نے کیا ہے انہوں نے مجھے نئے آرمی چیف کی موجودگی میں کہا کہ آپ جائیں اور وہاں پر موجود انچارج سے کہیں کہ وہ ہتھیار ڈال دیں کیونکہ یہ ایک غلط طریقہ ہے جو وہ کر رہے ہیں اور ٹی وی کو اپنا کام کرنے دیں کیونکہ یہ قومی ادارہ ہے میرا مطلب ہے کہ آرمی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ مداخلت کرے۔ وہ وزیر اعظم تھے، موجودہ چیف آف آرمی سٹاف بھی وہاں پر تھے۔ انہوں نے بھی کہا کہ ہاں، آپ جائیں، پھر میں باہر آ گیا لیکن میں سیدھا ٹی وی سٹیشن نہیں جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ یہ کمانڈر 111 بریگیڈ کا کام تھا جس کو یہ حکم ملنا چاہیے تھا لہٰذا میں اپنے آفس چلا گیا اور جنرل اکرم کی موجودگی میں جو کہ اب نئے سی جی ایس تھے، میں نے کمانڈر 111 بریگیڈ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، پھر میں نے بریگیڈیئر ستی جو کہ اب میجر جنرل ہیں میرا خیال ہے کہ اب وہ سندھ میں ڈی جی رینجرز ہیں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی اور ان سے بات کرنے میں ناکامی کے بعد میں نے نئے سی

جی ایس کو بتایا کہ یہ کام ہے جو مجھے دیا گیا ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں نئے کمانڈر ٹین کور سے رابطہ نہیں کر سکا انہوں نے کہا اگر آپ کا رابطہ ان سے نہیں ہو سکا تو پھر آپ جائیں اور حکم کی تعمیل کریں، یعنی ٹی وی اسٹیشن جا کر انہیں ہتھیار ڈالنے کو کہیں میں نے کہا ٹھیک ہے۔ لیکن آپ کو بہتر پتا ہے کہ کوئی بھی آفیسر امن کے وقت خاص طور پر ایک وزیراعظم کا ملٹری سیکرٹری اپنے ساتھ کوئی ہتھیار لے کر باہر نہیں جاتا۔ لہٰذا میں بھی ہتھیار کے بغیر تھا میں باہر آ گیا اس وقت میرے پاس فوراً کوئی سواری نہیں تھی۔ یہ سب کچھ بڑا اچانک ہوا تھا۔ کچھ بھی پلان نہیں کیا گیا تھا۔ پولیس کی ایک سکواڈ کار وہاں پر تھی۔ لہٰذا میں پولیس سکواڈ کار میں بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ ایک ایس ایس جی گارڈ پولیس کا ایک آدمی اور ڈرائیور تھے ہم ٹی وی اسٹیشن کے لئے روانہ ہو گئے جو کہ آپ کو پتا ہے کہ وہاں سے صرف دو منٹ کے فاصلے پر ہے۔
اس سے پہلے پرائم منسٹر ہاؤس کے گیٹ پر میاں شہباز شریف صاحب کی سکواڈ گاڑیاں جو کہ پنجاب ایلیٹ فورس کی تھیں، وہاں پر موجود تھیں کالے کپڑوں میں تھے میں نے انہیں کہا اگر آپ کچھ نہیں کر رہے تو میرے ساتھ آ جایئے۔ لہٰذا پھر ہم ٹی وی اسٹیشن کے لئے روانہ ہو گئے وہاں ایک گاڑی جس میں دو فوجی سپاہی سوار تھے اور وہ ٹی وی اسٹیشن کے پورچ میں کھڑی تھی، میں نے دیکھی مین گیٹ پر کوئی ملٹری کا بندہ تھا اور نہ ہی کوئی اور تھا۔ ہم فرسٹ فلور پر گئے تو وہاں پر کوئی نہیں تھا، سیکنڈ فلور پر غالباً جہاں ٹی وی کی نشریات چل رہی ہوتی ہے، وہاں میں نے ایک سپاہی سے پوچھا کہ انچارج کون ہیں انہوں نے بتایا کہ وہ جو میجر کھڑا ہے، وہ انچارج ہے، پھر میں میجر کے پاس چلا گیا، یہ 111 بریگیڈ جو کہ اب جنرل ستی کی بریگیڈ تھی، ان کے یونٹ میں سے تھا۔ میں نے میجر سے پوچھا کہ کیا وہ مجھے جانتا ہے، اس نے کہا کہ ہاں آپ فلاں فلاں بریگیڈیئر ہیں اور وزیراعظم کے ملٹری سیکرٹری ہیں میں نے کہا ”سنو! یہ وزیراعظم صاحب کا حکم ہے کہ آپ ٹی وی کے فنکشن میں مداخلت کرنا بند کریں، اپنے فوجی دستوں سے کہیں کہ وہ ہتھیار ڈال دیں“ لیکن اس سے پہلے کہ وہ میرے حکم کی تکمیل کرتا، میں نے محسوس کیا کہ کھیل مختلف تھا غالباً انہیں مجھے مارنے کا حکم تھا میں نے اس کے ساتھ کھڑے فوجی سپاہی کو دیکھا، اس نے اپنا ہتھیار فائرنگ پوزیشن میں پکڑا ہوا تھا اور میں اپنی آنکھ کے کنارے سے دیکھ سکتا تھا کہ میرے دائیں طرف ایک اور سپاہی بھی یہی پوزیشن سنبھالے کھڑا تھا۔ ایک ملٹری کا آدمی ہوتے ہوئے میں نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا کہ وہ مجھے مارنے لگے ہیں اور مجھ پر گولی چلانے لگے ہیں، لہٰذا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتے، میں نے جو پستول ایک پولیس والے سے لی ہوئی تھی، اس وقت فوراً نکالی اور میجر کی طرف کر دی اور اسے ایک سیکنڈ کا بھی موقع دیئے بغیر اس کا ہتھیار لے لیا اس لمحے جب میں نے اس کا ہتھیار چھینا تو فوجی سپاہی جو اس کے ساتھ کھڑا تھا، اس نے اپنا ہتھیار ڈال دیا، دائیں طرف بھی

سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیئے میں نے پھر میجر سے کہا آپ حکومتی کاموں میں مداخلت کر رہے ہیں اور میں یہاں وزیراعظم صاحب اور نئے آرمی چیف آف آرمی سٹاف کی جانب سے آیا ہوں اور آپ کو پتا ہے کہ اب نئے چیف آف آرمی سٹاف کے احکامات پر عمل ہوگا اور یہاں ملک کے وزیراعظم کے آرڈر بھی ہیں پھر میں نے اس میجر سے کہا کہ جائیں اور ایک کمرے میں جا کر بیٹھ جائیں پھر میں نے دوسرے تمام سپاہیوں کو ہتھیار ڈالنے کو کہا میرا خیال ہے کہ وہ تقریباً 12 لوگ تھے یہ سب کچھ زیادہ سے زیادہ 2 سے 3 منٹ کے دوران ہوا ہوگا پھر میں نیچے آ گیا اور ایلیٹ فورس کو بتایا کہ یہ سب کچھ ہوا ہے، آپ نے کسی کو مارنا نہیں ہے لیکن اگر کوئی گولی چلائے تو آپ بھی اپنا تحفظ کرنے کے لئے آزاد ہیں۔

جب میں واپس وزیراعظم ہاؤس آیا تو میں نے وزیراعظم صاحب کو ٹی وی اسٹیشن کے واقعہ کے متعلق بتایا۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت ٹی وی نے کام کرنا شروع کر دیا تھا اس کے تھوڑی دیر بعد، غالباً مغرب کا وقت ہوگا کہ مجھے اطلاع ملی کہ فوجی پرائم منسٹر ہاؤس کی دیواریں پھلانگ کر اندر آ رہے ہیں مجھے یہ پیغام گیٹ سے ملا۔ پھر میں نے کسی کو بھیجا کہ جائیں اور جا کر دیکھیں کہ پرائم منسٹر ہاؤس کی طرف آنے والے مین گیٹ پر کیا صورتحال ہے، وہ فوراً ہی واپس آ گیا اس نے بتایا کہ ہر جگہ پر فوج ہے۔ اور انہوں نے ہر جگہ قبضہ کر لیا ہے اسی دوران ٹی وی کی نشریات بھی رک گئیں تھیں۔ لہٰذا یہ ایک واضح اشارہ تھا۔ میں نے صورتحال کو بھانپتے ہوئے فوراً پرائم منسٹر ہاؤس کے گارڈز کو ہتھیار ڈالنے کو کہا۔ کہ کوئی گولی نہیں چلانی اور نہ ہی کوئی انتقامی کارروائی کرنی ہے ایسا کسی بھی قسم کے جانی نقصان سے بچنے کے لئے کیا گیا تھا جیسا کہ میں نے ٹی وی اسٹیشن پر کیا تھا کیونکہ اب آرمی نے قبضہ کر لیا تھا لہٰذا اب اس موقع پر اس کے ساتھ مزاحمت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں باہر گیا اور کرنل سے ملا جو کہ ان فوجی دستوں کا بٹالین کمانڈر تھا جو وہاں آئے تھے۔ وہ ایک اچھا انسان تھا۔ میں نے اس کو کہا کہ "سنو! ہم نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں وہاں اب کوئی مزاحمت نہیں ہوگی آپ پرائم منسٹر ہاؤس کی کسی چیز کو خراب نہ کریں اور لان میں یہ ٹرک نہ چلائیں، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا ہے۔ اب یہ آپ کی اور میرے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ فیصلہ کسی اور کا ہے اور کسی اور کے لئے ہے۔ میں ضرور کہوں گا کہ وہ ایک ذہین آدمی تھا جس نے صورتحال کو سمجھ لیا اور اس نے کسی بھی قسم کی کوئی فضول حرکت کسی بھی چیز کے ساتھ نہیں کی۔ میں اندر آ گیا اور نواز شریف صاحب کو بتایا ان کے ساتھ جنرل ضیاء الدین، سیف الرحمٰن اور شہباز صاحب بھی وہاں موجود تھے یہ بات سراسر غلط ہے کہ جنرل ضیاء الدین جی ایچ کیو گئے تھے انہیں پرائم منسٹر ہاؤس سے ہی فوج نے حراست میں لے لیا تھا پھر میں نے نواز شریف کو کہا کہ آرمی نے قبضہ کر لیا ہے اور اب کوئی فائدہ نہیں اب سب ختم ہو چکا ہے انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ جب میں

نے انہیں یہ خبر دی، اس وقت وہ پرائم منسٹر ہاؤس کے پرائیویٹ کمروں کے احاطے میں، ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے، جب میں اپنے آفس میں آیا تو مجھے کہا گیا کہ آپ نے اپنے آفس میں ہی رہنا ہے لہٰذا میں اپنے آفس میں ہی رہا، مجھے نہیں پتا کہ پھر کیا ہوا۔ اس وقت تک دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ میں نے مغرب کی نماز ادا کی تقریباً 9,8 بجے مجھے وقت کا صحیح اندازہ نہیں، مجھے پتا چلا کہ جنرل محمود پرائم منسٹر ہاؤس میں آ گئے ہیں اور اس طرف جا رہے ہیں جہاں کہ وزیر اعظم موجود ہیں پھر میں اپنے آفس سے نکلا اور کوریڈور کی طرف چل پڑا اور میں نے درجن سے زائد تقریباً 20 ایس ایس جی کے لوگوں کو دیکھا جن کی قیادت جنرل محمود کر رہے تھے ان کے درمیان جنرل علی جان اور کرزئی بھی تھے اس کے علاوہ میں نہیں جانتا کہ اور کون تھا؟ لہٰذا میں نے جنرل محمود کو فوجی سٹائل میں پوری عزت و احترام دیا اور انہیں کہا کہ میں وزیر اعظم کی حفاظت کروں گا میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی بھی کسی کو مارے، لہٰذا میں اتنا ہی مقابلہ کرنا چاہتا تھا جتنا کہ میں کر سکتا تھا لیکن محمود سخت غصے میں تھے انہوں نے میرے پیٹ کی طرف چھڑی گھمائی نہایت نازیبا، مغرور اور غلط زبان میں میرے ساتھ مخاطب ہوئے کہ: ”چلو! اپنے آفس میں واپس چلے جاؤ“۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا مجھے پسند نہیں آ رہا تھا میں جانتا تھا کہ اس وقت ملک سخت مشکل میں پھر آن پڑا ہے اب کارگل کے اوپر اپنی جان بچانے کے لئے آرمی نے پھر ایسا کیا ہے، اور ملک کو پھر ایک دہانے پر لا کھڑا کیا ہے لہٰذا میں بھی غصے میں آ گیا کہ ”دیکھو! یہ نئی دہلی نہیں ہے یہ آپ کا اپنا پرائم منسٹر ہاؤس ہے اور دیکھیں ان ایس ایس جی کے لوگوں کو یہ کس طرح سے آ رہے ہیں وہ ایسے تکبر کے ساتھ چل رہے ہیں جیسے کہ کچھ فتح کر کے آ رہے ہیں۔ میں نے یہ کہا اور پھر میں واپس اپنے آفس کے دروازے کی طرف چل پڑا۔ وہاں پر ایس ایس جی کے کچھ لوگ کھڑے تھے۔ مجھے نہیں پتا کہ انہوں نے ایسی حرکت کیوں کی ہو سکتا ہے کہ انہیں کسی طرف سے اشارہ ملا ہو۔ ان میں سے ایک نے اپنے رائفل کے بٹ کے ساتھ مجھے دائیں طرف دو تین دفعہ مارا اور مجھے دھکا دیا۔ یہ ایسی بات تھی کہ میں پھر شدید غصے میں آ گیا۔ میں نے جنرل محمود سمیت ان سب لوگوں کو برا بھلا کہا۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں غلط نہیں تو میں نے یہ الفاظ کہے تھے کہ ”ان حرامیوں سے کہہ دو، جن کو آدمی سے بات کرنا نہیں آتی“۔ مجھے اب صحیح طرح سے یاد نہیں کہ میں نے کیا کہا تھا کیونکہ اس وقت میں شدید غصے میں تھا پھر میں اپنے آفس واپس چلا آیا پھر مجھے نہیں پتا کہ کیا ہوا کہ 13 اکتوبر کی صبح 1 بجے کے قریب مجھے ایک گاڑی میں ڈال کر پنڈی میں سیف ہاؤس میں لے جایا گیا اس کے بعد دن کی روشنی اس وقت دیکھی جب مجھے ایئر کرافٹ کیس میں بیان دینے کے لئے کراچی لے جایا گیا تھا۔ میں نے تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد دن کی روشنی دیکھی تھی۔ میں زیادہ تر قید تنہائی میں ہی رہا تھا۔

ذاتی تاثرات

- میں ہر فوجی کی طرح سیاست دانوں کو کرپٹ سمجھتا تھا نواز شریف مختلف ہیں۔
- نواز شریف اتنے رحم دل ہیں کہ سوروں تک کو مارنے کے خلاف ہیں۔
- نواز شریف اپنے والدین کے بستروں کی چادریں خود بدلتے ہیں۔

نواز شریف کو کیسا پایا

آپ فوجی آدمی ہیں نواز شریف کے ساتھ آپ بطور ملٹری سیکرٹری رہے آپ نے انہیں کیسا پایا؟

بریگیڈئر جاوید ملک: میں نے ان کو کیسا پایا؟ دیکھیں مختصر یہ بتادوں کہ مجھے جب وزیراعظم صاحب کے ملٹری سیکرٹری کے لئے انٹرویو کے لئے بلایا گیا تھا تو اس سے پہلے غالباً میری ملاقات میاں صاحب سے میری شادی پر ہوئی تھی جو کہ بڑی مختصر ملاقات تھی، دوسری دفعہ حسین نواز کی شادی پر ملاقات ہوئی اور تیسری ملاقات جب 1997ء میں اسلام آباد میں گولڈن جوبلی پریڈ میں میں جب کمانڈر تھا، وہاں میں ان سے ملا تھا۔ اور ہوسکتا ہے کہ میاں صاحب نے اس وقت ایسا سوچا ہو۔ بہر حال میری ان سے صرف تین مرتبہ ملاقات ہوئی تھی جب ہم انٹرویو کے لئے گئے تو ہم سات بریگیڈیئر تھے۔ جنہوں نے وزیراعظم کے ملٹری سیکرٹری کے لئے انٹرویو دیا تھا۔ پھر مجھے چن لیا گیا جو میں کہنے کی کوشش کررہا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں نواز شریف صاحب کو شخصیت کے اعتبار سے نہیں جانتا تھا۔ مجھے صرف اتنا پتا تھا کہ اپنے دور حکومت میں بطور وزیراعظم اور ان کا بطور وزیراعلیٰ پہلا دور ایسا تھا کہ وہ بڑے قوت عمل رکھنے والے بندے تھے انہوں نے پاکستان کے لئے بہت کچھ کیا، ان کے خیالات بڑے خالص ہوتے تھے۔

دوسرے دور حکومت میں، میرے ملٹری سیکرٹری ہونے سے پہلے وہ ایٹمی تجربات کر چکے تھے میں انہیں بس اتنا ہی جانتا تھا۔ بہر حال انہوں نے مجھے سلیکٹ کیا۔ یہ ان کی مہربانی ہے کہ اس انٹرویو میں مجھے چنا گیا۔ لہٰذا میں نے ان کے ساتھ جب کام شروع کیا تو میں بالکل غیر جانبدار تھا اور ایک فوجی آدمی کی طرح میرے بھی سیاست دانوں کے بارے میں کچھ تحفظات تھے۔ میرا مطلب ہے یہی کہ میں سوچتا تھا کہ وہ بڑے کرپٹ اور بے ایمان ہوتے ہیں اور اس طرح کی بہت سی باتیں ہم ایوب خان کے دور سے سنتے چلے آ رہے تھے لیکن نواز شریف کو دیکھ کر میرے لئے بڑی اچھی اور حیرانگی والی بات تھی کہ وہ جہاں کہیں بھی گئے اپنا پیسہ خرچ کرتے تھے، میں نے انہیں پیسہ بنانے یا اپنے خاندان کے کسی فرد کی مدد کرنے کے لئے کسی قسم کے کوئی غلط ذرائع استعمال کرتے نہیں دیکھا۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا دل بہت بڑا تھا وہ کشادہ ظرف ہیں اور وہ اپنے اردگرد ہر غریب آدمی کی مدد کرتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات اپنی جیب سے پیسہ خرچ کرنے میں وہ حدود پار کر جاتے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا سوال ہے جو آپ نے مجھ سے پوچھ لیا ہے اور میں اسے کچھ حصوں تک لے آؤں گا۔

(۱) سب سے پہلے ایک انسان کے طور پر: میرا خیال ہے کہ اس آدمی کا ایک بڑا دل تھا وہ معاف کرنے والا انسان تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے مشرف کو بھی کارگل کے اوپر معاف کر دیا بلکہ وہ تو جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ مصالحت کرنا چاہتا تھا وہ غریبوں کی مدد کرنے میں ہمیشہ ہمیشہ پیش رہتے تھے۔ کہ انہوں نے بہت سی اسکیمیں جیسے میرا گھر سکیم، ییلو کیپ سکیم، گرین چینل اور بہت سی چیزیں متعارف کروائیں تھیں۔

(۲) اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ وہ زندگی کی کس طرح قدر کرتے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے۔ پرائم منسٹر ہاؤس میں کچھ جنگلی سور (وائلڈ بور) ہوا کرتے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ پولو گراؤنڈ کے پیچھے بری امام کی طرف ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ جہاں بہت سے جنگلی سور (وائلڈ بور) رہتے تھے۔ میاں صاحب کو جانوروں اور پرندوں سے بہت پیار تھا۔ جب میں وہاں گیا تو انہوں نے مجھے کچھ کالے ہرن بالائی سندھ اور جنوبی پنجاب سے لانے کے لئے کہا۔ لہٰذا ہم تقریباً 20 کے قریب کالے ہرن لے کر آئے جن کی تعداد بڑھتے بڑھتے 25 تک پہنچ گئی تھی۔ پرائم منسٹر ہاؤس میں ہمارے پاس بہت سے مور بھی تھے۔ وہاں پر اور بھی بہت سارے پرندے تھے۔ میاں صاحب کی عادت تھی کہ وہ ان کو لا کر خوراک دیتے، پالتے اور پھر اڑا دیتے۔ وہ انہیں قید نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح وہ پرندوں کے ساتھ بھی کرتے تھے۔ انہیں ایک کھلا ماحول مہیا کیا گیا تھا اور ان کالے ہرنوں کو خوراک دیتے وقت بڑی احتیاط کی جاتی تھی۔ اس طرح ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وزیر اعظم ہاؤس کا ایک نوکر ایک وائلڈ بور کے

ہاتھوں زخمی ہو گیا لہٰذا جب سور نے اس آدمی کو زخمی کر دیا تو میں نے وہاں موجود پولیس کو پرائم منسٹر ہاؤس میں موجود اس وائلڈ بور کو مارنے کے لئے کہہ دیا۔ اس رات ہم نے کچھ وائلڈ بور مارے اس فائرنگ کی آواز میاں صاحب نے سن لی تھی۔ اگلی صبح انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ہوا تھا؟ تو میں نے انہیں بتایا کہ یہ کچھ ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں اب آپ ایسا نہیں کریں گے۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ آکر ہمارے کالے ہرنوں کا کھانا بھی کھا جاتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ کھانا ڈبل کر دو، ڈبل کم ہو تو چار گنا کر دو، دس گنا کر دو مگر وہ وائلڈ بور اگر اپنی فیملی کے ساتھ یہاں ٹھہرے ہیں تو ان کو مارتے کیوں ہو؟ ان کو بھی دوسروں کی طرح رہنے کا اتنا ہی حق ہے۔ یہ بڑا عجیب تجربہ تھا میرے لئے، کہ ہم نے تقریباً پانچ چھ جگہیں ایسی بنائیں جہاں پر کافی مقدار میں کھانا رکھا جاتا تھا جو کہ وائلڈ بور اور کالے ہرنوں کے لئے ہوتا تھا۔ اور ایک سٹیج ایسی بھی آئی کہ ہر ایک جانور نے سیکھ لیا کہ کس نے پانی پینا ہے اور کھانا کہاں سے ہے، ہر ایک کو معلوم ہو گیا کہ کہاں جانا ہے؟ اب حالات بڑے پرامن تھے، کوئی مار دھاڑ نہیں تھی، وائلڈ بور بھی بڑے خوش تھے۔ ہم نے پھر انہیں دوبارہ ادھر ادھر گھومتے نہیں دیکھا جیسا کہ وہ پہلے سڑکوں پر گھوما پھرا کرتے تھے۔ ایک دن پھر نواز شریف صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ بریگیڈیئر صاحب! وہ وائلڈ بور کے بارے میں آپ نے دوبارہ بات نہیں کی میں نے کہا سر آپ اس وقت کھانا کھا رہے تھے تو کہنے لگے کہ مجھے ایک دن شام کو دکھائیں پھر ایک دن میں ان کے ساتھ ان کی مرسیڈیز میں بیٹھ کر گیا جس کو وہ خود چلا رہے تھے میں ساتھ بیٹھا ہوا تھا وہاں پہنچ کر انہوں نے انجن بند کر دیا تاکہ شور پیدا نہ ہو۔ وہ مغرب کا وقت تھا اور کھانے کا ٹائم بھی تھا۔ ہم نے آہستہ سے جا کر گاڑی کھڑی کر دی۔ وہاں انہوں نے دوربین کے ذریعے کالے ہرنوں کو کھانا کھاتے دیکھا۔ وائلڈ بور کو کھاتے دیکھا۔ پرندوں کو بھی کھاتے دیکھا وہ وہاں ایک گھنٹہ رہے وہ بہت خوش تھے۔ کہنے لگے کہ دیکھو! یہ سب کتنے خوش ہیں میں چاہتا ہوں کہ میری قوم بھی اسی طرح خوش ہو جیسا کہ یہ ہیں۔ لہٰذا یہ ان کی شخصیت کا ایک پہلو ہے۔

ایک اور ان کی شخصیت کا پہلو ہے۔ ہم لوگ مری میں تھے اور آپ کو معلوم ہے کہ نواز شریف صاحب ہمیشہ اپنے گھروں میں جا کر رہتے ہیں چاہے وہ لاہور میں ہوں، کراچی میں مری میں لندن میں یا کسی بھی اور جہاں ان کا اپنا گھر ہو، وہ گورنمنٹ کا نہ گھر، نہ گاڑی نہ ہی کھانا کبھی استعمال کرتے ہیں یہ سب کچھ ہمیشہ ان کا اپنا ہوتا، لہٰذا جب وہ مری میں اپنے گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے اور ہم گورنر ہاؤس، مری میں ٹھہرے تھے تو مجھے کوئی فائلیں دستخط کروانے کے لئے میاں صاحب کے پاس جانا پڑا جب میں وہاں بطور ملٹری سیکرٹری ان کے گھر پہنچا تو وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئے۔ میں نے نوکروں سے

پوچھا کہ میاں صاحب کدھر ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سر نیچے ہوں گے پھر میں وہاں چلا گیا۔

میاں صاحب ننگے پاؤں چادریں اور تکیوں کے غلاف تبدیل کر رہے تھے انہوں نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو میں بیٹھ گیا۔ انہوں نے اپنے ٹائم پر کام پورا مکمل کیا۔ وہاں سے باہر آئے۔ مجھ میں ان سے یہ پوچھنے کی ہمت نہیں کہ سر آپ یہ کیوں کر رہے تھے؟ آپ کے پاس نوکر نہیں ہیں، جب ان سے میرا فائل ورک ہو کر ختم ہو گیا تو ان کا جو نوکر تھا، اس سے میں نے بات کی کہ شکیل! میاں صاحب کیا اپنے کمرے کی چادریں، تکیے اور تولیے وغیرہ خود تبدیل کرتے ہیں؟ کہتا ہے نہیں سر! خود تھوڑا ہی تبدیل کرتے ہیں، یہ تو ان کے والدین کا کمرہ ہے۔ اپنے والدین کی چادریں، تکیے کے غلاف یہ خود تبدیل کرتے ہیں کسی اور کو نہیں کرنے دیتے۔ تو یہ ان کی شخصیت کا ایک اور پہلو ہے پھر آپ ان کا بطور خاوند، بطور باپ، بطور بھائی پوچھیں تو ہر چیز زبردست ہے میرے پاس الفاظ بیان کرنے کے لئے نہیں ہیں کہ اللہ میاں نے اس شخص کو کیا دل دیا ہے؟ یہ کس طریقے سے اپنے لوگوں کا خیال کرتا ہے اور احساس بھی نہیں ہونے دیتا کہ خیال کر رہا ہے۔ اگر آپ کہیں تو اس پر میں دو گھنٹے لیکچر دے سکتا ہوں مگر میرا خیال ہے کہ میں نے جو کہنا تھا، کہہ دیا ہے میں کہنا یہ چاہ رہا ہوں کہ کیا ایسا شخص جو سوروں تک کو نہیں مارنے دیتا۔ جہاز کے 200 بندوں کو مروائے گا۔ یہ جو مشرف نے ان پر الزام لگایا تھا کہ یہ جہاز گرانا چاہتا تھا، مارنا چاہتا تھا، آپ مجھے یہ بتائیں کیا یہ ہو سکتا ہے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

کیپٹن صفدر کی باتیں

☆ بچوں جیسا سلوک کرتے ہیں

☆ نواسوں سے پیار

☆ کیا یہ محبت کی شادی تھی؟

☆ نواز شریف گھر کے اندر

نواز شریف کیسے انسان ہیں

- رات کو لیٹ آؤں تو انکل نواز ناراض ہوتے ہیں۔
- الماری سے بے نظیر بھٹو کے قیمتی زیورات ملے جو انہیں واپس کر دیئے۔
- وزیراعظم کے سامنے موٹر سائیکل سوار آئے تو میں نے چلتی گاڑی سے چھلانگ لگادی
- میری شادی میں بہت زیادہ عمل دخل آنٹی کلثوم کا تھا۔
- وزیراعظم اور آنٹی کو امیر نہیں شریف خاندان کے بیٹے کی تلاش تھی۔
- مریم نے ہمارے چھوٹے گھر میں ایڈجسٹ کر لیا میری ماں کے پاؤں میں کریم تک خود لگائی۔

بچوں جیسا سلوک کرتے ہیں

میاں نواز شریف سیاستدان ہونے کے علاوہ آپ کے سسر ہیں آپ سے ان کا شفقت کا انداز کیسا ہے؟ ان کے انداز سے ان کی بطور انسان صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟

کیپٹن صفدر: شفقت کے انداز کی تو مختلف چیزیں ہیں، اب میں آپ کو کیسے بیان کروں۔ اگر میں کہیں پر گیا ہوں اور کھانے پر نہیں پہنچا ہوں تو وہ ضرور پوچھتے ہیں کہ صفدر کے لئے کھانا رکھ لیا ہے۔ اپنی پکی ہوئی چیزوں میں سے اکثر میرے لئے رکھی ہوتی ہیں۔ جب میں واپس آتا ہوں اور مجھے ابلی ہوئی چیزیں مل جائیں، سٹیم والا چکن ہو تو مجھے مریم بتاتی ہے کہ ابو نے خاص طور پر تمہارے لئے رکھوایا ہے، ان کو یہ بھی ہوتا ہے کہ جب سے ہم جلاوطن ہیں، تو ان کو میرے والدین کا بڑا فکر ہوتا ہے۔ وہ ہر دفعہ یہی کوشش کرتے ہیں کہ وہ یہاں آئیں اور چار پانچ مہینے اکٹھے رہیں۔ جب وہ یہاں آتے ہیں تو ان کو روکے رکھتے ہیں۔ نوابزادہ نصر اللہ خان کے سعودی عرب آنے سے پہلے مجھے کہتے رہے آپ کے ابو کو

یہاں آیا ہونا چاہیے۔ تو میں نے والد صاحب سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ میں رمضان میں ہی آؤں گا۔ پھر وہ کہتے تھے کہ میرا یہ دل کرتا تھا کہ وہ نوابزادہ کے ساتھ ہوں۔ کوئی فارسی وہ بولیں کوئی نوابزادہ صاحب بولتے۔ تو میں نے کہا کہ ان کی اپنی مرضی ہے۔ ان کو یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ بی بی، بابا بوڑھے ہیں، ان کو ہمارے پاس سعودیہ ہونا چاہیے۔ چار پانچ مہینے۔ یہاں رہیں پھر وہاں جائیں پھر اکثر وہ فون کر کے ان کا پوچھتے رہتے ہیں تو یہی چیزیں ہوتی ہیں جن سے کسی کی شفقت کا پتا چلتا ہے۔ انکل جس طرح اپنے بیٹوں حسین یا حسن سے شفقت اور محبت کرتے ہیں میرے ساتھ بھی ان کا وہی انداز ہے کبھی کوئی فرق نہیں رکھا۔ ان کو یہ بھی پتا ہوتا ہے کہ صفدر کا کیا پروگرام اس وقت ہے، اس کے پاس اس وقت کتنے پیسے ہیں؟ انہیں پتا ہوتا ہے کہ یہ مدینہ منورہ جا رہا ہے، اس کے پاس پیسے نہیں ہوں گے۔ حتیٰ کہ لاہور میں جب سب کے لئے کپڑے خرید کر آتے ہیں تو وہ صفدر کے لئے علیحدہ آرڈر ہوتا ہے کہ پہلے صفدر کو دو۔ اگر عید کے پیسے دیں گے تو پہلا لفافہ جو ہوتا ہے۔ اس کے اوپر صفدر کا نام لکھا ہوتا ہے۔ پھر حسین اور حسن کی باری آتی ہے اسی طرح دادا جان کا بھی حال ہے کہ جس طرح انہوں نے نواز صاحب، شہباز صاحب، عباس صاحب کی اور باقی سب کی جو پاکٹ منی لگائی ہوئی ہے، اس میں میرا بھی اتنا ہی حصہ ہوتا ہے جتنا کہ شہباز انکل، عباس انکل اور نواز صاحب کا ہے۔ انکل سے مجھے دوسرے بچوں کی طرح ڈانٹ بھی پڑتی ہے۔

اچھا، وہ کیسے؟ ڈانٹ کا کیا انداز ہوتا ہے؟

کیپٹن صفدر: وہ اکثر اس طرح ہوتی ہے (قہقہہ) اور وہ ناراض اس لئے ہوتے ہیں کہ ایک تو پاکستان میں بھی انہوں نے اور یہاں پر بھی میرے اوپر پابندی لگائی ہے کہ مغرب کے بعد آپ نے سفر نہیں کرنا۔ وہ رات کو گھر سے باہر رہنا پسند نہیں کرتے۔ تو جب کبھی کوئی مہمان ایئرپورٹ پر آیا ہوتا ہے یا میں لیٹ ہو جاتا ہوں یا کبھی ساحل سمندر پر چلا جاتا ہوں (پرزور ہنستے ہوئے) تو ان کو پتا چل جاتا ہے کہ یہ رات کو لیٹ آیا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اچھی بات نہیں۔ جب میں پاکستان میں اسسٹنٹ کمشنر ماڈل ٹاؤن تھا تو ان کو یہ پتا چلتا تھا کہ یہ دفتر سے بڑی لیٹ آتا ہے۔ ان کو بڑی فکر ہوتی تھی کہ ٹھوکر نیاز بیگ سے آنے میں اتنی دیر کیسے لگ گئی۔

آپ کی اہلیہ مریم نواز شریف بھی تو آپ کی شکایتیں اپنے والد سے لگاتی ہوں گی؟

کیپٹن صفدر: نہیں، وہ بے چاری نہیں لگاتی۔ اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ بس ایسی کوئی بات ہو بھی تو

چھپا لے۔

اچھا تو اور کس بات پر ناراض ہوتے ہیں؟

کیپٹن صفدر: بس رات کو لیٹ آنے سے اور صبح جب بھی کہیں جانا ہو اور لیٹ ہو جائیں تو پھر وہ بڑا اس چیز کا برا مناتے ہیں۔ پاکستان میں بھی اکثر یہ ہوتا تھا کہ مانسہرہ سے جب آتا تو میں اسلام آباد سے فلائیٹ رات 9 بجے کی لیتا تو اس پر بھی بڑے ناراض ہوتے تھے کہ تم 7 بجے والی یا پانچ بجے والی فلائیٹ کیوں نہیں لیتے۔ بس مغرب کے بعد ان کو ہوتا ہے کہ بچے گھر پر رہیں، کوئی بھی ہو۔ باقی ان کی ہمارے ساتھ کوئی ایسی خاص ناراضی نہیں ہوتی۔

نواسوں سے پیار

اپنے نواسے نواسیوں کے ساتھ ان کا کیسا سلوک ہوتا ہے؟

کیپٹن صفدر: بہت اچھا ایک دفعہ میں وزیر اعظم ہاؤس کی بات کر رہا ہوں۔ یہ 99-1998 کی بات ہے میرا بیٹا جنید اس وقت چھوٹا سا تھا تو وہ ان کے پاس سوتا تھا۔ ایک دفعہ رات کو بڑی دیر سے دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے پوچھا کہ کون؟ تو کہنے لگے کہ صفدر! یہ جنید ہے یار، اس نے پیشاب کر دیا ہے۔ تو اس کو لے لو مریم گئی تو اس نے دیکھا کہ کہیں انہوں نے اسے رات کو اپنے اوپر لٹایا ہوا تھا۔ تو اس نے ان کے اوپر ہی پیشاب کر دیا۔ ہیں تو وہ بڑے نفاست پسند۔ تو مریم نے کہا کہ ابو آپ کی بیڈ شیٹ تو کہنے لگے کہ نہیں نہیں میں خود ہی صاف کر لیتا ہوں تو میرا خیال ہے کہ پھر خود ہی انہوں نے صاف کیا، نہائے، کپڑے بدلے۔ مگر پھر میں نے دوسرے دن دیکھا تو وہ ان کے پاس ہی سویا ہوا تھا تو وہ اس کو ڈائیپر وغیرہ نہیں باندھنے دیتے تھے۔ کہتے کہ نہیں کوئی بات نہیں۔ تو یہ ان کا پیار ہے اور نواسوں سے محبت کا انداز ہے۔

میاں نواز شریف گھر میں سیاست پر کتنی بات کرتے ہیں؟

کیپٹن صفدر: ان کا ہر کام ہی ملک وقوم کے لئے ہوتا ہے۔ تو گھر میں زیادہ وقت اسی سوچ میں ہوتا ہے کہ کس طرح چیزوں کو بہتر کیا جائے، ملک کے لئے کیا ہونا چاہیے۔ ایک دفعہ مری میں تھے۔ دسمبر 1991ء کی بات ہے وہاں پہنچے تو برف باری ہوئی ہوئی تھی۔ بڑی مشکل سے وہاں پہنچے ہم بی بی سی اور سی این این سن رہے تھے تو کسی ملک کا ماحول دکھا رہے تھے تو کہنے لگے کہ کاش کون سا وقت ہو جب

پاکستان بھی اتنا زیادہ ترقی کر جائے اور پاکستان میں بھی اس طرح لوگ خوشحال ہو جائیں۔ یہ دیکھو نا یہ برف وہاں پر بھی ہے اور ہمارے پاس بھی ہے مگر وہاں پر برف کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرتی۔

کیا یہ محبت کی شادی تھی؟

کیپٹن صاحب! بطور داماد آپ کا انتخاب کیسے ہوا؟ دونوں خاندانوں میں بظاہر معاشی تفاوت ہے کہاں ملک کا اتنا بڑا صنعت کار خاندان اور کہاں آپ جن کا تعلق متوسط طبقے سے ہے، دونوں کے طبقات میں فرق ہے۔ یہ وزیر اعظم تھے، آپ ان کے ADC تھے تو لوگوں کو سمجھنے میں یہ چیز کافی مشکل لگتی ہے کہ یہ ملاپ کیسے ممکن ہوا؟

کیپٹن صفدر: دیکھیں جی، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بطور مسلمان ہمارا یہ ایمان ہے کہ رشتے ناتے جو بھی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ آسمان پر ہی طے کر دیتا ہے، پہلی بات تو یہ ہے مجھے مولانا عبدالستار نیازی، اللہ ان کو جنت میں جگہ دے، کی بات ابھی تک یاد ہے کہ جس دن میری منگنی ہوئی تو اس کے دو تین دن بعد وہ وزیر اعظم ہاؤس آئے تو انہوں نے مجھے بلایا۔ بلا کر مجھے بٹھایا۔ وزیر اعظم بھی بیٹھے تھے تو کہنے لگے کہ میں اس بچے کو آج سے نہیں، 50 سال پہلے سے جانتا ہوں۔ ان کے تایا کو جانتا ہوں، ان کے چچا کو جانتا ہوں۔ ہم اکٹھے پڑھے اور ہم تحریک پاکستان میں اکٹھے تھے۔ میرے ایک پھوپھا علی گڑھ سے پڑھے ہوئے تھے۔ وہ وکیل تھے، اللہ ان کو جنت میں جگہ دے تو اس کا حوالہ انہوں نے دیا کہ وہ اسلامیہ کالج میں اس وقت جب قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے تو اس وقت وہ صدر تھے۔ عبد الستار خان نیازی بہت پہلے کہیں ہمارے گھر تشریف لائے تھے۔ ان کو میرا پتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نواز صاحب! میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کی خوش قسمتی بھی ہے اور کیپٹن صفدر کی خوش قسمتی بھی کہ آپ کا اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑے عالم خاندان کے ساتھ تعلق پیدا کر دیا ہے۔ اور میں اس سلسلے میں آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کیونکہ داماد تو آپ کو بہت سارے اور اچھے مل جانے تھے، پیسے والے بھی مل جانے تھے لیکن جو بیک گراؤنڈ جس سے میں صفدر کے متعلق واقف ہوں میں آپ کو واقعی مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ نے کسی اچھے خاندان کا بچہ آپ کی قسمت میں لکھا ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے میں 1990ء میں جتوئی صاحب کے ساتھ ADC آیا تھا۔ جتوئی صاحب نے میری ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ میں تعیناتی کے لئے سفارش کر دی تھی۔ ہر وزیر اعظم جاتے ہوئے ایسا کرتے ہیں جیسا کہ جونیجو مرحوم نے بھی ضیاء الحق کو خط لکھا تھا کہ ٹھیک ہے، آپ نے میری اسمبلی تحلیل کر دی ہے، جو بھی ہے لیکن میرے جو اے ڈی

سی ہیں، ان کو میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ DMG میں لیں، تو انہوں نے پھر جونیجو مرحوم کے خط پر ان کے اے ڈی سی حضرات کو DMG میں بھیج دیا تھا۔ اسی طرح مجھے جتوئی صاحب نے سلیکٹ کر دیا تو میں نے وزیراعظم صاحب کو بتا دیا کہ جی میں تو ابھی تین چار مہینے آپ کے ساتھ رہوں گا، اس کے بعد پھر میرا کورس آجائے گا، پھر میں نے DMG میں جانا ہے، انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ جب میرے چار پانچ مہینے گزرے تو وزیراعظم نے بریگیڈئیر جاوید حسن (جو کہ اس وقت ملٹری سیکرٹری تھے) کو کہا کہ جب میں باہر دوروں پر جاؤں، پشاور جا رہا ہوں، کراچی جا رہا ہوں یا جہاں بھی جلسے جلوس ہوں تو صفدر کو میرے ساتھ رکھا کریں کیونکہ یہ ایک سوچ رکھتا ہے اور سیاسی لوگوں کو بھی ہینڈل کر لیتا ہے۔ اور سیکورٹی کو بھی، تو میں یہ چاہتا ہوں کیونکہ باقی اے ڈی سی کچھ گھبراتے ہیں تو میں نے کہا ٹھیک ہے۔ جی ایک دفعہ ہم لوگ پشاور جا رہے تھے۔ سرتاج عزیز صاحب ہماری گاڑی میں ساتھ بیٹھے تھے، دو موٹر سائیکل والے آگے آئے پولیس والوں نے روکنے کی کوشش تو وزیراعظم نے کہا کہ یہ کیا ہے، کیوں ایسا ہو رہا ہے تو ڈرائیور فاروق نے گاڑی آہستہ سے ایک طرف کرنی شروع کر دی، پولیس والے بھاگنا شروع ہو گئے تو میں ان کی چلتی گاڑی سے ایک دم اترا، وہ موٹر بائیک والے جو تھے، وہ پولیس سے نکل گئے تھے، اسلام آباد سے نیچے انہوں نے تھوڑا سا بائیں ٹرن لیا اور کھیتوں میں بھاگنا شروع ہو گئے تو میں ان کے پیچھے اتنی تیزی سے بھاگا کہ موٹر بائیک سے ان کو گرا کر پکڑ لیا۔ پھر پولیس نے انہیں گرفتار کیا۔ ہم گاڑی میں بیٹھے۔ میں موٹر بائیک والوں کے اوپر گرا میرا یونیفارم بھی پھٹ گیا۔ پشاور میں ہم جلسہ کر کے لاہور پہنچے تو وزیراعظم نے مجھے کہا تم نے ایسے کیوں کیا؟ آگے سے کوئی فائر کر دیتا، میں نے کہا جی کہ میں یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو پولیس سے بھی نہیں رکے، پھر پولیس ان کے پیچھے بھاگ بھی رہی ہے لیکن وہ ان تک نہیں پہنچ سکے، پھر وہ بڑا خوش ہوئے، کہنے لگے کہ میں بڑا حیران تھا کہ تم نے چلتی گاڑی سے چھلانگ لگائی اور پولیس سے پہلے ان کو پکڑ لیا اصل میں میں نے موٹر سائیکل والے کو پتھر مارا تو وہ اس کو لگا اور وہ گر گیا۔ میں نے کہا جی کہ مجھے یہ بھی ڈر تھا کہ پولیس والے کہیں کوئی فائر نہ کر دیں۔ اور بندہ ہی نہ مر جائے۔ اب انکوائری ہو گی، وہ کون تھے۔ ان سے کوئی خطرے کی بات تھی یا نہیں؟ وہ کالج کے کوئی لڑکے تھے یا اور کوئی۔ اس طرح کی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہوتی رہتی تھی۔

ملتان میں جب ہمارا ہیلی کاپٹر بلڈنگ سے ٹکرا گیا، اس میں 23,22 بندے تھے جو میں نے خود پکڑ کر ایک ایک کر کے زمین پر گرائے، پرائم منسٹر دوسرے ہیلی کاپٹر سے دیکھ رہے تھے اور ساتھ ہی وائیں صاحب بھی، اس وقت وہ زندہ تھے، تو میں دروازے میں کھڑا لوگوں کو ہوا سے زمین پر گرا رہا ہوں۔ دوسرے دن اخباروں نے بڑا لکھا، ہیرو آف دی ڈے، کیپٹن صفدر، تو پھر وزیراعظم نے مجھے بلا کر بڑی

شاباش دی۔

اسی طرح کے واقعات ہوتے گئے، ایک دفعہ ایسے ہوا کہ سندھ ہاؤس جو کہ اس وقت وزیر اعظم ہاؤس تھا جب بے نظیر صاحب کی اسمبلی کو تحلیل کیا تو ان کے بیڈ روم میں ایک الماری تھی جب انہیں جلدی میں وہاں سے جانا پڑا تو ان کی وہ الماری وہیں پر رہ گئی۔ اس کے اندر ان کا کافی سارا زیور بھی تھا، وہ بھی رہ گیا جب سندھ ہاؤس سے سارا فرنیچر ہم نے نئے پرائم منسٹر ہاؤس اسلام آباد میں شفٹ کیا تو یہ الماری بھی وہیں پر آ گئی۔ جب ہم نئے گھروں میں آئے تو وہاں پر چھوٹی چھوٹی الماریاں تھیں۔ وہاں پر ایک بندہ پی ڈبلیو ڈی کا ایس ڈی او تھا اس کو میں نے کہا کہ یار مجھے بڑی لوہے کی کوئی بڑی الماری چاہیے جس میں میں اپنا یونیفارم رکھوں یہ تو چھوٹی چھوٹی الماریاں ہیں جس میں کوئی چیز پوری ہی نہیں آتی، تو وہ کہنے لگا کہ سندھ ہاؤس کے سٹور سے کچھ چیزیں آئی ہوئی ہیں وہ آپ کو دے دیتا ہوں وہ الماری لے آیا تو رات کو جب میں نے الماری کھولنے کی کوشش کی تو اس کی چابی نہیں تھی، وہ بھی اس نے بھیجی، جب میں نے وہ الماری کھولی، تو میں نے دیکھا کہ اس میں کافی زیادہ تصویریں، زیور اور میک اپ کا سامان تھا، وہ سب کچھ بے نظیر صاحبہ کا تھا میں نے وہ سب کچھ ایک کپڑے میں باندھا اور جا کر ملٹری سیکرٹری کو دے دیا۔ ساری بات بتائی۔ صبح ملٹری سیکرٹری نے وزیر اعظم کو بتایا اور وزیر اعظم نے مجھے بلا کر پوچھا۔ انہوں نے وہ سارا سامان ایک لیٹر کے ساتھ، بے نظیر صاحبہ کو سندھ بھیج دیا۔ اس پر وزیر اعظم نواز شریف بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ صفدر میں بہت خوش ہوں تم اس وقت کمرے میں اکیلے تھے اور اس زیور کا کچھ بھی کر سکتے تھے۔ میں نے کہا بس میں نے یہی سوچا کہ یہ ایک امانت ہے۔ کہنے لگے کہ تم نے پھر آ کر ملٹری سیکرٹری کو دیا، میں نے کہا جی کہ میرا سورس تو وہی بنتا تھا۔ میں آپ کے آگے نمبر بنانے کے لئے آپ کے پاس تو نہیں آ سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ ملٹری سیکرٹری کو دے دوں تا کہ آگے وہ خود ہی فیصلہ کرے۔

رشتہ کیسے طے ہوا؟

کیپٹن صفدر: یہ جو رشتے والی بات تھی، یہ میری ساس صاحبہ کی طرف سے تھی، مجھے اس چیز کی خبر نہیں تھی۔ وزیر اعظم 1991ء میں ناران جا رہے تھے۔ بیگم صاحبہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ میں اس وقت اے ڈی سی تھا۔ مانسہرہ کے پاس تھے تو انہوں نے کہا ہم آپ کے گھر جائیں گے، تو میں بڑا حیران ہوا کہ یہ کیسے ہمارے گھر جائیں گے، وہاں کسی کو پتا ہے نہ کچھ ہے، تو میں نے کہا چلے جائیں۔ پولیس اور سکواڈ والے آگے چلے گئے۔ گلیوں محلوں میں سے ہوتے ہوئے میرے گھر پہنچے۔ اس وقت امی گھر پر

نہیں تھیں، والد صاحب بیٹھے ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ تو میں نے بتایا کہ باہر وزیر اعظم صاحب آئے ہیں۔ تو اسی طرح ہاتھ میں کتاب پکڑے ہوئے باہر آئے، انہوں نے کہا کہ آپ نے بتایا ہی نہیں، گھر میں بھی کوئی نہیں۔ میں نے کہا کہ کوئی بات نہیں۔ وہ پانچ دس منٹ ہمارے گھر بیٹھے، کنواں تھا، وہاں سے انہوں نے گھر میں پانی پیا۔ پھر گاڑیوں میں بیٹھ کر یہ ناران چلے گئے۔ قمر صاحب کو یہ آرڈر تھے کہ صفدر پر تم نے نظر رکھنی ہے۔ یہ کہاں جا رہا ہے اور کس سے مل رہا ہے؟ قمر صاحب نے مجھے اپنے ہی گھر میں شفٹ کیا ہوا تھا اور ایک کمرہ دیا ہوا تھا۔ تو قمر صاحب اکثر دیکھتے رہتے تھے کہ یہ کدھر گیا ہے؟ کس کو ملا ہے۔ تو وہ میری ساس صاحبہ کے ذہن میں کچھ ایسی چیز تھی۔

ایک افواہ یہ بھی تھی کہ شاید اس میں آپ اور مریم نواز شریف کی پسند بھی شامل تھی؟ ہے تو یہ ایک بڑا ہی ذاتی سوال لیکن پھر بھی بہت سے لوگوں کو اس کا تجسس ضرور ہے؟

کیپٹن صفدر: جی میں اس طرف آ رہا ہوں۔ قمر صاحب کو میں نے ایک دفعہ 1991ء میں کہا کہ جی میرا کورس آ گیا ہے تو میں ابھی ڈی ایم جی میں جانا چاہ رہا ہوں۔ تو وزیر اعظم نے کہا کہ تم ابھی ہمارے ساتھ ہی رہو۔ پھر انہوں نے 6 مہینے کورس آگے کروا دیا۔ پھر 6 مہینے گزر گئے تو میں نے کہا کہ جی میرے ساتھ کے افسر ڈپٹی کمشنر ہو جائیں گے تو میں ایسے ہی رہ جاؤں گا، انہوں نے پھر مجھے 6 مہینے اور لیٹ کروا دیا۔ بیگم صاحب نے پھر ایک دفعہ فون کیا اس وقت میری امی سخت بیمار تھیں تو میں گھر چھٹی پر گیا ہوا تھا۔ تو وزیر اعظم نے پوچھا کہ صفدر کہاں پر ہے، چار پانچ دن سے نظر نہیں آ رہا تو ملٹری سیکرٹری نے کہا کہ وہ چھٹی لے کر گیا ہے، اس کی امی بیمار ہیں، پھر وزیر اعظم نے فون کیا اور کہا آپ اسلام آباد آ جائیں، پھر علاج کراتے ہیں۔ تو امی نے کہا کہ نہیں، میں ابھی سفر کے قابل نہیں ہوں، پھر بیگم صاحبہ کا بھی فون آیا کہ آپ اسلام آباد آ جائیں، ہم آپ کا علاج کراتے ہیں، امی نے کہا کہ میری صحت ابھی اس قابل نہیں ہے تو پھر وہ پوچھتی رہتی تھیں۔ پھر ایک دن انہوں نے کہا صفدر ہمارا بیٹا ہے۔ تو میری امی کو اس چیز کی سمجھ نہیں آئی، پھر انہوں نے میرے والد صاحب سے بھی بات کی۔ تو بیگم صاحبہ نے کہا کہ اس طرح سے ہماری یہ خواہش ہے۔ تو والد صاحب نے میرے ساتھ بات کی۔ میں نے کہا کہ ابو یہ بات انہوں نے پتا نہیں کس طرح کی ہے، آپ کو سمجھ نہیں آئی ہو گی تو اس بات کو ادھر ہی چھوڑ دیں۔ اللہ کا فضل تھا کہ ہمارا ایک اولیاء اللہ اور عالم دین کا خاندان تھا۔ اللہ کا بڑا کرم رہا ہے۔ مگر پھر بھی مجھے یہ احساس تھا کہ ایک پرائم منسٹر اور ایک فوج کے کپتان کے درمیان اس طرح کا رشتہ تو کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر میرے والد صاحب نے کہا کہ ہمیں آپ کی بات کی سمجھ نہیں آئی۔ فون پر۔ جب ان کا فون

آتا تھا، ان دنوں امی کی حالت بڑی خراب تھی۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم اس کو اپنا بیٹا بنائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ، قمر صاحب کو پرائم منسٹر صاحب کی مسز نے بہت پہلے بتایا ہوا تھا کہ ہمیں ایک اچھا رشتہ چاہیے اور وہ رشتہ ہم نے دیکھا ہے۔ اس کو تم چیک کرو۔ تو قمر صاحب دو سال پہلے ہی کہیں میرے گاؤں تک گئے پھر قمر صاحب نے مجھے شادی کے بعد بتایا کہ میں گیا اور میں نے ایک بندے سے پوچھا کہ یہ کیپٹن صفدر کا گاؤں ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں جی۔ تو میں نے اس کو کہا کہ آپ اس کو جانتے ہو؟ کہتا ہے کہ ہم اس کو تو نہیں جانتے، مگر یہ جو سامنے قبرستان ہے، اس میں یہ جو مزار ہے، یہ اس کے پردادا کا ہے۔ تو اس نے کہا کہ ہم آج بھی ان کی قبروں کی طرف پیٹھ کر کے نہیں چلتے۔ اور میں آج بھی ان کے گھر ننگے پاؤں جاتا ہوں کہ میں نے ان کے گھر سے بڑا فیض حاصل کیا ہے، تو قمر صاحب نے وہی الفاظ آ کر پرائم منسٹر کو بتا دیئے۔ قمر صاحب کو وہ کتبے بھی یاد تھے جن کے اوپر ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ پھر قمر صاحب کو یہ بھی پتا تھا کہ اس کی اس گاؤں میں اتنی زمین ہے دوسرے میں اتنی ہے، تو وہ ساری ہسٹری قمر صاحب کے پاس میری تھی جو بعد میں انہوں نے بتائی۔ قمر صاحب کہتے ہیں کہ مجھے جس دن انہوں نے اپنے گھر شفٹ کیا تھا تو اس وقت سے ہمارے ذہن میں یہ بات تھی۔

قمر صاحب نے مجھے یہ بھی بتایا کہ رشتے تو بڑے آتے رہے مگر باجی کا اور صاحب کا یہی ذہن تھا۔ تو قمر صاحب نے کہا کہ میں نے پرائم منسٹر کو کہا تھا کہ آپ نے میرے ذمے جو کام کیا ہے وہ شخص ہر لحاظ سے الحمدللہ وہ اس چیز پر پورا اترتا ہے۔ میں نے اس کے فوجی لوگوں سے بھی پوچھا مگر مجھے ایک چیز کی کمی جو محسوس ہوئی ہے کہ صفدر مالی لحاظ سے بہت کمزور ہے۔ تو انہوں نے کہا چھوڑیں قمر صاحب! آپ کی بھی اتنی گھٹیا سوچ ہے۔ مالی حالات تو کسی وقت بھی انسان کے ٹھیک ہو سکتے ہیں مگر جو ایک اچھی فیملی ہوتی ہے اچھا خون ہوتا ہے، اچھے رشتے ہوتے ہیں وہ تو ملنے مشکل ہوتے ہیں۔ کیونکہ میرا معیار یہی ہے۔

اچھا وہ پھر بات ایسے ہوئی کہ قمر صاحب نے مریم سے پوچھا تھا کہ اس طرح تمہارے ابو بلکہ خاص طور پر تمہاری امی کی یہ خواہش ہے تو تمہاری امی اور ابو نے مجھے یہ کہا ہے اور چونکہ میں نے تمہیں اپنی بیٹی بھی بنایا ہوا ہے اور میرا بھی پورا حق ہے، انہوں نے کہا ابو سے کہیں کہ ان کا فیصلہ ہے، میں اس پر راضی ہوں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ یہ قمر صاحب نے میری منگنی سے ایک سال پہلے مریم سے پوچھا تھا۔ تو یہ جو بات ہے کہ میری محبت کی شادی ہے، ایک بندہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ پرائم منسٹر کی بیٹی سے وہ محبت کرلے گا۔

مریم سے ایک سال پہلے پوچھا گیا تھا پھر بھی ایک سال کے دوران آپ کے احساسات پیدا نہیں ہوئے؟

کیپٹن صفدر: نہیں، مجھے نہیں پتا تھا۔ میں ایک دفعہ قمر صاحب کی مسز کو چھوڑنے جا رہا تھا۔ اب میں کبھی فارغ بیٹھا کڑیاں ملاتا رہتا ہوں۔ میں انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے جا رہا تھا۔ ان کی مسز آئی ہوئیں تھیں تو قمر صاحب نے مجھے کہا کہ تم چھوڑ آؤ۔ میں تو فارغ نہیں ہوں۔ وہ کہنے لگیں کہ بیٹا تم کہاں کے ہو، تمہاری کوئی منگنی ہوئی ہوئی ہے، میں نے کہا کہ آنٹی! ابھی شادی کہاں، یا فوج میں رہے تو سٹاف کورس کریں گے یا سول سروس اکیڈمی پوری کر کے پھر شادی کریں گے۔ تو کہنے لگیں کہ بیٹا! تمہارے امی ابو نے کوئی جگہ دیکھی ہے تو میں نے کہا کہ نہیں کوئی جگہ نہیں دیکھی۔ تو قمر صاحب کی مسز کو بھی اس معاملے کا پتا تھا۔

کیا یہ بالکل ارینج میرج تھی کچھ نہ کچھ پسندیدگی کا دخل بھی تو ہوگا؟

کیپٹن صفدر: جی ہاں، بالکل ارینج میرج تھی۔ اس کو یہ کہیں کہ اس میں بیگم صاحبہ کی زیادہ مرضی تھی۔ کہ وہ چاہ رہی تھیں کہ میری بیٹی کی شادی کسی ایسی جگہ ہو۔ انہوں نے کچھ سوچا ہوگا، سوچ کر ہی پھر آگے فیصلہ کیا ہوگا، مجھے بڑے لوگوں نے یہ سوال پوچھا تھا کہ کیا آپ کی محبت کی شادی تھی؟ میں نے کہا کہ دیکھیں، دنیا میں کروڑوں لوگ محبت کی شادی کرتے ہیں تو ہر بندہ میرے اوپر کیوں یہ سوال کرتا ہے۔

لوگ اس لئے سوچتے ہیں کہ دونوں خاندانوں میں معاشی فرق تھے لوگ سوچتے ہیں آپ کی اہلیہ کی ضد پر گھر والوں نے فیصلہ قبول کر لیا ہوگا؟

کیپٹن صفدر: دیکھیں جی، ایوب خان کا اے ڈی سی ان کا داماد بنا۔ نواز صاحب کا میں اے ڈی سی داماد بنا۔ فوج میں کتنے جرنیل ایسے ہیں جن کے اے ڈی سی ان کے داماد بنتے ہیں جن کے گھروں میں بیٹیاں ہوتی ہیں، جس دن وہ پیدا ہوتی ہیں، اس دن سے ہی ان کے والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ یا اللہ کوئی اچھا رشتہ مل جائے، یا اللہ کوئی شریف رشتہ آئے۔ میں نے دیکھا ہے کہ والدین ہمیشہ ایک اچھے خاندان کو ڈھونڈتے ہوتے ہیں۔ دیکھیں نا جی کہ ان کے لئے پیسے کا تو کوئی مسئلہ نہیں صفدر کو اپنے لیول پر لانا ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں، ایک گھنٹے کی بات تھی، مسئلہ تو پھر تھا کہ اگر صفدر کے اندر کوئی برائی ہوتو اس کو ختم کرنا۔

جب آپ کی شادی ہوگئی تو آپ نے ان کے خاندان کے ساتھ کیسے ایڈجسٹ کیا؟

کیپٹن صفدر: جب ابو نے کہا تو میں نے کہا جی کہ اس بات کو ادھر ہی چھوڑ دیں اور اس کو آگے نہ بڑھائیں۔ اگر پیار سے انہوں نے فون کیا ہے، تو آپ اس کا غلط مطلب نہ لے لیں۔ پھر جب بات

ہوئی تو ابو نے کہا کہ نہیں انہوں نے ایسے کہا ہے، قمر صاحب نے بھی یہی کہا۔ پھر منگنی ہوئی شادی ہوگئی۔

جیسا کہ آپ نے پوچھا تو میں نے ایڈجسٹ نہیں کیا بلکہ میرا خیال ہے کہ اس میں زیادہ مریم نے ایڈجسٹ کیا ہے۔ اس نے ہر قسم کی قربانی دی ہے۔ اب مانسہرہ جا کر ہمارے گھر کے چھوٹے سے کچن میں کام کرنا، ایک پرائم منسٹر کی بیٹی کے لئے کہنے کو تو بڑا آسان ہے لیکن کر کے دکھانا بڑا مشکل ہے۔ اور رات کو جب ہم مانسہرہ تھے تو میری والدہ کے پاؤں پر کریم لگا کر وہ تولیے سے صاف کر کے، صبح سر میں تیل لگا کر کنگھی کر کے ان کا بڑھاپے میں خیال رکھنا پھر مانسہرہ جانا ہے تو پہلے ہی ملازموں کو بھیج کر سارا کام کرنا، حتیٰ کہ بیڈ کی چادر وغیرہ تک وہ خود تبدیل کر رہی ہوتی ہے اور صفائیاں کروا رہی ہوتی ہے، چھوٹا سادہ گھر تھا۔ اس کے مطابق نہ ایئر کنڈیشنڈ تھا۔ گرمیوں میں جانا تو وہاں ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ میرے لئے تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں تو ایک نارمل زندگی سے ایک اچھی زندگی کی طرف آیا تھا۔ مگر وہ ایک اچھی زندگی سے ایک برے حالات میں گئی۔ چھوٹی سی گاڑی سوزوکی میں وہ میرے ساتھ مانسہرہ سے ایئر پورٹ تک آئی۔ اور کہاں کلب کلاس اور فرسٹ کلاس میں سفر کرنا اور کہاں اکانومی کلاس میں وہ میرے ساتھ سفر کر رہی ہوتی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ ایڈجسٹ اس نے کیا۔ مجھے سروسز اکیڈمی سے پانچ ہزار روپے ملتے تھے تو وہ پانچ ہزار روپے ہی ہمارے لئے بڑا کچھ تھے۔ میں نے اتفاق ہسپتال کے پاس ایک گھر کرائے پر لینے کا سوچا کہ جب میں لاہور گیا تو وہاں پر رہوں گا تو جب ان کو سب کو پتا چلا تو انہوں نے کہا کہ ایسی بات نہیں ہے، اگر حسن اور حسین مانسہرہ جا کر پڑھیں اور وہ کسی جگہ رہیں اور وہ تمہارے گھر نہ رہیں تو میں نے کہا نہیں جی، وہ تو اور بات ہے۔ تو نواز صاحب نے کہا کہ نہیں سکیورٹی کا مسئلہ ہے، دادا جان نے کہا کہ آپ کے لئے بہتر ہے۔ آپ ہمارے گھر ہی رہو۔ تو پھر انہوں نے مجھے وہاں نہیں رہنے دیا اور کہا کہ آپ ادھر ہی رہیں جب تک لاہور میں ہیں۔ تو یہ بہت ہی بری بات ہو گی کہ جی صفدر علیحدہ رہ رہا ہے۔ پھر ہم فکر میں ہوں گے، اپوزیشن ہے آپ اکیلے رہو گے، صبح اکیڈمی جاؤ گے، مریم اکیلی ہوگی تو آپ کے لئے بڑے مسئلے ہیں، پھر میں نے اپنے والد صاحب سے مشورہ کیا، انہوں نے کہا جو بڑے کہہ رہے ہیں، وہ بہتر سوچ کر کہہ رہے ہیں تو پھر میں ادھر ہی رہتا تھا۔ صبح گاڑی جاتی تھی، اکیڈمی چھوڑ آتی تھی، شام کو لے آتی تھی۔ کھانا گھر میں پکا ہوتا تھا۔ ہم تو دو ہی تھے۔ ہمارا تو پانچ ہزار ہی ہمارے لئے بہت تھا۔ پھر عید پر بھی ایسے ہی کام چلتا رہا۔ اللہ نے جب تقدیر لکھی ہوئی ہے تو اس کو آگے نبھانا بھی اس نے لکھا ہوتا ہے۔ پھر اس میں اس نے اپنے فضل بھی لکھے ہوتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ میں نے کبھی ذہن میں یہ نہیں سوچا کہ میں نواز صاحب کا داماد ہوں، یا میاں شریف صاحب میرے دادا سسر ہیں اور اتنے امیر آدمی ہیں۔ میں نے ہمیشہ یہی دیکھا ہے کہ میں کیا

ہوں میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اپنے اخراجات بڑھاؤں بندہ کا سسر پرائم منسٹر ہو اور اس کی پوسٹنگ چونیاں میں ہو اور قصور میں ہو، اکثر ایسا ہوا کہ ایئر پورٹ گیا اور جہاز کا ٹکٹ نہیں ملا، تو کسی کو نہیں کہا پرائم منسٹر ہاؤس کے کوٹے سے دے دو۔ میں اپنے خاندان اور روایات کو نہیں بھولا۔ اور یہ ٹھیک ہے کہ پرائم منسٹر ہیلی کاپٹر پر مانسہرہ جاتے رہتے ہیں مگر وہی چھوٹے سے گھر کے آگے اترتے رہے ہیں، وہی گھر جو والد صاحب نے 1969ء میں بنایا تھا تو یہ ایڈجسٹ کرنا کوئی مشکل نہیں تھا۔ میں نے کوئی جھوٹی انا کا لبادہ بھی نہیں اوڑھا تھا۔ میں جو تھا، وہی رہا، مانسہرہ جانا، انہی گلیوں میں پھرنا اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھنا۔ انہی تھڑوں پر بیٹھ جانا تو اس لئے پھر بندے کو مشکل نہیں پڑتی۔

نواز شریف گھر کے اندر؟

نواز شریف بطور انسان کیسے ہیں عام طور پر سیاستدان گھر سے باہر کچھ ہوتے ہیں اور گھر کے اندر کچھ اور؟

کیپٹن صفدر: جی، شکر الحمدللہ، میں یہ سمجھتا ہوں کہ جی ان کے دل میں انسانیت کی خدمت کا جو جذبہ ہے یا میں ان کے بارے میں جو باتیں سنتا ہوں مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک دفعہ گھر میں، ابھی وہ فنانس منسٹر بھی نہیں تھے تو ماڈل ٹاؤن والے گھر میں ایک چور آ گیا۔ چور کہیں رات کو آ کر چھپا اور انہوں نے صبح پکڑا شہباز انکل نے بھی اسے دیکھا، نواز صاحب نے بھی دیکھا۔ انہوں نے چوکیدار کو کہہ کر پکڑ لیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ اس کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ تو نواز صاحب نے کہا کہ ٹھہرو، پہلے اس کو کھانا کھلاؤ۔ یہ رات کا یہاں چھپا ہوا ہے، بھوکا ہو گا تو پھر اس کو پولیس کے حوالے کر دینا (ہنستے ہوئے) پھر اس کو کھانا کھلایا گیا اور اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا جی میں اس طرح سے آیا تھا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ مجھے بچوں کے لئے کچھ یہاں سے مل جائے گا تو پھر انہوں نے کہا کہ اس کو پولیس کے حوالے بھی نہ کرو، اس کو کچھ پیسے دے کر چھوڑ دو بے چارہ غریب ہے۔ اس کو پھر کہا کہ آئندہ ایسا کام مت کرنا، سنا ہے کہ انہوں نے اس وقت ڈھائی یا تین ہزار روپیہ اس کا مہینہ بھی لگا دیا اب پتا نہیں وہ شخص زندہ ہے یا نہیں۔

اللہ کے فضل و کرم سے 12 اکتوبر آیا اور آج مختلف حالات ہو گئے ہیں۔ اکثر داماد ہوتے ہیں جو اپنے حالات میں مست ہوتے ہیں اور سسرال والے اپنے۔ مجھے تو اپنے والد کی ایک بات یاد ہے کہ 12 اکتوبر کے بعد جب ہم رہا ہوئے تو انہوں نے کہا کہ صفدر بات یہ ہے کہ قیامت والے دن تین

بندوں کے بارے میں آپ سے ایک ہی جیسے سوال ہوں گے، جنہوں نے جنم دیا، جنہوں نے بیٹی دی اور جنہوں نے تعلیم دی۔ اب یہ بیگم صاحبہ سڑکوں پر ہیں، یہ تمہاری ماں ہیں، یہ نہ ہو کہ پولیس کا ڈنڈا ان کو لگے اور تمہیں نہ لگے میں قیامت والے دن اس چیز کا حساب تم سے لوں گا۔ اور خلوص نیت کے ساتھ ان کے ساتھ نکل جاؤ۔ بہادری کے ساتھ، بزدلی نہیں دکھائی تو وہ اللہ کے فضل و کرم سے میرے والد صاحب کا میرے لئے جو حکم تھا، اس پر میں ہمیشہ ثابت قدم رہا۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

ضمیمہ جات

- ☆ جنرل عزیز اور جنرل مشرف کی گفتگو (I)
- ☆ جنرل عزیز اور جنرل مشرف کی گفتگو (II)
- ☆ صدر کلنٹن اور نواز شریف کی گفتگو (III)
- ☆ اے آر ڈی کا مشترکہ ڈیکلریشن (IV)
- ☆ جنرل مشرف کی برطرفی کا حکم نامہ (V)

TOP SECRET

TRANSCRIPTION OF CALL OF TAPE NO. 2064 DATED 26.05.99.
LINK PAK-CHINA-PAK LANGUAGE URDU/ENGLISH

PAK PARTY - LT. GEN. AZIZ KHAN

CHINA PARTY - GEN. PERVEZ MUSHARAF

Pak - Pakistan se Gen. Pervez Musharaf sah.
China- Hanji
Pak - Gen. Aziz Khan Sahab bat karna chahte hain Sir
China- Han karaeye
Pak - Sir, woh ap ke (music start) - Sir, Alahan-de-Kalam
China- Han Sir yeh bat karaiye.
Pak - Hello, Aslam Valecom
China- Han Aziz kya bat hai.
Pak - Sir, very fine. Sir, how is unit going?
China- Bahut achha. Thik thak. Aur kya khabar hai yahan ki. Al-Hamid-ul-Ullah
Pak - No change on the ground situation
China- Han han
Pak - Unhone jo rocketing (Aur) straffing shuru ki thi
China- Han
Pak - Usko thora se upgrade kiya hai. Kal bhi aur aaj bombing ki hai. From High altitude bombing
China- Udhar hi un position.
Pak - Udhar un Posts main but aj jo unhone jo bombing ki hai usmen 3 bomb landed our own side LOC.
China- Damage
Pak - No damage Sir
China- To kitni, kafi jayada ki hai.
Pak - Sir, yeh kuchh 12-12 bomb fenke hain unhone
China- Han
Pak - So usmen se 3 hamari taraf gire hain which didn't result anything in accuracy. Meri interpretation yeh hai keh also giving a sort of message keh Zaroorat pare to ham udhar bhi kar sakte hain.
China- Han. Han, han.
Pak - [illegible] Apart jahan [illegible] woh actually achhi jagah per karne ki koshish [illegible] jahan se unko [illegible] hai.
China- Han, han
Pak - Aur jo gire hain hamari Line of Control ke [illegible]
China- Achha
Pak - To usko maine foreign Secy. se bhi wo bat ki hai keh 'Press me khap shap dalen'.
China- Han, unko bhi kaho, unko bhi kahna Chahiye.
Pak - To usko hamne kaha hai, Foreign Secy. bhi kahega aur Rashid bhi kahega.

انتہائی خفیہ گفتگو کی رپورٹ کا عکس جس میں جنرل عزیز اور جنرل مشرف کی بات چیت ریکارڈ کی گئی تھی۔

ضمیمہ 1

ٹاپ سیکرٹ

(جنرل عزیز اور جنرل مشرف کی بات چیت کی ریکارڈنگ، جنرل عزیز پاکستان سے بات کر رہے تھے جبکہ جنرل مشرف چین میں تھے)

ٹیپ نمبر 2064 تاریخ 26-05-99 کی کال کی رپورٹ لنک پاک، چائنا، پاک/ زبان، اردو/ انگلش

پاک پارٹی۔ لیفٹیننٹ جنرل عزیز خان

چائنا پارٹی۔ جنرل پرویز مشرف

پاک: پاکستان سے، جنرل پرویز مشرف ہیں جناب

چائنا: ہاں جی

پاک: سر! جنرل عزیز خان صاحب بات کرنا چاہتے ہیں۔

چائنا: ہاں کرائیں

پاک: سر! وہ آپ کے (میوزک شروع) سر!

چائنا: ہاں سر یہ بات کرائیے۔

پاک: ہیلو، سلام علیکم۔

چائنا: ہاں عزیز، کیا حال ہے؟

پاک: سر، بہت اچھا۔ سر! یونٹ کیسا جا رہا ہے؟

چائنا: بہت اچھا، ٹھیک ٹھاک، الحمدللہ اور کیا خبر ہے ادھر کی؟

پاک: گراؤنڈ صورتحال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

چائنا: ہاں، ہاں

پاک: انہوں نے جو گولہ باری اور راکٹنگ شروع کی تھی۔

چائنا: ہاں

پاک: اس کو تھوڑا سا بڑھایا ہے۔ کل بھی اور آج بھی گولہ باری کی ہے اور خاصی بلندی سے گولہ باری کی ہے۔

چائنا: ادھر ہی ان کی پوزیشن پر۔

پاک: ادھر ہی ان پوزیشن میں لیکن انہوں نے آج جو گولہ باری کی ہے، اس میں سے تین بم لائن آف کنٹرول کی ہماری طرف گرے ہیں۔

چائنا: نقصان

پاک: کوئی نقصان نہیں ہوا، سر!

چائنا: تو کتنی، کافی زیادہ کی ہے۔

پاک: سر! یہی کچھ 13,12 بم انہوں نے پھینکے ہیں۔

چائنا: ہاں

پاک: لہٰذا، اس میں سے تین ہماری طرف گرے ہیں جس سے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ میری تشریح یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں ایک طرح کا پیغام دینا چاہا ہے کہ ضرورت پڑے تو ہم ادھر بھی کر سکتے ہیں۔

چائنا: ہاں، ہاں، ہاں

پاک: کیونکہ یہ کافی فاصلہ ہے۔ اس کے علاوہ جہاں بھی انہوں نے گولہ باری کی ہے، وہ درحقیقت اچھی جگہ پر کرنے کی کوشش کی ہے جہاں سے ان کو تکلیف ہے۔

چائنا: ہاں، ہاں

پاک: اور یہ ہماری لائن آف کنٹرول کے پیچھے گرا ہے۔

چائنا: اچھا

پاک: تو میں نے وزیر خارجہ سے بھی بات کی ہے کہ پریس میں کھپ شپ ڈالیں۔

چائنا: ہاں ان کو بھی کہو۔ ان کو بھی کہنا چاہیے۔

پاک: تو اس کو ہم نے کہا ہے۔ وزیر خارجہ بھی کہے گا اور راشد بھی کہے گا۔

چائنا: ویسے تو وہ نہیں وہ، اس سے یہ غلطی ہو جائے گی۔ اس کا مطلب ہم یہ کہیں گے کہ وہ جو دوسرے ہیں، وہ باہر گر رہے ہیں، تو۔

پاک: نہیں، وہ ہیں اس کی بات سن ہی نہیں رہے۔

چائنا: ہماری طرف گر رہے ہیں نا، ہمارا تو یہ سٹینڈ ہونا چاہیے۔

پاک: نہیں سر، ہم درمیان میں اس طرح کے حالت میں آئیں گے نہیں۔

چائنا: ہاں، ہاں

پاک: فروہ گائیڈ لائن جو انہوں نے ہمیں دی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ جو تیاری ہے۔

چائنا: ہاں، ہاں

پاک: اور جو ڈیپلائمنٹ آف ایئر ہے۔

چائنا: ہاں، ہاں

پاک: یہ دراندازوں کے لبادہ میں جہری (جہادی) ہم کو ہماری پوزیشن پر حملہ کر رہے ہیں۔ یہ ہمارا موقف ہونا چاہیے۔

پاک: یہ درانداز جو کہ جہری (جہادی) کہلاتے ہیں۔ اصل میں وہ ہمارے پوزیشن کو جو کہ لائن آف کنٹرول پر ہیں، ان کو اور ہماری فوجی نقل و حرکت کو نشانہ بنا رہے ہیں۔

چائنا: ہوں، ہوں

پاک: ممکن ہے کہ یہ تیاری اس لئے ہے کہ اس بھیس میں ان کا ارادہ لائن آف کنٹرول پر کوئی آپریشن کرنے کا ہے۔

چائنا: ہوں ہوں

پاک: تو باقی جس کا ہمیں خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو ہم بدلہ لیں گے۔

چائنا: ٹھیک

پاک: تو پوری تیاری کو ہم یہ رنگ دینا چاہتے ہیں۔

چائنا: بالکل ٹھیک ہے، یہ زیادہ بہتر ہے ان سے بات تو نہیں ہوئی کچھ، کل کچھ ملاقات وغیرہ ہوئی۔

پاک: سر کل شام کو ہوئی۔

چائنا: اچھا، کون کون تھا؟

پاک: اصل میں انہوں نے زور دیا کہ ملاقات ہونی چاہیے ورنہ وہ جو ہمارے پرانے دوست ہیں، میری کرسی والے، میں نے کہا کہ وہ کیا پٹی پڑھائے گا، لہٰذا ہمیں خود جا کے کرنا چاہیے۔

چائنا: وہ پھر نہیں گھبرایا ہوا تھا، یار، وہاں سیالکوٹ میں سنا ہے کوئی گڑ بڑ وغیرہ ہوئی ہے۔

پاک: وہاں، جی ہاں وہاں ایک ڈسکانہ میں ہوا تھا اور ایک بادشاہ گاؤں میں۔

چائنا: ہاں، ادھر وہ گھبرایا ہوا تھا۔

پاک: جی ہاں

چائنا: لیکن پھر میں نے بتایا کہ میرے سے ان کی بات ہوئی ہے۔

پاک: اچھا

چائنا: تو میں یہی کہہ رہا تھا کہ ایسی چیزیں تو تھوڑی بہت ہوں گی، پریشانی تو سہنی چاہیے اور ان کا جواب تو ہم اور بہتر ڈھنگ سے انہیں دے سکتے ہیں۔

پاک: بالکل

چائنا: میں نے کہا ایسی کوئی بات گھبرانے کی نہیں ہے۔

پاک: تو وہ بریفنگ ہم نے کی جو میاں صاحب کے ساتھ ہوئی تھی، جو فل فارم تھا جو پہلے ہم نے بریفنگ کی تھی۔

چائنا: ادھر ہی، وہ جو جمشید کے پاس۔

پاک: نہیں، میاں صاحب کے دفتر میں۔

چائنا: اچھا، اچھا ادھر، تو کیا کہا تھا؟

پاک: ادھر سے ہم گئے تھے، مظفر صاحب، محمود، میں اور توقیر

چائنا: ہاں، ٹھیک

پاک: وہاں جانے سے پہلے کیونکہ توقیر کی بات ہم منصب کے ساتھ ہو گئی تھی۔

چائنا: ہوں، ہوں

پاک: تو اس کی ٹیپ بھی ہم لے گئے تھے۔

چائنا: وہ کیا کہتا تھا؟

پاک: وہ بڑی دلچسپ ہے، آپ آئیں گے تو آپ کو سنائیں گے اس کا فوکس یہ تھا۔

چائنا: ہاں

پاک: کہ یہ در انداز یہاں آ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ آپ کی مدد اور آرٹلری سپورٹ کے بغیر جموں میں آ ہی نہیں سکتے تھے۔

چائنا: ہوں

پاک: اور یہ ایک دوستانہ ایکٹ نہیں ہے۔

چائنا: ہوں، ہوں

پاک: اور یہ اعلامیہ لاہور کی روح کے خلاف ہے۔

چائنا: ہوں

پاک: تو وہ (جنرل) توقیر ضیا نے اسے کہا کہ آپ کے بندوں نے لائن آف کنٹرول پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے وہ تر توک پل کے اوپر تھے ان کو وہاں اڑا دیا گیا۔

چائنا: ہاں

پاک: اور کہا، میرا خیال ہے کہ یہ ایک واضح اشارہ ہے کہ آپ اس طرح کے ایڈونچر میں نہ آئیں۔

چائنا: ہوں

پاک: اور کہا کہ آپ یہ جو ساری تیاری کیے ہوئے ہیں۔ 7,6 بریگیڈ اکٹھے کیے ہوئے ہیں، 60,50 جہاز اکھٹے کیے ہوئے ہیں۔

چائنا: ہوں

پاک: یہ تو آپ مختلف جگہوں پر آپریشن کے لئے بہانہ بنا رہے ہو۔ تو دوسرا اس کو Defensive پر ڈالا ہوا تھا۔

چائنا: ہوں، ہوں

پاک: تو اس نے کہا کہانی فیر وہ واپس، اس نے غالباً تین پوائنٹ لکھ کر رکھے ہوئے تھے، ہر بار اس طرف آتا تھا، ان کی سپورٹ آپ نہ کریں، آپ کی سپورٹ کے بغیر وہ وہاں نہیں تھے، ان کے پاس جدید ترین (Sophisticated) ہتھیار ہیں۔ اور ہم انہیں ہر صورت میں وہاں سے باہر نکال دیں گے، وہ وہاں نہیں ٹھہریں گے اور یہ کوئی دوستانہ عمل نہیں ہے۔

چائنا: ہوں

پاک: تو

چائنا: اور فائر آنے کی بات تو نہیں کی۔

پاک: نہیں نہیں کوئی نہیں کی۔

چائنا: کوئی اور ایسی دبنے دبانے کی بات تو نہیں کی۔

پاک: نہیں، نہیں اس نے کہا کہ انہیں مناسب استقبال دیا جائے گا، ایک دفعہ اس نے یہ استعمال کی، ایک دفعہ اس نے کہا کہ انہیں ہر صورت میں نکال دیا جائے گا۔

چائنا: ہوں

پاک: اور فیر ہر دفعہ ہی، فیر توقیر نے کہا کہ ان کی ہمیں ڈیٹیل شٹیل (تفصیل) دیں کہ کتنے کیا ہیں، ہمیں تو پتا نہیں کہ آپ کے علاقے میں کیا ہو رہا ہے، تو پھر میں متعلقہ لوگوں سے پوچھوں گا اور

آپ کو بتائیں گے۔

چائنا: ہوں

پاک: تو وہ یہ تفصیل جب پوچھتا ہے تو کہتا ہے اچھا جب وہ ملیں گی تو میں تفصیل بتاؤں گا۔

چائنا: ہوں، ہوں

پاک: جس کا مطلب ہے کہ وہ کسی ایسے موقع کو دیکھ رہے ہیں جب ملاقات کے اگلے دور میں کہیں ملاقات ہو گی۔

چائنا: ملیں گے تو تفصیل بتاؤں گا۔

پاک: ہاں، جب ملیں گے تو تفصیل بتاؤں گا۔

چائنا: ہوں، ہوں۔

پاک: تو یہ وہ یہ سوچ رہے ہیں کہ مذاکرات کے اگلے دور میں اس پر بات کی جائے گی۔

چائنا: ہاں

پاک: اور چونکہ دونوں وزرائے اعظم کی بات ہوئی ہے، سندھ کی بات ہوئی ہے تو وہ امید کر رہے ہیں کہ کچھ ہو۔

چائنا: ہوں، ٹھیک ہے، بہت اچھا، ٹھیک ہے کوئی مسئلہ نہیں۔

پاک: (اہم ترین معاملات) آپ سے ڈسکس کیے تھے، آپ سے Blessing (اجازت) لی تھی کہ کل بھی ہم نے ان کو یہی کہا۔

پاک: بات چیت کے دروازے ہمیشہ کھلے رہنے چاہیے۔

چائنا: ہوں

پاک: اور باقی زمینی حقائق میں کوئی تبدیلی نہیں۔

چائنا: تو گھبرایا ہوا تو نہیں تھا کوئی۔

پاک: نہیں

چائنا: اور یہ تمہاری سیٹ والا آدمی تو نہیں گھبرایا ہوا تھا۔

پاک: وہ گھبرایا ہوا تھا اور ملک صاحب گھبرائے ہوئے تھے جو پہلے بھی گھبرائے ہوئے تھے۔

چائنا: ہاں

پاک: وہ دونوں کے خیالات یہ تھے کہ جی، اس کے، فیر وہ جو Status کو جو موجودہ پوزیشن ہیں اس میں تبدیلی کی کوئی بھی سفارش نہیں کر رہا تھا۔

چائنا: ہاں

پاک: لیکن یہ کہہ رہے تھے کہ اس تناؤ کو ریگولیٹ کرنا چاہیے کیونکہ اس سے ایک مکمل جنگ ہونے کا خطرہ ہے۔

چائنا: ہوں

پاک: تو ظاہری بات ہے کہ ہم نے یہ دلیل دی کہ اس کی تو وجہ بنتی نہیں اور دوسرا چونکہ وہ جو اس کی Tuti ہے، وہ آپ کے ہاتھ میں ہے اس کو جب چاہیں اس کو ریگولیٹ کریں۔

چائنا: صحیح بات ہے، صحیح کہی۔

پاک: تو کہو ظفر صاحب سے اس کو پوری ویل۔

چائنا: اچھا

پاک: ہاں جی، بہت اچھا انہوں نے یہ پوائنٹ پیش کیا۔

چائنا: اچھا، بہت خوب۔

پاک: پھر، وہ دلچسپ تھا۔

چائنا: اچھا

پاک: باقی محمود اور میں۔

چائنا: Strongly بولا۔

پاک: جی، وہ انہوں نے کہا، ایک تو ہم نے تمہیں پہلے بریفنگ کیا ہوا تھا۔ صبح ان کو پہلے تو انہوں نے Assesment دی کہ یہ کچھ ہوا، ٹیپ سنائی، فیر انہوں نے کہا جی ہم یہ کنارے Merge ہوتے دیکھتے ہیں اور وہ ہی Assesment تھی جو ہماری ہے کہ Escalation in those various stages

چائنا: ہوں، ہوں

پاک: تو انہوں نے کہا کہ جی یہ، اس کے لئے ملٹری Situation میں ہمیں انہیں ہینڈل کرنا کوئی پرابلم نہیں ہے۔

چائنا: ہوں، ہوں

پاک: باقی اس کے جو سیاسی پہلو ہیں، ڈپلومیٹک، وہ آپ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور ہمیں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے اور جیسے ہی بات آگے بڑھتی ہیں تو ہم آپ کی رہنمائی لیتے رہیں گے اور لاء اور Panic کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

چائنا: ٹھیک ہے

پاک: تو اس میں اپنے دیر سے مطلع ہونے کو بھی بڑے مثبت انداز میں انہوں نے Represent کیا۔

چائنا: اچھا

پاک: میں کہتا رہا جی، سات آٹھ دن ہوئے جب مجھے پتا چلا جب ہم نے کمانڈر کو بتایا۔

چائنا: ہوں

پاک: اور اس بارے آپریشن کی کامیابی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو نہیں بتایا۔

چائنا: ہاں

پاک: اگر یہ بتا دیتے، تو ہمارا تجربہ یہ کہتا ہے کہ پہلے یہ ساری کوششیں ناکام ہوتی رہی، یہ بھی ناکام ہو جاتی۔

چائنا: ہوں

پاک: تو اس میں راز رکھنے کی ترجیح کو برقرار رکھا جائے اس میں ہی اس کی ساری کامیابی کی بات بنی ہے۔ اور ہمیں اس پرکار بند رہنا چاہیے اور آگے اسے جو فائدے نکلتے ہیں، اس کو ہینڈل کرنا چاہیے۔

چائنا: بولتے چلو، بہت اچھا۔

پاک: سر، اس میں بڑا اچھا بولا۔

چائنا: ہوں، ہوں چلو، یہ بہت اچھا ہوا۔

پاک: تو

چائنا: ٹھیک ہے، باقی میاں صاحب (نواز شریف) ٹھیک ٹھاک۔

پاک: ٹھیک ٹھاک جی، پر اعتماد اسی طرح لیکن یہ دو بندے کرتے رہے (البتہ) شمشاد (سیکرٹری خارجہ) نے ہمیں سپورٹ کیا۔

چائنا: اچھا

پاک: انہوں نے کہا کہ جی اس کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

چائنا: ہوں، ہوں

پاک: تو باقی یہ آج سے کوئی ایک، دو گھنٹے سے بی بی سی مسلسل اسی مسئلہ کی کوریج دے رہا ہے۔

چائنا: (فضاء) Air جو انہوں نے (استعمال) کیا ہے۔

پاک: ہاں یہ Air استعمال کیا ہے جوانہوں نے کیا ہے (بی بی سی والے) بتا رہے ہیں یہ دونوں۔

چائنا: ہوں۔

پاک: تو

چائنا: تو ادھر استعمال کرتے رہیں،...... بم ادھر گراتے رہیں۔

پاک: جہاں تک سروہ انٹرنیشنلائزیشن (عالمی طور پر اجاگر ہونے کا) کا پہلو ہے، یہ سب تیزی سے ہوا ہے۔

چائنا: ہوں

پاک: پتا نہیں اپنے وہاں پریس میں لکھا ہوگا۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان صاحب نے آج دونوں ملکوں سے اپیل کی ہے کہ جی بند کریں اور کشمیر پر بات کریں۔

چائنا: ہوں، نہیں نہیں بہت اچھا ہے یہی تو ہم کہہ رہے تھے۔

پاک: اس کے مثبت Fallout ہیں۔

چائنا: ہاں، بالکل، ٹھیک ہے، چلو یہ اچھا ہے۔

پاک: آپ کو مطلع کرتا رہوں گا۔

چائنا: اوکے

پاک: اوکے سر

☆☆ ☆☆ ☆☆

Date/Time of Interception29.5.99/5.55

Aziz is speaking from Pakistan to General Sahib in China. Both ends are audible. Important portion or the call is as under:

P.end: This is Pakistan.//Give me room No.83315// Hello// Sir, Salama Lekum//

C.end: Hellow, Aziz//

P.end: The situation of Ground is OK, No change.// Yester-day's activity is that air craft... comes in this area, but its not comes down to attack.// One of their MI-17 arms was brought down.// "AAGE JOH POSITION HAI WE HAD APPROACHED TO .... USKO NICHE LAYA GAYA.//" Rest is OK, nothing else except, ther is a development.// Have you listened the yesterday's news regarding Mian Sahib spoke to his counterpart.// He told him that the spirit of Lahore declaration and escalation has done by your people.// Specially wants to spoken to me, thereafter, is awaited for its part instead of regarding to opting the ATTI(?) by using the Air Force and all other means// He told him that he suggest, Sartaz Aziz can go to New Delhi to explore the

ضمیمہ 2

ٹاپ سیکرٹ

(جنرل عزیز اور جنرل مشرف کی بات چیت) انٹرسیشن کی تاریخ 29 مئی 1999ء وقت 5:55)

پاکستان سے جنرل عزیز، جنرل پرویز مشرف سے چین میں بات کر رہے ہیں دونوں اطراف کی آوازیں سنی جاسکتی ہیں کال کا اہم حصہ یہ ہے۔

پی اینڈ: (پاکستان اینڈ) (جنرل عزیز چیف آف جنرل سٹاف پاکستان آرمی)
یہ پاکستان ہے، مجھے روم نمبر 83315 دیں، ہیلو سر! سلام علیکم

سی اینڈ (چائنا اینڈ) جنرل پرویز مشرف چیف آف سٹاف پاکستان آرمی) ہیلو، عزیز

پی اینڈ: زمینی حقائق ٹھیک ہیں، کوئی تبدیلی نہیں، کل کی کارروائی یہ تھی کہ ایک ایئر کرافٹ اس علاقے میں آیا لیکن یہ نیچے حملہ کرنے کے لئے نہیں آیا ان کے Mi-17 آرمز میں سے ایک گرالیا گیا۔ آگے جو پوزیشن ہے جو ہم تک پہنچی تھی...... کہ اس کو نیچے لایا گیا/ باقی سب ٹھیک ہے۔ سوائے ایک کہ جو پیش رفت ہوئی ہے/ کیا آپ نے میاں صاحب (وزیر اعظم نواز شریف) کی اپنے ہم منصب (بھارتی وزیر اعظم) سے بات کی کل کی خبریں سنی ہیں؟ انہوں نے ان سے کہا کہ اعلامیہ لاہور کی روح اور تھی اور تناؤ کی صورتحال آپ کے لوگوں نے پیدا کی ہے وہ خاص طور پر مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ کون سے ذرائع استعمال کیے جائیں۔ ایئر فورس یا کوئی دوسرے ذرائع۔ انہوں نے اس سے کہا کہ ان کا یہ مشورہ ہے کہ سرتاج عزیز کشیدگی کی ممکنہ وجہ جاننے کے لئے نئی دہلی جا سکتے ہیں۔

سی اینڈ: ٹھیک ہے۔

پی اینڈ: امید ہے کہ یہ فیصلہ غالباً کل ہونے والا ہے۔

سی اینڈ: او کے

پی اینڈ: دوسرے پوائنٹ پر بھی پریشر ڈالا جا سکتا ہے/ اس کے لئے دفتر خارجہ میں آج ساڑھے نو بجے ان کی ڈسکشن ہوگی اور مظفر صاحب اس میں شرکت کرنے والے ہیں۔

سی اینڈ: او کے

پی اینڈ: (سرتاج) عزیز صاحب نے مجھ سے ڈسکس کیا ہے اور میرا مشورہ یہ ہے کہ ڈائیلاگ کی آپشن ہمیشہ کھلی ہے۔ لیکن انہیں پہلی ملاقات میں زمینی حقائق پر کسی قسم کی کوئی انڈر سٹینڈنگ نہیں دینی چاہیے۔

سی اینڈ: تمہیں اور محمود کو مظفر کے ساتھ جانا چاہیے انہیں زمینی حقائق کا پتا نہیں۔

پی اینڈ: اس ہفتے، ہم آٹھ بجے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ کیونکہ میٹنگ ساڑھے نو بجے ہوگی۔ لہٰذا ظفر سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں گے۔ ہم ظفر کو مشورہ دینا چاہتے ہیں کہ انہوں نے اس چیز کو برقرار رکھنا ہے کہ وہ زمینی حقائق پر کوئی بات چیت نہیں کریں گے۔ جہاں تک زمینی حقائق کا تعلق ہے، آگے چل کر ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز ایک دوسرے سے ڈسکس کر سکتے ہیں اور اس کی تفصیلات طے کر سکتے ہیں۔

سی اینڈ: ایل او سی (LOC) پر کوئی خیال

پی اینڈ: جی، اشارہ یہ ہے کہ لائن آف کنٹرول پر بہت سی جگہیں ہیں جہاں ہر کسی کی اپنی تشریح ہے لیکن اس لائن کی اس تشریح کو دوسری طرف نہیں مانتی ہے۔ لہٰذا اس معاملے پر جامع مذاکرات کی ضرورت ہے۔ جو کہ ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔

پی اینڈ: جیسا کہ شروع میں تھا، اب بھی معاملہ وہی ہے۔ کوئی پوسٹ حتمی نہیں ہے؟ کسی بھی پوسٹ پر قبضہ نہیں ہوا۔ یہ صورتحال ہے۔ ہم اپنی دفاعی لائن آف کنٹرول کے ساتھ ہیں۔ اگر یہ اس کے علم میں نہیں ہے، تو پھر اس پر بات چیت کرنی ضروری ہے۔

سی اینڈ: ہاں، یہ نقطہ اٹھانا چاہیے ہم اسی لائن آف کنٹرول پر ایک لمبے عرصے سے بیٹھے ہوئے ہیں۔

پی اینڈ: یہ ان (بھارتیوں) کی کمزوری ہے۔ وہ اقوام متحدہ کے تحت حد بندی کی توثیق پر راضی نہیں ہوتے، حالانکہ ہم اس پر رضامند ہیں۔

سی اینڈ: یہ شملہ معاہدہ میں ہے۔

پی اینڈ: ہمارا ہمسایہ اپنی موجودگی اقوام متحدہ کے آرمو گیز کے تحت قبول نہیں کرتا۔

لہٰذا ہم اس کمزوری پر دباؤ ڈال سکتے ہیں اور اگر ضرورت پڑی تو ہماری فوج علاقے کا سروے کرنے کے لئے آرموگیز (Armogase) کی Arrangement کے تحت طے بات کر سکتی ہے۔ لہٰذا ہم اس سروے کا 9842 کی اونچائی سے آغاز کر سکتے ہیں اس لائن پر ہم انہیں دلیل دے سکتے ہیں لیکن مختصراً یہ سرتاج عزیز کے لئے یہ سفارش ہے کہ انہیں ملٹری صورتحال پر اپنی پہلی میٹنگ میں کوئی کومٹ منٹ نہیں کرنی چاہیے۔ اور بلکہ جنگ بندی کی بھی منظوری نہیں دینی چاہیے۔ کیونکہ اگر جنگ بندی ہوتی ہے، تو وہ ہیکلز نقل وحرکت شروع کر دیں گی۔ اس سلسلے میں انہیں اپنی یہ دلیل استعمال کرنی ہے کہ آپ کے ساتھ جو کچھ مداخلت ہو رہی ہے اس کا ہمیں پتہ نہیں لیکن لائن آف کنٹرول پر کشیدگی معقولیت کی بات نہیں ہے، ہم اپنی اس قسم کی بریفنگ دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ کسی مخصوص معاملے پر توجہ نہ دے سکیں۔

سی اینڈ: ٹھیک ہے۔

پی اینڈ: اس سلسلے میں ہمیں آپ کی منظوری چاہیے اور آپ کا کیا پروگرام ہے؟

پی اینڈ: شام کو ہم ہانگ کانگ میں ہوں گے، ہانگ کانگ سے کل ایک فلائٹ ہوگی، لہٰذا ہم بینکاک کی فلائٹ کے ذریعے شام کو لاہور میں ہوں گے۔

پی اینڈ: اتوار کی شام، آپ لاہور ہوں گے۔ ہم اس کا عندیہ دے دیں گے۔ اور اگر کوئی سنگین صورتحال پیدا ہوتی ہے تو اس میں ایک دو دن کے لئے تاخیر ہو جائے گی۔ یہ معاملہ پھر پیر کے دن ڈسکس ہوگا۔

سی اینڈ: کیا یہ MI-17 ہمارے علاقے میں نہیں گرا ہے؟

پی اینڈ: نہیں سر! یہ ان کے علاقے میں گرا ہے۔ ہم نے منصوبہ بندی نہیں کی ہے، ہم نے منصوبہ بندی مجاہدین کے ذریعے کی ہے۔

سی اینڈ: بہت اچھا کیا۔

پی اینڈ: لیکن یہ طیارہ اوپر بالکل آنکھوں کے سامنے گرا ہے۔

سی اینڈ: بہت اچھا

پی اینڈ: ابھی ان کے اڑنے میں کوئی، یہ بھی ذرا نوٹ کرو، ان کی اڑان میں خوف وغیرہ ہے یا کمی ہوئی ہے کہیں قریب نہ آ رہے ہوں۔

سی اینڈ: Six، کافی پریشر ہے ان کے اوپر۔

پی اینڈ: ان کے بعد بہت کام ہوا ہے اور حتی کہ وہ یہ بات کر رہے ہیں کہ ایئر ڈیفنس کے انتظامات

جن کی ہمیں امید تھی، وہ بہت زیادہ ہوں گے اور مزید نقصان برداشت نہیں کر سکتے۔

سی اینڈ: بہت اچھا فرسٹ کلاس، کیا گراؤنڈ پر کوئی ان کی طرف سے کوئی نقل وحرکت اور تیاری ہے؟

پی اینڈ: (؟)ULAESA۔ لیکن نقل وحرکت بہت سست اور آہستہ ہے۔

سی اینڈ: سکس نمبر کے پاس، ایک اور دو بھی آ رہے ہیں۔

پی اینڈ: ابھی تک، صرف ایک کال سائن ہوئی جس میں سے ایک سڑک کے ساتھ چل رہا ہے اور ابھی تک وادی میں نہیں پہنچا۔ اب ایئر کے لوگ اور گراؤنڈ کے لوگ واپس آ جائیں گے اور پھر صورتحال ٹھیک ہو جائے گی۔

سی اینڈ: آپ سے شام کو ملاقات ہوگی، او کے۔

پی اینڈ: او کے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

TOP SECRET

TRANSCRIPT OF THE TELEPHONE CONVERSATION OF PRIME MINISTER NAWAZ SHARIF WITH PRESIDENT CLINTON FRIDAY 22 MAY, 1998 : 2200 HOURS

Prime Minister:

- Greetings

President Clinton:

- How are you Mr. Prime Minister. Thank you for taking my call.

Prime Minister:

- Very well, thank you. And thank you for calling me exactly after three days, as you promised.

President Clinton:

- I have been, busy since I talked to you on Monday.

Prime Minister:

I appreciate your gesture in calling me again. It is Saturday in Washington. I hope it will not spoil your golf outing.

ضمیمہ 3

ٹاپ سیکرٹ

پاکستانی پرائم منسٹر نواز شریف کی امریکی صدر کلنٹن سے جمعہ 22 مئی 1998ء دس بجے رات کو ہونے والی ٹیلی فونک گفتگو کا ٹرانسکرپٹ

پرائم منسٹر: نیک خواہشات اور آداب

صدر کلنٹن: جناب پرائم منسٹر صاحب! آپ کے کیسے مزاج ہیں؟ میری فون کال لینے کا شکریہ۔

پرائم منسٹر: آپ کا بھی بہت بہت شکریہ، میں ٹھیک ہوں اور وعدے کے مطابق ٹھیک تین دن بعد مجھے فون کرنے کا شکریہ۔

صدر کلنٹن: پیر کو آپ سے ہونے والی گفتگو کے بعد میں بہت مصروف رہا ہوں۔

پرائم منسٹر: میں آپ کے دوبارہ فون کرنے کی قدر کرتا ہوں، آج واشنگٹن میں ہفتہ ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ کا گالف کھیلنے کا پروگرام متاثر نہیں ہوگا۔

صدر کلنٹن: شاید یہ تھوڑا سا ہو لیکن حقیقتاً ابھی یہاں جمعہ ہی ہے۔ ہم پیس پراسیس کے بعد آئرش الیکشن کے نتائج کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر بھی میں آپ سے پانچ مثبت نکات کے پیکج پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں، یہ ایٹمی دھما کے متعلق آپ پر دباؤ کے حل میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر یہ آپ کو پسند آئیں تو ہم اس کے متعلق کسی بھی وضاحت کے لئے تیار ہیں۔ پہلے آپ نے اپنی سلامتی کے خدشات خصوصاً کشمیر کے حوالے سے زور دیا ہے۔ میں نے دفاعی توازن سے متعلق آپ کا خط بڑے غور سے پڑھا، میں نے پہلے ہی ہندوستان کو اس سمت اپنی سرگرمیاں محدود کرنے کے لئے اپنی کوشش شروع کر دی ہے۔

میں نے (روسی) صدر یلسن سے اس سے متعلق گفتگو کی ہے اور انہوں نے پرائم منسٹر واجپائی سے اس سلسلے میں تبادلہ خیال کیا ہے۔ صدر یلسن کو احساس ہے کہ میں اس صورتحال کو کس قدر سنگین تصور کرتا ہوں۔ اور انہوں نے تعاون کا وعدہ کیا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ اس معاملے میں خود کو شامل کریں۔

کیونکہ یہ روسیوں کے مفاد کے خلاف ہوگا ہم دوسرے بین الاقوامی لیڈروں سے بھی رابطے میں ہیں تا کہ ان کے بھی نئی دہلی کے ساتھ روابط کو استعمال کیا جا سکے۔ ہم اس کا بھی جائزہ لے رہے ہیں کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہے۔ ہم نے ہندوستان والوں کے ساتھ بھی بالواسطہ ان کے وزیر ایڈوانی کے اشتعال انگیز بیانات کے متعلق بات کی ہے اور ان سے کہا ہے کہ اس قسم کی اشتعال انگیز گفتگو خطرناک ہے اور یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے۔ ہندوستان میں ہمارا سفیر ڈک سیلیسٹی (Dick Seleste) میرا اچھا دوست ہے۔ وہ ہندوستان میں 30 سال سے تھا۔ اور اس کے وہاں مراسم کافی گہرے ہیں۔ میں نے اسے ہندوستان ایک بہت سخت پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ ہندوستان والے کسی نئی مہم جوئی سے باز رہیں۔ میں اس سلسلے میں ہر وہ قدم اٹھا رہا ہوں جو میں کر سکتا ہوں لیکن میں اس بات پر بھی زور دینا چاہوں گا کہ تحمل اور بردباری کا اظہار دونوں طرف سے ہونا چاہیے۔ ہم ہندوستان کے ساتھ اس معاملے میں رابطہ برقرار رکھیں گے مگر میں چاہوں گا کہ آپ بھی ان کو کوئی نیا جواز فراہم نہ کریں جس سے صورتحال مزید خراب ہو۔ اس وقت تمام دباؤ اور تنقید ہندوستان پر ہی ہے اور ہم اس بات کو یہیں پر چھوڑنا چاہتے ہیں۔

اب میں دوسرے نکتے کی طرف آتا ہوں جو آپ کی روایتی فوجی صلاحیت سے متعلق ہے۔ اس سلسلے میں میں آپ کو قابل اعتماد اور ٹھوس مدد جلد فراہم کرنے کو تیار ہوں۔ فوری طور پر اس سلسلے میں میں جو کر سکتا ہوں، وہ F-16 طیاروں کے مسئلے کا حل ہے۔ اور دوسرا انٹرنیشنل ملٹری ایجوکیشن ٹریننگ ہے جو کہ آپ کی مسلح افواج کے کمانڈروں کے لئے خاص اہمیت کی حامل ہوگی اب ہمارے قانون کے مطابق مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ جب قومی مفاد کا تقاضا ہو تو میں کسی ملک پر لگی پابندی کو ہٹا سکتا ہوں۔ ہندوشان کے ایٹمی دھماکے سے پہلے یہ کانگریس کے لئے ناقابل تصور تھا کہ F-16 طیاروں کے مسئلے کو حل کیا جائے۔ لیکن اب اگر آپ F-16 طیاروں کی فراہمی کے بعد اپنے ایٹمی دھماکے سے متعلق فیصلہ نہ کرنے کی ضرورت محسوس کریں تو میں کانگریس سے اس مسئلے میں اپنے اختیارات کو استعمال کرنے کے متعلق بات کرنے کو تیار ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں اپنے فیصلے سے متعلق کانگریس سے منظوری حاصل کر سکوں گا اور اگر ایسا ہو گیا تو ہم آپ کو چند ایک طیارے دو ماہ کے اندر فراہم کرنے کو تیار ہو گے۔ ان طیاروں کی تیاری اور فراہمی کے اخراجات امریکی حکومت برداشت کرے گی۔ اس کے بعد باقی طیارے بھی چند ماہ میں تیار ہو جائیں گے صدر کو یہ اتھارٹی بہت ہی کم استعمال کرنی پڑتی ہے اور مجھے یقین ہے کہ کانگریس کے ارکان میں جو ہندوستان کے دھماکے سے غصہ پیدا ہوا ہے، وہ میرے اس اختیار کو استعمال کرنے کے حق میں مددگار ہو گا اور مجھے یقین ہے کہ طیاروں کی فراہمی دو ماہ میں شروع ہو جائے گی۔ اگر آپ نے ایسا چاہا۔ اس کے

علاوہ ہم اپنے تجارتی اسلحے سے متعلق فروخت کی پالیسی کا بھی جائزہ لے رہے ہیں جو کہ پاکستان کے لئے مددگار نہیں رہی ہے۔ لیکن ہم اسے پاکستان کی ضرورت کے مطابق تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کے ملٹری حکام کا مجھ سے رابطہ سودمند ہوگا۔ اگر آپ پسند کریں تو میں جنرل شلٹن جو کہ ہمارے جوائنٹ چیف آف سٹاف کے کمانڈر ہیں، ان سے کہوں گا کہ وہ آپ کی دفاعی افواج کے سربراہوں سے رابطہ کریں۔

تیسرا اہم نقطہ جس پر میں آپ سے بات کرنا چاہوں گا وہ پریسلر ترمیم کے بارے میں ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میں سینیٹر براؤن بیک کی اس ترمیم کو منسوخ کرنے کی کوششوں میں مدد کروں گا اور دوسرے سمینگٹن ترمیم سے استثناء حاصل کروں گا اس سلسلے میں میری کل سینٹ میں اکثریتی پارٹی کے رہنما مسٹر ٹرینٹ لاٹ (Mr. Trent Lott) سے بڑی تفصیلی بات ہوئی ہے انہوں نے کہا ہے کہ وہ نہ صرف پورے زور سے پریسلر ترمیم کی منسوخی کی حمایت کریں گے بلکہ دوسری پابندیاں اٹھانے میں مدد دیں گے۔ عام حالات میں جب میں اور مسٹر ٹرینٹ ایک طرف ہوں تو ہمیں سینٹ میں کامیابی مل جاتی ہے مگر یہ ہمیشہ نہیں ہوتا۔

اگر یہ ترمیم سینٹ سے گزر کر منسوخ ہو جاتی ہے تو ہمیں کانگریس میں بھی اس سلسلے میں کامیابی ہونی چاہیے مگر میں اس بات کی کانگریس میں کامیابی کی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ کل ہی میں اور سینیٹر لاٹ کسی نقطے پر ہم خیال تھے مگر ہمیں سینٹ میں کامیابی نہ مل سکی مگر ایسی ناکامی شاذ و نادر ہی ہوتی ہے اور اس ناکامی کا پاکستان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

پس اگرچہ میں اس کامیابی کی گارنٹی دینے کے قابل نہیں ہوں مگر پھر بھی اس کی کامیابی کے پچاس فی صد سے زائد امکان ہے۔ میں ذاتی طور پر اپنی پوری کوشش کروں گا کہ اس ترمیم کی منسوخی سینٹ میں کامیابی سے ہمکنار ہو۔ سینیٹر لاٹ نے بھی اس بات کی یقین دہانی کرائی۔ مجھے یقین ہے کہ ہمیں کامیابی ہوگی۔

چوتھی چیز جس پر میں آپ سے بات کرنا چاہوں گا وہ اقتصادی امداد سے متعلق ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مستقبل میں پاکستان کی سب سے بڑی سیکورٹی کا انحصار پاکستان کی مضبوط معیشت پر ہوگا میں نے اپنے محکمہ خزانہ کو ہدایت جاری کر دی ہے کہ وہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں خاص طور پر ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف سے رابطہ کر کے ان کے وسائل تک آپ کی رسائی ممکن بنائیں اور قابل اعتماد، اقتصادی اصلاحی پروگرام میں مدد فراہم کریں ہمیں امید ہے کہ اگلے تین سال کے دوران تین سے پانچ بلین ڈالرز کے سرمائے کی اقتصادی امداد آپ تک پہنچ سکتی ہے اور اس پروگرام کا ایک خاطر خواہ حصہ آپ کے لئے اس سال مہیا کیا جا سکتا ہے اگر آپ اس پیشکش میں دلچسپی ظاہر کریں تو ہم اقتصادی ٹیم پاکستان بھیجیں گے۔ اگر آپ کو کوئی اضافی باہمی تعاون یا امداد کی ضرورت ہو تو ہم ٹریڈ اینڈ ڈویلپمنٹ

ایجنسی یا اوورسیز پرائیویٹ انویسٹمنٹ کارپوریشن سے امداد کی بات کر سکتے ہیں۔ یہ ایجنسیاں پاکستان کے لئے اپنی کوششیں تیز کر دیں گی۔ مثال کے طور پر ہم ڈھائی ملین ڈالر ٹریڈ اینڈ ڈویلپمنٹ ایجنسی سے فوری طور پر آپ کے نئے منصوبوں کی آئندہ مالی امداد کے لئے منتقل کر سکتے ہیں یہ چیز آپ کے لئے سود مند ہوسکتی ہے جب کہ ہندوستان کے ترقیاتی اور تجارتی سرگرمیوں میں تعطل قائم ہے۔ لہٰذا جو امداد ان کے لئے معطل کی گئی ہے، اس کا رخ آپ کی طرف موڑ دیا جائے اور یہ ایک اچھا سیاسی اشارہ ہوگا۔ یہ دوسری طرف سے بھی سرمایہ کاری حاصل کرنے کے لئے سود مند ہوگا۔

میں آپ کو کچھ قرضے معاف کرنے کے امکانات پر بھی غور کر رہا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں یہ کرنا چاہیے ہمارے قانون کے مطابق مجھے کانگریس سے اس کی منظوری لینی پڑے گی پچھلے 72 گھنٹوں میں مجھے اتنا وقت نہیں مل سکا کہ میں اس معاملے میں کانگریس کا ردعمل دیکھ سکوں۔ اس لئے میں وعدہ نہیں کر سکتا کہ میں یہ کر سکوں گا۔ جو میں وعدہ کر سکتا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں اس کی سفارش کروں گا اور کوشش کروں گا کہ اس کو کانگریس سے حاصل کر سکوں۔

اگر ہم یہ سب چیزیں کر سکیں تو یہ اقدامات آپ کو اپنے لوگوں کی فوری ضروریات کو حل کرنے میں مددگار ہوگا۔ یہ پاکستان میں پرائیویٹ سرمایہ کاری کرنے والوں کی دلچسپی میں قابل قدر اضافہ کرے گا۔

پانچویں چیز جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ یہ خطے اور باقی دنیا کے لئے ایک سخت پیغام ہوگا مگر اس سے آپ کو اپنے ملک میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی اگر میں آپ کو آئندہ گرمیوں میں واشنگٹن آنے کی باضابطہ دعوت دوں۔ اس سے ہمیں ایک موقع ملے گا کہ وہ تمام پیکج جس پر پہلے کام ہو چکا ہے، اس کا باضابطہ اعلان کیا جائے، یہ ہمیں اس صورتحال پر تبادلہ خیال کا بھی موقع دے گا۔

اب اگر آپ کیلئے یہ ممکن ہو کہ ایٹمی تجربے سے گریز کیا جائے تو میں یہ تمام اوپر کے بیان کردہ اقدامات اپنی بہترین صلاحیت کے مطابق کرنے کو تیار ہوں گا جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اور بے شک میں آپ کو بھی کہوں گا کہ آپ بھی اپنی دوسروں ملکوں کو ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل نہ کرنے کی پالیسی کو جاری رکھیں۔ اس طرح ہمیں ہندوستان پر اپنا دباؤ رکھنے کا موقع ملے گا کہ وہ ایک ذمہ دار ملک کی طرح عمل کرے اور ساتھ ہی پاکستان کا بھی وقار بلند ہوگا اور ہم عالمی برادری سے پاکستان کی امداد کی تائید کریں گے۔

میں یہ بھی کہوں گا کہ یہ ہندوستان کے لوگوں کے بہترین مفاد میں بھی ہے۔ حکمران بی جے پی (BJP) سیاسی پارٹی میں وزیراعظم کے مقابلے میں ان لوگوں کی اکثریت ہے جو کہ ان سے زیادہ بنیاد پرست (قدامت پسند) ہیں ان لوگوں سے مسلمانوں، سکھوں اور دوسری اقلیتوں کو خطرہ ہوگا۔ اگر ہندوستان موجودہ روش پر چلتا رہا میرے خیال میں ان کا ایٹمی صلاحیت کی ترقی یا کشمیر کے سوال پر پاکستان سے جنگ ہی مسائل نہیں ہیں

بلکہ ان کو ملک میں دوسرے حقیقی مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑے گا میں سمجھتا ہوں کہ میرے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ان سے مذاکرات کے دروازے کھلے رکھے جائیں اور انہیں یہ صاف پیغام پہنچنا چاہیے کہ ان کی اس پالیسی کی تائید نہیں کرتے (یعنی جو انہوں نے ایٹمی دھماکے کیے ہیں)

یہ ایک بڑا واضح اشارہ ہوگا اگر پاکستان ان کے مقابلے میں تحمل اور بردباری سے کام لے (یعنی دھماکے نہ کرے)

جناب وزیر اعظم صاحب یہی سب کچھ ہے جو کہ میں پچھلے 72 گھنٹوں میں کر سکا ہوں، میرے خیال میں ان نکات پر حقیقی پیش رفت کر سکتے ہیں میں ہندوستان والوں کو محتاط رویہ اختیار کرنے کی کوشش جاری رکھوں گا اور F-16 طیاروں کی فراہمی اور IMET کے معاملات کو آگے بڑھاؤں گا۔

میں پریسلر ترمیم کی منسوخی اور سمینگٹن ترمیم کی پابندیاں ہٹانے کی بھی پوری کوشش کروں گا اور میرا خیال ہے کہ مجھے اس میں ضرور کامیابی ہوگی۔ ماسوائے اس کے کہ سینٹ میں کوئی پارلیمانی داؤ نہ چل جائے۔ میں اس کی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ بل پاس نہیں ہو جاتا ہم اقتصادی امداد کے پیکج کو آگے لے جا سکتے ہیں۔ ہم نے پہلے ہی ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف سے بات کر لی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اپنی حکومت کے اندر رہتے ہوئے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہم ملک کا دورہ بھی کر سکتے ہیں۔ میں یہ سب آپ کو اس لئے بتانا چاہتا تھا کیونکہ میں نے آپ کو بتانے کا وعدہ کیا تھا، ہوسکتا ہے کہ آپ اس وقت ان میں سے کسی چیز پر اظہار کرنے کے قابل نہ ہوں۔ لیکن اگر اس پر آپ غور کرنے کے لئے ایک دو دن اور لے لیں تو بھی ٹھیک ہے۔ آپ اسے اپنے مشیروں سے بھی ڈسکس کر سکتے ہیں اور پھر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

پرائم منسٹر: جناب صدر آپ کا بہت بہت شکریہ آپ کے اس تعاون کے اظہار کا میں نہایت شکر گزار ہوں اور میرا خیال ہے، جناب صدر کہ اپنی وسیع النظری کی وجہ سے آپ نہایت اچھے انسان ہیں۔ ہم واقعی آپ کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے آپ کے تعلق اور فکر کی بھی تعریف کرنی چاہیے جس کا اظہار آپ نے پچھلے دس دنوں میں مجھے دو بار فون کر کے کیا۔ میں نے اس کے متعلق اپنے حکومتی ساتھیوں کو بھی بتایا ہے کہ آپ وہ واحد شخص ہے جنہوں نے اس مسئلے پر حقیقی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ دو مرتبہ آپ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے دوران آپ کے خیالات جان کر میں بڑا متاثر ہوا ہوں۔

میں یقیناً اس پر غور (Exanine) کروں گا اور اس موضوع پر اپنے ساتھیوں سے بھی مشورہ کروں گا۔

جیسا کہ میں نے اپنے کل کے خط میں ذکر کیا تھا کہ ہمارے اس حوالے سے خطرات بہت زیادہ ہیں ان خطرات کا تعلق پاکستان کی بقاء سے ہے۔ اور ہمیں یہ خبریں ملی ہیں کہ ہماری تنصیبات کے خلاف انڈیا کی طرف سے پیشگی حملے کا خطرہ ہے مجھے امید ہے آپ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ اس طرح کے ایکشن کا کیا مطلب ہو

سکتا ہے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ آج پاکستان کو جس بحران کا سامنا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ بھی آپ کو ہوگا۔
پانچ ایٹمی تجربے کرنے کے بعد انڈیا سب سے بڑی ایٹمی طاقت بن جانے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مزید براں، ہندوستانی وزیراعظم نے خود یہ بیان دیا ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو ہندوستان اپنے ایٹمی ہتھیاروں کو اپنے کسی بھی ہمسائے کے ساتھ جنگ کی ضرورت میں استعمال کرے گا۔ پوری روئے زمین پر کسی بھی وزیراعظم نے آج تک اس طرح کا بیان نہیں دیا ہے۔ بلکہ بھارتی اس حد تک آگے گئے ہیں کہ انہوں نے آزاد کشمیر میں مہم جوئی کی دھمکی بھی دی ہے۔
اپنی نیوکلیئر صلاحیت کے بل بوتے پر ہندوستان یہ سمجھتا ہے کہ اب وہ ہمارے ساتھ مزید من چاہا سلوک کرنے کی حالت میں ہے اور اس نے اب طاقت کے بل بوتے پر پاکستان کو دھمکی دی ہے خاص طور پر کشمیر کے سلسلے میں جس کا میں نے ذکر کیا۔
اسی لئے ہمیں انڈیا کی طرف سے ایٹمی بلیک میلنگ اور کھلی جارحیت کے خطرہ کا سامنا ہے۔ جناب صدر! ہمیں اس خوفناک منظرنامے کے لئے تیار ہونا ہے۔
میں بہت مشکور ہوں گا اگر ایک واضح، پختہ اور غیر مبہم پیغام انڈیا کو بھیج دیا جائے کہ وہ کشمیر میں خاص طور پر کسی بھی قسم کی مزید کشیدگی پیدا کرنے والی کارروائی سے باز رہے۔
مسٹر ٹیلسن اور دوسرے لیڈروں سے بات کرنے کا آپ کا شکریہ، مجھے امید ہے کہ اس کا کچھ نہ کچھ اثر انڈیا پر پڑے گا۔
صدر کلنٹن: آپ یقین رکھیں، میں اس پر کام کرتا رہوں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ انڈیا کی حکومت کے اندر موجود صاحب اقتدار حکام میں کچھ نمایاں اختلافات پائے جاتے ہیں کہ آگے کیا کرنا ہے۔ اگر ان کا رویہ ناپسندیدہ ہوا تو انہیں ہم نے ایک غیر یقینی صورتحال میں رکھنا ہے تاکہ وہ اسی مخمصہ میں رہیں کہ آگے کیا ہونے والا ہے یہ سب کچھ ہے جس کی میں کوشش کر رہا ہوں۔ میں آپ کا پیغام صاف اور واضح سن رہا ہوں۔ میں چاہوں گا کہ آپ صورتحال کا جائزہ لیں۔
اگر آپ کے ذہن میں کوئی سوالات ہوں تو آپ مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں یا آپ کے لوگ میرے نیشنل سکیورٹی کونسل کے چیف سینڈی برجر سے بات کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے اس معاملے پر میرے ساتھ معاونت کی ہے۔ اور پھر آپ نے مجھے یہ بتانا ہے کہ آپ کب کیا چاہتے ہیں۔
F-16 طیاروں کے سلسلے میں ایک مزید نقطہ یہ ہے کہ اگر آپ کا فیصلہ یہ ہے کہ آپ طیارے نہیں چاہتے بلکہ ان کی ادا کی ہوئی قیمت چاہتے ہیں تو شاید میں یہ بھی کر سکوں۔ مگر میرے خیال میں طیاروں کی فراہمی ہی اس مقصد کے لئے جس کو ہم حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ایک نمایاں عنصر ہوگی، اس

سے ایٹمی دھماکے کیے بغیر بھی آپ کی طاقت کا اظہار ہوگا۔ مگر فیصلے کا حق آپ کا ہے۔ اگر میں نے یہ محسوس کیا کہ میں کچھ فراہم نہیں کرسکتا تو میں آپ کو اطلاع کردوں گا۔

پرائم منسٹر: شکریہ، جناب صدر، کیا میں آپ کا ذاتی فیکس نمبر لے سکتا ہوں تاکہ ضرورت پڑنے پر آپ سے براہ راست رابطہ کرسکوں۔

یو ایس سٹاف آفیسر: جناب وزیر اعظم، یہ وائٹ ہاؤس میں سچوئشن روم ہے، آپ ہم سے 202-757-1330 پر رابطہ کر سکتے ہیں، یہ فیکس نمبر ہے۔

صدر کلنٹن: ان چیزوں کو جاننے کے بعد آپ کے مزید سوالات ہوسکتے ہیں۔ اگر آپ اپنے ویک اینڈ سے اس پر کام شروع کردیں اور اگر آپ مجھ سے کسی بھی وقت اس موجودہ بحران کے دوران بات کرنا چاہتے ہیں، تو بس مجھے کال کردیجئے گا اب میرے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی اہم کام نہیں کہ میں ایٹمی دوڑ کے پھیلاؤ کو روکنے کی کوشش کروں، آپ کو تحفظ دوں اور کوئی بڑے متصادم وقوع پذیر ہونے سے بچاؤں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے لئے یہ کہنا مشکل ہوگا کہ تمام دنیا کے سامنے ایک مثال قائم کی جائے اور ایک حقیقی سیاستدان ہونے کا ثبوت دیا جائے۔ آپ کے لئے میں آپ کے ملک کے اندر اس فیصلے کے نتائج کی قیمت کم سے کم کرنا چاہتا ہوں اور آپ کی سیکورٹی کو بڑھانا چاہتا ہوں اپنی قابلیت اور حیثیت کے مطابق میرے سے رابطہ کرنے کے بارے میں ہچکچایئے گا نہیں اگر آپ کو کسی بھی تکنیکی معاملے پر ضرورت پڑے، تو ہم آپ کو مدد فراہم کریں گے۔ آپ بس مجھے بتا دیجئے گا کہ ان پانچ چیزوں پر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں پھر ہم وہاں سے مزید آگے چلیں گے۔

وزیر اعظم: شکریہ جناب صدر آپ کی پیش کش کا جواب دینے کے لئے میرا وزیر اعظم کے طور پر رہنا ضروری ہے۔ یہاں پاکستان میں اپوزیشن لیڈر محترمہ بے نظیر بھٹو پہلے ہی میرے استعفیٰ کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ لیکن مجھے امید ہے کہ میں اس دباؤ کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتا ہوں۔ مجھے آپ سے یہ بھی کہنا ہے کہ آپ وہ واحد شخص ہیں، جناب صدر جو کہ پاکستان میں بہت پسند کیے جاتے ہیں، مہربانی سے ہیلری کو میرا سلام کہیے گا۔ دو سال پہلے ان کے پاکستان کے دورہ کی یادیں آج بھی تازہ ہیں۔

صدر کلنٹن: میں یہ کردوں گا اسے بڑی خوشی ہوگی کیونکہ وہ خود بھی آپ کے اعتدال کی بڑی تعریف کرتی ہے۔ کچھ چیزیں جن کے بارے میں ہم نے آج بات کی ہے، آپ کو اپوزیشن لیڈر کے ساتھ بات کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔

وزیر اعظم: شکریہ، جناب صدر، میں آپ سے پھر رابطہ کروں گا۔

ریکارڈ شدہ (طارق فاطمی) ایڈیشنل سیکرٹری (CIS & AE) مئی 23، 1998

مشترکہ ڈیکلریشن

نوابزادہ نصر اللہ خان مرحوم کے آخری دورہ لندن/ جدہ/ دوبئی کے دوران تیار کردہ مشترکہ ڈیکلریشن جو اے آر ڈی کے رہنماؤں نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کو آئندہ لائحہ عمل کے لئے دیا گیا۔

دیباچہ: 12 اکتوبر 1999ء کو ایک منتخب شدہ حکومت کا خاتمہ کر کے جنرل مشرف اور ان کے ساتھی جرنیلوں نے اقتدار پر قبضہ کر لیا ہے۔ پاکستان کی سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں جنرل مشرف کو تین سال کے اندر الیکشن کروانے کا حکم دیا۔ سپریم کورٹ آف پاکستان نے اسی فیصلے میں حکومت پاکستان کو آئین کے بنیادی ڈھانچہ کو تبدیل کرنے سے منع کیا۔

عام انتخابات 10 اکتوبر 2002ء کو کرائے گئے لیکن انتخاب سے بہت پہلے ہی فوجی حکومت کی زیر نگرانی کنگز پارٹی بنائی گئی۔ گورنروں، چیف سیکرٹریوں، ایجنسیوں اور تمام انتظامیہ مشترکہ حکمت عملی کے تحت حکومتی نمائندوں کی کامیابی کے لئے تمام قسم کے منفی ہتھکنڈے بشمول انتخابی قوانین میں تبدیلی ووٹرز لسٹ میں تبدیلی، حلقوں کی نئی حد بندی استعمال کیے۔ دو عوامی طور پر مقبول سابقہ وزرائے اعظم کو الیکشن میں حصہ لینے سے روکنے کے لئے اسپیشل الیکشن قوانین لاگو کیے گئے۔

الیکشن کے عمل کے دوران تمام منفی ہتھکنڈوں کے باوجود جمہوری طاقتوں کے نمائندے ووٹوں کی گنتی میں جیت گئے۔ پھر الیکشن کی رات کی تاریکی میں نتائج کو تبدیل کر دیا گیا اور جن امیدواروں کو شکست ہوئی تھی ان کو راتوں رات فاتح قرار دیا گیا۔ حتیٰ کہ الیکشن کے بعد بھی اس دھوکہ دہی کا عمل جاری رہا۔ ایم این اے اور ایم پی اے کی وفاداریوں کو کھلے عام تبدیل کیا گیا۔ اور آئین کی ڈیفیکشن (Defection) کلاز کو معطل کر دیا گیا اور ضمیر کے نام پر وفاداریوں کو بدلا جاتا رہا پھر LFO کو آئین میں شامل کیا گیا جس سے آئین کا ڈھانچہ مکمل طور پر تبدیل ہو گیا۔ ججوں کی ریٹائرمنٹ کی عمر کو قلم کے ایک سادہ سٹروک سے پارلیمنٹ کے مشورہ کے بغیر بڑھا دیا گیا جب اس کے باوجود معمولی اکثریت سے حکومت نہ بن سکتی تو کنگز پارٹی کو اکثریت دلانے کے لئے قومی اسمبلی کا پہلا سیشن ملتوی کر دیا گیا۔ ان تمام منفی اور غیر قانونی ہتھکنڈوں کے باوجود کنگز پارٹی کے وزیر اعظم کے لئے امیدوار کو ایک ووٹ

کی اکثریت سے منتخب کیا گیا اس وقت گیارہ ماہ گزر چکے ہیں اور ابھی تک قومی اسمبلی ایک بھی قانون پاس کرنے کے قابل نہیں ہو سکی ہے۔ جنرل مشرف کی ضد، ہٹ دھرمی زیادہ سے زیادہ اقتدا حاصل کرنے کی لالچ کی وجہ سے مکمل ڈیڈلاک پیدا ہو گیا ہے اب صورتحال بڑی واضح ہے۔ ایک طرف جمہوری اداروں کی بحالی کا ایشو ہے تو دوسری طرف فوجی آمریت ہے جو کہ پارلیمنٹ کو کسی قسم کا اختیار نہیں دینا چاہتی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سارک کے تمام ممالک سوائے پاکستان کے بنگلہ دیش، نیپال، انڈیا اور سری لنکا میں جمہوری حکومتیں ہیں، صرف پاکستان ایسا ملک ہے جہاں فوجی ڈکٹیٹر بار بار آتے رہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا وقت ہے کہ پاکستان کے استحکام اور پائیداری کو برقرار رکھنے کے لئے ملٹری حکومت کو ہمیشہ کے لئے چلتا کیا جائے۔ چار مختلف اوقات میں ملک میں ہونے والی کل جماعتی کانفرنسوں نے ملٹری حکومت کے خاتمے، ایل ایف او کی نامنظوری اور 1973ء کے آئین کی بحالی کا مطالبہ کیا ہے۔ ARD، MMA، مذہبی جماعتوں کے نمائندوں، وکلاء کے منتخب کردہ نمائندوں، صحافی تنظیموں اور بنیادی حقوق کی تنظیموں نے ان کل جماعتی کانفرنسوں میں شرکت کی۔

بیرونی اور اندرونی سیاسی صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے ہم نے درج ذیل مشترکہ نکات طے کیے ہیں۔

چودہ نکات

1۔ 1973ء کا متفقہ آئین ایک مقدس دستاویز ہے جسے پاکستان کے عوام کی مکمل حمایت اور اعتماد حاصل ہے۔ 1981ء میں MRD، 1973 کے آئین کے بحالی کے لئے بنائی گئی اور 2001ء میں پھر ARD اسی مقصد کے لئے بنائی گئی اس لئے 1973ء کے آئین کی بحالی کے لئے ہمارے نقطہ نظر میں تسلسل رہا ہے، ایل ایف کو تسلیم کرنے کا مطلب 1973ء کے آئین کو مکمل طور پر سبوتاژ کرنا ہے۔ اگر ایل ایف او پارلیمنٹ کی دوتہائی اکثریت سے منظور بھی ہو جائے تو پاکستانی عوام کسی بھی صورت میں اس غیر آئینی قانون کو تسلیم نہیں کریں گے۔

2۔ 1973ء کا آئین وفاقی پارلیمانی نظام کی ضمانت دیتا ہے اور اسی سے پاکستان کے تمام صوبوں کو اکٹھے رہنے کی قوت فراہم ہوتی ہے۔ وفاقی پارلیمانی نظام میں بنیادی تبدیلی کرنے کی کسی بھی قسم کی کوشش فیڈریشن کو کمزور کر دے گی۔ 1960ء میں ایوب کے دور میں پاکستان کے عوام نے صدارتی نظام حکومت کو تبدیل کرنے کے لئے بہت کوشش کی تھیں۔ محترمہ فاطمہ جناح نے پارلیمانی نظام حکومت کے لئے کی جانے والی جمہوری کوششوں میں پاکستان عوام کی قیادت کی تھی ہم ایل ایف او کے روپ میں صدارتی نظام کو متعارف کروانے کی کسی بھی تازہ کوشش کو رد کرتے ہیں۔

3۔ ہم ایک باوردی شخص کو صدر ماننے کی کسی بھی تجویز کو مکمل طور پر رد کرتے ہیں، ایک باوردی صدر کو ایک لمحے کے لئے بھی ماننے کا مطلب پی سی او، ریفرنڈم اور دوسرنا جائز اور غیر قانونی آئینی اقدامات کو مقدس قرار دینا ہوگا ایسا کرنا پاکستان میں مستقل فوجی حکومت کو تسلیم کرنے کے برابر ہوگا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا خواب ایک جمہوری ملک کے طور پر دیکھا تھا اور اس کا قیام بھی 1946ء کے جمہوری انتخابات کے نتیجے میں آیا تھا ایک باوردی صدر کو تسلیم کرنے کا مطلب پاکستان کے عوام کی جمہوری خواہشوں اور امنگوں سے کھلم کھلا انکار ہوگا۔

4۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ حکومت کی خارجہ پالیسی مکمل طور پر ناکام ہے اور اسے عوام کا تعاون اور پشت پناہی حاصل نہیں ہے۔ فوجی حکومت کی پالیسیاں پاکستان کی مکمل تنہائی کا باعث بنی ہیں۔ ملک کی تاریخ میں پہلی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ پاکستان کے دونوں بارڈر غیر محفوظ ہو گئے ہیں۔

5۔ ہماری رائے ہے کہ کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل ہونا چاہیے۔ کشمیریوں کے جذبات اور خواہشات کو فوری طور پر پوری ہونا چاہیے۔ کشمیر کے مسئلہ کو ایک آمر کے اوہام کے تحت حل کرنے کی کوئی بھی کوشش ناقابل تسلیم ہوگی۔ ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ مستقبل میں جب جمہوری پارٹیاں اقتدار میں آئیں گے تو تمام بین الاقوامی معاہدے پارلیمنٹ میں پیش کر کے منظوری لی جائے گی۔

6۔ حکومت نے گورنمنٹ اور کارپوریشن کے سینکڑوں ملازمین کو ناجائز طور پر برطرف کر دیا ہے۔ ہم عوام کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ تمام ملازمین اپنی متعلقہ پوزیشنوں پر بحال کر دیئے جائیں گے۔

7۔ نیب سیاسی ظلم وجبر کا ایک آلہ بن چکا ہے۔ ہم نیب کو ختم کر دیں گے۔ پاکستان کی جمہوری طاقتیں عہد کرتی ہیں کہ وہ شفاف احتساب کا نظام قائم کریں گی جو کہ بالکل آزاد، اور غیر جانب دار ہوگا۔ احتساب کا عمل سب کے لئے ہوگا اور کوئی بھی ادارہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

8۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ ملک کی خراب معاشی حالت کی وجہ سے ہمیں ٹاپ ہیوی انتظامیہ کے نظام کے ختم کرنا ہوگا۔ مستقبل کی جمہوری حکومت کی خاص بات طرز حکومت میں سادگی ہوگی۔ قیمتوں میں غیر ضروری اضافے کو روکنے کے لئے موثر اقدامات کیے جائیں گے زرعی شعبے میں اجناس کی امدادی قیمت کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے گا۔

9۔ ہم تعلیم اور صحت کو اولیت دیں گے، پبلک ہیلتھ سکیموں پر خاص توجہ دی جائے گی۔ تعلیمی نظام میں دوہرا پن ختم کر دیا جائے گا۔

10۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ مستقبل میں کوئی بھی سیاسی جماعت یا لیڈر حکومت میں کسی بھی قسم کی تبدیلی

کے لئے جی ایچ کیو کی طرف نہیں دیکھے گا۔فوج کا کوئی سیاسی کردار نہیں ہوگا۔

11۔ہم اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ مستقبل میں صاف اور شفاف انتخاب کروانے کے لئے ایک آزاد اور خودمختار چیف الیکشن کمشنر کا پاکستان کی جمہوری طاقتوں کی رضامندی سے تقرر کیا جائے گا۔ ایک عبوری قومی حکومت کو تین ماہ کے لئے بھرپور اختیارات دیئے جائیں گے۔ یہ عبوری حکومت نہ تو کسی پارٹی کی حمایت کرے گی اور نہ ہی انتخابات کے دوران کسی پارٹی کی مخالفت کرے گی۔

12۔ہماری رائے ہے کہ اگلے انتخابات میں پاکستان کی جمہوری طاقتوں کا انتخابی اتحاد ہونا چاہیے۔

13۔ہم اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ ایک قومی حکومت جس میں تمام جمہوری طاقتوں کی نمائندگی ہو، کو پورے پانچ سال کے لئے پاکستان میں جمہوری اقدار کو مضبوط کرنے کے لئے چلانا چاہیے۔چاروں صوبوں میں بھی قومی حکومتیں قائم کی جائیں گی۔لیکن اگر کوئی صوبائی حکومت وفاقی حکومت کے خلاف ہوتی ہے تو اس کو برداشت کیا جائے گا اور وفاقی حکومت صوبائی حکومتوں کو کمزور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرے گی۔

14۔ہم اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ ایک ایٹمی ڈیٹرنٹ کی موجودگی میں ہمیں اپنا دفاعی بجٹ کم کرنے اور زیادہ سے زیادہ قومی وسائل کو عوامی خوشحالی سکیموں پر صرف کرنے کی ضرورت ہے مستقبل میں دفاعی بجٹ پارلیمنٹ میں پیش کیا جائے گا اور پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد ہی بجٹ پاس ہوسکے گا۔

PRIME MINISTER

12 October 1999

It has been decided to retire General Pervez Musharaf, Acting Chairman Joint Chiefs of Staff Committee and Chief of the Army Staff with immediate effect. Lt. Gen. Ziauddin has been appointed as the Chief of Army Staff with immediate effect and promoted to the rank of General.

Before orders to this effect are isued ,President may kindly see.

(Mohammad Nawaz Sharif)

<u>The President</u>

Seen

وزیراعظم کے اس حکم نامے کا عکس جس میں جنرل پرویز مشرف کو بطور چیف آف
آرمی سٹاف ریٹائر کرنے اور ان کی جگہ پر جنرل ضیاء الدین کو مقرر کرنے کا فیصلہ
کیا گیا اس حکم نامے پر صدر رفیق تارڑ کی مہر تصدیق بھی ثابت ہے۔

اشاریہ